دینِ تصوف

رشحاتِ قلم

علامہ عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ

علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ

علامہ مسعود الدین عثمانی رحمہ اللہ

پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمہ اللہ

علامہ غازی عزیر سلفی مبارکپوری حفظہ اللہ



جمع و تدوین

محمد فہد حارث

حارث پبلی کیشنز

دین تصوف

رشحاتِ قلم

- مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ
- علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ
- ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمہ اللہ
- پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمہ اللہ
- فضیلۃ الشیخ غازی عزیر مبارکپوری حفظہ اللہ

جمع وتدوین: محمد فہد حارث

پبلشر: حارث پبلی کیشنز

حارث پبلی کیشنز

دین تصوف

رشحاتِ قلم

• مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ ....

• علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ ....

• ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمہ اللہ ....

• پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمہ اللہ ....

• فضیلۃ الشیخ غازی عزیر مبارکپوری حفظہ اللہ ....

پروف ریڈنگ: .... حافظ محمد عمران

کمپوزنگ: .... مسز محمد عمران

جمع وتدوین: .... محمد فہد حارث

اشاعت اوّل: .... اکتوبر 2019ء

تعداد کتاب: 300

قیمت: 1400

پبلشر: حارث پبلی کیشنز

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

فہرستِ مضامین

مُقَدّمَۃ

اسلام کی متحرک فطرت کو جس نظریئے نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا وہ تصوف کا نظریۂ ''رہبانیت'' ہے۔تزکیہ واحسان کے نام پر تصوّف کو اسلام میں درآنے کا موقع مل گیا تاہم خیر القرون کے دور تک تزکیہ واحسان میں کسی قسم کے مبالغہ کو کبھی پسند نہیں کیا گیا۔خود نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ترکِ دنیا اور ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہنے سے سختی سے منع فرمایا اور اس سلسلے میں خود کو مثالاً پیش کیا۔اسی لئے خیر القرون کا دور ختم ہوتے ہی جیسے ہی تصوّف میں ترکِ دنیا کا جذبہ غالب ہونے لگا تو اس وقت کے علماء وائمہ اس کے سخت مخالف ہوئے یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل نے علی الاعلان حارث محاسبی کی کتابوں کو ضلالت و بدعت سے پُر قرار دے دیا۔مابعد کے ہر صوفی نے تصوف میں تزکیہ واحسان کے لئے ترکِ دنیا اور رہبانیت پر ہی زور دیا۔علی ہجویری صاحب لاہور آئے تو الگ خانقاہ بنا کر بیٹھ گئے اور عرصۂ دراز تک نکاح سے مجتنب رہے اور جب نکاح کیا بھی تو اس کو ہلاکت خیز قرار دیا۔نکاح کی بابت آپ لکھتے ہیں کہ

> ''جو مخلوق سے الگ تھلگ رہتا ہو اس کے لیے غیر شادی شدہ رہنا اچھا ہے تا کہ نکاح کی وجہ سے اللہ کی یکسوئی میں خلل نہ پڑ سکے''۔

اس لیے آپ نے شادی نہیں کی بلکہ تجرد کی زندگی گزار دی۔لیکن تجرد کے ہلاکت خیز خطرات کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ

> ''اللہ عزوجل نے گیارہ برس تزویج (نکاح) کی آفت سے بچایا۔لیکن تقدیر کا لکھا سامنے آیا اور میں بن دیکھے ایک پری صفت کا دل وجان سے گرویدہ ہو گیا۔اور ایک سال اس طرح اس میں مستغرق رہا کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ و برباد ہو جاتا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و مہربانی سے میرے دل پر عصمت و پاکیزگی کا فیضان فرمایا اور اپنی رحمت سے مجھے اس آفت سے نجات بخشی''۔

جبکہ قرآن نکاح اور بیویوں کے ساتھ تعلقات کو راحت وتسکین کا سامان قرار دیتا ہے①۔ جس کو ہمارے جیّد صوفی ہلاکت سے تعبیر کرتے ہیں۔

ابن خلدون اپنے مقدمۂ تاریخ کی فصل فی العمران البشری میں لکھتے ہیں کہ

''افرادِ انسانی کا مل جل کر اکھٹے رہنا ایک ناگزیر امر ہے''۔

اور یہ وہ حقیقت ہے جسے اہل علم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

''انسان پیدائشی طور پر مدنیت پسند واقع ہوا ہے''۔

صوفیت میں نکاح سے بے رغبتی عیسائی رہبانیت کے زیر اثر سخت مذموم و کریہہ چیز مانی جانے لگی، کئی صوفیوں نے شادیاں نہیں کیں تو کئی نے علی الاعلان اس کی برائی کو بیان کیا۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی ایک بھرپور شادی شدہ زندگی گزارنے کے بعد جب تصوّف کے سمندر میں غرق ہوئے تو اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر ایک ٹیلے پر جا بسے اور ہر رشتہ سے قطع تعلق کر لیا۔ جبکہ سورۃ الفرقان آیت ۵۴ میں اللہ نے اپنی بابت فرمایا کہ

''اللہ وہ ذات ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور اسے نسب اور سسرال والا بنایا''۔

اور پھر اس سلسلے میں مزید تاکید کرتے ہوئے سورۃ النساء آیت ۳۶ میں فرمایا کہ

''والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور پڑوسیوں کے ساتھ بھی جو دور بھی ہوں اور پاس بھی اور ان کے ساتھ بھی جن پر تم ملکیت رکھتے ہو''۔

اب خود دیکھ لیں کہ قرآن جن معاشرتی تعلقات کے ساتھ حسن سلوک کا درس دے رہا ہے، صوفیت کی راہبانہ تعلیمات ان تمام تعلقات کو سرے سے پسند ہی نہیں کرتیں۔ ان کے نزدیک ان تعلقات کا کم از کم رتبہ بھی کراہت کے درجہ میں ہے۔ صوفیت نے کبھی بھی سیاست یا ایوان واقتدار کی فضاؤں کو پسند نہیں کیا، اس نے ہمیشہ گوشہ نشینی اور خانقاہی میں ہی عافیت جانی جبکہ اسلام نے بحیثیت ایک تحریک کے ہمیشہ زمانے کی زمامِ کار ہاتھ میں لئے رکھنے کو ترجیح دی۔ نبی ﷺ کے دور سے لے کر

① سورۃ الروم آیت ۲۱۔

خلفائے اثناء عشریہ کے ادوار تک جن کو زبان رسالت مآب ﷺ نے اسلام کی ترقی اور محفوظ و مامون ہونے کا دور قرار دیا①، یہ مذہبی و روحانی تقسیم کہیں موجود نہ تھی۔ یہ تقسیم تو دور کی بات، اس وقت اس صوفیت و خانقاہیت کا کوئی وجود بھی نہ تھا۔ مابعد کے ادوار میں جب اسلامی حکمرانوں کی دینی و دنیوی حالت کسی حد تک مستحکم نہ رہی اور جہاد کی روح سرد پڑنے لگی تو پھر چند ناعاقبت اندیش لوگوں نے بجائے اس کے کہ روحِ جہادی کو پھر سے بیدار کرتے، خانقاہیت و گوشہ نشینی میں عافیت جانی اور جہادِ اسلامی کی روح کو بالکل ہی موت سے ہمکنار کر دیا۔

صوفیت نے انسانیت کی تعظیم کے نام پر وحدتِ ادیان جیسے فاسد و باطل نظریئے کو جِلا بخشی جہاں محبت ہی اصل ٹھہری، محب چاہے اللہ ہو یا بھگوان، ایشور ہو یا روح القدس و مسیح۔ اب جب اس طرح کے نظریات پنپائے گئے تو لامحالہ باطل مذاہب کے خلاف جہاد بھی کالعدم قرار دیا جانا چاہیے تھا۔ سو محبت کی تعلیمات کو عام کرنے کی آڑ میں جہاد کو صرف قتال بنا دیا گیا جہاں فی سبیل اللہ کا لاحقہ خاص کر گُم کر دیا گیا۔

المختصر صوفیت کا یہ راہبانہ نظریہ جس حد تک اسلام کی تعلیمات کو مسخ کر سکتا تھا اس نے کیا۔ تعلقاتِ زن و شو سے لے کر جہادِ اسلامی و اسلام کی حقانیت اور واحد فلاح والا دین ہونے تک ہر عقیدے ہر نظریئے پر اس کے ذریعے چوٹ کی گئی اور الا ماشاء اللہ یہ سب ہوتا رہا تزکیہ و احسان کے نام پر۔ گویا تزکیہ و احسان کی جو تعلیمات نبی ﷺ، اصحاب رسول ﷺ اور خیر القرون کے دور کے لوگ دے گئے، وہ کافی نہ تھیں اور حارث محاسبی، ابن عربی، شبلی، رومی، امام غزالی، علی ہجویری، شاہ ولی اللہ، مجدد الف ثانی وغیرہم کو اس میں اضافہ کر کے اس کی تکمیل کرنی پڑی جو آج تک مکمل نہ ہو سکی اور ابھی بھی اصحابِ طریقت کے ہاتھوں روز افزوں ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تصوف اگر احسان و تزکیہ کے سنن طریقوں تک محدود و محصور رہے تو ہمیں کوئی تعارض نہیں لیکن جہاں وہ آگے بڑھ کر شریعت کو لگام میں ڈالنے کی کوشش کرے گا، ہم اسے رد کریں گے۔ ولی و بزرگ صرف وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو اور اس کی خشیت اور اتباع کے تحت جنت کے حصول کی کوشش میں نیک اعمال سرانجام دے۔ جو بزرگ اللہ کو نخرے دکھا کر اپنے مریدوں کو زبردستی

---

① صحیح بخاری و مسلم

جنت میں لے جانے کا دعویدار ہو وہ ولی اللہ نہیں ولی الشیطان ہے۔ اللہ کے آگے تو کسی مقرب فرشتے وبرگزیدہ نبی کی مجال نہیں کہ اس کے اذن کے بغیر اس کی جناب میں کسی کی سفارش کر سکے۔ چہ جائیکہ یہ خودساختہ بزرگ جو اللہ کو لاڈ دکھا دکھا کر اپنے گنہگار مریدوں کو جہنم سے نجات کا پروانہ دیتے پھرتے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی ﷺ اور چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے چند قدم کے فاصلے پر کعبہ چل کر نہ جاسکا تو کسی ولیہ کی اوقات وحیثیت ہی کیا کہ اس کے دیدار کے لئے کعبہ سینکڑوں میل دور جنگلوں میں گشت لگاتا پھرے۔

تزکیہ واحسان کے حصول کے لئے علی ہجویری کی **کشف المحجوب** سے لے کر شاہ ولی اللہ کی **انفاس العارفین** تک ساری کتابیں اس لائق ہیں کہ دریا برد کردی جائیں۔ احسان وتزکیہ کی تعلیمات کے لئے قرآن کریم وحدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ ہی کافی ہے، اس کے بعد بھی کسی کو زہد کی مزید منازل طے کرنے کی حاجت ہو تو اس کے لئے محدثین کی مدون کردہ **کتاب الزھد** کافی ہیں۔ تصوف اگر دور صحابہ ﷺ کے احسان وزہد کا نام ہے تو اس کی جگہ ہمارے سرآنکھوں پر ہے لیکن اگر یہ متاخرین کی خلافِ شریعت بدعی وراہبانہ تعلیمات کا سرچشمہ ہے تو ہم اسے ٹھوکروں پر رکھتے ہیں۔

تصوف اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ وابن قیم رحمہما اللہ

جب بھی اس بات کو پیش کیا جاتا ہے کہ تصوف کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور یہ اسلام کی سرزمین میں اجنبی پودا ہے تو بہت سے احباب جن کا تعلق مسلکِ احناف سے ہوتا ہے، وہ اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہ وابن قیم کی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ خود تمہارے ائمہ بھی تو تصوف سے وابستہ رہ چکے ہیں۔ پھر تم کیونکر اس کی نفی کرتے ہو۔ یہی نہیں بلکہ بعض وہ ڈھیلے ڈھالے اہلحدیث حضرات جو دوسرے مسالک کے مبتدع نظریات کو علماء کا تسامح قرار دینے کے بجائے، ان کے مرجوح اقوال کے زیرِ اثر اِن مبتدع نظریات کو مسلک اہلحدیث اور منہج محدثین میں گھسیٹر لانے کی کوشش کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

تصوف کے رد میں متاخرین اہلحدیث علماء جیسے علامہ عبدالرحمٰن کیلانی، علامہ عبدالسلام مبارکپوری، علامہ احسان الٰہی ظہیر، حکیم فیض عالم صدیقی، علامہ محمد گوندلوی، فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف، سلفی علماء علامہ ابن باز، شیخ صالح المنجد، شیخ صالح بن فوزان وغیرہم درست موقف پر نہیں''۔

ان سب کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ منہج محدثین سے وابستہ ہونے کا مطلب ہی یہی ہے کہ علماء کی اندھی پیروی سے اجتناب کیا جائے اور ہر بات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں قبول کیا جائے۔ علماء کے مرجوح مواقف کو ان کے تسامح مان کر رد کر دیا جائے اور ان کے مقبول نظریات کی تائید و تبلیغ کی جائے۔ کیا امام ابن تیمیہ اور ابن قیم سے تسامح کا صدور ممکن نہیں؟ کیا ان کی پیش کردہ ہر تعلیم ونظریہ لازمی قابل قبول ہے؟ ان دونوں صاحبانِ علم سے بھی تسامح ہوئے ہیں سو تصوف کی حمایت بھی اسی سلسلے کی کڑی قرار دی جانی چاہیے۔ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی نے جب علامہ ابن حزم اندلسی کی پیروی میں عدم سماع موتیٰ کا نظریہ پیش کیا تو ضمناً امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیم جنہوں نے اپنی تصنیف ''کتاب الروح'' میں علامہ ابن حزم کا رد کرنے کی کوشش کی ہے، کا نظریہ سماع موتیٰ بھی زیر بحث آیا، جس پر کلام کرتے ہوئے مشہور اہلحدیث عالم خواجہ محمد قاسم مرحوم فرماتے ہیں:

> ''یہ استاد و شاگرد (یعنی ابن تیمیہ و ابن قیم) ایک حد تک سماع موتیٰ کے قائل تھے مگر جس طرح وہ علم کے پہاڑ تھے، دلائل کی رو سے ان کی یہ بات اتنی وزنی اور مضبوط نہیں۔ یہ ان کی اجتہادی خطا ہے۔ گو ان کا عقیدہ تھا کہ میت سلام اور تلاوت سن لیتی ہے، مگر وہ ان سے کسی قسم کے استمداد کو جائز نہیں رکھتے تھے۔''①

اسی پس منظر میں مشہور اہلحدیث عالم و مفکر علامہ عبدالرحمٰن کیلانی اپنے مضمون ''روح، عذاب قبر اور سماع موتیٰ'' جو کہ مجلہ محدث میں شائع ہوتا رہا اور بعد میں کتابی صورت میں بھی طبع ہوا، میں ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی سے اس بابت مذاکرہ کے دوران خواجہ محمد قاسم سے زیادہ سختی وحق گوئی سے نہ صرف ابن تیمیہ و ابن قیم بلکہ شاہ ولی اللہ سے متعلق کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''امام ابن قیم اور ان کے استاد امام ابن تیمیہ دونوں بزرگ نہ صرف یہ کہ سماع موتیٰ کے قائل تھے بلکہ اس طبقہ صوفیاء سے تعلق رکھتے تھے، جنہوں نے اس مسئلہ کو اچھالا اور ضعیف و موضوع احادیث کا سہارا لے کر اس مسئلہ کو علی الاطلاق ثابت کرنا چاہا ہے۔ امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم دونوں صاحب کشف و کرامات بھی تھے اور دونوں بزرگوں نے تصوف و سلوک پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں اور یہ تو آپ

---

① کراچی کا عثمانی مذہب از خواجہ محمد قاسم، صفحہ ۵۲۔

جانتے ہی ہیں کہ اگر اس حلقہ کے پنجے سے قبر اور سماع موتی کے مسئلہ کو کھینچ لیا جائے تو ان کے پاس باقی کیا رہ جاتا ہے۔ اسی طرح ایک تیسرے بزرگ شاہ ولی اللہ صاحب ہیں۔ یہ تینوں بزرگ جب شرک و بدعات کی تردید پر قلم اٹھاتے ہیں تو جی عش عش کر اٹھتا ہے اور ہم دل وجان سے ان کی دینی خدمات کے معترف ہوجاتے ہیں، لیکن جب یہ زیارت قبور کے آداب اور کشف کے طریق بتلاتے ہیں تو نہیں سوچتے کہ آیا قبروں اور مزارات کے وجود کا بھی کوئی جواز ہے یا نہیں یا قبروں پر اس غرض سے بیٹھنا جائز ہے یا نہیں۔ مردوں کو سنانا اور ان سے سننا تو دور کی باتیں ہیں۔ ان سب باتوں کی کتاب وسنت نے پرزور تردید کی ہے۔''①

سو ایسے تمام لوگوں سے گزارش ہے کہ تصوف سے متعلق علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم کے نظریات کی دہائی دینا چھوڑ دیں۔ علماء کا احترام ہم پر واجب ہے۔ تاہم ہم اکابر پرستی اور اکابر کے احترام میں فرق کرتے ہیں۔ اکابر کی عزت و احترام کرنا الگ بات ہے اور اکابر پرستی الگ بات ہے۔ مقدم الذکر مسئلہ میں اکابر کا پورا احترام کرتے ہوئے ان سے اختلاف رکھا جاسکتا ہے جبکہ موخر الذکر مسئلہ میں اکابر کی ہر صحیح بات کا دفاع کیا جاتا ہے یا پھر اس کی تاویل کر کے اس غلط بات کو غلط رہنے ہی نہیں دیا جاتا۔

اس طرز عمل سے دو طرح کی نفسیات جنم لیتی ہے۔ پہلے طرز عمل کے حامل افراد کی نفسیات میں مسلک کے اختلاف کے باوجود ہر مسلک کا عالم یکساں قابل احترام ہوتا ہے اور اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے کی عادت بنتی ہے اور شخصیت سے منافقت کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرز عمل کے حامل افراد کی نفسیات اپنے علاوہ ہر مسلک کے عالم کو اندر سے غلط جانتی ہے، اسکے بارے میں سوئے ظن کا شکار کرتی ہے، اور اپنے مسلک کے عالم کی اندھی تقلید اور ان کے غلط کو صحیح کہنے کا رجحان پیدا کرتی ہے۔ یہ طرز عمل تحقیق کے دروازے کو بند کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے اور اپنے مسلک کے اکابر کے علاوہ کسی اور کے مسلک کے کسی عالم کی کسی صحیح بات کو بھی تعصب کے تحت رد کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

یہ دورخی پالیسی یہاں تک پہنچتی ہے کہ اکابر پرستی کے تحت اگر کوئی غلطی اپنے مسلک کا عالم کر گزرتا ہے تو یا تو اس کو غلطی مانا ہی نہیں جاتا بلکہ اسکا بھرپور دفاع کیا جاتا ہے اور اگر کوئی اس کو غلطی مان

جلد ۱۴، دسمبر ۸۳

بھی لے تو اس کو زیادہ سے زیادہ سہو کا نام دیدیا جاتا ہے۔لیکن اگر اس سے سو گنا ہلکی غلطی دوسرے مسلک کے عالم سے ہو جائے تو سہو تو دور کی بات، اس کے طرزِ عمل پر برملا اس پر فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے اور اسکو ہر طرح کے حسن ظن سے ماوراء تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

اب یہ آپ احباب پر منحصر ہے کہ آپ کس طرزِ عمل کو اختیار کرتے ہیں اور کس کو درست جانتے ہیں۔اس بابت فیصلہ کرنے سے پہلے امام مالک کا وہ قول ضرور یاد رکھئے گا جو کہ انہوں نے قبرِ نبوی ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

''اس صاحبِ قبر ﷺ کے علاوہ ہر ایک سے اختلاف رکھا جا سکتا ہے''

کتابِ ہذا سے متعلق کچھ گزارشات

تصوف پر نقد کے ضمن میں ہر دور میں علمائے حق کے قلم سے تحریرات آتی رہی ہیں جس میں انہوں نے اس باطل مذہب کی تار بود اکھیڑ کر رکھ دی ہے۔ ان علمائے حق میں سے پانچ علماء کی تحاریر کو ہم نے اپنی اس کتاب کے لئے منتخب کیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اول جس کتاب کا انتخاب کیا گیا ہے وہ وہ سید مودودی کے رفیق خاص اور جماعت اسلامی کے سابق سینیئر رکن ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمہ اللہ کی کتاب ایمان خالص قسط اول۔ گھر کے چراغ ہے۔ اس کتاب کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ مصنف نے کتاب میں صوفیاء کے اقوال اور تعلیمات نقل کرنے کے بعد تبصرہ کرنے میں حد درجہ اعتدال اور احتیاط کا پہلو اختیار کیا ہے اور کسی بھی طرح کا نتیجہ اخذ کرنے کے بجائے فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا ہے۔ تمام کے تمام اقتباسات مکمل سیاق و سباق اور حوالہ جات کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔ کتاب شروع سے لے کر آخر تک از حد دلچسپ ہے کہ پڑھنے والا ایک دفعہ شروع کرے تو ختم کئے بغیر نہ رہ سکے۔

الغرض صوفیت کی تاریخ سے متعلق اگر کسی کو جامع لیکن مختصر تبصرہ درکار ہو تو مذکورہ کتاب کی طرف مراجعت کرے۔ تصوف کے موضوع پر اس سے معتدل اور جامع و مختصر کتاب اس احقر کی نظر میں کوئی نہیں۔ گرچہ تصوف پر علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ کی تصوف۔ تاریخ وحقائق اور علامہ عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ کی شریعت وطریقت بھی قابل ذکر کتب ہیں۔ لیکن یہ کتابیں اپنے دقیق اور طویل مباحث کی وجہ سے ایک عامی کے لئے شائد عدم دلچسپی کا باعث ہوں۔ جہاں تک ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمہ اللہ کی کتاب کی بات ہے تو اس کتاب کی علمی وثاقت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ ڈاکٹر غازی عزیر سلفی حفظہ اللہ اور علامہ عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ جیسے جید اہلحدیث علماء اپنی کتب میں اس کتاب کے حوالہ جات واقتباسات نقل کرتے آئے ہیں۔ جبکہ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے اس کتاب کی اشاعت پر ہفت روزہ الاعتصام جلد ۲۸، ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۶ کو تائیدی تبصرے کے ضمن میں کتاب کو مدلل اور انتہائی دلچسپ قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر عثمانی رحمہ اللہ کو مبارکباد پیش کی تھی۔

ذیل میں قارئین کے استفادے کے لئے ہم حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کا وہ تبصرہ نقل

کر رہے ہیں:

یہ کتاب ہمارے فاضل بزرگ جناب ڈاکٹر مسعود الدین صاحب عثمانی (کراچی) کی وہ معرکۃ الآراء کتاب ہے جو تصوف کے خانقاہی سلسلوں کے لیے گرز البرز شکن کی حیثیت رکھتی ہے۔ شانِ تالیف اس کتاب کی یہ ہے کہ مشہور دیوبندی عالم مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے آج سے ایک سال قبل اپنے عالم فاضل والد مرحوم کی وفات پر ماہنامہ "بینات" کراچی میں (اگست ۱۹۷۵ء کے شمارے میں) ایسی ایسی باتیں لکھی ہیں کہ جن کو تسلیم کرنا بڑا مشکل ہے جن کا مفہوم یہ ہے کہ

ان کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ اور آنحضرت ﷺ سے تھا اور ہر معاملے میں انہیں ان ہر دو سے ہدایت و رہنمائی ملتی تھی، ان کے مشورے اور رہنمائی کے بغیر وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ اس سلسلے میں ایسے ایسے تعجب خیز اور محیر العقول واقعات لکھے ہیں کہ جو لبادۂ تصوف کے رہرؤوں کے لیے تو شاید انوکھے نہ ہوں تاہم قرآن وحدیث سے لگاؤ رکھنے والوں کے لیے ضرور انہونے سے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب میں صوفیانہ کتابوں کے حوالوں سے ایک آئینہ دکھلایا گیا ہے جن کو اگر باور کر لیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے بلند بانگ دعووں کے اظہار واشتہار اور خدائی صفات واختیارات سے اتصاف خانقاہی تصوف کا ہی سب کیا دھرا ہے۔ اور تعجب ہے کہ ان میں ایسے بزرگوں کے بھی نام آتے ہیں جو سلسلۂ تصوف کے سلاطین سمجھے جاتے ہیں۔ پھر ان دعووں کے پس منظر پر روشنی ڈالی ہے اور بتلایا ہے کہ ان کے افکار ونظریات اس اسلام سے قطعی مختلف ہیں جو اسلام قرآن وحدیث میں ملتا ہے۔

کتاب اپنے انداز کی منفرد و مدلل اور اہل دین واصحاب تحقیق کے لیے لمحہ فکریہ ہے اور اس کے ساتھ دلچسپ اتنی کہ شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ ہم اس فاضلانہ تالیف پر محترم ڈاکٹر عثمانی صاحب کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس سے غور و فکر کی راہیں کھلتی ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ اس کا دوسرا حصہ بھی جلد از

جلد منظر عام پر لے آئیں گے جس کا وعدہ انہوں نے زیر تبصرہ کتاب میں کیا ہے۔

جزاہ اللہ احسن الجزاء۔ (حافظ صلاح الدین یوسف ﷾)

نوٹ:

''یہاں ہم اس بات کی بھی وضاحت کردیں کہ سردست ہمیں ڈاکٹر مسعود الدین عثمانیؒ کی دیگر تحقیقات سے کوئی بحث نہیں۔ اس کتاب میں ان کی صرف اس تحریر کی طرف رہنمائی کی گئی ہے جو اس احقر کے نزدیک ایک بہترین اور علمی کاوش ہے۔ سو ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی ؒ سے متعلق جن حضرات کو جس طور کے تحفظات ہیں، کتاب کے مندرجات کا ان مباحث وتحفظات سے کوئی تعلق نہیں''۔

ساتھ ہی اس کتاب میں ہم نے علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید ؒ کی کتاب تصوف تاریخ وحقائق اور علامہ عبدالرحمٰن کیلانی ؒ کی کتاب شریعت وطریقت کے بھی چند منتخب اقتباسات مقالات کی صورت میں شامل کئے ہیں جن کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح صوفیت کے ذریعے برصغیر پاک وہند میں رفض کی ترویج واشاعت ہوئی اور اہل تشیع اور ان کے نظریات کو فروغ دینے میں تصوف نے کیا کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

اس کے علاوہ ہم نے غازی عزیر سلفی ﷾ کی کتاب ''کیا اقلیم ہند میں اشاعت اسلام صوفیاء کی مرہونِ منت ہے؟'' کو بھی اپنی اس کتاب میں شامل کردیا ہے۔ عزیر سلفی ﷾ کی یہ کتاب دراصل ان کا ایک مضمون ہے جو سب سے اول ہندوستان کے دو مجلّات سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی اور پندرہ روزہ صوت الحق میں سال ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا تھا اور پھر بعد میں سابق استاذ جامعہ سلفیہ بنارس ڈاکٹر محمد رضاء اللہ محمد ادریس صاحب کی خواہش پر چند اضافہ جات کے ساتھ کتابی شکل میں مقتدیٰ حسن محمد یاسین ازہری صاحب کی کوششوں سے ادارۃ البحوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ بنارس سے نومبر ۱۹۹۲ء میں شائع کیا گیا۔ ۱۹۹۲ء میں شائع شدہ اس ایڈیشن کے بعد ہمیں اس کتاب کے کسی ایڈیشن کی خبر نہ ہوئی۔ سو کتاب کی افادیت اور قیمتی مباحث کے پیشِ نظر ہم نے مناسب سمجھا کہ اس کتاب کو بھی جدید کتابت کے ساتھ ازسرِ نو کمپوز کروا کر اپنی اس کتاب کا حصہ بنالیا جائے۔

کتاب ہٰذا میں سب سے آخری مضمون پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کی کتاب تاریخ تصوف سے مستعار لیا گیا ہے۔ یہ مضمون اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش کے نام سے انجمن خدام القرآن لاہور نے اکتوبر ۱۹۷۶ء میں الگ سے کتابی شکل میں شائع کیا تھا۔ تاہم اس کے بعد اس کے کسی جدید ایڈیشن سے متعلق ہمیں کوئی معلومات نہ مل سکی۔ چونکہ یہ مضمون نہایت قیمتی مباحث اور حقائق پر مشتمل ہے جو کہ ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح برِصغیر پاک و ہند میں رائج تصوف میں چور دروازوں سے کئی فتنے داخل ہوئے ہیں اور کس طرح اسماعیلی داعیوں اور باطنیت کے علمبرداروں نے تصوف کے بھیس میں اپنی تعلیمات کو مشرف با اسلام کرنے کی کوشش کی ہے، سو اسی ضمن میں سوچا کہ پرانی طرز کی کتابت پر مشتمل اس مضمون کی بھی جدید کمپیوٹرائز کتابت کروا کر اس کو اپنی اس کتاب کا حصہ بنا لیا جائے۔

الغرض اصلاحِ عقائد اور علم کی بازیافتی کے ضمن میں پانچ جید علماء کی مدلل تحاریر پر مشتمل یہ کتاب بنام ''دین تصوّف'' اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ امید کرتے ہیں کہ قارئین ہماری اس کاوش کو پسند فرمائیں گے اور عنداللہ یہ کتاب ہماری مغفرت و نجات کا موجب بن سکے گی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس کام کو ہماری آخرت کے لئے زادِ راہ بنائے اور اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں شامل تمام لوگوں کو روزِ قیامت اپنے سائے تلے جمع کرے۔ آمین۔

اس کتاب کی طباعت کے سلسلے میں سب سے پہلے تو اس اللہ عزوجل کے حضور شکر گزار ہوں کہ اس مالک نے اس احقر کو اس قابل بنایا کہ وہ یہ کام کر سکے۔ اگر اس کی مدد شامل حال نہ ہو تو کوئی کام ممکن نہیں۔ اسی کے کرم سے یہ کام ہو سکا ہے اور اس کام کی ہر اچھائی صرف اسی ذاتِ باری تعالیٰ کے سبب سے ہے۔ اس مالک کُل کے شکریہ کے بعد اپنے عزیز دوست زاہد جمال صاحب کا شکریہ ادا کروں گا کہ ان کے تعاون کے بغیر یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچنا ناممکن تھا۔ ان کی ہمت اور ساتھ رہا کہ یہ کام ہو سکا۔ اللہ اس دوستی اور ساتھ کو ہمیشہ بنائے رکھے۔ اس کے علاوہ ہم اپنے نہایت فاضل، محترم اور علم دوست انسان جناب حافظ عمران حفظہ اللہ کے بھی نہایت شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اپنے مصروف اوقات میں سے اس کتاب کے لئے وقت نکالا اور نہایت دقّتِ نظری سے کتاب کی نہ صرف پروف ریڈنگ کی بلکہ پچھلی کتابت میں جو کمپوزنگ کی غلطیاں رہ گئی تھیں، ان کو بھی پوری جانفشانی کے ساتھ درست فرمایا۔ اللہ اس

تھکا دینے والے کام کے لئے ان کو جزائے خیر سے نوازے۔ یہ احقر ہمیشہ ان کا ممنون رہے گا کہ جب بھی اس کو اُن سے کسی طور کی مدد و تعاون درکار رہوا، حافظ عمران صاحب ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ موجود رہے۔ اللہ ان کو دین و دنیا میں بہتیرا ترقیاں نصیب کرے اور ان کے لئے دونوں جہانوں میں آرام وسکون کا بندوبست کرے۔ اسی طرح اس کتاب کی اشاعت میں اور بھی چند احباب کی خصوصی مدد شامل حال رہی لیکن کیا کروں ان کی درویشانہ صفت کا کہ انہوں نے اپنے ناموں کا تذکرہ کرنے سے سختی سے منع کررکھا ہے، اسی لئے ان کا نام لئے بغیر ہی ان کی جناب میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہوں۔

کسی بھی کام میں کمال صرف اس ذاتِ بے ہمتا کو ہی سزاوار ہے، مخلوق کا کام تو غلطیوں سے پُر ہوتا ہے۔ پھر بھی اپنے تئیں پوری کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں کوئی غلطی کوئی کمی نہ رہ جائے، تاہم اس کے باوجود اگر کوئی کمی یا غلطی رہ جائے تو قارئین سے التماس ہے کہ اس بابت مطلع فرمائیں، ان شاء اللہ ایجابی طریق سے آئی ہر تنقید کو سر آنکھوں پر رکھا جائے گا۔

محمد فہد حارث

حارث پبلی کیشنز

دبئی، متحدہ عرب امارات

۲۶ محرم ۱۴۴۱ ہجری بمطابق ۲۵ ستمبر ۲۰۱۹

انتساب

اپنے عزیز از جان دوست

راشد جمال کے نام

جن کے ذریعے دعوت توحید سے آشنا ہوسکا۔ اگر اللہ ان کو اس احقر کی زندگی میں نہ لاتا تو نجانے زندگی کے مزید کتنے ماہ وسال شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ضائع ہوجاتے۔

سچ تو یہ ہے کہ یہ اثیم زندگی بھر اِن کے احسانات سے سبکدوش نہ ہوسکے گا۔

ایمانِ خالص

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمہ اللہ

ایمان خالص

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

گذشتہ اٹھارہ سال سے تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ وہ دن بھی لے آئے جب دنیا والوں کے سامنے میں توحیدی اور اتحادی دین کا فرق واضح کر دوں۔

اس اکیلے مالک کی صد ہزار مہربانیاں کہ اس نے اس کا موقع عنایت فرمایا، اب ایسی زبان کہاں سے لاؤں جو شکر و سپاس کا حق ادا کرے؟

ایک خط اور اس کا جواب:

خط محترم عالم دین ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جناب عالی! کراچی میں مسلم قوم کی بڑی اکثریت حضرت یوسف بنوری صاحب کو ملک کے بڑے عالموں میں شمار کرتی ہے اور میرے علم کے لحاظ سے وہ آپ کے بھی استاد ہیں۔ اپنے ماہانہ رسالہ ''البینات'' ماہ اگست ۱۹۷۵ء کے شمارے میں انہوں نے اپنے والد کی وفات پر ''بصائر و عبر'' کے عنوان کے تحت ان کے کمالات کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ کمالات کچھ ایسے عجیب و غریب ہیں کہ میں سخت خلجان میں پڑ گیا ہوں اور حیرت پر حیرت کا عالم طاری ہے۔ آپ کی خدمت میں اس مضمون کی فوٹو کاپی بھیج رہا ہوں اور امیدوار ہوں کہ آپ اس سارے مضمون کے مندرجات کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں گے کہ یہ سب کچھ آخر کیا ہے؟ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ اس معاملہ میں حق کے علاوہ کچھ اور نہ لکھیے گا اور جواب دیتے وقت یاد رکھیے گا: ﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ﴾

والسلام

جواب:

مکرمی ومحترمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یاد فرمائی کا شکریہ۔ معذرت خواہ ہوں کہ آپ کے حسب ارشاد جلد جواب نہ دے سکا۔ آپ نے جو ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے اس کے بار کو شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔ مزید براں کہ آپ نے ازراہ عنایت مجھے اس بات سے بھی ہوشیار کر دیا کہ کسی قسم کی لچک یا مداہنت کا انجام اللہ کے یہاں کیا ہوسکتا ہے۔ اس یاددہانی کا بھی شکریہ۔

پہلے میں اس پورے مضمون کا فوٹو کاپی پیش کر رہا ہوں①۔ جو آپ نے مجھے بھیجا ہے اس کے بعد اپنی حد تک قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جائزہ لوں گا۔ اللہ سے میری دعا ہے کہ وہ مجھے صحیح راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

---

① نئی طباعت میں ہم نے جدید کتابت کے تحت فوٹو کاپی کے بجائے نئی کتابت کر کے مضمون نقل کر دیا ہے۔ کیونکہ پرانی کتابت پڑھنے میں دقیق تھی۔

بصائر و عبر

آہ میرے والد محترم! اناللہ وانا الیہ راجعون

رفتم واز رفتن من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ ۵ / جون ۱۹۷۵ء یوم الخمیس ماہ ادراک یوم الخمیس کی تاریخ میری زندگی کا دوسرا عظیم حادثہ ہے اس سترہ سالہ زندگی میں پہلا حادثہ کبریٰ امام العصر حضرت انور شاہ صاحب ۳ / صفر ۵۳ھ کا سانحۂ وفات تھا۔ یہ دوسرا حادثہ کبریٰ میرے والد حضرت مولانا سید محمد زکریا صاحب کا وصال ہے۔ یوں تو زندگی میں بے شمار حوادث اور حوصلہ شکن واقعات، صبر آزما سوانح پیش آئے لیکن یہ دو عظیم حادثے بلا شبہ ایسے پیش آئے کہ صبر وشکیبائی جواب دے چکی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ پہلا حادثہ اس وقت پیش آیا کہ عالم شباب تھا برداشت کی طاقت تھی لیکن حضرت والد کے وصال کا یہ دردناک سانحہ اس وقت پیش آیا کہ جوانی کی طاقتیں جواب دے چکی ہیں۔ ابھی تو سیدہ فاطمہ مرحومہ کی جدائی کے زخم مندمل نہ ہونے پائے تھے۔

نیز اس دو اڑھائی سال میں یکے بعد دیگرے مخلصین واحباب علماء وفضلاء کی رحلت، رفیقۂ حیات کی جدائی غرض مسلسل صدمات نے نڈھال کر دیا تھا۔ حقائق اور وجدانی کیفیات کے لیے الفاظ وتعبیرات کا دامن بہت تنگ ہوتا ہے۔ حقائق کی تعبیرات سے الفاظ ہمیشہ قاصر رہتے ہیں۔ اور پھر اس مبالغہ آمیز دنیا میں کسی حقیقت کی صحیح ترجمانی کا حق ادا ہونا بے حد مشکل ہے۔

یوم الخمیس ۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ دن کے پونے دس بجے چند روز کی شدید کرب وبے چینی کے بعد میرے والد محترم، میرے آقا، میرے آغا جی، میرے مربی، دنیا میں میرے ماویٰ، میرے ملجا، دنیائے اسلام کا متاع گرانمایہ، جہانِ علم وعمل کے جوہرِ آبدار، علمِ ایمان وعرفان کی عظیم ترین شخصیت، اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے جس کے لیے مہینوں سے بے تاب تھے اور آخر چشم زدن میں عالم غیب کی طرف روح لطیف نے پرواز کی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان کا وجود ہمارے لیے سایۂ رحمت الٰہی تھا وہ حق تعالیٰ کی ایک عظیم ترین نعمت تھی، دعوات نیم شبی اور نالہ ہائے سحری کا ایک سرچشمہ تھا جو خشک ہوگیا ہمارے سکون قلب کا ذریعہ تھا جس سے ہم محروم ہوگئے، والدمحترم کی وفات حسرت آیات صرف ایک والد کی مرثیہ خوانی نہیں بلکہ علم وعرفان کا مرثیہ ہے ایک صاحب کرامات وخوارق عارف باللہ کا ماتم ہے۔ ایک محقق روزگار کا نوحہ ہے ایک فیلسوف عصر کا غم ہے۔ ایک اولوالعزم وجود کی جدائی پر اظہار حزن ہے مجاہدات وریاضات میں مصروف رہنے والی عظیم شخصیت کا درد والم ہے ایک صاحب کمال معبر کا نوحہ ہے ایک باخدا صاحب مکارم اخلاق جود وسخاوت وشجاعت کا نالہ وشیون ہے ایک گوشہ نشین صوفی، صاحب صدق وصفا کی جدائی وفراق کا دردِ غم ہے، ایک عاشق رسول کا درد واضطراب ہے اسرار کائنات کے دروئے راز وزاری ہے، گریہ الوہیت کے اسرار واقف، حقائق ومعارف کے عالم کی مرثیہ خوانی ہے، شریعت اسلامیہ کے یگانۂ روزگار فاضل کے لیے نالہ وفریاد ہے طریقت وحقیقت کے واقف رموز کا حزن وغم ہے۔

والد ماجد کیا تھے ایک گمنام ہستی جس نے ایک عالم اپنے اندر سمیٹ رکھا تھا شفیق بلخیؒ، ابراہیمؒ ادھم، بایزیدؒ بسطامی، سریؒ سقطی معروفؒ کرخی، جنیدؒ بغدادی کے احوال ومواجید تو دنیا نے پڑھے ہیں لیکن اس فقیر بے نوا کی شاہانہ پرواز کی کس کو خبر؟ تقلیل کلام تقلیل منام تقلیل اختلاط مع الانام کے واقعات تو آپ سن چکے ہوں گے لیکن اس مجاہد زمانہ کے احوال حیرت افزا کی دنیا کو کیا خبر؟ عنفوان شباب ہی میں تقلیل خوراک جب ریاضت شروع کی تو روزانہ صرف ایک مثقال یعنی ۲/۱۔ ۳ ماشے غذا پر سالہا سال زندگی بسر کی۔ پندرہ دن میں بمشکل اجابت کی ضرورت پڑتی تھی رویائے صادقہ ومبشرات کا جب سلسلہ شروع ہوا تو سولہ سال کی عمر سے بیس سال کی عمر تک سو مرتبہ سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی زیارت بابرکت سے شرف یابی ہوئی۔ اور ہر دفعہ زیارت مبارکہ میں ارشادات وہدایات کی تلقین، اذکار ونصائح عالیہ سے سرفرازی ہوتی تھی۔ ''اویسی'' نسبت کے وہ کمالات نصیب ہوئے کہ عقل حیران ہے۔ رویائے صادقہ ومبشرات کا سلسلہ آخری عمر تک جاری رہا۔ اذکار واشغال ومجاہدات کا اتنا غلبہ ہوا کہ عہد کیا کہ تمام زندگی اپنے پروردگار کی عبادت ومناجات میں گزاروں گا۔

آپ کے والد محترم مرحوم سید میرؒ مزمل شاہ رحمہ اللہ کا تو وصال ہوگیا تھا والدہ مکرمہ حیات تھیں جن

کا اصرار تھا کہ ازدواجی زندگی اختیار کریں لیکن عزم عبادت وطاعت کے منافی سمجھ کر انکار کرتے رہے یہاں تک کہ ایک خواب میں یہ حقیقت واضح کردی گئی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ عرش پر فلاں بی بی سے فلاں خاندان میں عقد باندھ رہے ہیں اور رویائے صالحہ کے بعد انکار ختم ہوگیا اور ازدواجی زندگی میں قدم رکھ ہی لیا اور اس رویائے صادقہ کی تعبیر اس طرح صادق آگئی، مرشد کامل کی تلاش وجستجو کے لیے جب استخارہ کیا تو خواب دیکھا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں کہ اچھا تم ٹھہرو میں حق تعالیٰ شانہ سے پوچھ کر آتا ہوں۔ چنانچہ یہ ساری حقیقت کا معائنہ خواب میں ہورہا ہے کہ آنحضرت ﷺ جاتے ہیں اور تشریف لاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ فرمارہا ہے کہ جس شخصیت کو تم چاہتے ہو وہ نہیں ملے گی لیکن تمہیں صبر نہیں آئے گا جاؤ تلاش کرو۔

چنانچہ ۱۹۰۶ء کے آخر میں یہ سفر شروع ہوا۔ بنورؔ وسرہندؔ ہوتے ہوئے دہلیؔ بارگاہ سلطان الاولیاء اور اجمیرؔ خواجہ چشتی کی بارگاہ سے گذرتے ہوئے شاہ جیلاں کے دربار بغدادؔ پہنچے اور ہر جگہ ہر مقام پر چلّے اور اعتکاف ومراقبات ومکاشفات کا سلسلہ جاری رہا۔ مہینوں اسی طرح بادیہ پیمائی کی اس درمیان عجیب وغریب واقعات حیرت انگیز مبشرات پیش آتے رہے واپس آکر تمام ہندوستان کی بادیہ پیمائی کرکے ناسک (صوبہ بمبئی) کے جنگل میں شیروں اور چیتوں کے درمیان تکمیل ریاضات کے لیے ڈیرہ ڈال دیا ایک مرتبہ ۸/ماہ اور دوبار ۹/ماہ کی گوشہ نشینی اختیار کرکے چنوں اور پتوں پر گذارہ کیا۔

لایزال العبد یتقرب الیّ بالنوافل حتی کنتُ سمعہ التی یسمع بی وبصرہ الذی یبصر بی الخ

’’کبھی بندہ بارگاہ ربوبیت میں عبادت کرتے کرتے اس مقام کو پہنچ جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کے کان سے سنتا ہے اور اسی کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔‘‘

صحیح بخاری کی یہ حدیث پڑھی ضرور تھی لیکن اپنے زمانہ میں اس کا مصداق اپنے والد کو پایا، چنانچہ ان ریاضات ومجاہدات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انعام واکرام سے مالا مال فرمایا قلب میں بے پناہ قوت ودیعت کردی گئی شدید بارش کے وقت قلب کی طرف توجہ فرماتے اور بارگاہِ ایزدی میں دعا کرتے ایسا معلوم ہوتا کہ ایک مربع میل میں موسلا دھار بارش نہیں ہورہی ہے کہ آفتاب کی شعاعوں کی

تمازت جب نا قابل برداشت ہوتی قلب کی طرف توجہ فرماتے معلوم ہوتا کہ بادل سایہ فگن ہیں۔ شیروں اور چیتوں کی آوازوں سے جب جنگل گونجنے لگتا قلب کی توجہ کانوں کی طرف مبذول ہوجاتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ کان کسی آواز کو نہیں سن رہے ہیں ان مجاہدات وریاضات نے دل کی دنیا یکسر بدل کر رکھ دی تھی، علم وآگہی فکر وشعور کا ایک بحرِ بیکراں قلب میں موجزن تھا جب کسی مسئلہ پر غور کرنا شروع کرتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ میلوں طویل کاغذات سامنے پھیلے ہوئے ہیں اور ابتداء سے لے کر آخر تک ساری تحقیقات آنکھوں کے سامنے ہے، فرماتے تھے کہ ان دنوں ایسا محسوس ہوتا کہ اللہ رب العزت کا خاص فضل میرے شامل حال ہے جو دعا قلب کی زبان سے نکلتی بارگاہِ ایزدی سے خلعت قبول لے کر آتی۔ مسائل کے سلسلہ میں جو حق ہوتا وہی دل میں راسخ ہوجاتا غرض فطرت کی اس تربیت گاہ میں جو حالات وواردات پیش آئے قلم کو یارائے بیان نہیں۔

جب علم توجہ اور علم استحضار ارواح ''اسپر یچوویلزم'' میں قدم رکھا تو روحانی قوت کے وہ کرشمے دیکھے اور عالم ارواح کے وہ عجائبات منکشف ہوئے کہ عقل حیرت میں ہے۔ جب سلب امراض کا ارادہ کیا تو اس درجہ کمال حاصل ہوا کہ بمجرد ارادہ مریض بالکل تندرست ہوکر بیٹھ جاتا تھا کہ جیسے کوئی مرض ہی نہیں۔ جب علم اسرار الحروف وعملیات وتعویذات کی وادی میں قدم رکھا تو اس فن کی ادق کتابیں ''شمس المعارف'' وغیرہ ازبر تھیں۔ طب کی طرف توجہ ہوئی تو افغانستان ایسے محیر العقول علاج کیے کہ جرمنی، فرانس، لندن وامریکہ سے مایوس العلاج مریض آتے اور ان کے علاج سے شفایاب ہوتے...... پہنچے ہوئے مریضوں کا علاج کیا اور حیرت انگیز مسیحائی دیکھائی۔ تجارت کا شوق ہوا تو چین سے سبز چائے اور جاپان سے منیاری گری اور کٹلیری کا سامان منگوا کر پشاور شہر بازار گھنٹہ گھر میں ہول سیل کی دکان کر کے تاجروں کے پیچھے دھکیل دیا، ٹھیکیداری کا خیال ہوا تو کابل میں بڑے بڑے ٹھیکے لیے یہاں تک کہ امیر امان اللہ خان والیٔ افغان کے لیے سب سے پہلے جس نے ہوائی جہاز خریدے وہ حضرت والا ہی تھے جس کا پانچ لاکھ روپیہ آج بھی ہمارا قرض افغان گورنمنٹ کے ذمے باقی ہے جو امیر امان اللہ خان تخت سلطنت سے محروم ہونے کے بعد طوائف الملوکی کی نذر ہوگئے یہ واقعہ ۱۳۴۵ھ کا ہے۔

حیدر آباد دکن اور بہاولپور میں بڑے بڑے ٹھیکے لیے بہاولپور میں آج بھی متعدد نہروں کے

پل ان کی یادگار ہیں۔ زراعت کا شوق ہوا تو افغانستان کے مشرقی علاقے مقام گجۂ خوگیانی ضلع جلال آباد میں جہاں حضرت والد ماجد کی ننہال سرداران محمد زئی آباد تھے زمین خریدی اپنے ہاتھ سے انار بیدانہ کے شاخیں اور پودے لگائے جو بعد میں اس علاقے میں انار بیدانہ کا اعلیٰ ترین باغ شمار کیا گیا لیکن چھ ماہ کے اندر ہی سب کو ختم کر کے کابل میں اقامت گزیں ہوئے جب کبھی کچھ کمایا اور ہزاروں کمایا گھر آ کر بیٹھ گئے دو چار ماہ میں سب مال ودولت ٹھکانے لگا دیا کسی کا مکان بنوا دیا کسی کی شادی کرادی جب سب کچھ خرچ ہوا دوبارہ فکر کرنے لگے۔

الغرض اتنی انقلاب انگیز اور ہنگامہ خیز زندگی کسی کی نہ دیکھی نہ سنی اور کمال یہ ہے کہ ان کمالات میں سے کسی بھی کمال کو نہ پیشہ بنایا نہ ذریعہ معاش اور نہ کوئی اہمیت دی سیلاب آیا اور گذر گیا اکثر زندگی فقیرانہ گذاری لیکن مہمانداری اور مہمان نوازی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت تھی جو ورثہ میں ملی تھی ہزاروں لاکھوں کمائے لیکن میرے علم میں نہیں کہ کبھی زکوٰۃ واجب ہونے کا موقع آیا ہو۔

قرار در کف آزدگان نگیرد مال
نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

بے شمار مخلوق خدا کے ساتھ احسانات کیے مگر کیا مجال کہ کبھی دل میں اس کا خطرہ بھی گذرا ہو یا زبان پر کبھی ذکر آیا ہو ان سب کمالات وکرامات میں سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ نے اپنی ہستی کو ایسا مٹا کر چھوڑا کسی کو ان باتوں کی ہوا بھی نہ لگنے دی آخری زندگی میں کوئی معاش کا ذریعہ اختیار نہیں کیا سب چیزوں کو بالکلیہ ترک کر دیا اور یاد خدا میں مسلسل تیس (۳۰) برس گذارے اور حق تعالیٰ نے راقم الحروف کو خدمت کی سعادت نصیب فرمائی۔

ذٰلک من فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون

اصحاب کمال کے بڑے قدردان تھے کسی کی بات پسند آجائے اتنی داد دیتے کہ حیرت ہوتی تھی باوجود یہ کہ مزاج جلالی تھا لیکن ہر وقت خوش مزاج خوش طبع نظر آتے تھے جس مجلس میں موجود ہوں سکون ووقار کے ساتھ پوری مجلس کی رونق ان سے ہوتی تھی مزاج آخر تک علمی رہا اور علمی موشگافیوں کی بڑی قدردانی فرماتے تھے۔ ابتدائی عہد تعلیم سے ہی کتابوں پر تعلیقات وحاشیہ نویسی کا شغل رہا میر ایساؔ غوجی جدیدہ اور شرحؔ حاجی گلستان بوستان پر ان کی تعلیقات دیکھ کر تعجب ہوتا ہے خط اتنا پاکیزہ کہ موتی

ٹنکے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔خوش نویس ایسے کہ بسا اوقات ان کے خطوط پر خصوصاً ابتدائی دور کے خطوط پر کسی ایرانی خوش نویس کا شبہ ہونے لگتا ہے۔حساب میں اتنی مہارت کہ حیرت ہوتی تھی حالانکہ تعلیم جدید مڈل سے زیادہ نہ تھی لیکن مہارت ایسی کہ آج کل کے ایم اے کو نہ ہو علمی مشغلہ عرصہ سے متروک ومہجور تھا لیکن معلومات تازہ......

ایک دفعہ ۱۳۴۶ھ میں دیوبند حضرت امام العصر مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کی زیارت کی غرض سے تشریف لائے ان دنوں حضرت شیخ مجھے اپنی کتاب ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' پڑھاتے تھے درس میں بیٹھ گئے اور تقریر سنتے رہے اس وقت اتفاق سے علم کلام کا مسئلہ ''خلق افعال العباد'' جو مشکل ترین مسئلہ ہے زیر بحث آیا شیخ نے تقریر فرمائی اور مشکلات سلجھاتے رہے درمیان میں حضرت والد سوالات کرتے رہے حضرت شیخ جوابات دیتے رہے فراغت درس کے بعد حضرت شیخ نے دریافت فرمایا: حضرت! علمی مشغلہ کب سے متروک ہے؟ فرمایا: پچیس برس ہوئے حضرت شیخ نے بہت تعجب سے سنا اور پھر مختلف مجالس میں بارہا فرمایا کہ ان کے والد کا علمی مشغلہ پچیس سال سے متروک ہے لیکن معلومات عمدہ اور تازہ۔امام العصر جیسے علمی سمندر کی یہ داد کتنی وزنی ہے۔

امام غزالی و امام رازی کے عاشق تھے ابن تیمیہ و ابن القیم کے قدردان تھے اور ان کی تبحر علمی کی داد دیا کرتے تھے۔شیخ ابن عربی شیخ اکبر کے انتہائی مدح سرا تھے مولانا روم کی مثنوی کی علمی مشکلات کی تمثیلات کے بے حد قدردان تھے اور کشف حقائق میں ان کو بے نظیر سمجھتے تھے۔

عربی فارسی اردو تینوں زبانوں میں عمدہ مصنف تھے، مطائع الانوار فی فضائل اہل بیت النبی المختار عربی میں اور ایضاح المشکلات اردو میں جس میں وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود وغیرہ مشکلات تصوف اور مشکلات کلام پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں دو ضخیم جلدوں میں تحریر فرمائی اپنے خوابوں کو جمع کیا ہے ''المبشرات'' نام رکھا اور تعلیقات میں ان کی تعبیرات ''عبیر المسرات'' کے نام سے لکھی ہیں روح ونفس کا مقالہ مجلس علمی نے طبع کرادیا ہے۔فرماتے تھے:

مجھے صرف تین چیزوں سے محبت ہے: (۱) اللہ تعالیٰ سے (۲) حضرت رسول اللہ ﷺ سے (۳) اپنے خوابوں سے۔

نورانی ہوگا۔

ایک دفعہ ایک بلی پال رکھی تھی اس نے جگہ ناپاک کی اس کو مار کر گھر سے نکال دیا رات کو آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی عتاب فرمایا کہ تم نے کیوں بلی کو مارا کیا وہ عقل وشعور رکھتی ہے خبردار دوبارہ ایسا نہ کرنا صبح جا کر بلی کو تلاش کیا اور گھر لائے۔

پڑوس میں ایک نادار نے پانچ روپیہ قرض مانگا اتفاق سے قرض دینے سے انکار کیا شب کو آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی عتاب فرمایا کہ تم نے سائل کو کیوں روپے نہیں دیے جا کر اس کے گھر پہنچا دو۔

غرض اس طرح عجیب وغریب روحانی تربیت وعظیم ترین تعلق کا سلسلہ قائم تھا۔ کتنے مبشرات ایسے ہیں جن سے آنحضرت ﷺ ان سے انتہائی محبت اور وہ تعلق تھا جس کی نظیر عالم میں کم ملے گی خواب دیکھا بیمار ہو گئے تھے حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

''زکریا: جب تم بیمار ہوتے ہو تو میں بھی بیمار ہوتا ہوں جب تمہارے سر میں درد ہو تو میرے سر میں بھی درد ہوتا ہے''۔

اس قسم کے حیرت انگیز منامات اور مبشرات کتنے ہیں! وسوسہ دل میں آیا کہ سکرات موت میں کیا حالت ہوگی شیطان بہت پریشان کرے گا، فرمایا کہ جہاں میں ہوں شیطان کا کیا کام! آخر چند دن حیات کے باقی تھے، میں حسب معمول اذان فجر سے کچھ دیر قبل یا بوقت اذان رات کی حالت معلوم کرنے پہنچا تھا۔ فرمایا آ گئے میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ

آج حضرت رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی پادشاہ خان (خادم خصوصی جو آخری وقت شب وروز خدمت کرتا تھا اور بے انتہا راحت پہنچاتا تھا) کو فرمایا:

اے پادشاہ خان جو خدمت تم کر رہے ہو میں بھی کرتا ہوں۔ سبحان اللہ کیا مقام تھا!

حق تعالیٰ کی زیارت کا شرف تو بے شمار مرتبہ حاصل ہوا ایک دفعہ جب دیدار پر انوار کی سعادت نصیب ہوئی حق وجل ذکرہ نے فرمایا:

زکریا! تمہاری مثال میرے سامنے ایسی ہے جیسے کہ ایک ماں کی گود میں دو تین دن کا بچہ ہو بچہ

نہیں جانتا کہ ماں اس کے ساتھ کیا کیا کر رہی ہے۔ ان ہی ایام میں خواب دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ فداہ ابی و امی کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ میں نے خواب دیکھا کہ حق تعالیٰ کرسی پر جلوہ گر ہیں اور میں ان کا طواف کر رہا ہوں جب یہ بیان شروع کیا وہی صورت و حالت سامنے ہے اور آنحضرت ﷺ خواب کی تعبیر دے رہے ہیں مجھے تو معلوم نہیں کہ آج تک کسی نے اس انداز کے مبشرات کی سعادت عظمیٰ حاصل کی ہو۔

بچپن سے دادی اور پھوپھی سے سنا کرتا تھا کہ تمہارے والد کی عمر سولہ سال ہوگی جب کہ راقم الحروف کی عمر پانچ برس کی تھی یعنی اب سے ٹھیک ۶۵ برس قبل گھر میں سنا اور ایک دفعہ خود بھی فرمایا کہ میری چھوٹی ہمشیرہ ''مریم'' نے ایک دفعہ جب اس پر حالت طاری ہوئی میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ زکریا تمہاری عمر سو سال ہے سو سال۔ وہ صاحب خوارق و کرامات تھی واردات و احوال غریبہ طاری ہوتے تھے اس حالت میں جو بات بھی کہتی تھی یقینی ہوتی تھی بچپن سے دونوں بھائی بہن کا آپس میں خونی رابطہ سے زیادہ روحانی رابطہ تھا مکاشفات و واردات میں جب حضرت رسالت پناہ ﷺ کی زیارت ہوتی تھی تو ایک دوسرے کے لیے سفارش کرتے تھے ان کا معاملہ فطری تھا بغیر سابقہ ریاضات کے حالات طاری ہوتے تھے والد صاحب کا معاملہ ریاضات کے بعد شروع ہوا دوسری بڑی ہمشیرہ یعنی میری عمہ نے مجھ سے فرمایا کہ ایک دفعہ شب قدر نصیب ہوئی اور اس کا علم بھی ہوا کہ شب قدر ہے اٹھیں وضو کیا نماز پڑھی سب سے پہلے دعا اپنے بھائی کے لیے کی کہ ان کی عمر سو سال ہو یہ باتیں سن چکا تھا۔

بہرحال اس انقلاب آفریں زندگی کے تمام نشیب و فراز دیکھ کر آخری حیات طیبہ یاد خدا میں بسر کی اور ٹھیک سو سال اپنی حیرت انگیز زندگی کے پورے کر کے اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کر گئے مسکراتے ہوئے نور کے شعلوں میں واصل بحق ہوئے بلا شبہ یہ صدمہ میری زندگی میں عظیم ترین صدمہ ہے جب سید البشر خاتم الانبیاء ﷺ جن سے بڑھ کر استقامت و صبر کا پہاڑ مادر گیتی نے نہیں دیکھا نہ کبھی دیکھے گی۔ اپنے جگر گوشے سیدنا ابراہیم کی وفات پر یوں نغمہ سرا ہیں:

العین تدمع والقلب یحزن وانا بفراقک یا ابراهیم لمحزونون

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت جو صبر و استقامت کے پہاڑ تھے حبیب رب العالمین ﷺ

کی وفات کے وقت کیا کیا کیفیتیں طاری ہوئی تھیں۔ اے اللہ ہم تو ضعیف و ناتواں ہیں ہمیں صبر عطا فرما اور اے اللہ اس حادثہ جانکاہ اور روح فرسا میں ہماری اعانت فرما کر احسان فرما۔

اور اے اللہ! میرے والد محترم کے مرقد مبارک کو روضة من ریاض الجنة بنا اور ان کی روح پاک کو اعلیٰ علیین میں پہنچا کر اکرام و اعزاز فرما۔ اور اے اللہ! ان کا مسکن و ماویٰ جنت الفردوس کو بنا اور اے اللہ! ان سے وہ معاملہ فرما جو تیری شان ارحم الراحمین کے شایان شان ہو اور اے اللہ! آپ کا معاملہ جو محبوبان بارگاہ رحمت سے ہے اور جو مقربین بارگاہ قدس سے ہے وہ معاملہ فرما۔ اے اللہ! جس طرح آپ نے اپنی ذات سے اور اپنے حبیب پاک سے دنیا میں جو نسبت ان کو عطا فرمائی تھی آخرت میں اسی کے شایان شان درجات و علو مقامات نصیب فرما جن کے بارے میں یہی کہا جائے "ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر"۔

اور اے اللہ جس طرح ان کا آپ پر حسن ظن تھا اس کے مطابق فیصلہ فرما۔ اور اے اللہ جس چیز کو ہم نہ جانتے ہیں اور نہ ہی اسے اپنی جہل سے مانگ سکتے ہیں ان کو وہ نعمتیں نصیب فرما کر سرفراز فرما۔

اور اے اللہ! جس طرح آپ نے ہمیں ان کی حیات طیبہ میں دعوات سحری اور نالہ ہائے نیم شبی کے برکات سے سرفراز فرمایا تھا مفارقت کے بعد ان کی روح پرفتوح کی برکات سے مالا مال فرما کر سرفراز فرما تیری رحمت بہت وسیع ہے اور تیری قدرت بہت محیط ہے اور اے اللہ پشاور سے لے کر کراچی تک اور کراچی سے لے کر افریقہ تک اور افریقہ سے لے کر لندن و یورپ تک جن مخلصین و محسنین نے ایصال ثواب کر کے احسان فرمایا ہے اور جو محسنین ایصال ثواب فرما رہے ہیں ان سب کو اجر عظیم عطا فرما کر احسان فرما اور جس کے بے شمار تعزیت کے ٹیلی گرام و بے شمار خطوط تعزیت کے آئے ہیں ان سب حضرات کو رفع درجات فرما۔ اور اے اللہ! ہمارے قلب حزیں اور پسماندگان کے قلوب محزونہ کو صبر و سکون عطا فرما کر احسان عظیم فرما۔

فما العیون دامعة وللقلوب فاجعة ونحن بفراقه لمحزونون ولا نقول الا ما یرضی به ربنا تبارک وتعالیٰ هذا! وصلی الله علی خیر أبشر أصبر من جاء ومن غیر حب القبر الا طهر الانور ومن تسکن قلوب المحبین بحبه وبذکره

وبفکرہ کلما ذکر وخطر

نامناسب نہ ہوگا اگر ان خطوط میں سے دو تعزیت نامے شائع کردوں ایک تعزیت نامہ برادرم محترم مولانا محمد اشرف صاحب صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج کا ہے۔

دوسرا تعزیت نامہ برادرم محترم مولانا عبدالقدوس صاحب قاسمی شعبہ اسلامیات کے سابق صدر پشاور یونیورسٹی کا ہے۔ وجزاهم الله خيرا بحسن عزائمهما۔ ①

① یہ ہے وہ پورا مضمون جو بنوری صاحب نے اپنے والد محترم کی وفات پر لکھا۔ (مسعود الدین عثمانی)

وضاحت از راقم مسعود الدین عثمانی

اس مضمون کی پہلی بات جس کی وضاحت ہونی چاہیے یہ عبارت ہے:

''والد ماجد کیا تھے ایک گمنام ہستی جس نے ایک عالم اپنے اندر سمیٹ رکھا تھا شفیق بلخی، ابراھیم ادھم، بایزید بسطامی، سری سقطی، معروف کرخی، جنید بغدادی کے احوال اور مواجید تو دنیا نے پڑھے ہیں لیکن اس فقیر بے نوا کی کس کو خبر؟''

میرا خیال ہے کہ آپ ان ''بزرگوں'' کے متعلق جن کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے ضرور معلوم کرنا چاہیں گے کہ یہ ''حضرات'' کون اور کیا کرتے تھے؟ کوشش کروں گا کہ مشہور ''حضرات'' کی کتابوں کے حوالوں سے ان کی شخصیات پر روشنی ڈالوں:

حضرت ابراھیم ادھم:

آپ کا پورا نام ابواسحٰق بن ادھم بن منصور تھا حضرت علی ہجویری صاحب کشف المحجوب لکھتے ہیں کہ آپ خضر علیہ السلام سے بیعت تھے اور شروع میں بلخ کے امیر تھے۔ ایک دن شکار کو گئے اور ایک ہرن کے پیچھے لگ کر لشکر سے بچھڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہرن کو قوت گویائی عطا فرمائی اس نے بزبان فصیح آپ کو مخاطب کیا اور کہا اَلِهٰذَا خُلِقْتَ اَوْ بِهٰذَا اُمِرْتَ یعنی کیا تم اسی لیے پیدا کیے گئے ہو یا کیا اسی کام کا تم کو حکم دیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی دل میں خیال آیا اور توبہ فرما کر سب سے ہاتھ اٹھا لیا اور زہد و ورع کے پابند ہو گئے آپ ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ جب جنگل میں گیا تو ایک ضعیف العمر بزرگ صورت ملا وہ مجھ سے کہنے لگا اے ابراھیم! تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون سی جگہ ہے تم بغیر زاد وراحلہ کے جا رہے ہو؟ میں سمجھ گیا کہ یہ ضعیف العمر بزرگ نہیں بلکہ شیطان ہے میری جیب میں چار درم نقرئی پڑے ہوئے تھے جو میں نے کوفہ میں زنبیل بیچ کر جیب میں ڈال لیے تھے...... میں نے انہیں نکال کر پھینک دیا اور عہد کیا کہ ہر میل پر چار (۴۰۰) سو رکعت نفل پڑھوں گا چار سال متواتر صحرا نوردی میں رہا۔ میرا رازق مطلق بلا کسی تکلیف کے مجھے روزی پہنچاتا رہا اسی اثناء میں حضرت خضر علیہ السلام

کی زیارت ہوئی۔ ان کے فیضِ صحبت میں مَیں نے ان سے اللہ کا نام سیکھا۔ بس اس کے بعد میرا دل ماسوائے اللہ سے قطعاً فارغ ہو گیا۔ ①

یہ تو صاحب کشف المحجوب کا بیان ہے، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری صاحب نے اپنے پیر خواجہ عثمان ہارونی صاحب کے ملفوظات پر مشتمل جو کتاب ''انیس الارواح'' مرتب فرمائی ہے، اس میں ابراہیم ادہم صاحب کے زہد و ورع کا وہ حال لکھا ہے کہ عقل حیران و ششدر رہے:

''فرمایا کہ ایک وقت حضرت خواجہ ابراہیم ادھم رحمہ اللہ راستہ میں چلے جاتے تھے کہ آواز نوحہ کی ایک طرف سے آئی فوراً رانگ گرم کر کے اپنے کانوں میں ڈال لیا اور بہرے ہو گئے۔'' ②

یہ واقعات لکھے ہوئے موجود ہیں اب اگر کسی کو یہ وسوسہ ستائے کہ ہرن فصیح عربی کیسے بولنے لگا؟ اور جنگل میں ہر میل طے کرنے پر چار سو رکعات نماز کیوں؟ یا یہ مسلسل صحرا نوردی کیسی؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کی تعلیم نہیں دی۔ اور اس ساری مدت میں بغیر کسی سبب کے رزق کا مہیا ہو جانا، عجیب بات ہے۔ اور عجیب تر یہ کہ خضر علیہ السلام سے ملاقات اور بیعت کیسی اور کون سا اللہ کا نام ہے کہ جس کے سیکھ لینے کے بعد ماسواء اللہ سے دل فارغ ہو جاتا ہے؟ یہ بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابی عبداللہ بن عمر نے تو گانے بجانے کے موقعوں پر کانوں میں انگلیاں دے لینے پر ہی اکتفاء کی تھی یہ گرم رانگ ڈال کر بہرا ہو جانا کیا معنی؟ کیا یہ اللہ کی عطاء کردہ ایک عظیم نعمت کے ساتھ ظلم نہیں ہے؟ اور کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ظلم کرنے سے منع نہیں کیا ہے؟ تو بھائی میں اس کا کیا جواب دوں اور اگر کچھ جواب دینے کی کوشش بھی کروں تو اس کے بعد جو اس سے بھی زیادہ عجیب بات آ رہی ہے اس کو کیا کروں گا؟ بہر حال ایسی ''بزرگی'' کے حاملین کو اولیاء اللہ کی صف میں کھڑا کرنا سخت مشکل نظر آتا ہے ان کے لیے تو کوئی اور مقام ہونا چاہیے جو خدائی مقام کے ہم پلہ ہو۔ اسی کتاب میں خواجہ معین الدین چشتی لکھتے ہیں کہ

خواجہ عثمان ہارونی نے فرمایا کہ ''جس روز حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم بلخی رحمہ اللہ حکومت اور سلطنت سے تائب ہوئے تو جس قدر غلام تھے سب کو اپنے روبرو آزاد

---

① کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب مصنفہ علی ہجویری صاحب المعروف بہ داتا گنج بخش ص ۲۲۹-۲۳۱۔

② انیس الارواح ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی مرتبہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ص ۳۱۔

کر دیا اور بار ادۂ حج خانہ کعبہ کی راہ لی اور فرمایا کہ حج کو ہر شخص پیروں کے بل جاتا ہے مجھ کو چاہیے کہ سر کے بل اس راہ کو طے کروں چنانچہ وقت سفر جو قدم کہ رکھتے ایک دوگانہ نفل شکرانہ ادا فرماتے تھے۔ حتی کہ چودہ برس کی مدت میں بلخ سے خانہ کعبہ پہنچے تو اس مقام پر خانہ کعبہ کو نہ پایا نہایت متحیر ہوئے اسی حال میں ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اے ابراہیم ٹھہرو اور صبر کرو کہ خانہ کعبہ ایک ضعیفہ کی زیارت کو گیا ہے ابھی آیا جاتا ہے خواجہ یہ آواز سن کر متحیر ہوئے اور عرض کیا کہ الٰہی وہ ضعیفہ کون ہیں حکم ہوا کہ جنگل میں ایک ضعیفہ ہے خواجہ رحمۃ اللہ روانہ ہوئے تاکہ ان ضعیفہ کی زیارت سے مشرف ہوں جب جنگل میں پہنچے تو حضرت رابعہ بصری علیہا الرحمۃ کو دیکھا اور دیکھا کہ خانہ کعبہ ان کے گرد طواف کر رہا ہے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ کو غیرت معلوم ہوئی اور حضرت رابعہ بصری علیہا الرحمۃ کو پکارا اور کہا کہ یہ کیا شور تم نے ڈالا ہے رابعہ بصری علیہا الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ شور میں نے نہیں اٹھایا ہے یہ شور تم نے جہان میں برپا کیا ہے کہ چلتے چلتے چودہ برس میں خانہ کعبہ تک پہنچے اور پھر بھی اس کو آرزو کے ساتھ نہ پایا جب حضرت ابراہیم بن ادھم نے یہ سنا فرمایا کہ اے رابعہؒ! تم کو آرزو خانہ کعبہ کی تھی سو تمہارے پاس موجود ہو گیا اور ہم کو آرزوئے ملاقات صاحب خانہ کی ہے لہٰذا وہ ہم سے محجوب کیا گیا۔'' ①

اس ''عظیم الشان'' واقعہ سے جہاں پتہ چلتا ہے کہ

ابراہیم بن ادھم صاحب اور رابعہ بصری صاحبہ جیسے ''بزرگ'' کس ''عظیم الشان'' بڑائی کے مالک تھے، وہاں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ خواجہ ابراہیم بن ادھم کو بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح ندائے غیب سے نوازا گیا اور کیوں نہ ایسا کیا جاتا جب کہ وہ ۱۴ سال میں ہر ہر قدم پر دو رکعت نفل شکرانہ پڑھتے ہوئے خانہ کعبہ تک پہنچے تھے پھر خانہ کعبہ کا وہاں موجود نہ ہونا اور آواز کا آنا کہ کعبہ جنگل میں ایک ضعیفہ کی زیارت کو گیا ہے ابھی آیا چاہتا ہے صبر کرو، پھر آپ کو کعبہ کی تلاش میں جا کر دیکھنا کہ خانہ کعبہ رابعہ بصری کے گرد طواف کر رہا ہے، غیرت کا آنا اور رابعہ بصری کو پکار کر کہنا کہ یہ کیا شور تم نے ڈال رکھا ہے، اس

① انیس الارواح ص ۱۷۔۱۸۔

کے جواب میں رابعہ بصری کی ان پر فضیلت اور غیب دانی کہ ابراہیم ادھم کی ۱۴ سال کی ریاضت اور انجام کار ان کی ناکامی کا راز اسی وقت فاش فرما دیا!

ہاں، یہ بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ خواتین کا اکیلے جنگل میں کیا کام؟ اور یہ کہ کیا یہ ''ولیہ'' پردہ نہیں فرماتی تھیں؟ چاہے اس کا جواب میرے پاس ہو مگر اس واقعہ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ ایک جامد چیز نہیں ہے۔ یہ اور بات کہ اپنی مصلحت کی بناء پر وہ صلح حدیبیہ کے موقع پر چند میل آگے بڑھ کر حدیبیہ تک نہ آیا ورنہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عمرہ سے محروم واپس مدینہ نہ لوٹنا پڑتا۔

خواجہ نظام الدین اولیاء صاحب کے ملفوظات المسمیٰ بفوائد الفؤاد میں بھی ''حضرت'' ابراہیم ادھم کی ایک بہت بڑی ''بزرگی'' کا ذکر ہے:

> ''دوشنبہ ۲۹۔ ماہ ذی الحجہ ۷۰۸ھ دولت پائبوسی حاصل ہوئی مناقب ومراتب ابراہیم ادھم رحمہ اللہ کا ذکر فرما رہے تھے کہ وہ نو برس تک غار میں رہے اور اس غار میں ایک چشمہ بھی جاری تھا آپ اس چشمہ پر مقیم تھے اور خدا کی بندگی کیا کرتے تھے ایک رات ایسی سردی پائی کہ ہلاک ہونے کا خوف ہو گیا ناگاہ اس تاریکی میں ایک پوستین پر ہاتھ جا پڑا آپ نے اسے اوپر ڈال لیا، ذرا گرما گئے جب دن ہوا تو وہ پوستین آپ نے اتار دیا جب دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اژدہا تھا آنکھیں کھولے ہوئے سر ہلا رہا تھا آپ بہت متحیر ہوئے کہ اتنے میں ایک آواز سنی نَجَّيْنَاكَ مِنَ التَّلَفِ بِالتَّلَفِ یعنی ہم نے تجھے تلف کرنے والی شے یعنی (سرما) سے اُس تلف کرنے والی شے یعنی (اژدہے) کے ساتھ نجات دے دی۔''①

حضرت بایزید بُسطامی:

آپ کا پورا نام ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بُسطامی تھا۔ آپ نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔ خواجہ جنید بغدادی ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ ''ابو یزید مِنّا بمنزلة جبرئيل فی الملائكة'' یعنی بایزید بسطامی ہم میں ایسے معظم ہیں جیسے جبرئیل امین ملائکہ میں! یہی وہ ''حضرت'' ہیں جو اس قدر

---

①فوائد الفؤاد ملفوظات نظام الدین اولیاء صاحب مرتبہ خواجہ حسن دهلوی۔ ترجمہ بریاںؔ ص ۱۵۴/ا۔ ترجمہ پروفیسر محمد سرور ص ۱۰۹/۔۱۱۰۔

''بزرگ'' ہو گئے تھے کہ فرماتے تھے ''سُبحَانِی مَا اَعظَمَ شَانِی'' ''میں پاک ذات ہوں میری بلندیٔ شان کا کیا پوچھنا''۔ علی ہجویری صاحب یہ لکھ کر فرماتے ہیں کہ یہ کہنا ان کی گفتار کا نشانہ ہے اور درحقیقت یہ کہنے والا حق تعالیٰ ہی پردۂ عبد میں ہے۔ ①

اللہ اللہ! ''فنا فی اللہ'' کی کیا انتہاء ہے!

آپ کا یہ قول بھی ہے کہ

''خُضتُ بَحراً وَ وَقَفَ الأَنبِیَاءُ بِسَاحِلِہ''

یعنی میں نے تو بحر (معرفت) میں غوطہ لگا لیا اور انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے رہے۔

اور ''مُلکِی أَعظَمُ مِن مُلکِ اللہِ'' ''میری بادشاہی اللہ کی بادشاہی سے عظیم ہے''۔

یہ بھی کہ ''مَافِی جُبَّتِی إِلاَّ اللہِ'' ''میرے جبہ میں اللہ کے علاوہ کچھ نہیں''۔

اور ''لِوَائِی أَرفَعُ مِن لِوَاءِ مُحَمَّدٍ'' ''میرا جھنڈا احمد ﷺ کے جھنڈے سے بلند ہے''۔

اسی ''بزرگی'' کی وجہ سے امیر بلخ کی بیٹی اور ''حضرت احمد بن خضرویہ'' کی بیوی جو بہت بڑی ''ولیہ'' تھیں، جب ''حضرت'' بایزید بسطامی کی زیارت کو آئیں تو انہوں نے اپنا نقاب ہٹا دیا اور ''حضرت'' کے ساتھ بے حجابانہ گفتگو شروع کر دی:

''حتی کہ ایک بار احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت بایزید بُسطامی رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شوق ہوا۔ حضرت فاطمہ بھی حضرت بایزید کے دربار میں ہمراہ حاضر آئیں۔ جب حضرت بایزید کے سامنے دونوں آ گئے حضرت فاطمہ نے نقاب ہٹا دیا اور حضرت بایزید کے ساتھ بے حجابانہ گفتگو شروع کر دی۔ حضرت احمد خضرویہ کو ان کی اس حرکت پر تعجب ہوا اور غیرت زوجیت آپ پر مستولی ہوئی۔ فرمانے لگے فاطمہ جس بے حجابی سے تم بایزید کے سامنے باتیں کر رہی ہو اس کی وجہ مجھے بھی معلوم ہونی چاہیے۔

حضرت فاطمہ نے فرمایا:

احمد تم محرم طبیعت ہو۔ اور بایزید محرم طریقت۔ تمہارے ذریعہ میری آتش حرص

---

① کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب ص ۲۴۳۔

وہوا کا علاج ہوتا ہے اور اُن کے ذریعہ خدارسی ہوتی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بایزید مجھ سے بے نیاز ہے اور تم میرے محتاج ہو۔

غرض یہ کہ حضرت فاطمہ ہمیشہ حضرت بایزید کے سامنے بے حجاب رہتیں اور نہایت بےتکلفی سے کلام فرماتیں۔

ایک روز حضرت بایزید کی نظر حضرت فاطمہ کے ہاتھ پر پڑی۔ دیکھا مہندی لگی ہوئی ہے۔ فرمایا فاطمہ! ہاتھوں میں مہندی لگا رکھی ہے۔ آپ نے فرمایا بایزید اب تک کہ تمہاری نظر میرے ہاتھ پر نہ پڑی تھی میرا آپ کے ساتھ رابطہ بے حجاب تھا۔ اب جب کہ تمہاری نظر مجھ پر پڑنے لگی اب آپ سے بے حجابی حرام ہے بس اس روز واپس ہوگئیں اور نیشاپور تشریف لا کر قیام فرمایا۔'' ①

یہ واقعہ صاف بتلا رہا ہے کہ آپ پر ایسے اوقات بھی آتے تھے جب آپ کے اوپر سے اور آپ کے وابستگان کے اوپر سے پردے کے شرعی احکام اٹھ جایا کرتے تھے اور جب آپ احاطۂ بشریت میں واپس آجاتے تھے تو وہ احکام بھی واپس آجاتے تھے۔ یہی وہ ''بزرگی'' ہے جس کی وجہ سے علی ہجویری صاحب لکھتے ہیں:

''اور مجھے بھی (یعنی حضرت علی بن عثمان جلابی رحمہ اللہ کو) ایک دفعہ ایسا واقعہ گذرا میں نے اس امید پر بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہ واقعہ حل ہو مگر حل نہ ہوا۔ اور ایک دفعہ اس سے بھی قبل ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو میں مزار حضرت شیخ بایزید رحمہ اللہ کا اس وقت تک مجاور بنا رہا جب تک وہ حل نہ ہوا۔ آخر حل ہوگیا۔

اس دفعہ وہاں کا قصد کیا اور تین بار مزار پاک کی مجاورت کی تاکہ حل ہو مگر نہ ہوا ہر روز تین بار غسل کیے۔ تیس بار وضو کیے اور امید کشف میں رہا مگر بالکل انکشاف نہ ہوا آخر اٹھا اور خراسان کا سفر اختیار کیا۔'' ②

یہ واقعہ آپ کی ذات ہی کی نہیں بلکہ آپ کے مزار کی ''بزرگی'' کی بھی روشن دلیل ہے کیوں

---

① کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب ۲۵۶/۲، ۲۵۵۔

② حوالہ مذکورہ ۱۷/۱۔

کہ علی ہجویری صاحب کو ''حل مشکل'' کے لیے نبی ﷺ کی نہی کے علی الرغم ان کے مزار کی مجاورت کرنا پڑی اور پہلی مرتبہ ان کو کامیابی بھی حاصل ہوئی اور عقدہ حل ہوگیا۔ اس واقعہ میں قبر پرستی کی بیماری کی نشاندہی کرنے کی کوشش مناسب نہیں ہے کیوں کہ یہ معاملہ عوام کا معاملہ نہیں ہے!

''حضرت'' بایزید بُسطامی کے عشق ومحبت الٰہی کے غلبہ کا یہ واقعہ سننے کے لائق ہے۔ اس واقعے کو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری صاحب کی زبان سے سنیے:

> ''اس کے بعد عشق میں گفتگو ہونے لگی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ عاشق کا دل محبت کا آتشکدہ ہے پس جو کچھ اس آتشکدہ (بھٹی) میں پڑتا ہے جل کر خاک اور نابود ہوجاتا ہے اس واسطے کہ کوئی آگ عشق ومحبت کی آگ سے بڑھ کر نہیں ہے اس کے بعد فرمایا کہ ایک وقت خواجہ بایزید بُسطامی رحمہ اللہ مقام قرب میں تشریف لے گئے ہاتف نے آواز دی کہ اے بایزید! آج تمہاری خواستگاری اور ہماری بخشش وعطا کا وقت ہے مانگو کیا مانگتے ہو میں تم کو دوں گا۔ خواجہ نے فوراً سجدہ میں سر جھکایا اور کہا کہ بندہ کو خواستگاری سے کیا کام بادشاہ کی بخشش وانعام واکرام جس قدر ہو بندہ اس میں راضی ہے۔ پھر آواز آئی کہ اے بایزید ہم نے تجھ کو آخرت کی خوبی اور راستگاری عطا کی۔ بایزید نے عرض کی کہ الٰہی! آخرت تو دوستوں کا بندی خانہ ہے پھر آواز آئی کہ اے بایزید اچھا ہم نے بہشت اور دوزخ اور عرش اور کرسی جو کچھ ہماری مملکت ہے تجھ کو دی۔ عرض کیا خیر پھر ندا آئی کہ اچھا تمہارا کیا مطلب ہے کچھ مانگو تو ہم دیں، عرض کیا کہ الٰہی جو میرا مطلب ہے وہ تو خود جانتا ہے آواز آئی کہ اے بایزید! تو ہم کو ہم سے مانگتا ہے اگر ہم تجھ کو تجھ سے مانگیں تو تو کیا کرے گا؟ جیسے ہی یہ آواز آئی:
>
> خواجہ نے قسم کھا کر عرض کی کہ قسم ہے تیری عزت اور جلال کی اگر تو مجھ کو کل قیامت میں طلب کرے گا اور آتش دوزخ کے سامنے کھڑا کرے گا تو میں حاضر ہوں گا اور کھڑا ہو کر ایسی آہ سرد کھینچوں گا کہ دوزخ کی حرارت زائل ہوجائے گی حتی کہ کچھ نہ

رہے گی کیوں کہ آتش محبت کے سامنے اس کی کیا اصل ہے جب بایزید نے یہ فرمایا ندا آئی کہ اے بایزید ہرچہ جستی یافتی①۔''②

ہوسکتا ہے کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ عرش وکرسی کا دیا جانا کوئی شاعرانہ قسم کی بات ہے جیسے کہہ دیا جاتا ہے کہ ؎

یہ جہاں چیز ہے کیا
لوح وقلم تیرے ہیں

تو ایسے خیالات کو دل سے نکال دیجیے کیوں کہ یہ اُن ''مقامات قرب ومحبت'' کا معاملہ ہے جہاں خالق ومخلوق کے درمیان فرق باقی نہیں رہتا اور ایک ذات مرکب وجود میں آتی ہے! یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ بندہ جو چاہے سو کرسکتا ہے۔ایک آہِ سرد سے آتش دوزخ کو ٹھنڈا کردینا کیا بڑی بات ہے! یہ ''فنافی اللہ'' کا وہ مقام ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا کہ عارفوں کے لیے ایک مرتبہ ہے کہ جب عارف اس مرتبہ پر پہنچتا ہے تو تمام جہان کو اور جو کچھ کہ تمام جہان میں ہے، سب کو درمیان شگاف دو انگلیوں کے دیکھتا ہے!

''حضرت'' بایزید بُسطامی کے متعلق حکایت بیان کرتے ہوئے ''حضرت'' معین الدین چشتی نے فرمایا:

''پھر خواجہ بایزید رحمۃ اللہ نے اسی مقام پر فرمایا کہ میں مدتوں خانہ کعبہ کا طواف کرتا رہا جب مجھ کو قرب وحضوری عطا کی گئی اس وقت خود خانہ کعبہ نے میرے گرد طواف کیا پھر یہ فرمایا کہ حالت عاشقی میں ایک رات میں شدتِ اضطراب وقلق کے سبب اپنے دل کا اطمینان چاہتا تھا اور اس کے لیے دعا کرتا تھا صبح کے وقت ندا آئی کہ اے بایزید ہمارے سوا اور چیز کی خواہش کرتا ہے اور دل مانگتا ہے، دل سے تجھ کو کیا کام؟ اس کے بعد اسی محل میں فرمایا کہ عارف وہ شخص ہے کہ جہاں کہیں رہے جو چیز چاہے وہ اس کے آگے حاضر ہو اور جس سے کچھ کلام کرے وہ اس کو جواب

① تو نے جو تلاش کیا پالیا۔
② ترجمہ دلیل العارفین ،ملفوظات خواجہ معین الدین چشتی مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ص ر ۹۷۔

دے۔لیکن عارفوں کے مسلک میں وہ شخص عارف نہیں ہے کہ کسی چیز کے در پے اور طالب ہو۔اس کے بعد فرمایا کہ عارفوں کے لیے ایک مرتبہ ہے کہ جب عارف اس مرتبہ میں پہنچتا ہے تو تمام جہان کو اور جو کچھ کہ تمام جہان میں ہے سب کو درمیان شگاف دو انگلیوں کے دیکھتا ہے۔ چنانچہ خواجہ بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے طریقت میں اپنا سلوک کہاں تک پہنچایا ہے فرمایا کہ میں نے یہاں تک اپنا سلوک پہنچایا ہے کہ جب اپنی دو انگلیوں کے درمیان نظر کرتا ہوں تو تمام دنیا و مافیہا کو اس میں دیکھتا ہوں۔①

آپ کی وفات کا واقعہ خواجہ نظام الدین اولیاء ملفوظات فرید الدین گنج شکر میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

''پھر آپ نے اس کے مطابق یہ حکایت فرمائی کہ ایک دفعہ شیخ علی مکی رحمۃ اللہ نے خواب میں دیکھا کہ عرش اٹھائے لیے چلا جا رہا ہوں جب صبح ہوئی تو جی میں خیال آیا کیا کہ میں یہ خواب کس کے سامنے بیان کروں جو تعبیر پاؤں۔پھر جی میں کہا کہ بایزید بُسطامی رحمۃ اللہ سے چل کر دریافت کر۔اسی فکر میں جب گھر سے نکلا دیکھا تو بُسطام میں ایک شور برپا تھا اور خلق رو رہی تھی میں حیران ہو کر کھڑا ہو گیا پوچھا کیا حال ہے کہا خواجہ بایزید علیہ الرحمۃ نے انتقال کیا۔شیخ علی رحمۃ اللہ نے سنتے ہی ایک نعرہ مارا اور زمین پر گر پڑے۔پھر نعرہ مارتے ہوئے بایزید کے جنازہ کے پاس پہنچے مگر خلق کے اژدہام سے وہاں تک پہنچ نہیں سکتے تھے مگر شیخ علی ہزار حیلہ و دشواری سے جنازہ تک آئے اور کندھا دیا۔بایزید رحمۃ اللہ نے آواز دی کہ اے علی جو تو نے خواب دیکھا تھا اس کی یہی تعبیر ہے یہی جنازۂ بایزید عرشِ خدا ہے کہ جو سر پر لیے جا رہا ہے۔②

آپ شاید تعجب فرمائیں کہ بایزید بُسطامی نے مرنے کے بعد کیسے شیخ علی مکی سے گفتگو کی اور یہ

---

① ترجمہ دلیل العارفین ص ۱۰۰/ ۹۹،۔

② ترجمہ راحت القلوب ملفوظات خواجہ فرید الدین گنج شکر مرتبہ نظام الدین اولیاء ص/ ۲۱۵۔

بات آپ شاید ماننے پر کبھی تیار نہ ہوں اس لیے میں آپ سے استدعا کروں گا کہ آپ تھوڑا صبر کریں۔ آگے کے مضمون میں ان شاء اللہ اس بات کی اصل سامنے آجائے گی اور پھر آپ کی ساری پریشانیوں کا حل نکل آئے گا اور آپ اس بات کے قائل ہو جائیں گے کہ یہ ''اولیاء اللہ'' مرتے نہیں، صرف نقل مکانی کر جاتے ہیں۔

''حضرت'' بایزید بُسطامی میں یہ بھی طاقت تھی کہ نگاہ ڈالیں اور جان نکال لیں، جیسے کہ شاہ ولی اللہ ''محدث'' دہلوی نے اپنی کتاب ''انفاس العارفین'' میں اپنے تایا ابوالرضا محمد صاحب کی ''بزرگی'' کے سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے تایا صاحب ''حضرت بُسطامی'' سے بھی زیادہ ''بزرگ'' تھے کیوں کہ وہ جان نکالنے کے بعد واپس بھی لوٹا سکتے تھے، ملاحظہ ہو:

> ''رحمت اللہ کفش دوز حکایت می کرد کہ حضرت ایشان دران ولا کہ در مسجد نشستہ بودند و من در مقابلہ ایشان زیر درختی ایستادہ بحضور حضرت ایشان گفت کہ بایزید بُسطامی در بعض احیان نظر می کردند بسوء کسی وی مبہم داز قوت جذب وحدت نظر شیخ آن امروز ما غلغلۂ شیوخ بسیار می شنودم و در ہیچ کس قوت باطن بایں مشابہ نمی یابم حضرت ایشان را غیرت آمد فرمودند بایزید جذب ارواح می کرد و ردّ آنہا نمی کرد و دل مرا رسول اللہ ﷺ برخداء دل خود تربیت فرمودہ است و آں قوت دادہ کہ اگر خواہم جذب کنم روح کسی را و اگر خواہم رد کنم او را نگاہ حضرت ایشان بسوء من نظر کردند و روح مرا جذب فرمودند بزمین افتادم و بمردم و ہیچ شعور ایں عالم مرا نماند الا آنکہ خود را غریق در بحر عظیم می یافتم پس بطرف سائل متوجہ شدند کہ ایں رابیں مردہ است یا زندہ تامل کرد و گفت مردہ است فرمودند اگر خواہی مردہ گذارم و اگر خواہی زندہ کنم گفت اگر زندہ شود کمال رحمت است حضرت ایشان دیگر بار توجہ کردند پس زندہ شدم و بایستادم حاضران ہمہ از قوت حال حضرت ایشان متعجب شدند''①

---

①انفاس العارفین (اصل فارسی) از شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شائع کردہ المعارف، لاہور ص ۹۵ م ۹۶.

کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک:

''رحمت اللہ کفش دوز نے بیان کیا کہ ایک موقع پر حضرت شیخ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، اور میں ان کے سامنے ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص نے کہا کہ حضرت بایزید بُسطامی رحمہ اللہ بعض اوقات کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے تو قوت جذب اور شیخ کی گرمیٔ نگاہ سے اس کی روح پرواز کر جاتی تھی۔آج کل ہم مشائخ کا شور سنتے ہیں مگر کسی کی قوت باطنی میں یہ تاثیر نہیں دیکھی۔ یہ سن کر حضرت شیخ نے جوش میں فرمایا کہ بایزید روحیں نکال تو لیتے تھے مگر جسم میں واپس نہیں لوٹا سکتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے میرے دل کو اپنے قلب اطہر کے زیر سایہ ایسی تربیت اور وہ قوت عطا فرمائی کہ جب چاہوں کسی کی روح کھینچ لوں اور جب چاہوں اسے واپس لوٹا دوں! عین اسی وقت شیخ نے مجھ پر نظر کر کے میری روح کھینچ لی اور میں زمین پر گر کر مر گیا اور مجھے اُس عالم کا کوئی شعور نہیں رہا سوائے اس کے کہ میں نے اپنے آپ کو، ایک بہت بڑے دریا میں غرق پایا۔آپ نے سائل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اسے دیکھو مردہ ہے یا زندہ؟ اس نے سوچ کر کہا کہ مردہ ہے۔فرمایا اگر تو چاہے اسے مردہ چھوڑ دوں اور اگر پسند کرے تو اسے زندہ کر دوں! کہنے لگا اگر زندہ ہو جائے تو یہ انتہائی رحمت ہو گی آپ نے مجھ پر دوبارہ توجہ ڈالی تو میں زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔تمام حاضرین مجلس حضرت شیخ کی قوت حال سے متعجب ہوئے۔''①

''حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی'' کے بیان کردہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ کچھ ایسے ''بزرگ'' بھی ہوتے ہیں جو رسول ﷺ سے براہ راست تربیت حاصل کر کے الوہی صفات سے متصف ہو جاتے ہیں اور مارنا اور جِلانا ان کے قبضہ اختیار میں آجاتا ہے کیوں کہ یہ تو اللہ ہی کے کام ہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ توحید کے انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ ان کے سامنے یہ

①اردو ترجمہ انفاس العارفین شائع کردہ ''المعارف'' لاہور ص/ ۲۰۶۔۲۰۷.

اعلان کیجیے کہ آپ ﷺ صرف اس مالک کی بندگی کرتے ہیں جو اکیلا ہے، تم کو (اے کافرو!) موت دیتا ہے۔ گویا یہ انکاری بھی اس بات کے قائل تھے کہ مارنا اور جلانا تو صرف ایک آسمان والے ہی کے ہاتھ میں ہے۔ آیت یوں ہے:

﴿فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ﴾①

’’پس میں بندگی نہیں کرتا اُن کی جن کی بندگی اللہ کو چھوڑ کر تم کرتے ہو بلکہ میں تو صرف اُس اللہ کی بندگی کرتا ہوں جو تم کو موت دیتا ہے۔‘‘

’’حضرت‘‘ جنید بغدادی اور سِرّی سَقطی:

’’حضرت‘‘ جنید بغدادی کا پورا نام ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید تھا۔ کشف المحجوب میں لکھا ہے:

’’اور مشہور ہے کہ زمانہ حیات سری سقطی رحمہ اللہ میں پیر بھائیوں نے حضرت جنید بن محمد سے عرض کی ہمیں کچھ فرمایئے تاکہ ہمارے دل سکون و راحت پائیں آپ نے صاف انکار کر دیا۔ اور فرمایا جب تک میرے شیخ حضرت میری جلوہ آراء مسند ظاہر ہیں میں کوئی بات کہنے کا مجاز نہیں رکھتا۔ یہاں تک کہ ایک رات خواب استراحت میں تھے کہ سرکار ابدقرار ﷺ کے جمال جہاں آراء سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ حضور فرما رہے ہیں: جنید لوگوں کو کچھ سنایا کرو اس لیے کہ تیرے بیان سے اللہ تعالیٰ ایک عالم کی نجات فرمائے گا۔

جب بیدار ہوئے تو دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ میں اپنے مرشد کے درجہ سے اتنا بلند ہو گیا ہوں کہ حضور نے مجھے حکم دعوت فرمایا جب صبح ہوئی حضرت سری رحمہ اللہ نے ایک مرید بھیجا اور حکم دیا کہ جب جنید نماز سے فارغ ہوں تو کہو کہ میرے مریدوں کی درخواست تم نے رد کر دی اور انہیں کچھ نہ سنایا۔ اشیاخ بغداد نے سفارش کی اسے بھی تم نے رد کر دیا۔ میں نے پیغام بھیجا پھر بھی آمادۂ وعظ نہ ہوئے۔ اب جب کہ پیغمبر عالم سید اکرم ﷺ کا حکم تمہیں ملا ہے۔ لہٰذا اس حکم کی تعمیل کرو۔

① یونس: ۱۰۴۔

حضرت جنید بن محمد نے یہ حکم سنتے ہی جواب میں کہلا بھیجا کہ حضور جو میرے دماغ میں افضلیت کا سودا سمایا ہے وہ جاتا رہا ہے اور میں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ سری سقطی میرا مرشد کامل میرے تمام حالات ظاہر و باطن سے مشرف ہے۔ اور آپ کا درجہ ہر حال میں میرے درجہ سے بلند۔ اور آپ یقیناً میرے اسرار پر مطلع ہیں اور میں آپ کے منصب جلیل کی بلندی سے محض بے خبر ہوں۔ اور اپنی اس غلطی سے استغفار کرتا ہوں جو میں نے اس خواب کے بعد اپنے متعلق سوچا تھا۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے حضرت سری سقطی رحمہ اللہ سے عرض کی: حضور آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں نے خواب میں حضور کی زیارت کی۔ فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کے جمال سے خواب میں شرف حاصل کیا مجھے جناب باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ میں نے اپنے حبیب پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنید کے پاس بھیجا کہ اُسے حکم دو تا کہ وہ وعظ کہے تا کہ اہل بغداد کی مراد برآئے۔

یہ حکایت دلیل واضح ہے کہ پیران کامل ہر صورت میں مرید کے حالات پر واقف ہوتے ہیں۔''①

علی ہجویری صاحب کے بیان کیے ہوئے اس واقعہ سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ ماموں بھانجے کس پائے کے لوگ تھے۔ ایک کا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تعلق تھا تو دوسرے کا الٰہ العالمین سے وہ رابطہ کہ وہ ان کو بتا دیتا ہے کہ میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے بھانجے کے پاس اس حکم کے ساتھ بھیجا ہے! شاید اس بات کے ماننے میں آپ کو کچھ تردد ہو کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اگر کسی کا چھوٹا اس کی بات نہ مانے تو وہ اللہ تعالیٰ سے کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنی بات منوا لے؟ تو بھائی آپ کے اس تردد کا علاج میرے پاس نہیں ہے۔ ہاں یہ سب کچھ کیوں اور کس طرح ہوتا ہے۔ آنے والے صفحات میں اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کروں گا۔ کیا عجب کہ بات دل کو لگ جائے لیکن اس بات کو یاد رکھیے کہ یہ واقعہ ایسا واقعہ ہے کہ جس کی تائید عبدالقادر جیلانی صاحب نے بھی کر دی ہے اور ان کی کتاب ''فتح الربانی'' کے ترجمہ ''فیوض یزدانی'' شائع کردہ مدینہ پبلیشنگ کمپنی، کراچی (ص/۵۴۹) میں

① کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب ص/۲۶۹، ۲۶۸۔

موجود ہے۔

اس واقعہ میں اہل تصوف کے اس بنیادی تصور کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ:

''یہ حکایت دلیل واضح ہے کہ پیران کامل ہر صورت میں مرید کے حالات سے واقف ہوتے ہیں''۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ تو پیروں کو خدائی کا درجہ دینا ہوا۔ نبی ﷺ کا بھی یہ حال تھا۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات سے واقف نہ ہوتے تھے اور انہیں بھی ان کے احوال جاننے والوں سے دریافت کرنا پڑتے تھے یہاں پھر میں اپنی مجبوری کا اعتراف اور آپ سے صبر کا تقاضہ کروں گا۔

اسی ''کشف المحجوب'' میں ایسے اور واقعات بھی ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ ماموں اور پیر ''حضرت'' سری سقطی کی طرح خواجہ جنید بغدادی بھی دل کی باتوں سے واقف ہوتے تھے:

''ایک واقعہ ہے کہ حضرت جنید رحمہ اللہ سے آپ کا ایک مرید کچھ بداعتقاد ہوا اور اس غلط فہمی میں پڑا کہ اب میں بھی کسی درجہ پر فائز ہو چکا ہوں۔ حضرت جنید رحمہ اللہ سے کچھ اعراض کر لیا۔ چند روز بعد اس غرض سے آیا کہ تجربہ کرے اور دیکھے کہ میرا خیال جنید پر منکشف ہوا بھی یا نہیں۔ اور حضرت جنید اپنے نورِ فراست سے اس کی حالت ملاحظہ فرما رہے تھے۔ جب وہ مرید آیا آپ سے کچھ سوال کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کیسا جواب چاہتا ہے الفاظ وعبارات میں یا حقیقت معنی میں مرید نے عرض کی دونوں طرح آپ نے فرمایا عبارتی جواب تو یہ ہے کہ اگر میرا تجربہ کرنے کی بجائے اپنا تجربہ کر لیتا تو میرے تجربہ کا محتاج نہ ہوتا۔ اور اس جگہ تجربہ کی غرض سے نہ آتا۔

اور معنوی جواب یہ ہے کہ میں نے تجھے منصب ولایت سے معزول کیا یہ فرمانا تھا کہ مرید کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور چیخنے لگا اور پکارا کہ حضور راحت یقین میرے دل سے جاتی رہی توبہ کرنے لگا اور پہلی بکواس سے ہاتھ اٹھایا۔ اس وقت حضرت جنید رحمہ اللہ

نے فرمایا تو نہیں جانتا کہ اللہ کے ولی والیانِ اسرار ہوتے ہیں تجھ میں ان کی ضرب برداشت نہیں پھر ایک پھونک اس پر ماری۔ وہ پھر اپنے پہلے درجہ پر متمکن ہوا۔ اس دن سے خاصانِ بارگاہ کے معاملات میں دخل دینے سے بھی توبہ کی اور پختہ عہد کرلیا۔''①

دل کے حالات سے واقفیت اور ولایت سلب کر کے پھونک مار کر واپس کر دینا کیا معمولی بات ہے، ''حضرت جنید بغدادی'' کی طاقت اور دل کے حالات سے واقفیت کا حال **کشف المحجوب** کے ایک دوسرے واقعہ سے سنیے:

''اور کہتے ہیں خیر نساج رحمۃ اللہ پر ایک خاطر رونما ہوئے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ دروازہ پر ہیں۔ آپ نے اس خطرہ کو اپنے سے دور کرنا چاہا کہ دوسرا خطرہ خاطر مبارک میں آیا۔ آپ اس کے دفع میں مشغول ہوئے کہ پھر تیسری بار خطرہ ہوا کہ حضرت جنید دروازہ پر تشریف فرما ہیں جا کر دیکھا تو حضرت جنید رحمۃ اللہ کو دروازہ پر کھڑا پایا۔ حضرت جنید نے فرمایا: اے خیر نساج اگر تو پہلے خطرہ کو خاطر میں لے آتا اور سیرت مشائخ پر عمل پیرا ہو جاتا تو اتنی دیر میں دروازہ پر کھڑا نہ رہتا۔
مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر خطرہ خیر میں آیا تو اس میں جنید کو کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جنید شیخ خیر نساج تھے اور شیخ لامحالہ احوال مرید سے واقف ہوتا ہے لہٰذا ان کا فرمانا صحیح تھا۔''②

جنید بغدادی صاحب نے خیر نساج کو بتا دیا کہ تمہارے دل میں پہلا خیال یہ آیا تھا کہ میں دروازہ پر کھڑا ہوں لیکن تم نے پرواہ نہ کی۔ یہاں بھی وہی بات ہے کہ

''پیر کامل ہمیشہ اپنے مرید کے دل کے حالات سے واقف ہوتا ہے۔''

کشف المحجوب کی عبارت کے بعد جنید بغدادی کی ''بزرگی''، ''اعلیٰ حضرت'' احمد رضا خاں بریلوی کے ملفوظات میں دیکھیے۔ اس کا ایک صفحہ آپ کے سامنے ہے:

---

① کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب ص ۲۷۱، ۲۷۰۔

② حوالہ مذکورہ ص ۵۹۲، ۵۹۳۔

''عرض: حضور یہ واقعہ کس کتاب میں ہے کہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمہ اللہ نے یا اللہ فرمایا اور دریا میں اتر گئے۔ پورا واقعہ یاد نہیں۔

ارشاد: غالباً حدیقۂ ندیہ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدی جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ دجلہ پر تشریف لائے اور یا اللہ کہتے ہوئے اس پر زمین کی مثل چلنے لگے بعد کو ایک شخص آیا اسے بھی دریا پار جانے کی ضرورت تھی کوئی کشتی اس وقت موجود نہ تھی جب اس نے حضرت کو جاتے دیکھا عرض کی میں کس طرح آؤں فرمایا یا جنید یا جنید کہتا چلا آ۔ اس نے یہی کہا اور دریا پر زمین کی طرح چلنے لگا۔ جب بیچ دریا میں پہنچا شیطان لعین نے دل میں وسوسہ ڈالا کہ حضرت خود تو یا اللہ کہیں اور مجھ سے یا جنید کہلواتے ہیں میں بھی یا اللہ کیوں نہ کہوں اس نے یا اللہ کہا اور ساتھ ہی غوطہ کھایا۔ پکارا حضرت میں چلا فرمایا وہی کہہ یا جنید یا جنید جب کہا دریا سے پار ہوا۔ عرض کی حضرت یہ کیا بات تھی آپ اللہ کہیں تو پار ہوں اور میں کہوں تو غوطہ کھاؤں فرمایا ارے نادان ابھی تو جنید تک تو پہنچا نہیں اللہ تک رسائی کی ہوس ہے[①]۔ اللہ اکبر

پانی پر زمین کی طرح چلنے کی شان ملاحظہ فرمایئے اور یہ بھی کہ اپنے پیچھے آنے والے کو یا جنید یا جنید کا ورد بتلایا اور پھر یہ بھی ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنا بغیر کسی ''بزرگ'' کے واسطہ کے ممکن نہیں ہے اور قرآن میں جو براہ راست و بلا واسطہ رجوع کا ذکر ہے وہ محل نظر ہے! اس سے زیادہ تعجب انگیز یہ ہے کہ شیخ اکبر ابن عربی نے اپنے رسائل میں لکھا کہ عالم تجلیات میں جب جنید بغدادی سے ملاقات ہوئی تو وہ میری غیر معمولی قابلیت سے بہت زیادہ مرعوب ہو گئے لیکن میں نے ان کو اطمینان دلایا کہ جب آپ کو میرے جیسا جانشین ملا ہے تو پھر کس بات کا ڈر ہے[②]

یہ اور بات کہ جنید بغدادی اور ابن عربی کے زمانوں میں ۳۴۰ سال کا فرق ہے۔ جنید بغدادی کی وفات ۲۹۸ھ اور ابن عربی کی ۶۳۸ھ میں ہے۔ کچھ ہو بہر حال یہ بات تو واضح ہو گئی کہ ''بزرگ حضرات'' کے سامنے ''برزخ'' کی آڑ کوئی آڑ نہیں جب چاہیں اس کو پار کر لیں۔

---

① ملفوظات مجدد مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی حصہ اول ص/۱۱۷۔

② رسائل ابن عربی جزء ثانی، کتاب تجلیات ص/۳۵۔

’’حکیم الامت‘‘ اشرف علی تھانوی صاحب نے جنید بغدادی کی عظمت کا جو واقعہ حاجی امداد اللہ صاحب کے ملفوظات کی کتاب ’’امداد المشتاق‘‘ میں لکھا ہے وہ آپ کے سامنے ہے:

’’(۲۲۸) فرمایا: حضرت جنید بغدادی بیٹھے تھے ایک کتا سامنے سے گذرا آپ کی نگاہ اس پر پڑ گئی اس قدر صاحب کمال ہو گیا کہ شہر کے کتے اس کے پیچھے دوڑے وہ ایک جگہ بیٹھ گیا سب کتوں نے اس کے گرد حلقہ باندھ کر مراقبہ کیا (حاشیہ) قولہ اس قدر صاحب کمال ہو گیا اقول کمال خاص مراد ہے نہ کہ کمال مطلوب۔①

کمال خاص اور کمال مطلوب کے فرق کو باقی رکھنا بہت ضروری تھا مبادا...... یہ ہیں ہمارے ’’بزرگوں‘‘ کے وہ کارنامے جوان کے بعد آنے والے ’’بزرگوں‘‘ نے تحریر فرمائے ہیں!

①امداد المشتاق مولفہ اشرف علی تھانوی ص ر ۱۰۲۔

اتحاد ثلاثہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی مقام پر آپ کی خدمت میں یہ بات رکھ دوں کہ اس سلسلہ میں آپ کا مجھ سے قرآن اور حدیث کی دلیلیں طلب کرنا انصاف نہیں ہے، کیوں کہ یہ شریعت کا معاملہ نہیں یہ تو دین طریقت کا میدان ہے اور ان چیزوں میں مشرق ومغرب کا بُعد اور زمین وآسمان کی دوری ہے۔ شریعت کی بنیاد جس طرح تین چیزوں پر ہے۔قرآن، حدیث واجماع اور اس کے بعد کہیں قیاس کا نمبر آتا ہے۔اسی طرح اس دین طریقت کی بھی تین بنیادیں ہیں جن کو اتحاد ثلاثہ کا نام دیا جاتا ہے۔میری خواہش یہ ہے کہ شروع ہی میں آپ کے سامنے مختصر ترین الفاظ میں دین طریقت کا لُب لباب رکھ دوں۔ اس سے واقف ہوجانے کے بعد آپ نہ صرف ''حضرت بنوری صاحب'' کی باتوں کی تہہ تک پہنچ جائیں گے بلکہ تصوف کے سلسلے کی ہر مشکل کو چٹکیوں میں حل کرلیں گے۔

(۱) حلول:

اس ''اتحاد ثلاثہ'' کا پہلا اصول حلول ہے۔اس نظریہ کی بنیاد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص غیر معمولی ریاضتوں کے ذریعہ نفس کی صفائی اور روح کی بالیدگی پیدا کرلے یا کسی کو ورثہ میں یہ چیزیں ملی ہوں تو ذات خداوندی اس کے اندر حلول کر جاتی ہے۔یعنی لاہوت ناسوت میں اور موجد موجود میں اتر آتا ہے۔اسی لیے ہندوؤں کے رشی منی اور بدھ مت کے پیرو جنگلوں اور پہاڑوں میں گوشہ نشین ہوکر سخت ریاضتیں کرتے ہیں۔یہی نظریہ عیسائیوں کا بھی ہے اور قرون وسطیٰ میں ان کی غیر معمولی ریاضتیں تاریخ کا جز بن چکی ہیں۔ان کے ریاضت کرنے والے اپنے بدن کو رسیوں کے ذریعہ ستون سے باندھ کر ایک ہی حالت میں قائم رہنے کی کوشش کرتے تھے یہاں تک کہ دن گزرتے جاتے اور رسی ان کے گوشت کو کاٹ کر اندر اترتی چلی جاتی اور زخم پیدا ہوکر ان میں کیڑے پڑ جاتے لیکن یہ لوگ اپنی یہ ریاضت ختم نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں اضافہ کے لیے برابر کوشاں رہتے۔زخم کے کیڑوں میں سے کوئی کیڑا اگر گر کر الگ ہوجاتا تو وہ اس کو پھر اٹھا کر زخم پر ڈال دیتے اور کہتے کہ

''کھا جو تجھ کو تیرے مالک نے دیا ہے۔''

بہت سے یہ ''بزرگ'' جنگلوں میں مارے مارے پھرتے اور گھاس پھوس پر گزارا کرتے اسی طرح جیسے بنوری صاحب کے والد صاحب کے واقعات میں پیچھے گزر چکا ہے۔ کچھ ''حضرات'' جانوروں کے بھٹوں میں، پرانی قبروں اور مقبروں میں اور بعض کنوؤں میں اپنا گھر بنا لیتے تھے۔ کوئی سالوں چپ رہتا اور کوئی ہاتھوں اور پیروں میں لوہے کی زنجیریں ڈالے دکھائی دیتا تھا۔

اس آخری امت میں اس نظریہ کی ابتداء عبداللہ بن سبا (یمنی یہودی جو خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں منافقانہ طور پر اسلام میں داخل ہوا تھا) کے پیروؤں سے ہوئی۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ علی رضی اللہ عنہ کی ذات میں اور ان کی اولاد میں حلول کر آیا ہے اور اس طرح یہ ''حضرات'' اللہ کے ''اوتار'' ہیں۔ پھر حلول کا یہ عقیدہ عبداللہ بن سبا کے ماننے والوں نصیریہ، کیسانیہ، قرامطہ اور باطنیہ سے ہوتا ہوا صوفیاء کے اندر داخل ہو گیا اور یہاں پہنچ کر وہ اصلی برگ و بار لایا۔ علی رضی اللہ عنہ کی ''خدائی'' کا عقیدہ خود علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شروع ہو گیا تھا۔

''قوم زط'' کے ستر آدمی، جو عبداللہ بن سبا کے چیلے تھے علی رضی اللہ عنہ کو اعلانیہ الٰہ پکارتے تھے۔ علی رضی اللہ عنہ نے انہیں بہت سمجھایا لیکن جب وہ اپنا یہ عقیدہ بدلنے پر تیار نہ ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو آگ میں جھونک دیے جانے کا حکم دیا۔ لیکن یہ لوگ اپنے ''الوہیت علیؑ'' کے اس عقیدے میں اس قدر پختہ تھے کہ آگ میں جل کر بھی پکارتے رہے کہ علی رضی اللہ عنہ یقیناً اللہ ہیں کیوں کہ **لَا یُعَذِّبُ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ** یعنی آگ کا عذاب کوئی نہیں دیتا مگر وہ جو آگ کا رب ہے اس طرح یہ لوگ اپنے آخری لمحات میں بھی علی رضی اللہ عنہ کی ''خدائی'' کی گواہی دے کر مرے۔

یہی عقیدہ فرقہ سبائیہ نصیریہ کا بھی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے اندر اللہ تعالیٰ حلول کر گیا ہے اور اس لیے علی رضی اللہ عنہ اللہ ہیں۔ بنوری صاحب نے اپنے والد صاحب کے عقد نکاح کے سلسلے میں علی رضی اللہ عنہ کو عرش پر بٹھا کر اسی عقیدے کو رونمائی کا موقع دیا ہے۔ اور اسی لیے خواجہ حیدر علی آتش لکھنوی فرما گئے ہیں کہ ؎

دل مرا بندہ نُصیری کے خدا کا ہو گیا

اسی عقیدہ کے زیر اثر یہ کہا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جو آواز سنی تھی وہ علی رضی اللہ عنہ کی آواز تھی۔ صوفیاء میں حسین بن منصور حلاّج اس عقیدے کے پہلے علمبردار سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ

یہی تھا کہ لاہوت ناسوت میں حلول کر جاتا ہے۔ خاص کر اپنے متعلق تو ان کا صریح دعویٰ تھا کہ مجھ میں اللہ ''حلول'' کر گیا ہے اور اسی وجہ سے وہ ''اناالحق'' کا نعرہ لگاتے تھے۔ ''حلول مطلق'' کا یہ عقیدہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ساری کائنات میں حلول کیے ہوئے ہے، جو پہلے جھیمیہ کا عقیدہ تھا، حسین بن منصور حلاّج اور ان کے ساتھیوں کے ذریعہ اس امت میں در آیا آج یہ دین تصوف کی رگوں کا خون بنا ہوا ہے۔

حسین بن منصور حلاّج کے اس سلسلہ کے چند اشعار بہت ہی مشہور ہیں:

۱۔ سبحان من اظھر ناسوته
سِرّ سَنا لاھوته الناقب

۲۔ثم بدأ فی خلقه ظاھرا
فی صورة الأکل والشارب

۳۔حتی لقد عاینه خلقه
کلحظة الحاجب بالحاجب ①

ترجمہ: ۱۔ پاک ہے وہ جس نے اپنے ناسوت کو چمکتے ہوئے لاہوت کا روشن بھید بنا کر ظاہر کیا۔
۲۔ پھر وہ اپنی مخلوقات میں کھانے، پینے والے کی شکل میں آشکارا ہوا۔
۳۔ یہاں تک کہ اس کو اس کی مخلوق نے اس طرح دیکھا جیسا ایک دیکھنے والا دوسرے کو دیکھتا ہے۔

اسی حسین بن منصور حلاّج کا یہ شعر بھی ہے کہ

عقد الخلائق فی الالٰه عقایدا
وانا اعتقدت جمیع مااعتقدوه

ترجمہ: ''مخلوق کے الٰہ کے بارے میں بہت سے عقیدے ہیں اور میں ان کے تمام عقیدوں پر عقیدہ رکھتا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ ہر چیز میں اللہ حلول کیے ہوئے جس کو بھی پُوجو وہ اللہ ہی ہے کوئی اور نہیں۔''

اور مزید کہتا ہے:

① تاریخ بغداد للخطیب بغدادی (جلد۸، صفحہ ۱۲۹).

کفرت بدین اللہ والکفر واجب

لدیّ وعند المسلمین قبیح

ترجمہ: ''میں نے اللہ کے دین کا انکار کیا اور میرے نزدیک انکار واجب ہے اور دوسرے مسلمانوں کے نزدیک یہ بہت برا ہے''

اس نظریہ حلول پر ان کا اصرار رہا اور آخر کار خلیفہ بغداد المقتدر باللہ نے ان کو اپنے وزیر خارجہ حامد بن العباس کے حوالہ کر دیا۔ لیکن جب انہوں نے توبہ نہ کی اور اپنے اس عقیدے پر جمے رہے تو ۲۴ / ذو القعدہ ۳۰۹ھ میں انہیں بغداد میں قتل کر دیا گیا اور ان کی لاش کو جلا کر راکھ دریا میں پھینک دی گئی۔ ان خیالات کے باوجود صوفیوں کی اکثریت نے ان کو حق پر ہونے اور ان کے سزا دینے والوں کو باطل پر ہونے کا فیصلہ دیا اور کہا: ؎

روا باشد انا الحق از درختے

چرا نبود روا از نیک بختے

''اگر ایک درخت سے ''انا الحق'' کی آواز بجا و درست ہو سکتی ہے تو ایک نیک بخت کی طرف سے یہ آواز کیوں درست نہیں''

گویا ان صوفی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ یہ جو کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو آواز سنائی دی تھی وہ درخت کی آواز تھی۔ صوفیوں نے ''حلول'' کے اس فلسفہ کو درست اور بجا نہیں بلکہ اصل راز توحید گردانا اور فرمایا: ؎

من باح بالسر کان القتل شیمنه

بین الرجال ولم یوخذ له ثار

''جو راز فاش کر دے اس کا انجام قتل کے سوا اور کیا ہے اور ایسے مقتول کا بدلہ بھی نہیں لیا جا سکتا ہے''

کہنا یہ ہے کہ انہوں نے اپنے وصل کے راز کو فاش کر دیا اور راہ عشق میں یہ افشاء راز بہت ہی شدید جرم ہے اس لیے ان کو یہ سزا ملی اور خوب ملی۔

ابن حجر عسقلانی ''لسان المیزان'' میں لکھتے ہیں کہ ابن عربی، فصوص الحکم کے لکھنے والے، ان کی عظمت کا بہت تذکرہ کرتے ہیں۔

اس نظریہ کے مقابلہ میں قرآن کا ارشاد تو یہ ہے کہ

﴿ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ۝ ﴾①

''اللہ تعالیٰ (رحمٰن) عرش پر مستوی ہے۔''

ظاہر فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ ان معنوں میں حاضر و ناظر نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات کے لحاظ سے ہر جگہ موجود ہو بلکہ وہ علم، اقتدار اور تصرف کے لحاظ سے حاضر و ناظر ہے۔ لیکن حلول کے یہ دعویدار ان کو عرش سے اتار کر کسی کی ذات میں داخل کر دینے سے کم پر بس نہیں کرتے۔ اسی نظریہ کے زیر اثر کہنے والے نے کہا ہے کہ:؎

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفیٰ ہو کر

؎

اپنا اللہ میاں نے ہند میں نام
رکھ لیا خواجہ غریب نواز

خواجہ نظام الدین اولیاء حسین بن منصور حلاّج کی ''بزرگی'' کے اس قدر قائل تھے کہ آپ نے فرمایا:

''روز چہار شنبہ ۴ر ماہ صفر ۷۲۲ھ۔ دولت پائبوسی حاصل ہوئی۔ ذکر مشائخ ہو رہا تھا۔ بندہ نے عرض کیا کہ سیدی احمد کیسے تھے آپ نے فرمایا:

وہ بزرگ شخص تھے۔ عرب تھے عرب کا قاعدہ ہے کہ جب کسی کو بزرگی سے یاد کرتے ہیں تو اسے سیدی کہتے ہیں۔ وہ شیخ حسین منصور حلاّج کے زمانے میں تھے جب کہ ان کو جلایا گیا اور ان کی خاک دجلہ میں ڈالی گئی سیدی احمد صاحب نے ذرا سی خاک اس میں سے تبرکا اٹھا کر کھا لی تھی۔ یہ ساری برکتیں اسی سبب سے انہیں

---

①سورہ طٰہٰ: ۵.

حاصل تھیں۔‘‘①

حلول کا عقیدہ رکھنے والے اور خدائی کے دعویدار کی جلی ہوئی لاش کی راکھ کی برکت کا جب یہ حال ہے تو خود اس کی ’’بزرگی‘‘ کا کیا عالم ہوگا جس کی یہ راکھ تھی! اور...... ذرا اس دولت پا بوسی کی بھی داد دیتے جایئے گا جو ہمارے ’’بزرگوں‘‘ کی محفلوں کا بہترین نذرانہ ہے۔

حضرت حسین بن منصور حلاج:

’’انہیں میں سے مستغرق معنی ابوالغیث حضرت حسین بن منصور حلاّج رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ سرمستان بادۂ وحدت اور مشتاق جمال احدیت گذرے ہیں اور نہایت قوی الحال مشائخ میں تھے۔‘‘②

علی ہجویری صاحب نے تصدیق فرما دی کہ ’’حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ‘‘ سرمستان وحدت اور مشتاق جمال احدیت تھے اس طرح سے ان پر جو زندیقیت اور الحاد کے الزام لگائے گئے ہیں، ان کا ردّ ہو گیا! پھر علی ہجویری صاحب فرماتے ہیں کہ

’’دیکھتے نہیں کہ شبلی رحمہ اللہ حضرت حسین بن منصور حلاّج کی شان میں کیا فرما رہے ہیں آپ کا اعلان ہے۔ اَنَا وَالْحَلاَّجُ فِی شَیْءٍ وَّاحِدٍ فَخَلِّصَنِیْ جُنُوْنِیْ وَاَھْلَکَہٗ عَقْلُہٗ میں اور حسین بن منصور حلاّج ایک ہی طریق پر ہیں۔ مگر مجھے میرے دیوانہ پن نے آزاد کرا دیا اور حسین بن منصور کو اسی کی عقلمندی نے ہلاک کرا دیا ہے۔

اگر (معاذ اللہ) وہ بے دین ہوتے تو شبلی رحمہ اللہ یہ نہ فرماتے کہ

میں اور حلاّج ایک چیز ہی ہیں حضرت محمد بن خفیف رحمہ اللہ نے فرمایا:

هُوَ عَالِمٌ رَبَّانِیٌ حسین بن منصور حلاّج عالم ربانی تھے اور ایسے ہی اوروں نے بھی بہت کچھ تعریف کی اور انہیں بزرگ بتایا۔‘‘③

---

① فوائد الفؤاد: ملفوظات نظام الدین اولیاء صاحب مرتبہ خواجہ حسن دہلوی۔ ترجمہ: پروفیسر سرور صاحب شائع کردہ محکمہ اوقاف پنجاب ص ۱۷۴۔ ترجمہ بریاں صاحب شائع کردہ مکتبہ مجتبائی، دھلی ص ۳۸۴.

② کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب ص ۳۰۰.

③ حوالہ مذکورہ ص ۳۰۲.

''حضرت جنید بغدادی'' کے شاگرد اور مرید شبلی نے بھی انہیں اپنا ساتھی قرار دیا اور اپنے سے زیادہ عقلمند ٹھہرایا! بہرحال کچھ بھی ہو ان میں جرأت ضرور تھی کہ اپنے عقیدے پر جمے رہے اور سر دے دیا۔ آج بھی یہی عقیدہ ہے مگر خوف کی وجہ سے ''تدلّی'' اور ''تجلّی'' کے نام سے اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یہ اتحاد ثلاثہ میں سے ایک نظریہ کی کارفرمائی ہے۔ رہا اس اتحاد کا دوسرا جزو، تو وہ اس سے بھی زیادہ ''عظیم الشان'' ہے!

(۲) وحدۃ الوجود:

اتحاد ثلاثہ کا دوسرا جزو جس نے قرآن وحدیث کے بتلائے ہوئے خالق ومخلوق کے فرق کو بدل ڈالا ہے، وحدۃ الوجود کا نظریہ ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز ایک ذات کے پھیلے ہوئے حصوں میں سے ایک حصہ ہے، کسی ایک چیز میں دوسرے سے غیریت نہیں یعنی خالق ومخلوق میں وحدت ہے اور دونوں ایک ہیں۔ اس نظریہ کے لحاظ سے کافر ومشرک، فاسق وفاجر، مومن ومسلم شیطان وجن، کتا وبلی، نجاست وغلاظت، یہ سب اللہ کے عین وجود ہیں۔ انہیں ذات الٰہی سے الگ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان میں اور ذات الٰہی میں کوئی غیریت ہے اور کائنات میں جو مختلف چیزیں نظر آتی ہیں، یہ حس وادراک کا ظاہری پہلو ہے۔ ابن عربی جو صوفیاء میں ''شیخ اکبر'' کے نام سے پکارے جاتے ہیں، اس نظریہ کے موجد سمجھے جاتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ''ہندومت'' سے لیا ہوا یہ نظریہ شروع ہی سے فن تصوف کی جان بنا رہا ہے۔ ہاں ابن عربی اس امت مسلمہ کے اندر اس کے علم بردار بن کر ضرور اٹھے ہیں۔ فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم جیسی مشہور کتابیں لکھ کر اس کو حق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اپنی پوری زندگی اس نظریہ کو پھیلانے میں لگادی ہے۔ ان کی اس کوشش کا ثمرہ یہ ہے کہ آج ہر صوفی کے یہاں اس بات کی کسی نہ کسی شکل میں نمائش ضرور ہے۔ ابن عربی کہتے ہیں:

الرب حق والعبد حق
یا لیت شعری من المکلّف

''پروردگار بھی حق ہے اور بندہ بھی حق۔ کاش معلوم کرسکتا کہ ان میں سے مکلف کون ہے''

ان قلت عبد فذاک میّت

او قلت رب انّی یکلف

''اگر تم کہو کہ مکلف بندہ ہے تو بندہ تو مردہ اور میت ہے۔ اگر تمہارا کہنا یہ ہے کہ ''رب'' تو وہ کیسے مکلف ہو سکتا ہے''①

اور لکھتے ہیں:

فیا لیت شعری من یکون مکلفا

وما ثم الا اللہ لیس سواہ

''کاش مجھے معلوم ہوتا کہ مکلف کون ہے درآں حالیکہ یہاں اللہ کے علاوہ کسی کا وجود ہی نہیں ہے۔''②

اپنی کتاب فصوص الحکم کی فص ہارونیہ میں لکھتے ہیں:

''فان العارف من یری الحق فی کل شیءٍ بل یراہ عین کل شیءٍ''

''پس عارف وہ ہے جو ہر چیز میں حق کو دیکھے بلکہ حق تعالیٰ کو ہر چیز کا عین دیکھے۔''

اور فص ہود میں لکھتا ہے:

''انه عین الأشیاء'' ''بے شک اللہ تعالیٰ اشیاء کا عین ہے۔''

اور اسی بات کو فتوحات مکیہ میں یوں فرمایا:

ففی الحق عین الخلق ان کنت ذاعینٍ

وفی الخلق عین الحق ان کنت ذا عقلٍ

''پس حق میں عین الخلق ہے اگر تو چشم بینا رکھتا ہے اور خلق میں عین الحق ہے اگر تو عقل والا ہے۔''

فان کنت ذاعین وعقل معًا فما

تری شیءٍ واحد فیه بالفعل

''پس اگر تو آنکھ اور عقل دونوں کا مالک ہے تو تُو ایک شے واحد کے علاوہ کسی اور چیز

①فتوحات مکیہ: ج ۱/ ص ۲/۱۔

②رسائل ابن عربی، کتاب الجلالہ: ص ۱۲۔

کو بالفعل نہ دیکھے گا۔''

اپنے اس نظریہ ہمہ اوست کے ثبوت میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ ایک توحید عقل والے کی ہے اور ایک توحید عارف صاحبِ تجلیات کی۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ صاحبِ عقل توحید کا شعر یوں پڑھے گا:

وفی کل شیءٍ له آیة
تدل علٰی انه واحد

''اور ہر چیز میں اس کی نشانی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ایک ہے۔''

اور صاحبِ تجلی کا شعر یوں ہوگا:

وفی کل شیءٍ له آیة
تدل علٰی انه عینه

''اور ہر چیز میں اس کی نشانی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اس کا عین ہے۔''

ہر چیز اللہ ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں:

یہ اشعار لکھنے کے بعد ابن عربی لکھتے ہیں کہ

ان دونوں میں وہی فرق ہے جو صاحبِ عقل کے لفظ ''واحد'' اور صاحبِ تجلی کے لفظ ''عین'' میں ہے۔ پس وجود کسی کا نہیں ہے سوائے اللہ کے اور اللہ کو اللہ کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا اور اسی حقیقت کی بنیاد پر کہنے والے نے کہا ہے کہ میں اللہ ہوں جیسے ابو یزید (بایزید بُسطامی) نے کہا (سبحانی ما اعظم شانی) (یعنی میری ذات پاک کی قسم میری شان کتنی عظیم ہے) اور ان کے علاوہ دوسرے اہل اللہ نے بھی جو پہلے گزر چکے ہیں یہی بات کہی ہے اور یہی بات ان قولوں میں ملتی ہے جو دوسروں نے ان کے اقوال سے نکال کر نقل کیے ہیں۔ عبارت کا عکس یہ ہے:

''فصاحب العقل ینشد

وفی کل شی له آیة
تدل علی انه واحد

وصاحب التجلی ینشد قولنا فی ذٰلک

وفی کل شی له آیة

تدل علی انه عینه

بینهما ما بین کلمتیهما فما فی الوجود الا الله ولا یعرف الله الا الله ومن هٰذه الحقیقة قال من قال انا الله کابی یزید وسبحانی کخیر ممن رجال الله المتقدمین وهی من بعض تخریجات اقوالهم رضی الله عنهم"①

اس نظریہ کے لحاظ سے ہر چیز ذاتِ الٰہی کا جزو اور حصہ ہے، کوئی چیز دوسری چیز سے غیریت نہیں رکھتی، صرف اس فرق مراتب کی وجہ سے صورتیں بدل گئی ہیں، کوئی انسان نظر آتا ہے کوئی جانور، کوئی درخت نظر آتا ہے کوئی پہاڑ، کوئی ولی اور کوئی نبی، لیکن ایک فاسق وفاجر بھی دراصل ''ذاتِ خداوندی'' کا ایسا ہی حصہ ہے جیسا ایک بزرگ ولی۔ اسی طرح ایک جانور بھی ذاتِ حق کا ایک جزو ہے اور ایک پرندہ بھی۔ اسی لیے اس فن کے کاملین کبھی کتے کے بھونکنے پر لبیک، لبیک کا نعرہ لگاتے کبھی کوے کی آواز پر۔ اور اگر دریافت کیا جاتا ہے کہ ''حضرت یہ کیا ہے؟ یہ تو کتے اور کوے کی آواز ہے'' تو جواب ملتا ہے کہ ''مجھے تو ہر آواز آوازِ خداوندی معلوم ہوتی ہے، اسی لیے میں لبیک لبیک کا نعرہ لگاتا ہوں!''

ابن عربی کے اس نظریہ نے قرآن اور حدیث کی ساری قدروں کو بدل ڈالا ہے عالم دنیا حادث کے بجائے قدیم بن گیا، اللہ تعالیٰ کو معطل کر ڈالا گیا، خیر وشر کی تمیز باقی نہ رہی، تکلیف اٹھالی گئی، جنت وجہنم بے معنی چیزیں بن گئیں۔ آخر وہ کون سا اللہ ہے جو اپنی ذات کو جہنم کے سپرد کر دے گا! ابن عربی کا ارشاد ہے کہ جہنم کی آگ ٹھنڈی ہو کر لطف ولذت کا سامان مہیا کرے گی۔ اس نظریہ نے اس قدر زور پکڑا کہ ساری دنیا میں اس کے حامی، اس کے علمبردار پیدا ہو گئے۔ کہیں ''مولانا جلال الدین رومی'' نے اس کا نعرہ لگایا اور کہیں ''خاندان ولی اللّٰہی'' نے اس کے جھنڈے اٹھائے۔ اور آج اسلام کی جو صورت بنی ہے اس میں سب سے بڑا ہاتھ اس نظریہ کا ہے۔

① فتوحات مکیہ ج ۱ ص ۲۷۲۔

(۳) وحدۃ الشہود:

اتحاد ثلاثہ کا تیسرا ٹکڑا ''وحدۃ الشہود'' ہے۔ اس کو ''فنا فی اللہ'' ہونا بھی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی محبت اور ریاضت کو اس قدر فروغ دے کہ حلولیوں کی طرح اللہ تعالیٰ کو عرش سے اتار کر کسی ذات میں داخل کرنے کے بجائے خود عروج کرے اور بلند ہو کر ذاتِ الٰہی میں داخل ہو جائے اور اس طرح اپنی ذات کو فنا کر کے بقا حاصل کر لے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ نظریہ ابن عربی کے وحدۃ الوجود کے مقابلہ میں شیخ علاؤ الدولہ سمنانی (متوفی ۷۳۶ ھ) نے ایجاد کیا ہے اور برصغیر ہند و پاک میں ''مجدد الف ثانی'' سرہندی نے اسے اوج کمال تک پہنچایا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ نظریہ شروع ہی سے تصوف کے ہر سلسلہ میں موجود رہا ہے۔ ابو اسمٰعیل ہروی (متوفی ۴۸۱ ھ) اس کے مبلغ اعظم اور کشف المحجوب کے مصنف علی ہجویری (متوفی ۴۶۵ ھ) اور غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب، الفتح الربانی وغیرہ کے مصنف شیخ عبد القادر جیلانی (متوفی ۵۶۱ ھ) نے اس نظریہ کے جھنڈے اٹھائے ہیں، چاہے اس کو یہ نام نہ دیا ہو۔

ان تینوں نظریوں کی ایجاد کا مقصد یہ تھا کہ خالق و مخلوق، عبد و معبود کا وہ فرق باقی نہ رہے جو ذوق ''خدائی'' کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور جس کو قرآن وحدیث نے ہر جگہ، ہر مرحلہ پر، ہر وقت، ہر آن بیان کیا ہے۔ اور انجام کار ایسی ذاتیں وجود میں آئیں جو خالق و مخلوق، عبد و معبود، دونوں کی صفات کی حامل ہوں۔ کبھی خالق بنیں کبھی مخلوق، کبھی عبد بنیں کبھی معبود، اور زمانہ گواہ ہے کہ اس معاملے میں ان ''حضرات'' کو پوری کامیابی حاصل ہوئی اور عبد و معبود دونوں کی صفات سے مرکب ایسی بے شمار مخلوط ذاتیں وجود میں آئیں جو کبھی مشکل کشا بنائی گئیں اور کبھی داتا و دستگیر کہلائیں......

''اتحاد ثلاثہ'' کے ان تینوں اجزاء پر نگاہ ڈالی جائے تو پہلی بات یہ سامنے آئے گی کہ یہ تینوں قرآن وحدیث کے یکسر خلاف ہیں لیکن ان تینوں نظریات میں صرف وحدۃ الوجود کے نظریہ میں یکسانی و ہم رنگی پائی جاتی ہے کیوں کہ اس کے مطابق ہر چیز ذات الٰہی کا ایک ٹکڑا ہے اور اس لیے ہم جنس، اور اگر اتحاد ہوتا تو ہم جنس میں اتحاد ہوتا۔ باقی دو نظریے ''حلول'' اور ''وحدۃ الشہود'' کے تو وہ بالکل غیر معقول ہیں کیوں کہ ان میں غیر جنسوں میں اتحاد کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ حلول ذات الٰہی کو ذات انسانی میں داخل کرتا ہے، مگر عرش سے اتار کر، اور وحدۃ الشہود ذات انسانی کو ذات الٰہی میں سموتا ہے، اوپر اٹھا

کر۔لیکن اتنی بات تو بہر حال کہنی پڑے گی کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے اور یہ بھی کہ ؎

یہ دھوپ چھاؤں حسب ضرورت بھی خوب ہے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دین کے علم برداروں کی اپنی کتابوں سے نمونے کے طور پر چند اقتباسات آپ کے سامنے آجائیں۔ یاد رکھیے کہ بہت ہی اختصار سے کام لوں گا۔ ورنہ قرآن اور حدیث کے مقابلے کے لیے اس قدر مواد اِن ''حضرات'' نے جمع کر رکھا ہے کہ اس کے لیے ہزاروں اور لاکھوں صفحات بھی کم ہیں۔سب سے پہلے میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے اپنے ملفوظات سے جو اِن کے صاحبزادے نے مرتب کیے تھے اور کتاب کا نام ''الفتح الربانی'' رکھا تھا، ایک عکس آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں۔آپ دیکھیں گے کہ یہاں بھی وہی ''اتحاد ثلاثہ'' کا فلسفہ کام کر رہا ہے۔دیکھیے اور ''اولیاء اور ابدال'' کا مقام پہچانیے اس کا کچھ خیال نہ کیجیے کہ قرآن کریم اولیاء اللہ کے لیے صرف یہ ارشاد فرماتا ہے کہ:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾①

''(اولیاء اللہ تو وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں''۔

لیکن یہاں تو کچھ اور ہی بات ہو رہی ہے۔(رہے ابدال تو ایک جھوٹی روایت کے علاوہ کوئی صحیح روایت ابدال کی موجودگی کے اثبات کے لیے موجود نہیں ہے)

"يَا ضَعِيْفَ الْيَقِيْنِ !لاَ دُنْيَا عِنْدَکَ وَلا آخِرَةَ وَذٰلِکَ بِسوءِ أَدَبِکَ الْحَقِّ عَزَّ وَجَلَّ وَتُهْمَتِکَ لِأَوْلِيَائِهِ وَأَبْدَالِ أَنْبِيَائِهِ الذين أَقَامَهُمُ الْحَقُّ عَزَّ وَجَلَّ مَقَامَهُمْ حَمَّلَهُمْ مَا حَمَّلَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ سَلَّمَ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ وَعُلُوْمَهُمْ اَفْنَاهُمْ عَنْ نُفُوْسِهِمْ وَاَهْوِيَتِهِمْ وَاَوْجَدَهُمْ بِهِ وَاَقَامَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ طَهَّرَ قُلُوْبَهُمْ عَمَّا سِوَاهُ وَجَعَلَ الدُّنْيَا وَالاٰخِرَةَ وَالْخَلْقَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ"

اے ضعیف الیقین! نہ تیرے پاس دنیا ہے نہ آخرت اور یہ تیری حق تعالیٰ کی جناب میں بے ادبی اور اس کے ان اولیاء وابدال پر الزام رکھنے کی وجہ سے ہے جن کو حق تعالیٰ نے انبیاء کا قائم مقام بنایا ہے کہ نبیوں اور صدیقوں پر (اصلاح امت کا) جو

①سورہ یونس:۶۳.

بوجھ رکھا تھا وہی ان پر رکھ دیا ہے۔ انبیاء کے (مقدس) اعمال اور ان کے (پاکیزہ) علوم ان کے حوالہ کیے۔ ان کے نفوس وخواہشات سے ان کو فنا کر دیا اور اپنے ساتھ بقا عطا فرما کر اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔ اپنے ماسوٰی سے ان کے دلوں کو پاک کیا اور دنیا اور آخرت اور ساری مخلوق ان کے ہاتھ میں دے دی۔①

یہ ہے مقام ''اولیاء اور ابدال'' کا! ہماری دنیا اور آخرت ان کے ہاتھوں میں ہے! لیکن جنس انسانیت کی مجبوری ملاحظہ فرمایئے کہ ''اولیاء اور ابدال'' کا یہ درجہ کہ دنیا، آخرت اور ساری مخلوق ان کے ہاتھ میں، پھر خود اتنے بڑے ''ولی'' کہ اسی کتاب کی مجلس ۲ ص ۲۱/ پر لکھا ہے کہ فرمایا:

وَلَوْلَا الْحُكْمُ لَتَكَلَّمْتُ بِمَا فِي بُيُوتِكُمْ

''اگر حکم کا پابند نہ ہوتا تو میں بتا دیتا جو کچھ تمہارے گھروں میں ہے۔''

مگر افسوس کہ وفات کے بعد عبیداللہ بن یونس وزیر بغداد کے ایک نہایت ناخوشگوار سلوک سے اپنے آپ کو بچا نہ سکے:

وفيها تُوفّي عُبَيدالله بن يونس بن احمد الوزير جلال الدين ابو المظفر الحنبلي ولي حجابة الديوان ثم استوزره الخليفة وكان اماما عالما في الاصلين والحساب والهندسة والجبر والمقابلة، غير انه شان أمره بامور فعلها، منها: انه أخرب بيت الشيخ عبدالقادر (الجيلاني②) وشقت اولاده، ويقال: انه بعث في الليل من نَبَشَ على الشيخ عبدالقادر ورَمَى بعظامه في اللُّجّة، وقال: هذا وقف مايحلّ ان يدفَن في احد"

''اسی سال (۵۹۳ھ) میں عبیداللہ بن یونس بن احمد الوزیر جلال الدین ابوالمظفر الحنبلی نے وفات پائی۔ وہ شروع میں سرکاری دفاتر کا نگراں تھا بعد کو خلیفہ نے اسے وزیر مقرر کر دیا۔ وہ قرآن وحدیث وفقہ، حساب، انجینئری، الجبرا اور علم

---

①مجلس ۱۵/ فیض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی ملفوظات شیخ عبدالقادر جیلانی مترجم عاشق علی میرٹھی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ کراچی ص/ ۳۶۵، مطبوعہ بلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ ص/ ۳۵۷.

②النجوم الزاهرة ج/٦، ص/ ١٤٢ ـ الذيل على روضتين تراجم رجال القرنين السادس والسابع ص/ ١٣ ـ وشذرات الذهب ج/٤، ص/ ٣١٣ ـ ٣١٤.

الانساب کا عالم اور امام تھا مگر اس نے چند اعمال سے اپنے معاملہ کو لوگوں کی نگاہ میں گرا لیا اور ان چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے شیخ عبدالقادر جیلانی کے گھر کو مسمار کر کے ان کی اولاد کو در بدر کر دیا اور کہا جاتا ہے کہ اس نے رات کے وقت آدمی بھیجا جس نے شیخ عبدالقادر جیلانی کی قبر کھود ڈالی اور ان کی ہڈیاں دریا (دجلہ) کی لہروں میں پھینک دیں اور کہا کہ یہ وقف کی زمین ہے، اس میں کسی کا دفن کیا جانا حلال نہیں۔''

معلوم ہوا کہ جوش وجذبہ کی فراوانی کی حالت میں انسان بہت کچھ کہہ جاتا ہے مگر آخر کار پتہ چلتا ہے کہ حق صرف یہ کہ

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ ①﴾

''کہہ دیجیے کہ میں اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔''

سچی بات یہ ہے کہ حلول، وحدت الوجود اور وحدت الشہود سے بنے ہوئے ''اتحادِ ثلاثہ'' کے اس نظریہ کو ایجاد کر کے ابن عربی اور دوسرے صوفیاء نے توحید، رسالت، آخرت، نیکی و بدی، عذاب وثواب، جنت وجہنم، عبد ومعبود، خالق ومخلوق کے سارے قرآنی مفہوم بدل ڈالے، اور اپنی اصلی منزل متعین کر لی۔ وہ منزل ''ذات الٰہی'' سے اتصال پیدا کر کے ''مقام الوہیت'' کے حصول کے علاوہ کوئی اور نہیں۔ اس سے کم پر اُن کے کسی حوصلہ مند کی نگاہ نہیں ٹھہری اور اس سیر وسلوک کے مرحلے میں اگر کوئی ''مقامِ صحابیت'' یا ''مقامِ نبوت'' پر رکا بھی تو اس کو نشانِ راہ سمجھ کر، ورنہ عزم یہی رہا کہ ؎

اور آگے چلیں گے دم لے کر

یہ تو ان ''حوصلہ مندوں'' کا معاملہ ہے جو آگے بڑھے اور بڑھتے گئے لیکن جو ''کم ہمت'' آگے نہ بڑھ سکے انہوں نے بھی اپنے اندازِ نگاہ کو نہیں بدلا۔ معیار ایک ہی رہا اور وہ یہ کہ ''بزرگ'' وہی ہے جو ''مقامِ خدائی'' تک پہنچ کے رہے اور بس۔

علی ہجویری صاحب نے کشف المحجوب نامی کتاب میں اسی ''اتحادِ ثلاثہ'' کے ایک جزو

---

① الاعراف: ۱۸۸.

''وحدۃ الشھود'' (یعنی فنا فی اللہ) کی ترجمانی کی ہے (حالانکہ دوسرے دونوں جز وبھی نام بدل کر اس کتاب میں موجود ہیں) اور اپنی یہ کتاب اس نظریہ کی ایسی حکایات سے بھر دی ہے جن کا وجود قرآن وحدیث کے لیے بالکل اجنبی ہے! یہ بات دین تصوف کے اماموں کی زندگیوں کے بیان میں پہلے گزر چکی ہے کہ ''بزرگانِ دین'' کس قدر عالم الغیب ومتصرف فی الامور ہوا کرتے ہیں۔ اب ایک اور واقعہ آپ کے سامنے ہے۔ اس کو بھی پڑھیے اور صاحب واقعہ کی ''بڑائی'' کی داد دیجیے:

''۱۵۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر مصر سے جدہ روانہ ہوا۔ ہمارے ساتھ ایک جوان خرقہ پوش بھی سوار ہوا۔ میرے دل میں اس کے پاس بیٹھنے کی خواہش ہوئی مگر اس کی ہیبت سے ہمت نہ پڑتی تھی۔ اس وجہ سے میں اس سے کلام بھی نہ کر سکا۔ اس لیے کہ وہ بڑا بزرگ تھا اس کی ایک ساعت بھی یادِ الٰہی سے غفلت میں نہ تھی۔ ایک روز کشتی میں لوگوں میں سے کسی کی تھیلی سے ایک جوہر گم ہو گیا تھیلی والے نے اس جوہر کا الزام اس جوان خرقہ پوش کے سر لگایا اور اس کے ساتھ بدسلوکی کرنے پر آمادہ ہوئے۔ میں نے لوگوں کو روکا اور اس بہانے سے میں ان کے قریب ہو گیا اور گفتگو شروع کی۔ جب میں نے لوگوں کی بدگمانی ان پر ظاہر کی اور بتایا کہ ان کا گمان یہ ہے کہ وہ جوہر تھیلی سے آپ نے لیا ہے۔ اب فرمائیں کیا کرنا چاہیے۔ یہ سن کر اس جوانِ باخدا نے آسمان کی طرف منہ کر کے کچھ فرمایا میں نے دیکھا سمندر کی تمام مچھلیاں سطح سمندر پر آ گئیں اور ایک ایک جوہر منہ میں لیے ہوئے تھیں۔ آپ نے ایک جوہر لے کر اس کو دے دیا جس کی تھیلی کا جوہر گم ہوا تھا کشتی کے سب لوگوں نے یہ کمال دیکھ کر آپ کی طرف عقیدت مندی کا مظاہرہ شروع کرنا چاہا۔ انہوں نے کشتی سے پاؤں دریا میں ڈال دیا اور سطح آب پر چلنے لگا۔ یہ جوہر چرانے والا ملاحوں میں سے ایک تھا۔ اس نے گھبرا کر وہ جوہر دے دیا اور اہلیانِ کشتی شرمندہ ہوئے۔''①

''کاملین'' کے تصرفات کا جب یہ عالم ہو تو کیوں نہ دنیا میں ان کی بڑائی کی دھوم مچے اور دلوں

① کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب ص ۴۲۰۔

میں ان درجات کے حصول کی تمنائیں مچلیں! اس واقعے کے بعد دوسرا واقعہ بھی پیش نظر رہے جو خاص علی ہجویری صاحب کے ساتھ پیش آیا ہے:

''ایک دفعہ میں نے دمشق کے درویشوں کے ساتھ ابن المعلا کی زیارت کے لیے جانے کا قصد کیا۔ یہ رملہ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ راستہ میں ہم نے آپس میں باتیں کیں کہ کچھ دل میں سوچ کر چلو تاکہ وہ حضرت ہمیں ہمارے باطن سے مطلع کریں۔ اور ہماری مشکل حل ہو۔ میں نے دل میں سوچا کہ مناجات ابن حسین کے اشعار ان سے سنوں۔

دوسرے نے سوچا مجھے طحال کا مرض ہے یہ اچھی ہو جائے۔

تیسرے نے کہا مجھے حلوہ صابونی ان سے لینا ہے۔

جب ہم ان کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے ایک جزو کاغذ جس میں اشعار مناجات ابن حسین لکھے تھے میرے آگے رکھ دیے اور دوسرے کے طحال پر ہاتھ پھیرا وہ جاتی رہی تیسرے کو کہا حلوہ صابونی سپاہیوں کی غذا ہے اور تو اولیاء کا لباس رکھتا ہے اور اولیاء کے لباس والے کو سپاہیوں کا مطالبہ درست نہیں دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر۔''①

عناصر اور عناصر میں زندگی بسر کرنے والی چیزوں پر حکمرانی کی اس حکایت کے بعد پیر کامل کی غیب دانی اور اس کے دست شفاء پر نگاہ ڈالیے۔ آپ کو یقین آئے یا نہ آئے بہر حال ایسی سینکڑوں حکایات صاحب **کشف المحجوب** نے لکھ کر ثابت کر دکھایا ہے کہ اللہ کی ذات میں فنا ہو کر وہ درجہ ملتا ہے کہ مالک و مملوک، عبد و معبود اور غیب و شہادت کا فرق باقی نہیں رہتا کیوں کہ اس ملاپ سے ایک ایسی ''قدر مشترک'' وجود میں آتی ہے جو کبھی بلند ہو کر ''خدائی'' کرتی ہے اور کبھی نزول فرما کر بندگی کا حق ادا کرنے میں لگ جاتی ہے! یہی وہ بات ہے جو یوں کہی گئی ہے کہ ؎

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

یعنی ہر چیز ہے تو ایک ذات مگر مرتبہ مرتبہ کی بات ہے اگر تو نے اس فرق کو ملحوظ نہ رکھا تو یہ

① کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب ص ۵۴۴/۔

زندیقی ہوگی۔ دراصل یہ ''قدرِ مشترک'' ہی وہ چیز ہے کہ ''خدائی'' جس کو سزاوار اور ''الوہیت'' جس کا حق ہے۔ اسی لیے اس دین کے ماننے والوں کا ایک مقصد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ذاتِ الٰہی سے اتصال پیدا ہوجائے۔ جنت اور جہنم کی ان کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں ہوتی بلکہ یہ تو جنت میں آگ لگانے اور جہنم کی آگ کو بجھا دینے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿سَابِقُوٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ﴾①

''دوڑو (اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو) اپنے رب کی مغفرت اور اس کی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین جیسی ہے۔''

یاد رہے ''اتحادِ ثلاثہ'' کا یہ نظریہ تسامح یا کسی لغزش کی وجہ سے وجود میں نہیں آیا بلکہ یہ ایک سوچا سمجھا، بنایا سنوارا نظریہ ہے جو اِن چار مشہور سلسلوں ہی کی نہیں، سارے سلسلوں کی اصل اور صوفیاء کی طرف سے قرآن وحدیث کی توحید کا کھلا ''جواب'' ہے۔ اسی لیے حسین بن منصور حلّاج سے جب شیخ ابوعمر بن عثمان مکی نے دریافت کیا کہ یہ تم کیا لکھ رہے ہو۔ تو جواب ملا کہ قرآن کا جواب لکھ رہا ہوں! یا جیسے شیخ عفیف الدین تلمسانی نے کہا کہ قرآن میں توحید کہاں ہے، وہ تو پورے کا پورا شرک سے پُر ہے اور جس شخص نے قرآن کی پیروی کی، وہ کبھی توحید کے بلند مرتبہ تک نہ پہنچ سکے گا! کیوں کہ قرآن وحدیث کی توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کوئی دوسری چیز شریک نہیں ہے اور تصوف کی توحید یہ کہ کائنات کی ہر چیز ''ذاتِ خداوندی'' کا حصہ ہے (لاَموجود الاّ اللہ) چاہے وحدت الوجود کے نظریہ کے ماتحت یا حلول اور وحدت الشہود کے اتصال واتحادِ الٰہی کے ذریعہ!

اس طرح سے تصوف کی توحید کا مطلب اتحادِ خالق ومخلوق کے ذریعہ ایسی ذات مرکب اور ''قدرِ مشترک'' کا وجود میں آنا ہے جو خالق ومخلوق دونوں کی صفات کی حامل ہو، جب چاہے ''کبریائی'' کے تخت پر جلوہ افگن ہو اور جب مرضی میں آئے بندگی کے تقاضے پورے کرنے لگ جائے! ظاہر ہے کہ توحید کے اس تصور میں قرآن وحدیث کی توحید کا شائبہ تک نہیں۔ قرآن کا الٰہ ''ایک''، یکتا ویگانہ اور اس دینِ طریقت میں ''اقدارِ مشترکہ'' کی ان گنت فوج! قرآن اور حدیث کا دین توحید، بندگیٔ الٰہ واحد کی دعوت دیتا ہے اور تصوف کا یہ دینِ اتحاد حصول ''خدائی'' والوہیت کی طرف بلاتا ہے!

① سورۃ الحدید: ۲۱۔

شیخ اکبر ابن عربی نے اپنے آپ کو صرف نظریہ کی حد تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس نظریے سے ظہور میں آنے والی انتہائی حدوں تک گئے ہیں اور درجۂ نبوت کے مقابلہ میں درجہ ولایت کی برتری ثابت کر دکھائی ہے اور کہا ہے:

مقامُ النَّبُوَّةِ فی برزخٍ
فویق الرَّسُولِ ودُون الولی

''نبوت کا مقام بیچ میں ہے، رسول سے کچھ اوپر اور ولی سے نیچے''

اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ خاتم الانبیاء کے مقابلہ میں ایک ولی زیادہ عزت والا، زیادہ افضل ہے۔ اس کے بعد ایک قدم اور آگے بڑھایا اور ابو عبداللہ الحکیم الترمذی کے نظریہ ''ختم ولایت'' کو اپنا کر خاتم الاولیاء ہونے کا اعلان کر دیا اور کہا:

انا خاتم الولایة دون شکٍ
لورث الهاشمی مع المسیح

''میں بے شک خاتم الاولیاء ہوں کیوں کہ مجھے ہاشمی ولایت کے ساتھ ساتھ مسیحی ولایت بھی حاصل ہے''

یہ سب کچھ نظریہ وحدت الوجود کی کرشمہ کاری ہے۔ دراصل کہا یہ جا رہا ہے کہ محمد ﷺ ذات الٰہی کے ایک جزو ضرور ہیں مگر فرق مراتب کے لحاظ سے ذات الٰہی کے مظہر ''افضل البشر'' کی شکل میں انہیں جگہ ملی ہے، اس سے آگے کی راہیں آپ ﷺ پر بند ہیں، مگر ولی پر کوئی بندش نہیں، وہ ''واصل بحق'' ہو کر ''شان خداوندی'' کے ساتھ ہر آن جلوہ فرما ہے، اس کا اتصال براہ راست ''ذات خداوندی'' کے ساتھ ہے اور افضل الانبیاء، افضل البشر بہر حال ایک فرشتہ کے درمیانی واسطے کا محتاج ہے۔!

یہی بات امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) پہلے ہی کہہ چکے تھے اور اسی لیے انہیں کلمے کی دو قسمیں کرنا پڑیں۔ ایک عوام کا کلمہ اور دوسرا خواص کا جو ''واصل بحق'' ہو کر وحدت الوجود کے نظریے کا اثبات کر چکا ہو۔ آپ نے مشکوٰۃ الانوار نامی کتاب میں لکھا:

''جس کا وجود غیر سے آیا وہ مانگا ہوا وجود ہے اور اسے اپنی ذات میں کوئی قیام

حاصل نہیں۔ بلکہ جب اس کی ذات پر من حیث الذات غور کیا جائے گا تو وہ محض عدم ہوگا۔ کیوں کہ اس کا وجود غیر کی نسبت سے ہے اور یہ حقیقی وجود نہیں جیسا کہ کپڑے اور غنی کی مثال سے تم نے سمجھ لیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حقیقتاً موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ حقیقی نور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔''①

بات صاف ہوگئی کہ حقیقی موجود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اب اگر اس ایک موجود ہستی کا کوئی جزو اپنے کل سے آ کر مل جائے تو کیا ایسا ملاپ ایک ''خصوصی ذات'' کو جنم نہ دے گا؟ اسی لیے امام غزالی نے کہا:

''لا الٰہ الا اللہ عوام کی توحید ہے اور لَا هُوَ اِلَّا هُوَ (نہیں مگر وہی) خواص کی توحید ہے۔ کیوں کہ وہ عام ہے اور یہ خاص۔ اور یہ زیادہ شامل زیادہ لائق، زیادہ دقیق ہے اور اس کے ماننے والے کو فردانیت میں زیادہ داخل کرنے والا ہے۔ مخلوقات کے معراج کی انتہا فردانیت ہے۔''②

''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا کلمہ ہے اور یہی کلمہ رسول ﷺ نے خود بھی پڑھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی پڑھنے کا حکم دیا۔ تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ علیہم اجمعین اسی پر ایمان لائے تھے۔ اب رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین و تبع تابعین اگر عوام ہیں تو پھر خواص کون ہوں گے؟

دیکھیے کیسے فیصلہ فرما دیا گیا کہ ''مخلوقات کے معراج کی انتہا فردانیت ہے'' یعنی خالق و مخلوق، عبد و معبود میں دوئی باقی نہ رہے۔ اب اگر آپ مخلوقات کی اس معراج فردانیت کی شان ملاحظہ فرمانا چاہیں تو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب کے ملفوظات کی کتاب ''امداد المشتاق'' کو اپنے سامنے رکھیے اور پڑھیے:

''(۱۸۱) فرمایا منقول ہے کہ شب معراج کو جب آنحضرت حضرت موسیٰ سے ملاقی ہوئے حضرت موسیٰ نے استفسار فرمایا کہ علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل جو آپ نے کہا ہے کیسے صحیح ہوسکتا ہے حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ حاضر ہوئے اور

① مشکوٰۃ الانوار امام غزالی ص ۲۵۔ ② حوالہ مذکورہ ص ۳۱۔

سلام باضافہ الفاظ برکاتہ ومغفرتہ وغیرہ عرض کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ طوالت بزرگوں کے سامنے کرتے ہو آپ (امام غزالی) نے عرض کیا کہ آپ سے حق تعالیٰ نے صرف اس قدر پوچھا تھا: ﴿مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى﴾ تو آپ نے کیوں جواب میں اتنا طول دیا کہ ﴿قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَ لِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿١٨﴾﴾①

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ادب یا غزالی (حاشیہ) قولہ ادب یا غزالی اقول یہ کسی بزرگ کا کشف ہوگا اور معراج جس میں مکالمہ ہوا نیز اُن بزرگ کو مکشوف ہوئی ہوگی جس میں ان ارواح کا اجتماع ہوگیا اور وہ معراج جسدی حضور کی مراد نہیں کہ ابعد عن الابعد ہے اور کشفیات میں ایسے واقعات بعید نہیں کہ حقیقت ان کی امثلہ ہوتی ہیں بعض حقائق کے۔''②

حاشیہ لکھنے والے صاحب مصیبت میں مبتلا ہوگئے۔ بات بنائے نہیں بنتی کیوں کہ امام غزالی ۴۶۰ھ کے قریب پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ میں وفات پائی اور معراج نبوی ﷺ ہجرت سے بھی پہلے واقع ہوئی۔ اس طرح سے معراج کے واقعہ اور امام غزالی کی پیدائش کے درمیان کم سے کم چار سو ساٹھ سال کا فرق ہے۔ یہ پیدائش سے پہلے معراج کے موقع پر پہنچ جانا کسی عام انسان کے بس کی بات تو نہیں ہے یہ تو انہیں کا دل گردہ ہے جو ''مخلوقات کے معراج کی انتہا فردانیت'' تک پہنچ چکے ہوں اور پھر ان کی یہ فردانیت کرشمہ کاری کا کام سنبھال لے دراصل جو ''واصل بحق'' ہوکر ''فردانیت'' کے مقام تک پہنچ گیا، اس کے لیے حال کیا اور ماضی واستقبال کیا!

''مولانا جلال الدین رومی'' بھی اسی نظریے کے علمبردار ہیں لیکن انہوں نے نبی ﷺ کو بھی اولیاء کے ساتھ ساتھ الوہیت میں درجہ دیا ہے اور ''مجدد الف ثانی صاحب'' کی طرح ان سے آگے نکل جانے کی کوشش نہیں کی۔ ان دونوں ''حضرات'' کا بیان اور ان کے خیالات آپ کے سامنے ہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

---

①سورۃ طٰہٰ: ۱۸۔

②امداد المشتاق مؤلفہ اشرف علی تھانوی ص ر ۹۲۔

''بندہ خود خواند احمد در رشاد...... جملہ عالم را بخوان ''قل یا عباد'' یعنی تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خود ہی اپنے نبی ﷺ کا بندہ قرار دیا۔ یہ سورۃ الزمر کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ①﴾

(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے! کہ اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔

اس طرح ''مولانا روم'' نے اپنے عقیدے کے مطابق ''عبادی'' کی ضمیر اللہ تعالیٰ کے بجائے نبی ﷺ کی طرف پھیر کر نظریہ وحدت الوجود کی ''حقانیت'' کو ثابت کر دکھایا اور معنی یہ بتائے کہ اے نبی ﷺ! اپنے بندوں سے جنھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے، کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ گویا ہم اور آپ نبی ﷺ کے بندے ہیں! اور ''مفسر قرآن حکیم الامت'' اشرف علی تھانوی نے ''مولانا روم'' کی بات کے لیے دلائل بھی مہیا فرما دیئے اور امداد المشتاق میں لکھا کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے فرمایا:

''(۱۸۶) فرمایا کہ چونکہ آنحضرت ﷺ واصل بحق ہیں عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ﴾ مرجع ضمیر متکلم آنحضرت ﷺ ہیں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے فرمایا کہ قرینہ بھی انہیں معنی کا ہے آگے فرماتا ہے ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ اگر مرجع اس کا اللہ ہوتا تو فرماتا مِنْ رَّحْمَتِیْ تا کہ مناسبت عِبَادِیْ کی ہوتی۔ ارشاد فرمایا اے وا۔''②

''حکیم الامت'' اشرف علی تھانوی صاحب کے تائیدی دلائل ملاحظہ فرمائیے اور حاجی امداد اللہ صاحب کا خوش ہو کر ''اے وا'' کہنا بھی! صرف یہی نہیں بلکہ اس وحدت الوجود کے نظریے کو ایک ''بزرگ'' نے نجاست کھا کر عملاً ثابت کر دکھایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

''(۲۲۴) فرمایا کہ ایک مؤحد سے لوگوں نے کہا کہ اگر حلوہ اور غلیظ ایک ہیں تو دونوں کھاؤ انہوں نے بشکل خنزیر ہو کر گوہ کھا لیا پھر بصورت آدمی ہو کر حلوہ کھایا اس

---

① سورۃ الزمر: ۵۳۔ ② امداد المشتاق ص ۹۳۔

کو حفظ مراتب کہتے ہیں جو واجب ہے۔ (حاشیہ) قولہ انہوں نے بشکل خنزیر ہو کر گوہ کھالیا اقول اس معترض کی غباوت کے سبب اس تکلف وتصرف کی ضرورت پڑی ورنہ جواب ظاہر ہے کہ یہ اتحاد مرتبہ حقیقت میں ہے نہ کہ احکام و آثار میں۔''①

دیکھا آپ نے! ہر چیز کا ایک ہونا ''حقیقت'' کے لحاظ سے تو ہے ہی لیکن اگر کوئی سرکش شک پیدا کرے تو یہ ''اللہ والے'' تصرف کر کے یہ بھی ثابت کر سکتے ہیں کہ ''احکام'' کے لحاظ سے بھی وحدت الوجود حق ہے! سبحان اللہ

یوں تو احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی صاحب کا تفصیلی بیان بنوری صاحب کے والد صاحب کے سفر سرہند برائے زیارت قبر مجدد، میں آئے گا لیکن یہاں یہ بات آجانی مناسب ہے کہ ہر چند کہ آپ ''وحدۃ الشہود'' کے نظریے کے علمبردار سمجھے جاتے ہیں، اس کے باوجود ''وحدت الوجود'' کے اعتقاد کو بھی ساتھ ہی ساتھ نباہتے جاتے ہیں۔ آپ نے محمد ﷺ کو ذات الٰہی کا ایک جزو ثابت کرنے کے لیے ایسے دلائل مہیا فرما دیئے ہیں کہ اگر کوئی ان کے قول میں تاویل کر کے قرآن وحدیث سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش بھی کرے تو اس کے چھکے چھوٹ جائیں! ملاحظہ ہو:

''وزمین وزمان را بطفیل او خلق فرمودہ است کما ورد باید دانست کہ خلقِ محمدی در رنگِ خلقِ سائرِ افراد انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردے از افراد عالم مناسبت ندارد کہ او ﷺ باوجود نشا عنصری از نور حق جل وعلا مخلوق گشتہ است کما قال علیہ وعلٰی آلہ الصلوۃ والسلام خُلِقْتُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ ودیگران را این دولت میسر نشدہ است۔②

''اور زمین و آسمان کو انہی کے طفیل پیدا فرمایا ہے۔ کما ورد۔ جاننا چاہیے کہ پیدائش محمدیؐ تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں۔ بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی۔ کیوں کہ آنحضرت ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے خلقت

① امداد المشتاق ص ۱۰۱/۱۔
② مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی دفتر سوم، حصہ نہم، مکتوب ۱۰۰ (فارسی) ص ۷۴/۷۵، ۷۵۔

من نور اللہ (میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں) اور دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی ہے''①

جابر رضی اللہ عنہ سے منسوب اس موضوع روایت کے ذریعہ کس چابکدستی کے ساتھ ''مجدد'' صاحب نے نبی ﷺ کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات کی شرکت ثابت فرمادی! اہل کتاب نے بھی اپنے رسولوں کے لیے اس بات کی کوشش کی تھی مگر وہ نطفے کا واسطہ لانے پر مجبور ہو گئے۔ ہمارے ان ''بزرگ'' نے کچھ اس طرح بلاواسطہ اور براہ راست ذات کی شرکت کا ثبوت بہم پہنچایا کہ عقل حیران ہے! پھر ''مجدد'' صاحب نے وحدت الشہود کے ماتحت اپنا ''فنا فی اللہ'' ہونا کچھ اس شان سے واضح فرمایا ہے کہ حیرت ہوتی ہے! ذات الٰہی سے متصل ہو کر انسانیت کی ابتداء اور انتہاء کا جو نظارہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے، وہ سننے اور یاد رکھنے کے لائق ہے! ارشاد فرماتے ہیں:

''اس فقیر کو بھی اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے سے بعض اوقات یہ حالت پیش آئی۔ اور میں نے ملائکہ کو عین سجود کی حالت میں پایا ہے جو وہ حضرت آدم علیہ السلام کو کر رہے تھے، کہ اب تک انہوں نے سجدہ سے سر بھی نہیں اٹھایا تھا۔ اور ملائکہ علیین کو جنہیں سجدہ کا حکم نہیں دیا گیا تھا ان سجدہ کرنے والے فرشتوں سے الگ دیکھا کہ وہ اپنے مشہود (جس کا وہ مشاہدہ کر رہے تھے) میں فنا اور غرق ہیں اور وہ تمام حالات جن کا آخرت میں وعدہ فرمایا گیا ہے وہ سب اسی آن (گھڑی) میں دکھائی دیئے چونکہ اس واقعہ پر ایک مدت گذر گئی ہے اس لیے میں نے احوال آخرت کی تفصیل بیان نہیں کی۔ کیوں کہ مجھے اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں رہا ہے۔''②

اللہ اللہ! ایک بات تو یہ ہوئی کہ فرشتے تخلیق آدم کے وقت سے لے کر ''مجدد'' صاحب کے زمانے تک سجدے میں پڑے ہوئے تھے۔ دوسری بات یہ کہ ''حضرت'' نے اپنے اس مشاہدے کے ذریعے قرآن کی ان دو آیتوں کی ''تصحیح'' فرمادی جو بیان کرتی ہیں کہ سارے کے سارے فرشتے سجدہ ریز ہو گئے، ایک بھی پیچھے نہ رہا:

① ترجمہ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مترجم خواجہ حافظ عبد الکریم ص/ ۲۶۶۔

② مبداء و معاد مصنفہ احمد سرھندی المعروف بہ مجدد الف ثانی مترجم زوّار حسین نقشبندی مجددی ص/ ۱۸۸، ۱۸۹۔

﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝﴾①

'پس سجدہ کیا ملائکہ نے اور سب کے سب نے'

''مجدد الف ثانی'' نے بتا دیا کہ

''ملائکہ علیین حضرت آدم کو سجدہ کرنے والے ملائکہ میں شامل نہ تھے، ان کو میں نے بچشم سر دیکھا ہے'' اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ ایک یقینی بات ہے۔ پھر شاباش ہے اس کو جو اس حیات دنیا ہی میں غیب کا عینی مشاہدہ کر لے، جنت و دوزخ، حور و غلمان اس کی نگاہوں کے سامنے ہوں! اور قابل قدر ہے وہ ذات جس کے سہارے محمد ﷺ کو ایک الف (ہزار) سال بعد یعنی الف ثانی میں عروج حاصل ہوا ہو! ملاحظہ فرمایئے:

''حقیقت کعبہ کے مقام میں حقیقت محمدی ﷺ کا عروج:

جاننا چاہیے کہ جس طرح کعبہ کی صورت چیزوں کی صورتوں کی مسجود ہے اسی طرح حقیقت کعبہ ان چیزوں کی حقیقتوں کی مسجود ہے۔ اور میں ایک عجیب بات کہتا ہوں، جو اس سے پہلے نہ کسی نے سنی اور نہ کسی بتانے والے نے بتائی جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے صرف مجھے بتائی اور صرف مجھ پر الہام فرمائی ہے اور وہ بات یہ ہے کہ آں سرور کائنات علیہ وعلی آلہ الصلوت والتسلیمات کے زمانہ رحلت سے ایک ہزار اور چند سال بعد ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ حقیقت محمدیؐ اپنے مقام سے عروج فرمائے گی اور حقیقت کعبہ کے مقام میں (رسائی پا کر اس کے ساتھ) متحد ہو جائے گی۔ اس وقت حقیقت محمدی ﷺ کا نام حقیقت احمدی ہو جائے گا۔ اور وہ ذات ''احد'' جل سلطانہ کا مظہر بن جائے گی اور دونوں مبارک نام (محمد واحمد) اس مسمّٰی (مجموعہ حقیقت محمدی و حقیقت کعبہ) میں متحقق ہو جائیں گے اور حقیقت محمدی ﷺ کا پہلا مقام (جہاں وہ اس سے پہلے تھی) خالی رہ جائے اور وہ اس وقت تک خالی ہی رہے گا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

①سورہ حجر: ۳۰، سورہ ص: ۷۲۔

نزول فرمائیں۔ اور نزول فرمانے کے بعد شریعت محمدی علیہا الصلوٰت والتسلیمات کے مطابق عمل فرمائیں۔ اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقت محمدی ﷺ کے اس مقام میں جو خالی چلا آ رہا تھا استقرار پائے گی (یعنی قیام پذیر ہو جائے گی)''①

زندہ باد! کیا خوب! حقیقت محمدی ﷺ کو عروج حاصل ہوا، اس نے اپنے مقام سے عروج کیا اور حقیقت کعبہ کے مقام میں (رسائی پا کر اس کے ساتھ) متحد ہو گئی، اور اس وقت حقیقت محمدی کا نام حقیقت احمدی ہو گیا اور وہ ذاتِ احد جل سلطانہ کا مظہر بن گئی اور دونوں نام (محمد واحمد) اس مسمّٰی (مجموعہ حقیقت محمدی وحقیقت کعبہ) میں متحقق ہو گئی اور حقیقت محمدی کا پہلا مقام جہاں وہ عروج سے پہلے تھی خالی رہ گیا، اب قیامت کے قریب عیسیٰ علیہ السلام نزول فرما کر اس خالی جگہ کو پُر کریں گے...... ''حضرت'' سمجھے بھی کچھ کہ کیا کہا؟

''مجدد الف ثانی صاحب'' کا اصلی نام احمد تھا اور یہ سارا عروج وزوال اسی ایک نام کے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ ''حسن اتفاق'' دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف احمد سرہندی (یعنی ''مجدد الف ثانی'') ہی کو یہ راز بتلایا اور اس سے پہلے کسی اور پر ظاہر نہ کیا! اور دوسرا ''حسن اتفاق'' یہ کہ نبی ﷺ کے ایک ہزار چند سال بعد جو ہستی عالم وجود میں آئی، وہ یہی ''بابرکت ذات'' احمد سرہندی ''مجدد الف ثانی'' کی ذات تھی! اب آپ ہی زحمت فرمائیے اور کبریٰ وصغریٰ ملا کر ''حقیقت احمدی'' کے سچے واقف کار بن جائیے، میرے طاہرِ خیال کے تو پَر جل جائیں گے۔

''مجدد الف ثانی'' کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب، اُن کے والد شاہ عبدالرحیم اور تایا ابوالرضا محمد صاحب، غرض پورا خاندان ولی اللّٰہی نظریہ وحدۃ الوجود ووحدۃ الشہود کا قائل ہی نہیں بلکہ علمبردار بھی رہا ہے۔ اُن سب کا کہنا یہ ہے کہ اگر ہم مسئلہ وحدۃ الوجود کو ثابت کرنا چاہیں تو قرآن وحدیث کے تمام نصوص وظواہر سے اس کا اثبات کر سکتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے ''شاہ اسماعیل شہید صاحب'' اس مسئلہ کے اس قدر دلدادہ تھے کہ اس کے اثبات کے لیے ''عبقات'' جیسی کتاب لکھ ڈالی جو شروع سے لے کر آخر تک اسلامی عقائد کی نفی پر مشتمل ہے، اور اپنے پیر ''سید احمد شہید'' کے املا پر ''صراط

① ترجمہ مبداء ومعادص ۳۰۶/۳۰۵۔

مستقیم'' نامی کتاب مرتب کی جو ''اکتساب الوہیت'' کے عملی طریقوں کی تعلیم سے پر ہے۔

''تقویۃ الایمان'' جیسی کتاب میں بھی، جو توحید کے مضامین پر مشتمل تھی، وہ یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ **یاعبدالقادر جیلانی شیئاللہ** (اے عبدالقادر جیلانی اللہ کے نام پر کچھ دے دو) کہنا صحیح نہیں ہے مگر یوں کہنا صحیح و درست ہے کہ ''اے اللہ! عبدالقادر جیلانی کے واسطے سے عطاء فرما''۔ (لیکن ان کی زندگی میں ایسا واسطہ دے سکتے تھے، ان کی وفات کے بعد تو اس طرح بھی نہیں کہہ سکتے)

مجبور تھے کیوں کہ یہ سب ان کے بزرگوں کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ وحدۃ الوجود کا عقیدہ تو انہیں ورثہ میں ملا تھا۔ ان کے دادا شاہ ولی اللہ صاحب وحدۃ الوجود کو ''اصل'' مانتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''وحدۃ الشہود'' کا تصور آپ سے آپ ''وحدۃ الوجود'' کے نظریہ میں شامل ہے اور یہ بھی کہ ابن عربی نے جو وحدۃ الوجود کا نظریہ پیش کیا ہے، اس میں وحدۃ الشہود کا تصور موجود ہے۔ فرماتے ہیں:

> **"فالمذهب الاول يسمى بوحدة الوجود والثانى بوحدة الشهود وقد وقع عندنا ان المكشوفين صحيحان جميعالكن القول بان وحدة الشهود على هذا المعنى لم يقل به الشيخ العربى سهو بل الشيخ واتباعه بل الحكماء ايضا يقولون بها"**
>
> ''تو پہلے مذہب کا نام وحدۃ الوجود ہے۔ اور دوسرے کا نام وحدۃ الشہود ہے اور ہمارے نزدیک دونوں مکاشفے صحیح ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ شیخ عربی نے وحدۃ الشہود اس معنی میں نہیں کہے، یہ سہو ہے بلکہ شیخ اور اتباع شیخ نے بلکہ حکماء نے بھی یہی بات کہی ہے۔''①

① فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود، مجبوب المطابع دہلی، مصنف شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۷۔ تفہیمات الٰہیہ ج ۲ ص ۱۹۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کی ''عظمت'' کا بیان

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کی ''بزرگی'' کی حکایات ''انفاس العارفین'' نامی کتاب میں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک صفحہ کی حکایات اور ان کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

فرشتہ کی حاضری:

''حضرت ایشان می فرمودند کہ چون فرزندم صلاح الدین بیمار شد امید حیات وی منقطع گشت باشتراء کفن وحفر قبر امر کردم دلم بجوشید وبگوشہ نشستم والحاح در دعا از حد گذر ایں دم فرشتہ حاضر شد وبشارت حیات وصحت داد ہمدران ساعت وی را عطسہ آمد وحیات معاودت کرد کاتب حروف از حاضران ایں قصہ بود''①

''نازولایت حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جب فرزند عزیز صلاح الدین بیمار ہوا اور ہم نے اس کی زندگی سے ہاتھ دھولیے تو میں نے کفن خریدنے اور قبر کھودنے کے لیے کہہ دیا۔ اچانک میرے دل میں جوش آیا اور ایک کونے میں جا بیٹھا۔ حد سے زیادہ گڑگڑا کر دعا مانگی۔ فرشتے نے آکر اس کی زندگی اور صحت کی بشارت دی، اسی دم وہ چھینکا اور اس کی زندگی لوٹ آئی۔''②

فرشتہ کا حاضر ہونا کوئی ایسی بات تو نہیں ہے کہ مترجم صاحب نے آخری ٹکڑے کا ترجمہ ہی چھوڑ دیا کہ ''کاتب حروف (شاہ ولی اللہ) اس قصہ کے وقت موجود تھا''۔ معلوم ایسا ہی ہوتا ہے کہ شاید شاہ ولی اللہ نے بھی اس فرشتہ کو دیکھا اور اس کی بشارت سنی۔ فرشتے تو ''بارگاہ قدس'' میں حاضر ہوتے ہی رہتے ہیں اگر ''اقدار مشترکہ'' میں سے کسی کی خدمت میں کسی نے حاضری دی تو ''تعجب'' کیسا! اور سنیے:

''حضرت ایشان چون شصت سالہ شدند بر ایشان منکشف ساختند تقدیر بران جاری

① انفاس العارفین فارسی مصنف شاہ ولی اللہ ص/ ۶۳
② حوالہ مذکورہ۔ ترجمہ سید محمد فاروق القادری ایم اے ص/ ۱۴۴

شدہ کہ ایشان را فرزند دیگر بوجود آید واز زبان بعض خواص یاران استماع افتاد مبشر شدند کہ آن مولود بفلان فلان مقام خواہد رسید داعیۂ تزویج بخاطر ایشان پیدا شد وچون مخدومی حضرت شیخ محمد این ماجرا دانستند راغب شدند در آن کہ این مولود از فلذۂ کبد ایشان باشد این فقیر از بعض ثقات استماع دارد کہ چون این کدخدائے محقق گشت بعض اہل نفاق وشقاق گفتند کہ دریں عمر کتخدائی مناسب نبود حضرت ایشان این راشنیدید وفرمودند مدتی دراز از عمر من باقی ست وفرزندان بوجود خواہند آمد پس ازیں ہفدہ (۱۷) سال زندہ ماندند و دو فرزند بوجود آمدند این فقیر ہنوز متولد نشدہ بود کہ شبی حضرت ایشان نماز تہجد گذاردند ووالدۂ فقیر نیز قریب ہمانجا تہجد گذاردند بعد فراغ حضرت ایشان دست بدعا برداشتند ووالدہ آمین می گفتند درمیان ایشان دو دست دیگر ظاہر شدند حضرت ایشان فرمودند این دو دست فرزند ما ہست کہ متولد خواہد شد با ما دعا می کند بعد از اں ایں فقیر متولد شد و بعد ہفت سال در تہجد شریک والدین شد و بہ ہماں وضع دو دست درمیان ایشان برداشت ﴿هٰذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا﴾①

---

①انفاس العارفین فارسی ۶۳/.

مادر زاد ولی

حضرت شاہ ولی اللہ کی پیدائش کا قصہ:

''حضرت والد ماجد جب ساٹھ سال کے ہوئے تو ان پر منکشف ہوا کہ تقدیر کے فیصلے کے مطابق آپ کے ہاں ایک اور فرزند پیدا ہوگا بعض خاص یاران طریقت سے یہ بھی سننے میں آیا کہ آپ کو بشارت دی گئی تھی کہ وہ نومولود علمی وروحانی بلند مقامات کو پہنچے گا۔ چنانچہ آپ کے دل میں شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جب مخدومی شیخ محمد نے یہ ماجرا سنا تو وہ اس کوشش میں رہنے لگے کہ یہ بچہ ان کی لخت جگر سے ہو۔ اس فقیر نے بعض ثقہ لوگوں سے سن رکھا ہے کہ جب اس شادی کی بات پکی ہوگئی تو بعض مخالفین اور منافقین نے کہا کہ اس عمر میں شادی مناسب نہیں رہے گی۔ حضرت والد نے ان کی باتیں سنیں اور فرمایا کہ میری عمر کا ابھی کافی حصہ باقی ہے اور لڑکے بھی پیدا ہوں گے۔ چنانچہ آپ اس شادی کے سترہ سال بعد زندہ رہے اور دو بچے بھی پیدا ہوئے۔

فقیر (ولی اللہ) ابھی پیدا نہیں ہوا تھا ایک رات حضرت والد ماجد نماز تہجد پڑھ رہے تھے اور میری والدہ بھی ان کے قریب تہجد میں مشغول تھیں۔ نوافل کے بعد حضرت والد نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور والدہ آمین کہتی رہیں۔ اسی اثناء میں دو اور ہاتھ ظاہر ہوئے۔ حضرت والد نے فرمایا یہ دو ہاتھ ہمارے بیٹے کے ہیں جو پیدا ہوگا۔ وہ ہمارے ساتھ دعا مانگ رہا ہے۔ اس کے بعد یہ فقیر پیدا ہوا اور سات سال کی عمر میں نماز تہجد میں والدین کا ساتھی بنا اور اسی خواب والی وضع میں ان دونوں کے درمیان ہاتھ اٹھائے۔ ﴿هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا﴾ ①

یحییٰ علیہ السلام کے واقعہ کے خلاف بغیر دعا کے ٦٠ سال کی عمر میں بشارت کا ہونا کہ ایک فرزند پیدا

① ترجمہ اردو انفاس العارفین ص ۱۴۵.

ہوگا اور وہ فلاں فلاں بلند مقام تک پہنچے گا (مترجم صاحب نے فارسی عبارت کا پورا ترجمہ نہیں کیا اور صرف اتنا لکھ دیا کہ علمی وروحانی بلند مقام کو پہنچے گا، ظاہر ہے کہ اس ترجمے میں علم غیب کا وہ زور نہیں جو فارسی عبارت میں ہے) دوسری بات اس واقعے میں یہ ہے کہ ''حضرت عبدالرحیم شاہ'' کا اسی کتاب میں یہ بیان بھی ہے کہ اس فرزند کی بشارت بختیار کاکی کی روح نے ظاہر ہوکر انہیں اس وقت دی تھی جب وہ ان کی قبر کی زیارت کو گئے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ روح نے بھی بشارت دی ہو اور انہیں خود بھی کشف ہوا ہو!

شاہ عبدالرحیم نے یہ فرما کر کہ ابھی میری کافی عمر باقی ہے اور لڑکے بھی ہوں گے، اس کلیہ کو ختم کر دیا کہ کسی کو اپنی عمر اور اولاد کے بارے میں کل کی خبر نہیں۔ پھر پیٹ کے بچے کے چھوٹے ہاتھوں کا باہر نکل کر دعا میں اٹھ جانا حیرت انگیز سہی مگر ہے تو ''امر واقعہ''! اس پورے واقعے سے کیا یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ شاہ ولی اللہ سے قبلِ ولادت ہی ''کرامات'' صادر ہونا شروع ہوگئی تھیں؟ اس سے بڑی ''کرامت'' آگے والے واقعے میں موجود ہے:

''ونیز ایں فقیر جنین بود در بطن ام خود درانجا حضرت ایشان سائلہ را نیم نان صدقہ دادند آنگاہ اورا باز طلبید ندو نیم دیگر نیز دادند آنگاہ اورا باز طلبید ندو نیم دیگر نیز دادند آنگاہ فرمودند این طفل کہ جنین ست می گوید درراہِ خدا تمام نان باید داد روزی این فقیر بغایت صغیر السن بود اورا بنام اہل اللہ مکرر ندا کردند کسی از سرایں کلمہ سوال کرد فرمودند اہل اللہ برادر اوست کہ عنقریب متولد خواہد شد زبان من بنام او متکلم شد''①

شاہ ولی اللہ کا مادرِ رحم میں بولنا:

''قبل از پیدائش شاہ ولی اللہ کی بشارت:

نیز یہ فقیر ابھی ماں کے پیٹ میں تھا کہ اس وقت حضرت والد نے ایک بھکارن کو آدھی روٹی خیرات دی۔ وہ جانے لگی تو پھر اسے واپس بُلا کر باقی آدھی بھی دے دی اور فرمایا کہ بچہ جو پیٹ میں ہے کہہ رہا ہے کہ خدا کی راہ میں ساری روٹی دینی چاہیے۔ ایک دن جب کہ یہ فقیر ابھی بہت کم سن تھا، حضرت والا نے اہل اللہ کے

① انفاس العارفین فارسی ص ۶۲، ۶۳۔

نام سے کسی کو دو بار آواز دی۔ ایک آدمی نے پوچھا: حضرت والا کسے بلا رہے ہیں۔ میری طرف اشارہ کر کے فرمایا اہل اللہ اس کا بھائی ہے جو عنقریب پیدا ہوگا۔ اس کا نام خودبخود میری زبان پر جاری ہو گیا۔''①

شاہ ولی اللہ صاحب کا اپنی ماں کے پیٹ کے اندر سے اشارہ یا ارشاد اور ان کے والد صاحب شاہ عبدالرحیم کا اس کو سمجھ لینا اور کسی دوسرے کو معلوم نہ ہونا، کیا یہ واقعہ باپ اور بیٹے کی ''کرامات'' کا شاہکار نہیں ہے؟ پھر شاہ ولی اللہ صاحب کے پیدا ہونے والے بھائی کو اہل اللہ کہہ کے پکارنا اور فرمانا کہ یہ میرا بچہ اور ولی اللہ کا بھائی عنقریب پیدا ہوگا، ''کرامت'' کیا ''معجزہ'' سے کم نہیں! سورہ لقمان کی آخری آیات کا کیا ''خوب'' جواب دیا ہے! اور مزید ملاحظہ فرمایئے:

''می فرمودند محمد قلی در لشکر اورنگزیب رفتہ بود وغیبت او امتداد یافت وخبر منقطع گشت بر در او محمد سلطان بسیار محزون شد بمن التجا کرد توجہ بلیغ کردم در لشکر خیمہ خیمہ تفحص نمودم نیافتم در اموات تجسس کردم ندیدم حوالی لشکر نظر کردم می بینم کہ از مرض صحت یافتہ است وغسل کردہ وجامۂ شتری رنگ پوشیدہ بر کرسی نشستہ قصد آمدن دارد با برادر او بگفتم بعد دو سہ ماہ بیامد وقصہ تفصیل نقل کرد''②

① ترجمہ انفاس العارفین ص ۱۴۵۔

① انفاس العارفین فارسی ص ۶۱۔

توجہ کی کرشمہ سازی

کیا ہے جو اِن پہ عیاں نہیں:

''فرمایا محمد قلی اورنگ زیب کے لشکر کے ساتھ گیا ہوا تھا۔ اس کے جانے پر کافی مدت گذر گئی اور اس کی طرف سے خیریت کی کوئی خبر نہ پہنچی۔ اس کا بھائی محمد سلطان بہت غمگین ہوا اور مجھ سے التجا کی۔ میں نے پوری قوت سے توجہ کی۔ جنگی لشکر کا خیمہ خیمہ چھان مارا مگر کہیں نہ پایا۔ مردوں میں ڈھونڈا تو بھی نہ دیکھا۔ شاہی لشکر کے آس پاس نظر دوڑائی تو دیکھا کہ بیماری سے صحت یاب ہوکر غسل کیا ہے اور گیروے رنگ کا کپڑا پہن کر کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور آنے کی تیاریوں میں ہے۔ میں نے یہ سب کچھ اس کے بھائی کو بتادیا۔ چنانچہ دو تین ماہ بعد وہ آیا اور میری تمام باتوں کی تصدیق ہوگئی۔''①

''بزرگوں'' کی ''توجہ'' کی ''برکات'' کے منکروں کے لیے یہ واقعہ ایک شدید ضرب ہے۔ ''صحیح'' لکھا مترجم قادری صاحب نے کہ ''کیا ہے جو اِن پر عیاں نہیں''۔ اب انہی محمد سلطان کا دوسرا واقعہ پیش خدمت ہے جو شاہ ولی اللہ کی موجودگی میں پیش آیا:

''کاتب حروف گوید کہ خواجہ محمد سلطان اسپی خریدہ بود انرا بحضرت ایشان نمود ویرا انتہا طلبید ند واین فقیر نیز آنجا حاضر بود فرمودند اسپی خوب است اما عمر کم دارد ویرا زنی بود سلیطا ز بدخوئی و بدزبانی او تنگ آمدہ التماس کرد چہ شود اگر آن زن غدار ایں اسپ گہ دہ تبسم فرمودند وگفتند چنیں باش گوسہ (۳) ماہ بر نیامد کہ زنش بمرد و اسپ بفروخت ونفع یافت''②

---

① ترجمہ انفاس العارفین ص ۱۴۱/۱۴۰۔

② حوالہ مذکورہ ص/۶۱۔

انسانی عمر کا حیوان کی عمر سے تبادلہ:

''کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ خواجہ محمد سلطان نے ایک گھوڑا لے رکھا تھا جو اس نے حضرت والد کو دکھایا۔ آپ نے اسے تنہائی میں بلایا اس وقت یہ فقیر بھی وہاں موجود تھا، اور فرمایا کہ گھوڑا خوب ہے مگر اس کی عمر تھوڑی ہے۔ اس کی ایک بدزبان اور بدعادت بیوی تھی جس سے وہ تنگ آ چکا تھا۔ عرض کی کیا ہی اچھا ہو کہ اس عورت کی زندگی گھوڑے کو مل جائے۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا ایسا ہی ہو جائے گا۔ تین مہینے نہ گزرے تھے کہ اس کی بیوی مر گئی اور گھوڑے کو بیچ کر خوب نفع کمایا۔''①

''وحدت الوجود'' کے تصور کے علم بردار اس ''بزرگ'' نے اپنی ہوشربا ''کرشمہ گری'' سے اس نظریہ کا ''حق'' ہونا ثابت کر دکھایا ہے ورنہ ایک عام انسان میں یہ ''طاقت'' کہاں؟ ''منطق الطیر'' کا علم اگر سلیمان علیہ السلام کو دیا گیا تو یہ اللہ کا فضل، اس کی مہربانی تھی۔ اب اگر کسی دوسرے کو جانوروں اور انسانوں کی عمروں کا علم مل گیا اور یہ ''قدرت'' بھی اسے حاصل ہو گئی کہ عمر کی اس مدت میں کمی یا زیادتی کر کے عمروں میں تبادلہ بھی کرا سکے، تو یہ بھی ایک ''فضل الٰہی'' ہے، اس پر کسی کا چیں بہ جبیں ہونا کیا معنی! اس کے بعد ''ارواح طیبہ'' کی حشر سامانی ملاحظہ فرمائیے:

''حضرت ایشان در پھلت بودند روز عرس یکی از بزرگان آنجا رسید قوالان سرود بنیاد کردند بعد ساعتی فرمودند کہ روح شیخ ابوالفتح قدس سرہ ظاہر شدہ ورقص می کند نزدیک است کہ شمہ ازیں معنی در اہل مجلس نیز سرایت کند لحہ نگذشتہ بود کہ حال اہل مجلس متغیر شد وہائی ہوئی عجیب برخاست''②

''تاثیر جذب ورقص:

''حضرت والد ماجد ایک دفعہ قصبہ پھلت میں تھے عرس کے روز ایک بزرگ تشریف لائے۔ قوالوں نے نغمہ چھیڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمانے لگے شیخ ابوالفتح

① ترجمہ انفاس العارفین ص ۱۴۱/۱۔
② انفاس العارفین فارسی ص ۴۸/۔

قدس سرہ کی روحانیت محفل میں آ کر رقص کر رہی ہے عنقریب ان کے جذب کے اثرات اہل محفل پر طاری ہو جائیں گے۔ تھوڑی دیر گزری کہ مجلس کا رنگ بدل گیا اور ہاؤ ہو کے مستانہ نعروں سے محفل گونج اٹھی۔''①

''بزرگوں'' کے عرس (شادی) کے ذکر پر لوگ استہزاء مسکرا دیا کرتے ہیں حالانکہ یہ ہمارے ''بزرگوں'' سے ثابت ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان محفلوں میں گزرے ہوئے ''بزرگوں'' کی ''ارواح طیبہ'' تک آ کر رقص کیا کرتی ہیں، اور جذب و مستی کے آثار پوری محفل پر طاری ہو جاتے ہیں اور اہل محفل ہاؤ ہو کے مستانہ نعرے لگانے لگتے ہیں! یاد رہے کہ یہ ''خواص'' کا رقص و سرود ہے، عوام کا ناچ وگانا نہیں۔ کیا ''خوب'' ارشاد فرمایا ''مولانا'' ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنی کتاب ''غبار خاطر'' میں کہ فقہاء نے تشدد کر کے قضاء غنا کو حرام کر دیا حالانکہ شرعاً یہ حرام نہیں ہے، اور میں عرصہ دراز تک ستار سے شوق کرتا رہا ہوں...... (صاحب ترجمہ سے اس اردو ترجمے میں ایک غلطی ہوگئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ''روز عرس یکی از بزرگان آنجا رسید'' کا ترجمہ یوں ہوگیا ہے کہ ''عرس کے روز ایک بزرگ تشریف لائے'' حالانکہ اصل ترجمہ یہ ہے کہ ''حضرت ایشاں پھلت میں تھے کہ وہاں ایک بزرگ کے عرس کا دن آ پہنچا'')

شیخ ابوالفتح کی روح کے مقابلے میں شیخ محمد پھلتی کی روح کی کارفرمائی بھی نظر میں رہنا چاہیے:

''حضرت ایشان چوں نزدیک قبر مخدومی شیخ محمد قدس سرہ نشستند می فرمودند کہ روح ایشان در نماز بمن اقتدا می کند و از من استماع معارف می نماید یکبار باین فقیر متوجہ شدند و بعض معارف فرمودند و بعد از ان فرمودند کہ روح ایشان گفت کہ فلانی را چیزی از معارف تعلیم فرمائید لاجرم ایں ہمہ گفتہ شد''②

مُردے نماز میں اقتدا کریں اور روحیں تعلیم دیں:

فیوض اولیاء:

''حضرت والد گرامی جب کبھی مخدومی شیخ محمد قدس سرہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھتے

---

①ترجمہ انفاس العارفین ص ۱۱۶۔

②انفاس العارفین فارسی ص ۴۸۔

فرماتے کہ ان کی روح نماز میں میری اقتدا کرتی ہے اور مجھ سے معارف کسب کرتی ہے۔ ایک دفعہ اس فقیر (ولی اللہ) کی طرف متوجہ ہوئے اور بعض فیوض و معارف عطا فرمائے۔ پھر فرمایا: مخدومی شیخ محمد قدس سرہ کی روح پُرفتوح نے مجھے حکم دیا کہ فلاں کو کچھ معارف کی تعلیم دو۔ وہ تمام میں نے تمہارے سامنے بیان کر دیئے ہیں۔''①

قبروں کی مجاورت سے لوگ منع کرتے ہیں اور اس کے خلاف حدیث نبوی ﷺ سے دلیل لاتے ہیں مگر اس حکایت سے معلوم ہوا کہ قبر کے پاس بیٹھ کر ''اسرار و معارف'' کا ''مبارک'' اخذ و تبادلہ بھی کیا جا سکتا ہے! اور یہ بھی کہ گذرے ہوئے ''بزرگوں'' کی روحیں نمازوں میں آ کر زندہ ''بزرگوں'' کے پیچھے نمازیں پڑھتی ہیں، کبھی کوئی حکم بھی دے جاتی ہیں...... اس سے صاف ظاہر ہوا کہ ابن نجیم نے جو کنز الدقائق کی شرح بحر الرائق میں تحریر کیا ہے کہ جو یہ مانے کہ مشائخ کی روحیں حاضر بھی ہیں اور ان کو علم بھی ہے، ''وہ کافر ہیں''، غلط فتویٰ ہے ورنہ ایسے ہزاروں واقعات ہمارے ''بزرگوں'' نے بیان کیے ہیں!

''وفی البزازیة قال علماؤنا من قال أرواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر ''

البزازیہ میں ہے کہ ہمارے علما فرماتے ہیں کہ جو یہ کہے کہ مشائخ کی روحیں حاضر ہوتی ہیں اور تعلیم بھی دیتی ہیں یا ان کو علم بھی ہوتا ہے، ایسے شخص کی تکفیر کی جائے گی۔''②

اس واقعہ کے بعد روح کے آنے کے بجائے جسد عنصری میں ''بزرگ شہیدوں'' کا دنیا میں آنا، شاہ ولی اللہ صاحب کی زبانی سنیں:

''می فرمودند والد من علیہ الرحمۃ شہید شدہ بودند احیانا برائی من متجسد شدند واز اخبار حال و استقبال خبرمی داند یکبار کریمہ دختر خدمت مخدومی اخوی قدس سرہ بیمار شد و بیماری او ممتد گشت دران ایام در نصف النہار بحجرہ خفتہ بودم ناگاہ ایشان متمثل شدند

① ترجمہ انفاس العارفین ص ۱۱۶/۔

② بحر الرائق شرح کنز الدقائق لابن نجیم ج ۵/ ص ۱۲۴/۔

وفرمودندمی خواہم کریمہ را بہ بینم لیکن دران محل متسورات بیگانہ نشستہ ندآنجا رفتن بر خاطرمن بس گران می آید این مستورات را از انجا برخیزانید چوں خیزانیدن ایشان ممکن نبود پردہ کشیدم پس بر سریر کریمہ ظاہر شدند بوجہی کہ من می دیدم وکریمہ می دید ید وہیچ کس دیگرنمی دیدید کریمہ متنبہ شد وگفت واعجبا مردم ایشان را شہید می گفتند ایشان خود زندہ اند فرمودند این را بگذار ای فرزند بیماری بسیار کشیدی ان شاء اللہ تعالیٰ علی الصباح وقت اذان فجر شفا کلی خواہی یافت این گفتند وبرخاستند وراہ دروازہ گرفتند من نیز درعقب ایشان می رفتم فرمودند شما بمایند آں نگاہ غائب گشتند چوں اذان فجر گفتہ شد روح کریمہ مفارقت کرد‘‘①

’’شہید‘‘ کا جسدِ عنصری کے ساتھ اس دنیا میں واپس آنا اور غیب کی خبر دینا:

علوم اولیاء:

’’فرمایا کہ میرے والد شہید شہادت کے بعد کبھی کبھار ظاہری شکل وصورت میں مجسم ہوکر میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور حال واستقبال کی خبریں سنایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مخدومی برادر گرامی کی دختر کریمہ بیمار ہوگئی۔ اس کی بیماری نے طول پکڑا۔ انہی ایام میں ایک دن تن تنہا میں اپنے حجرے میں سورہا تھا کہ اچانک والد شہید تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ کریمہ کو ایک نظر دیکھ لوں لیکن اس وقت گھر میں بہت سی مستورات آئی ہوئی ہیں۔ ان کی موجودگی میں وہاں جانا طبیعت پر گراں گذرتا ہے تم ان مستورات کو ایک طرف کردو تا کہ میں کریمہ کو دیکھ لوں! چونکہ اس وقت ان مستورات کا وہاں سے اٹھانا خلاف مصلحت تھا اس لیے میں نے ان کے اور کریمہ کے درمیان پردہ لٹکا دیا، اس کے بعد وہ اس طرح ظاہر ہوئے کہ کریمہ اور میرے علاوہ انہیں اور کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ کریمہ نے انہیں پہچان لیا اور کہا۔ عجیب بات ہے لوگ ان کو شہید کہتے ہیں حالانکہ یہ زندہ ہیں۔ فرمانے لگے۔ بیٹی اس بات کو چھوڑو! تم نے بیماری میں کافی تکلیف برداشت

① انفاس العارفین فارسی ص ۴۷۔

کی ہے۔ ان شاء اللہ کل صبح کی اذان کے وقت تمہیں مکمل نجات مل جائے گی۔ یہ بات فرما کر اٹھے اور دروازے کے راستے باہر نکلے میں بھی ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ فرمایا: تم ٹھہرو! اور پھر غائب ہوگئے۔ دوسرے روز فجر کی اذان کے وقت کریمہ کی روح پرواز کرگئی اور اس نے ہر قسم کی تکلیف سے نجات حاصل کرلی۔''①

اللہ اللہ، کیا ''شان'' ہے اس پورے خاندان کی! پانچ پانچ پشتیں اسی ایک اصلی رنگ کی مالک ہیں۔ ایک طرف شاہ ولی اللہ کے والد اور دادا، اور دوسری طرف بیٹے اور پوتے ''اسماعیل شہید''! اس واقعہ کے ذریعے کیسے صریح الفاظ میں واضح فرما دیا کہ یہ جو سورۃ المومنون میں آیا ہے کہ:

﴿مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ۝۱۰۰ ②﴾

''مرنے والوں اور اس دنیا کے درمیان قیامت تک کے لیے ایک آڑ ہے۔''

اس کی حیثیت ایک ''بداء'' سے زیادہ کچھ نہیں۔ اسی طرح صحیح مسلم میں جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ شہداءِ احد جب جنت میں داخل کر دیے گئے اور وہاں ہر طرح کا عیش و آرام انہوں نے پالیا تو مالک نے ان سے کہا کہ کچھ اور چاہیے؟ اس پر شہداء نے جواب دیا کہ مالک ہر چیز مل گئی، ہر وعدہ پورا ہوگیا، لیکن مالک ارض وسماء کا اصرار برابر باقی رہا، یہاں تک کہ جب ان شہدا نے محسوس کرلیا کہ جب تک ہم کچھ طلب نہ کریں گے پروردگار عالم ہم سے برابر دریافت فرماتا رہے گا تو انہوں نے درخواست کی کہ مالک ہمیں ایک بار پھر دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ ہم پھر جہاد کر کے شہید ہوں، اس جواب کے بعد مالک نے مزید اصرار نہ فرمایا اور جان لیا کہ ان کو کسی چیز کی بھی حاجت نہیں ہے۔ (لیکن یہ نہیں کیا کہ اپنی سنت کو بدل کر انہیں دنیا میں بھیج دیتا۔ کیوں کہ قرآن میں اس کا فیصلہ ہے کہ ﴿اَنَّهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ③﴾

یعنی مرنے والے دنیا والوں کی طرف واپس نہیں لوٹ سکتے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے ''شہید'' دادا کی واپسی کے اس ''صریح'' واقعے نے تو قرآن کے اس

---

① ترجمہ انفاس العارفین ص ۱۱۶، ۱۱۵۔

② سورۃ المومنون: ۱۰۰۔ ③ سورۃ یس: ۳۱۔

کلیہ کو بھی ختم کر دیا!

شاہ صاحب کی اتباع میں ''حکیم الامت'' اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی اپنے ''شہید'' پردادا کی ''شہادت'' کے بعد اسی رات اپنی دادی کے پاس مٹھائی لے کر آنے کے واقعہ کی تصدیق فرما دی ہے۔①

خیر یہ تو ''شہیدوں'' کا ذکر ہے۔ اشرف علی تھانوی صاحب نے تو ''حکایات اولیاء'' نامی کتاب میں یہ تک لکھ دیا ہے کہ قاسم نانوتوی صاحب بعد از وفات جسد عنصری میں دیو بند آئے اور اس وقت کے مہتمم رفیع الدین صاحب سے فرمایا کہ محمود الحسن (اسیر مالٹا) آپس کے تنازعات میں کیسے مبتلا ہو گیا۔ رفیع الدین صاحب پسینہ پسینہ ہو گئے اور محمود الحسن کو بلا کر واقعہ بیان کیا تو انہوں نے رفیع الدین کے ہاتھ پر توبہ کی۔②

سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے متصل ہو جانے والے کو موت نہیں آتی وہ تو صرف نقل مکانی کرتا ہے، اس لیے جب چاہتا ہے پھر واپس آ جاتا ہے!

فرشتہ معمورِ وباء کا خدمت میں حاضر ہونا:

''می فرمودند روزی با بعض یاران نشستہ بودم ناگاہ مردی بغایۃ طویل القامت در آمد با ہیبت تمام و در دست او کمان و چند تیر و سلام علیک گفت رد سلام کردم آں نگاہ گفت موکلانیم بر وبا شوق ملاقات شما داشتم ازیں راہ فوج ما عبور می کرد خواستم کہ شما را بہ بنیم امروز از فلاں جا بر خاستم و مامور شدیم کہ فلاں جا برویم شما را بشارت می دہم کہ ہیچ کس از یاران و مخلصان شما دریں وبا نخواہد مرد بعد ازاں سلام گفت بیرون رفت بعد ازاں انتقال وبا بجائی کہ اشارت کردہ بود و سلامت مخلصان ازاں بلا بظہور رسید۔''③

---

①اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۲۔

②حکایات اولیاء، مرتبہ اشرف علی تھانوی، حکایت ۲۴۷، ص ۲۸۸، ۲۸۹۔

③انفاس العارفین فارسی ص ۴۸، ۴۷۔

موکل وباء:

''فرمایا ایک دفعہ میں چند احباب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک طویل القامت پر ہیبت شخص ہاتھ میں تیر وکمان لیے ہوئے آیا اور مسنون طریق سے مجھے سلام کیا۔ میں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر اس نے بتایا کہ میں وباء پر مقرر کیا ہوا فرشتہ ہوں عرصے سے آپ سے ملاقات کی خواہش تھی۔ آج ہمارے لشکر نے اس علاقے سے گزر کیا ہے۔ میں نے سوچا اچھا اتفاق ہے آپ سے مل لوں۔ آج ہمیں فلاں جگہ سے کوچ اور فلاں جگہ پہنچنے کا حکم ہے۔ میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ آپ کے احباب اور معتقدین میں سے کوئی شخص بھی اس وباء میں ہلاک نہیں ہوگا۔ اس کے بعد اس نے سلام کیا اور چلا گیا۔ چنانچہ چند دنوں میں وباء بھی اس کے بتائے ہوئے علاقے میں منتقل ہوگئی اور معتقدین واحباب بھی محفوظ رہے۔''①

دیکھا آپ نے فرشتوں کا شوق ملاقات اور ''بارگاہ قدس'' میں حاضری کی تمنا اور انداز بشارت! اب دوسرا واقعہ سنیے:

''می فرمودند روزے در حجرہ تنہا نشستہ بودم جوانی متمثل شدہ گفت اگر خواہی الحال از دار دنیا انتقال کنی واگر خواہی بعد زمانی گفتم بعض کمالات ہنوز مامول است وغیر محصول گفت پس موت تو متاخر است آں نگاہ بازگشت بر پشت او جواہر مرصع دیدم بشکل استدارہ وایں قصہ اختصار کردہ شد''②

موت اختیاری:

''فرمایا کہ ایک دن تنہائی میں اپنے حجرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور مجھے کہنے لگا کہ اگر تم چاہو تو ابھی اس دنیائے دوں سے دار الآخرت کی طرف منتقل ہو سکتے ہو اور اگر چاہو تو کچھ عرصہ بعد۔ میں نے جواب دیا، ابھی کچھ کمالات اور منازل حاصل کرنا باقی ہیں۔ اور میں ان کی امید میں ہوں۔ کہنے لگا اچھا تمہاری

①ترجمہ انفاس العارفین ص ۱۱۶/۔

②انفاس العارفین فارسی ص ۴۸/۔

مرضی کے مطابق تمہاری موت موخر کردی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ شخص واپس ہوا۔ میں نے اس کی پشت پر جڑے ہوئے مرصع جواہرات دیکھے۔ یہ قصہ مختصرا بیان کیا گیا ہے۔"①

نبی ﷺ کے پاس بھی فرشتہ آیا تھا اور یہ پیغام لے کر کہ آپ ﷺ چاہیں تو دنیا کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو مرحمت کردی جائیں اور آپ ﷺ دنیا میں رہیں۔ ہاں اگر آپ کو اپنے مالک سے ملاقات کی طلب ہو تو اور بات۔ نبی ﷺ نے اپنے رب سے ملاقات کو ترجیح دی تھی۔ شاہ عبدالرحیم صاحب نے اگر "کمالات" کے حصول کو ترجیح دی تو ان کی مرضی! لیکن ایک بات بہر حال ثابت ہوگئی کہ شاہ عبدالرحیم موت کے معاملے میں اپنی مرضی کے مختار تھے اور فرشتے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے! آپ حیران ہوں گے کہ ایک ذات کے اندر اتنے بے شمار "کمالات" کیسے جمع ہوگئے؟ تو اس کی وجہ بھی پیش نظر رکھیے:

فناءکلی وغیبت تامہ:

"می فرمودند وقتی از اوقات فناء کلی وغیبت تامہ دست داد دیدم کہ حق سبحانہ وتعالیٰ بملائکہ امر فرمود بندۂ مرا کہ فلانست بجوئید در زمین جستند نیافتند در آسمانہا تفحص کردند نیافتند در بہشت تجسس نمودند نیافتند پس حق سبحانہ خطاب کرد کہ ہر کہ در من گم شد در زمین نتوان یافت ونہ در آسمان ونہ در بہشت۔"②

شانِ عبدیت:

"والد گرامی فرماتے تھے کہ

اوقات عزیز میں سے ایک وقت فنائے کلی اور غیبت تامہ میسر ہوئی تو دیکھا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ میرے فلاں بندے کو ڈھونڈ لاؤ۔ زمین میں تلاش کیا نہ پایا آسمان میں چھان مارے نہ ملا۔ بہشت میں تلاش کیا نہ پایا۔ اس پر حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب کیا کہ جو بھی مجھ میں فنا ہوا وہ نہ آسمان

---

①ترجمہ انفاس العارفین ص/117۔

②انفاس العارفین فارسی ص/36۔

میں ملے گا نہ زمینوں میں پایا جا سکے گا اور نہ ہی بہشت میں!''①

معلوم ہوا کہ دراصل یہ ''عظمت''، یہ ''کبریائی'' اسی ''فنائے کلی'' کا نتیجہ تھی۔ یہ بات بھی نہ بھولیے گا کہ ''انفاس العارفین'' شاہ ولی اللہ صاحب کی آخری تصنیف ہے اور بقول علامہ عبید اللہ سندھی صاحب یہ ''شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور تصوف کی روح ہے۔''②

''حضرت'' شاہ عبدالرحیم کی ''بزرگی'' کی داستان اس وقت تک بے رنگ رہے گی جب تک ان کے علم محیط کا ذکر نہ ہو جائے۔ اس لیے ''ختامہ مسک'' کے پیش نظر یہ ''اظہار حقیقت'' بھی سامنے رہے۔

علم محیط:

''حضرت ایشان می فرمودند کہ روزی وقت عصر در مراقبہ بودم غیبتی واقع شد آن وقت را وسیع کردند بمقدار اربعین الف الف عام و دران مدت ہر کسی را کہ از ابتداء خلقت پیدا شدہ بود تا یوم القیامۃ احوال و افعال ہر یک ظاہر نمودند ظن کاتب حروف آنست کہ در ذیل کلمات فرمودند کہ حروف لا الہ الا اللہ را مسافت چندین ہزار سالہ بود واللہ اعلم۔''③

علم کلی اول و آخر:

تصرفات وعلوم صوفیاء:

''والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن عصر کے وقت میں مراقبے میں تھا کہ غیبت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ میرے لیے اس وقت کو چالیس ہزار برس کے برابر وسیع کر دیا گیا اور اس مدت میں آغاز آفرینش سے روز قیامت تک پیدا ہونے والی مخلوق کے احوال و آثار کو مجھ پر ظاہر کر دیا گیا۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کا گمان ہے کہ آپ نے یہ کلمات بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ لا الہ الا اللہ

①ترجمہ انفاس العارفین ص ۹۶۔
②شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، مصنفہ عبید اللہ سندھی ص ۲۱۵۔
③انفاس العارفین فارسی ص ۳۶۔

کے حروف کا فاصلہ اتنے ہزار برس کا ہے واللہ اعلم۔''①

ترجمہ کرنے والے''سید محمد فاروق القادری ایم اے صاحب'' بھی''درازئ وقت غیبت'' سے دہشت میں آگئے۔ ان کو بھی شاید یقین نہ آیا۔ اسی لیے شاید''اربعین الف الف کا ترجمہ''۔''چالیس ہزار برس'' کر بیٹھے ورنہ اصل ترجمہ''چار کروڑ سال'' ہے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب نے بالکل وہی بات فرمائی جو ابن عربی اور''مجدد الف ثانی'' صاحبان اس سے پہلے فرما گئے تھے۔''عروج'' کے ان واقعات کے بعد وہ واقعات بھی اپنے سامنے رکھیے جو اس''قدر مشترک'' کے''نزول'' سے تعلق رکھتے ہیں۔

سجدۂ تعظیمی اور نذر و نیاز رسول ﷺ کا بیان:

نبی ﷺ نے سجدہ سے کیوں منع کیا؟

''می فرمودند یکباری حضرت پیغامبر را صلی اللہ علیہ سلم در واقعہ دیدم چوں کمال ظہور صفات الٰہیہ در آن مظہر اتم مشاہدہ کردم بسجدہ افتادم آں حضرت انگشت بدنداں گرفتند و بایں صورت منع فرمودند بارہا بخاطری آمد کہ در منع بایں صورت چہ نکتہ باشد بعد ازاں معلوم شد کہ آدمی را سجدہ کردن بر دو گونہ است یکی باعتقاد معبودیہّ او وآں کفرست دیگر بمشاہدۂ ظہور صفات الٰہیہ دروی وآں ممنوع ست بجہۃ مشابہۃ بکفر پس فرق را در یں دو سجدہ بایں وضع منع فرمودند کہ دون تصریح ست''②

سجدہ غیر اللہ کی ممانعت:

''فرمایا ایک مرتبہ حضرت پیغمبر ﷺ کو بچشم حقیقت دیکھا جب اس مظہر اتم میں صفات الٰہیہ کا کمال ظہور مشاہدہ کیا تو سجدے میں گر گیا۔ آں حضرت ﷺ نے اظہار تعجب کے طور پر انگلی منہ میں دبالی اور اس شکل سے منع فرمایا۔ بارہا دل میں آیا کہ اس صورت سے منع کرنے میں کیا نکتہ پنہاں تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انسان کو دو طرح سے سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک اس صورت میں کہ اس کے معبود ہونے کا اعتقاد دل میں ہو اور یہ کفر ہے۔ دوسرا اس صورت میں کہ اس میں صفات الٰہیہ کے

① ترجمہ انفاس العارفین ص ۹۵۔

② انفاس العارفین فارسی ص ۴۲۔

ظہور کا مشاہدہ کر کے سجدہ کیا جائے اور یہ مشابہت کفر کی وجہ سے ممنوع ہے لہٰذا اس باریک فرق کی بنا پر اس وضع سے آپ نے منع فرما دیا۔''①

نبی ﷺ کو بچشمِ حقیقت دیکھنا اور آپ ﷺ کے اندر ''صفاتِ الٰہیہ کے ظہور کے کمال'' کا نظر آنا اس لیے آپ ﷺ کے سامنے سجدہ میں گر جانا، پھر نبی ﷺ کا اظہارِ تعجب (ناراضگی نہیں) اور پھر یہ بات کہ صرف ایک ''باریک فرق'' کی وجہ سے سجدہ کا منع ہونا، نکتہ سنجی کی انتہاء ہے۔ **فجزاہ اللہ اتم الجزاء۔**

نیازِ روحِ محمد ﷺ:

''می فرمودند در ایام وفات رسالت پناہ ﷺ چیزی فتوح نشد کہ نیاز آنحضرت طعامی پختہ شود قدری نخود بیان وقند سیاہ نیاز کردم شبی در واقعہ دیدم کہ انواع طعام بحضور آنحضرت عرضہ می دارند ودراں میان آں نخود وقند نیز معروض داشتند بہ نہایت ابتہاج وبشاشت اقبال فرمودند وانرا طلبیدند وچیزی ازاں تناول کردند وباقی در اصحاب قسمت فرمودہ اند کاتب حروف گوید کہ مثل ایں قصہ از بزرگان پیشین نیز روایت کردہ اند اما ایں قصۂ حضرت ایشان ست بی اشتباہ عجب نیست کہ توارد شدہ باشد''②

حضور ﷺ کی نیاز کی اشیاء کی بارگاہ نبوی میں مقبولیت:

''فرمایا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کے عرس مبارک کے دنوں میں ایک مرتبہ اتفاقاً خزانہ غیب سے کچھ میسر نہ آسکا کہ میں کچھ طعام پکا کر آں حضرت ﷺ کی روح پُرفتوح کی نیاز دلوا سکتا۔ لہٰذا تھوڑے سے بُھنے ہوئے چنے اور قند پر اکتفا کرتے ہوئے میں نے آپ کی نیاز دلوادی۔ اسی رات بچشمِ حقیقت دیکھا کہ انواع واقسام کے طعام آں حضرت ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ اسی دوران وہ قند اور چنے بھی پیش کیے گئے۔ انتہائی خوشی ومسرت سے آپ ﷺ نے وہ قبول فرمائے اور اپنی طرف لانے کا اشارہ فرمایا اور تھوڑا سا اس میں سے تناول

---

① ترجمہ انفاس العارفین ص ۱۰۶۔

② انفاس العارفین فارسی ص ۴۲۔

فرما کر باقی اصحاب میں تقسیم فرما دیا۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس قسم کا قصہ اگلے بزرگوں سے بھی روایت کیا جاتا ہے۔ مگر یہ قصہ بلاشبہ حضرت والد ماجد کا ہے۔ ہو سکتا ہے توارد ہو گیا ہو۔''①

کہاں ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ نذر و نیاز نبی ﷺ بھی ناجائز اور حرام ہے کیوں کہ یہ نذر و نیازِ غیراللہ ہے؟ اب یہ ان ''حضرات'' کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس ''حقیقت'' اور ''امر واقعہ'' کا جواب دیں جو شاہ عبدالرحیم صاحب نے بیان فرمایا ہے کہ نبی ﷺ کو اپنی اس نیاز سے انتہائی خوشی و مسرت ہوئی اور آپ ﷺ نے خود بھی اسے تناول فرمایا اور اپنی بارگاہ کے حاضر اصحاب میں بھی اُسے تقسیم کیے جانے کا حکم دیا! مترجم القادری صاحب ایم اے کی بھی ''عنایت'' کہ انہوں نے ''ایام وفات'' کا ترجمہ ''عرس مبارک'' کر کے اس متنازع فیہ بات (یعنی عرس) کی فضیلت کا فیصلہ فرما دیا!

خاندانِ ولی اللّٰہی کی اُن ''مہربانیوں'' کے تذکرے کا حق، جو اس نے اس ''امت مسلمہ'' پر کی ہیں، اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا جب تک شاہ ولی اللہ صاحب کے تایا ابوالرضا محمد صاحب کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ خواجہ بایزید بسطامی کے تذکرے میں ان کا ایک واقعہ پہلے آ چکا ہے کہ ''حضرت'' نے رحمت اللہ موچی کو مار کر پھر زندہ کر دیا۔ اب ''حضرت ابوالرضا محمد'' کی وسعت علم کا نظارہ کیجیے:

''و نیز استماع افتاد کہ مردی از خادمان حضرت ایشان بفعلی منکر مرتکب بود حضرت ایشان در مجالس متعددہ او را بر شناعت فعل او برمز و ایما تنبیہ کردند وی متنبہ نشد و ازاں فعل ممتنع نگشت بعد ازاں حضرت ایشان او را در خلوتی طلبیدند و گفتند ترا بارہا بتعریض متنبہ ساختم متنبہ نشدی گمان می بری کہ افعال ترا نمی دانم بخدا اگر موری در زیر ترین زمین باشد و در خاطر او صد خطرہ خطور کند من نود و نہ خطرہ را می دانم و حق سبحانہ بتمام ماتہ عالم ست پس آن شخص توبہ کرد''②

روشن ضمیری:

وسعت علوم اولیاء:

① ترجمہ انفاس العارفین ص ۱۰۷، ۱۰۶۔
② انفاس العارفین فارسی ص ۹۵، ۹۴۔

''سننے میں آیا کہ آپ کا ایک خادم کسی بری عادت میں مبتلا تھا آپ نے اسے کئی بار اشاروں کنایوں میں تنبیہ فرمائی مگر وہ پھر بھی نہ چونکا اور نہ ہی اس عادت بد سے باز آیا۔ بالآخر حضرت شیخ نے اسے تنہائی میں بلا کر کہا تجھے بارہا اشاروں کنایوں سے سمجھایا مگر تو نے کوئی پرواہ نہ کی شاید تو سمجھتا ہے کہ ہم تیرے کرتوتوں سے بے خبر ہیں قسم بخدا اگر زمین کے نچلے طبق میں رہنے والی کسی چیونٹی کے دل میں بھی سو خیالات آئیں، تو ان میں سے ننانوے خیالات کو میں جانتا ہوں اور حق سبحانہ وتعالیٰ اس کے سو کے سو خیالات سے باخبر ہے۔ یہ سن کر خادم نے اپنی برائی سے توبہ کی۔''①

کاش ''حضرت'' کسر نفسی نہ فرماتے اور ''اظہار حقیقت'' کر دیتے کہ سو کے سو خیالات سے میں باخبر ہوں! یہ ہیں دین اتحاد کی ''برکات''! کس میں جرأت ہے کہ انکار کرے؟

ابھی اس خاندان کی ''بزرگی'' کا تذکرہ ختم کرنے کو جی نہیں چاہتا اس لیے ''درالثمین'' کے ڈیڑھ صفحے کی ان چند ''احادیث'' کو پیش خدمت کرنا چاہتا ہوں جو اُن چہل ''حدیثوں'' میں سے ہیں جو شاہ ولی اللہ صاحب نے خواب کی رو سے یا روح مکرم ﷺ کے مشاہدے کی جہت سے جمع کی تھیں۔ بعض ان ''حدیثوں'' میں سے ایسی ہیں جو بلا واسطہ ہیں اور بعض میں ایک دو واسطے ہیں اس سے زیادہ۔ ملاحظہ فرمایئے:

بلاتبصرہ:

''الحديث الخامس عشر: اخبرنی والدی انه كان مريضا فرای النبی ﷺ فی النوم فقال كيف حالک يا بنی ثم بشره بالشفاء وعطاه شعرتين من شعور لحيته فتعافى من المرض فی الحال ويقيت الشعرتان عنده فی اليقظة فاعطانی احدهما فهی عندی۔ الحديث السادس عشر: امرنی سيدی الوالد بهذه من الصلوة على النبی ﷺ اللهم صل على محمد النبی الأمی وآله وبارک وسلم وقال قرأتها فی المنام على النبی ﷺ فاستحسنها۔ الحديث السابع عشر: اخبرنی سيدی الوالد قال اخبرنی شيخی السيد عبدالله القاری

① ترجمہ انفاس العارفین ص ۲۰۵/.

قال حفظت القرآن علی قاری زاهد کان یسکن فی البریة فبینا نحن نتدارس القرآن اذا جاء قوم من العرب یقدمهم سیدهم فاستمع قراءة القاری وقال بارک الله ادیت حق القرآن ثم رجع وجاء رجل آخر بذٰلک الزی فاخبر ان النبی ﷺ اخبرهم البارحة انه سیذهب الی البریة الفلانیة لاستماع قراءة القاری هناک فعلمنا ان السید الذی کان یقدمهم هو النبی ﷺ قال وقد رأیته بعینی هاتین والله اعلم۔ الحدیث الثامن عشر: اخبرنی سیدی الوالد انه اراد فی ابتداء علیه ان یلتزم دوام الصیام ثم تردد فی ذٰلک لاختلاف العلماء فیه فتوجه الی النبی ﷺ فراه فی النوم کانه اعطاه رغیفا قال فقال ابو بکرٍ الصدیق رضی اللہ عنہ الهدایا مشترک فقدمته الیه فاخذ منه کسرة ثم قال عمر رضی اللہ عنہ الهدایا مشترک فقدمته الیه فاخذمنه کسرة ثم قال عثمان رضی اللہ عنہ الهدایا مشترک فقلت ان قسمتم الرغیف بینکم فای شئ یبقی لهٰذا الفقیر۔ الحدیث التاسع عشر: اخبرنی سیدالوالد انه رکب فی رمضان الی مکان فاصابه الحر والتعب فنعس فی تلک الحالة فرای النبی ﷺ فاعطاه طعامالذیذاً متخذا من الارز والحلاوة الزعفران والسن فاکل حتی شبع واعطاه ماء بارداً فشرب حتی روی ثم استیقظ ولا جوع له ولا عطش وفی یده ریح الزعفران"①

ترجمہ: ''پندرھویں حدیث: میں نے جناب والد سے سنا کہ وہ بیمار ہوئے تو خواب میں آں حضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے فرمایا: کیف حالک یابنی یعنی بیٹا تیرا کیا حال ہے۔ پھر شفا کی خوشخبری دی اور دو تار موئے مبارک ریش مکرم کے عنایت کیے اسی وقت وہ تندرست ہو گئے اور وہ دونوں تار موئے مبارک جب جاگے تو موجود تھے ان میں سے ایک مجھے دیا وہ میرے پاس موجود ہے۔ سولہویں حدیث: جناب والد نے فرمایا کہ درود شریف اس صیغہ سے پڑھا کرو اللھم صل علی محمد النبی الامی وآلہ وبارک وسلم اور کہا میں نے خواب میں پڑھا تھا۔ آں

① در الثمین مصنفہ شاہ ولی اللہ ''محدث'' دہلوی ص ۶، ۷۔

حضرت ﷺ نے پسند کیا۔ سترہویں حدیث: مجھ سے بیان کیا جناب والد نے کہ ہمیں خبر دی سید عبداللہ قاری نے کہ میں نے حفظ کیا قرآن شریف قاری زاہد سے کہ وہ بیابان میں رہتے تھے اس اثنا میں کہ ہم دور کر رہے تھے قرآن شریف کی کہ ایک قوم آئی عرب کی کہ ان کا سردار اُن کے آگے تھا۔ قاری صاحب کی قرأت سنی اور سردار نے فرمایا: بارک اللہ تعالیٰ قرآن شریف کا تم نے حق ادا کیا پھر تشریف لے گئے اور ایک اور شخص اسی صورت میں آیا کہا کہ آں حضرت ﷺ نے کل شب کو فرمایا تھا ان لوگوں سے کہ تشریف لے جائیں گے فلانے بیابان میں قاری کی قرأت سننے کو تو ہم نے جانا کہ جو سردار قوم کے آگے آگے تشریف لائے تھے وہ نبی ﷺ تھے اور کہا میں نے بے شک دیکھا ہے ان کو اپنی اُن دونوں آنکھوں سے۔

اٹھارہویں حدیث: مجھ سے فرمایا جناب والد نے کہ میں نے ابتداء طلب میں ارادہ کیا کہ ہمیشہ روزہ رکھنے کا پھر تردد ہوا اس میں علماء کا اس میں اختلاف ہے تو میں نے توجہ کی طرف نبی ﷺ کے میں نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ گویا مجھے روٹی عنایت کی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا الهدایا مشترک یعنی تحفہ میں اور بھی شریک ہیں میں ان کے روبرو لے گیا انہوں نے اس میں سے ایک ٹکڑا لے لیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الهدایا مشترک میں ان کے سامنے لے کے حاضر ہوا انہوں نے بھی ایک ٹکڑا اس میں سے لے لیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الهدایا مشترک پھر میں نے کہا کہ اگر روٹی تم نے آپس میں تقسیم کر لی تو اس فقیر کے پاس کیا رہے گا تو خاموش ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔

انیسویں حدیث: جناب والد نے بیان کیا کہ ماہ رمضان شریف میں کہیں جانے کو سوار ہوا میں تو گرمی و تکلیف مجھے بہت ہوئی میں سو گیا اس حال میں تو زیارت ہوئی نبی ﷺ کی آپ نے کھانا لذیذ عنایت کیا کہ چاول اور قند اور گھی سے تیار ہوا تھا وہ کھایا اور سیر ہوا اور پانی سرد عطا فرمایا اسے پیاس کی تشنگی دفع ہوئی پھر جب جاگا تو

نہ بھوک تھی نہ پیاس اور ہاتھوں سے زعفران کی خوشبو چلی آتی تھی۔''

''اتحاد واتصال'' کی کارفرمائیاں ملاحظہ فرمائیں کہ احادیث کے سرمایہ کی ''کمی'' کس ''خوبی'' کے ساتھ شاہ صاحب نے پوری کردی!

تحدیث نعمت، مشہدِ آخر:

(۳۴) مشہد۔نورِ ارشادیت:

''رَأیْتُ وَ اَنَا اطوف بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ لِنَفْسِیْ نُوْرًا عَظِیْمًا یَغْشَی الْأَقَالِیْمَ وَیَبْهَرُ اَهْلَهَا وَفَطَنْتُ اَنَّ الْقُطُبِیَّةَ اَعْنِی الْاِرْشَادِیَّةَ اِنَّمَا یَصِحُّ بِمِثْلِ هٰذَا النُّوْرِ الَّذِیْ یَبْهَرُ وَیَغْلِبُ وَلَا یُغْلَبُ وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یَأْتِی عَلَیْهِ وَلَا یُؤْتٰی فَتَدَبَّر''①

''میں جس وقت خانہ کعبہ کا طواف کررہا تھا، تو میں نے اپنی ذات کے لیے ایک نور عظیم دیکھا کہ جس نے شہروں کو گھیر لیا، اور شہر والوں کو روشن کردیا۔ سو میں نے سمجھا کہ قطبیت یعنی ارشادیت اسی نور سے ثابت ہوتی ہے جو منور ہے۔ اور سب پر غالب ہے کسی سے مغلوب نہیں، اور ہر ایک شے اس کے پاس آتی ہے اور یہ کسی کے پاس نہیں جاتا''

یبھر اھلھا کا ترجمہ ''شہر والوں کو روشن کردیا'' کیا گیا ہے مگر اصل ترجمہ ''شہروں کے رہنے والوں کو مبہوت کردیا'' ہوگا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ''قطب ارشاد'' کا مقام وہ بلند مقام ہے جس کے حصول کے لیے جان ومال غرض سب کچھ نچھاور کردیا جائے تو کم ہے۔ یہی بات شاہ ولی اللہ سے پہلے ''مجدد الف ثانی'' صاحب تفصیل کے ساتھ بیان فرماچکے ہیں۔ اس بیان پر بھی نظر ڈالیے اور ''قطب ارشاد'' کے مرتبے کو پہچانیے:

نبی ﷺ کی جانب سے ''مجدد الف ثانی'' کو قطب ارشاد کا منصب ملنا:

''اور اس فقیر کو اس مقام تک پہنچ جانے کے بعد جو اقطاب کا مقام کہلاتا ہے، سردار

①فیوض الحرمین مصنفہ شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۱۸۹۔

دین و دنیا علیہ الصلوات والتسلیمات المبارکات والتحیات النامیات کی جانب سے قطبیت ارشاد کی خلعت عطا ہوئی اور مجھے اس منصب پر سرفراز فرمایا گیا۔''①

اس کے بعد ''مجدد صاحب'' نے اس منصب کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھا:

قطب ارشاد کی مرکزی حیثیت:

''قطب الارشاد اور اس کا فیضان عام:

قطب ارشاد جو فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے، بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔ بہت صدیوں اور زمانوں کے بعد اس انداز کا کوئی جوہر ظاہر ہوتا ہے اور یہ دنیائے تاریک اس کے ظہور کے نور سے منور ہو جاتی ہے۔ اور اس کی ارشاد و ہدایت کا نور ساری دنیا کو محیط ہو جاتا ہے۔ عرش کے دائرہ سے زمین کے مرکز تک جس کو بھی رشد، ہدایت، ایمان اور معرفت حاصل ہوتی ہے، اسی کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی کی ذات سے مستفاد ہوتی ہے۔ اس کے واسطے کے بغیر کوئی شخص بھی اس دولت تک رسائی نہیں پا سکتا۔ مثال کے طور پر اس کا نورِ ہدایت ایک بحرِ بیکراں کی صورت میں پوری دنیا کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہوتا ہے۔ اور وہ دریا گویا کہ منجمد (جما ہوا اور بستہ) ہے کہ اس میں مطلقاً کوئی حرکت نہیں۔ جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے، یا یہ کہ وہ بزرگ خود کسی طلبگار کے حال پر متوجہ ہو جائے تو اس توجہ کے دوران گویا کہ ایک سوراخ اس طلبگار کے دل میں کھل جاتا ہے اور اس راستے سے جس قدر توجہ اور اخلاص ہوتا ہے اسی قدر وہ اس دریا سے سیراب ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو ذکر الٰہی جلّ شانہ کی طرف متوجہ ہے اور اس عزیز بزرگ کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ لیکن اس کی یہ بے توجہی کسی انکار کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے وہ اس بزرگ کو پہچانتا ہی نہیں ہے تو اسی اندازہ کی فیض رسانی اسے بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن یہ فیض رسانی پہلی صورت میں دوسری صورت سے زیادہ ہوتی ہے۔''

① مبداء و معاد مصنفہ ''امام ربانی مجدد الف ثانی'' ترجمہ زوار حسین نقشبندی مجددی ص/ ۹۵۔

قطب الارشاد کا انکار:

''البتہ جو شخص اس بزرگ کا منکر ہو، یا اس بزرگ کو اس شخص سے کوئی گرانی ہو تو وہ کتنا ہی ذکرِ الٰہی تعالیٰ وتقدس میں مشغول رہا کرے لیکن وہ رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم ہی رہتا ہے۔ بغیر اس کے کہ وہ بزرگ اس شخص کو فیض نہ پہنچانے کا کوئی ارادہ کرے یا اُسے نقصان پہنچانے کا قصد کرے، اس کا یہ انکار ہی اس کے فیض کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ ہدایت کی حقیقت اس کو حاصل نہیں ہوگی جو کچھ حاصل ہے وہ ہدایت کی صورت ہے۔ بلا حقیقت کے صرف صورت سے لوگوں کو بہت کم نفع پہنچتا ہے۔''

قطب الارشاد سے اخلاص:

''اور جو گروہ اس بزرگ کے ساتھ اخلاص و محبت رکھتا ہے، خواہ وہ توجہ مذکورہ اور ذکرِ الٰہی تعالیٰ شانہٗ سے کتنا ہی خالی کیوں نہ ہو، ایسے لوگوں کو بھی محض ان کی محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور حاصل ہوجاتا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (جو لوگ ہدایت کی پیروی کریں ان پر سلامتی ہو)۔''①

للہ بتاؤ کہ آج کا قطب ارشاد کون ہے؟ مبادا اس کی شان میں گستاخی سرزد ہوجائے، اور انسان کہیں کا نہ رہے! یہ ہے ''قطب ارشاد'' کا مقام! اب لازم ہے کہ ہر مسلمان ہر وقت چوکنا رہے۔

اس ایک بیان میں ''حقیقت وصورت، ظاہر و باطن، توجہ والتفات......'' غرض دقائق ہی دقائق کا انبار لگا دیا گیا ہے!

اللہ تعالیٰ کا شاہ ولی اللہ کو دنیا و آخرت کے مواخذہ سے بری کر دینا:

''وَاعْطَانِی الْعِصْمَةَ مِنَ الْمُؤَاخَذَةِ دُنْیَا وَآخِرَةً فَکُنْ مَا تَجْرِی عَلَیَّ مِنَ الشَّدَائِدِ فَاِنَّمَا هُوَ مِنْ مُقْتَضَیَاتِ الطَّبِیْعَةِ لَا مِنْ بَابِ الْمُؤَاخَذَةِ''②

''اور اس کے ساتھ ساتھ مجھ کو دنیا اور آخرت کے مواخذہ سے عصمت عطا فرمائی

---

① ترجمہ مبداء و معاد ص ۹۹۔ ۱۰۱۔

② فیوض الحرمین ص ۱۹۱۔

لٰہذا جو سختیاں بھی مجھ پر گذریں، وہ مقتضیات طبیعت سے ہیں مواخذہ کی وجہ سے نہیں۔''

شاہ صاحب کے ساتھ یہ کوئی خصوصی سلوک نہیں ہے۔ اسی کتاب میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ میرے والد اور تایا کے اوپر سے بھی اللہ نے تکلیف اٹھالی تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی ساری ''عظمت ومنزلت'' کے ذکر کے بعد ایک لطیفہ بھی سنتے جایئے۔ اور وہ یہ کہ اہل حدیث ''حضرات'' جو اپنے آپ کو غیر مقلد کہہ کر فخر محسوس کرتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب کو اپنا ہم مسلک اور پیشوا بتاتے ہیں، شاہ صاحب کی کتابوں کا کبھی مطالعہ نہیں کرتے۔

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ جب میں قبر نبوی پر حاضر ہوا تو نبی ﷺ نے مجھے تین باتوں کی وصیت کی اور میں نے ان میں سے بعض کو اپنی فطرت کے علی الرغم تعبدی سمجھ کر مان لیا۔ پہلی بات تسبب (اسباب مہیا کرنے) سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا حکم تھا، تیسری بات علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینے کے بجائے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو افضل سمجھنا تھا، اور دوسری بات یہ:

نبی ﷺ کا شاہ صاحب کو چار مذہبوں کی تقلید کرنے اور ان سے باہر نہ نکلنے کا حکم دینا اور ان کا امر تعبدی سمجھ کر مان لینا:

''وَثَانِيهَا الْوَصَاةُ بِالتَّقْلِيدِ بِهٰذِهِ الْمَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ لَا اَخْرُجُ مِنْهَا وَالتَّوْفِيْقُ مَا اسْتَطَعْتُ وَجِبِلَّتِيْ تَابَى التَّقْلِيْدِ وَتَالَفُ مِنْهُ رَأْساً وَلٰكِنْ شَيْءٌ طُلِبَ مِنِّي التَّعَبُّدُ بِهِ خِلَافَ نَفْسِيْ''①

''اور دوسرا امر یہ ہے، کہ ان مذاہب اربعہ میں کسی ایک مذہب کے مقلد ہونے کی وصیت کہ میں ان سے نہ نکلوں اور تابمقدور ان کی موافقت کروں اور میری سرشت تقلید کا انکار کرتی تھی اور اس سے روگردانی کرتی تھی لیکن ایک شے مجھے میرے نفس کے خلاف باعتبار تعبد کے طلب کی گئی تھی''

شاہ ولی اللہ صاحب نے تو نبی ﷺ کی ''وصیت'' سنا کر مسلک اہل حدیث کی بالکل نفی ہی کردی! یہ بات بھی خیال میں رکھیے کہ نبی ﷺ نے شاہ ولی اللہ صاحب کو تقلید کے ساتھ ساتھ اسباب نہ

① فیوض الحرمین ص ۱۸۸/۱۸۷۔

اختیار کرنے اور اولاد کے لیے اپنے پیچھے کچھ غم نہ کرنے کا جو ''حکم'' دیا تھا وہ یوں ہی نہیں تھا بلکہ نبی ﷺ نے گویا شاہ صاحب کے بچوں کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی جیسے کہ ''حکیم الامت'' اشرف علی تھانوی صاحب کی مرتب کی ہوئی کتاب ''حکایات اولیاءٔ'' کی حکایت نمبر ۵ میں آیا ہے کہ اور جو محمد زکریا کاندھلوی اور مفتی محمد شفیع کی تحریک اور اصرار پر ۱۳۴۸ھ میں لکھی گئی (اس بات کا کتاب کی تمہید میں ذکر کیا گیا ہے)۔ حکایت آپ کے سامنے ہے:

''حکایت (۵) حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ شاہ ولی اللہ جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو مقتضائے بشریت بچوں کی صغرسنی کا تردد تھا۔ اسی وقت جناب رسول ﷺ کو دیکھا کہ آپ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ (تو کاہے فکر کرے ہے جیسی تیری اولاد ویسی ہی میری) پھر آپ کو اطمینان ہو گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی اولاد عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہنچی۔ جیسے بھی صاحب فضل و کمال ہوئے ظاہر ہوئے۔①

کیا اب ''حضرت رشید احمد گنگوہی صاحب'' کی بیان کردہ روایت پر بھی شک وشبہ کی گنجائش ہے؟

قاعدہ ہے کہ انسان دنیا میں آتا ہے کچھ صبحیں، کچھ شامیں گزارتا ہے، کچھ دن ورات بدلتے ہیں اور پھر ایک دن قبر کا تاریک گوشہ حصہ میں آتا ہے۔ وہاں کیا ہوتا ہے؟ کیا بیتتی ہے؟ ہر ایک کا دل چاہتا ہے کہ معلوم کرے۔ شاہ صاحب نے اس کا طریقہ بھی بتلا کر تسکین قلب کا سامان مہیا فرما دیا:

کشف قبور کا عملی طریقہ:

''بداں کہ ذکر برائے کشف قبور اول چوں در مقبرہ درآید دوگانہ بروح آں بزرگوار ادا کند اگر سورہ فتح یاد باشد در اول رکعت بخواند و دوم اخلاص والا نہ در ہر دو رکعت پنج پنج بار اخلاص بخواند و بعدہ قبلہ را پشت دادہ بنشیند و یک بار آیۃ الکرسی وبعضے سور تہا کہ در وقت زیارت می خواند چنانچہ سورہ ملک وغیر ذلک بعدہ قل گوید پس از فاتحہ یازدہ بار سورہ اخلاص بخواند و ختم کند و تکبیر بخواند و بعدہ ہفت کرت طواف کند و در آں تکبیر بخواند و آغاز از راست بکند بعدہ طرف پایان رخسارہ نہد

① از تحریرات بعض ثقات، منقول از اضافہ مولوی محمد نبیہ صاحب اور اشرف التنبیہ، حکایات اولیاء، مرتبہ اشرف علی تھانوی ص/ ۲۸.

وبیاید نزدیک روئے میت بنشیند وبگوید یارب بست ویک بار وبعدہ اول طرف آسمان بگوید ''یاروح'' دردل ضرب کند ''یاروح الروح'' مادام کہ انشراح یا بدایں ذکر بکندان شاء اللہ تعالیٰ کشف قبور وکشف ارواح حاصل آید''

''ذکر کشف قبور جان کہ ذکر کشف قبور کے واسطے اول جب مقبرہ میں آئے دوگانہ اُن بزرگ کی روح کے واسطے پڑھے اگر سورہ فتح یاد ہوتو پہلی رکعت میں پڑھے اور دوسری میں سورہ اخلاص اور نہیں تو ہر رکعت میں پانچ پانچ بار اخلاص پڑھے اور پھر قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے اور ایک بار آیۃ الکرسی اور بعض سورتیں جو زیارت کے وقت پڑھتے ہیں، جیسے سورہ ملک اور اس کے سوا بعدہ قل کہے بعد فاتحہ کے گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے اور ختم کرے اور تکبیر کہے بعدہ سات دفعہ طواف کرے اور اس میں تکبیر پڑھے اور شروع دائیں طرف سے کرے اور پھر پاؤں کی طرف رخسار رکھے اور نزدیک میت کے منہ کے بیٹھے اور کہے یارب! اکیس دفعہ بعدہ اول طرف آسمان کے کہے یاروح اور دل میں ضرب کرے یاروح الروح جب تک کہ انشراح پائے یہ ذکر کرے ان شاء اللہ تعالیٰ کشف قبور وکشف ارواح حاصل ہوگا۔''①

قبر کے طواف اور میت کے پاؤں کی طرف رخسار رکھنے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا؟ آج بھی جو قبر کا طواف ہو رہا ہے اور قبر کے پائنتی کو جو بوسہ دیا جا رہا ہے، اس کی ''فضیلت'' کی یہ دلیل ہے۔

آخر میں حجۃ اللہ البالغۃ سے ایک اقتباس آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں جو اس بات کا ثبوت مہیا کرے گا کہ ''اولیاء اللہ'' مرنے کے بعد ملائکہ کے ساتھ مل جاتے ہیں، فرشتوں کی طرح ان پر بھی الہام ہوتا ہے، وہ بھی کاروبارِ دنیا کرتے ہیں جیسے فرشتے کرتے ہیں......!

''فکذٰلک الانسان قد یکون فی حیاته الدنیا مشغولا بشهوة الطعام والشراب والغلمة وغیرها من مقتضیات الطبیعة والرسم لکنه قریب الماخذ من الملأ السافل قوی الانجذاب الیهم فاذا مات انقطعت العاقلات ورجع الی

① انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحب ص ۱۱۳، ۱۱۴۔

مزاجه فلحق بالملائكة وصار منهم والهم كالها مهم وسعى فيما يسعون فيه"①

''ترجمہ: بالکل اسی طرح انسان کا حال ہے کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کھانے پینے اور شہوت نفسانی اور اسی طرح کے دیگر طبعی تقاضوں کو پورا کرنے اور زندگی کے مختلف مراسم و معاملات میں مصروف رہتا ہے لیکن اس کا قریبی تعلق ملائکہ سافل سے ہوتا ہے اور انہی کی جانب اس کو زیادہ میلان اور کشش ہوتی ہے۔ لہٰذا جب وہ مرجاتا ہے تو اس کے تمام جسمانی علاقے و تعلق ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ اپنی اصلی طبیعت کی طرف عود کر آتا ہے اور پھر ملائکہ میں مل کر انہی کا ہو جاتا ہے اور انہی کے سے الہامات اس کو بھی ہونے لگتے ہیں اور ان کے جیسے کام وہ بھی کرنے لگتا ہے۔ (اور اس طرح ان کا دست و بازو بن جاتا ہے)۔''②

شاہ صاحب نے بتلا دیا کہ ''اولیاء اللہ'' کی کیا ''شان'' ہوتی ہے! عام مسلمین کو تو مرنے کے بعد صرف صبح و شام ہی ان کی جنت کی بادشاہی دکھائی جاتی ہے اور بس۔ شہدا جنتوں کی زندگی میں کھاتے پیتے بھی ہیں اور چلتے پھرتے بھی مگر دنیا میں واپس نہیں آ سکتے۔ مگر یہ ''اتحادی بزرگ'' دنیا سے اپنا تعلق منقطع نہیں کرتے۔ منقطع کرنا تو الگ رہا وہ تو اور قریب ہو کر فرشتوں کی طرح تکوین عالم کے معاملات کی ذمہ داری سنبھال لیتے ہیں...... ! اس ''امر واقعہ'' کے ثبوت میں حجۃ اللہ البالغۃ کے مترجم صاحب نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

''چنانچہ جب روم اور روس میں سپسا سٹول کے قلعہ پر لڑائی ہوئی تو بہت سے اہل اللہ نے تہجد کے وقت مسجد نبوی ﷺ میں آں حضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیر مارتے دیکھا چنانچہ اسی روز صبح کو لشکر اسلام غالب آیا۔''③

یہ ہے وہ خاندان جس کا ایک ایک فرد تاریخ کے اوراق میں ''آفتاب و ماہتاب'' کی طرح

① حجۃ اللہ البالغۃ مصنفہ شاہ ولی اللہ دہلوی، مطبوعہ نور محمد، کراچی ص ر ۴۷۔
② حوالہ مذکورہ۔
③ حاشیہ حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ نور محمد، کراچی۔

چمکتا ہے! برصغیر ہندو پاکستان میں ''قرآن اور حدیث کا علم'' بھی انہی ''حضرات'' کے ذریعے پہنچا اور خوب پہنچا۔ مگر یہ بات تو مفسرین اور محدثین نے بھی کی ہے۔ ایک بات جو مفسرین و محدثین نہ کر سکے اور جس کے لیے امت اس خاندان کی ''مرہون منت'' ہے، وہ یہی ''اتحاد ثلاثہ'' کا اثبات اور اس سے وجود میں آنے والی ''اقدار مشترکہ'' کے متعلق معلومات اور اطلاعات ہیں۔ برصغیر میں آج جہاں بھی جو دین پایا جاتا ہے، اس کی انتہا اسی خاندان تک ہے۔ اہل حدیث ان کو اپنا پیشوا مانتے ہیں اور بریلوی دیوبندی ''حضرات'' ان کے خادموں میں اپنے آپ کو شمار کروانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

دل تو نہیں چاہتا کہ ان کے تذکرے کو ختم کروں مگر مجبوری یہ ہے کہ ابھی عبدالحق ''محدث'' صاحب اور خواجگان چشت کا ذکر باقی ہے لیکن آگے بڑھنے سے پہلے اس بات کا برملا اعلان مناسب ہے کہ یہ ''بزرگ ذاتیں'' چاہے کتنی ہی مشہور و معروف کیوں نہ ہوں، مگر قرآن و حدیث کے لحاظ سے انہوں نے دین حق کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ توحید قرآنی کے بجائے ''اتحاد سبائی'' کو انہوں نے اپنایا ہے اور اسی فلسفہ کے نشان ہائے راہ کی رہنمائی میں آگے بڑھتے چلے گئے ہیں یہاں تک کہ خود بھی دین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے دور ہو گئے اور اپنے ساتھ ایک عالم کو اس سے دور کر دیا......!

یہ صرف اسی خاندان پر موقوف نہیں ہے بلکہ جو خانوادہ بھی، جو فرد بھی اس راہِ طریقت پر گامزن ہوا ہے، آخر کار توحید کے بجائے ''اتحاد'' کی منزل پر پہنچ کر ہی اس نے دم لیا ہے۔ بندگی کے بجائے ''خدائی'' کی ہوس نے اسے ہر آن دیوانہ رکھا اور ہر لمحہ اس کی زبانِ حال حسین بن منصور حلاّج کا یہی شعر گنگناتی رہی ؎

كفرت بدين الله والكفر واجب
لدى وعند المسلمين قبيح

''میں نے اللہ کے دین (قرآن و حدیث کے دین) سے کفر کیا اور میرے نزدیک کفر کرنا ہی واجب ہے اور مسلمانوں کی نگاہ میں ایسا کرنا بہت برا ہے۔''

سچی بات یہ ہے کہ اصلی دین تو اس برصغیر ہندو پاک میں کبھی آیا ہی نہیں۔ وہ جو محمد بن قاسم رحمہ اللہ اپنے ساتھ لائے تھے، اس کے آثار بہت جلد مٹ گئے۔ اس ملک میں تو توحید کے ماننے والوں کے

بجائے ''ذات خداوندی'' کے ساتھ ''اتحاد'' کا عقیدہ رکھنے والے اہل طریقت نے قرآن وحدیث کے اسلام کو اپنے رنگ میں پیش کیا اور دین داری کے بعض ظواہر کے ذریعے اسے ایسا کیا فلاج (camouflage) کیا کہ ایک عالم اس کے دام میں آ گیا۔ پھر خانقاہیں بنیں، ہاہو کی محفلیں گرم ہوئیں ،قبریں اونچی کی گئیں، قبے وجود میں آئے، اور عرس و میلوں کی دھوم مچ گئی۔ جبینوں میں سجدہ ہائے تعظیمی اور جیبوں میں نذرانے مچلنے لگے، قرآن وحدیث کی جگہ ملفوظات و مکتوبات، واردات نے لے لی۔ ''حضرت''، ''فنا فی اللہ'' ہوکر ''کبریائی'' کے سنگھاسن پر بیٹھے اور اپنے پیچھے قیامت تک کے لیے ''خدائی'' کی ایک گدی اور ''کردگاری'' کی ایک میراث چھوڑ گئے...... پھر کہیں جا کر اسلام کی شوکت پارہ پارہ ہوئی، عصمتوں کے کفنوں کے تار ہوا میں بکھرے، نونہالوں کے گرم وسیال خون کو دھرتی نے چوسا اور گل رنگ بنی، بستیوں سے دھواں اٹھا اور کھیتوں میں آگ لگی، سبائی فتنہ گروں نے یقینی کامیابی کی خوشی میں قہقہے لگائے، بالآخر اس اتحادی دین کی فتح اور اپنی ناکامی پر اسلام کا دمکتا ہوا چہرا اُتر گیا!

دنیا والے زمانۂ حال کے یہودی دماغ پر عش عش کرتے ہیں کہ کس طرح اس نے سائنس کے کلیات و بدیہات تک کو زیروزبر کر ڈالا اور اپنے ایک سادہ سے فارمولے کے ذریعے ثابت کر دکھایا کہ سائنس دانوں کا صدیوں کا عقیدہ غلط ہے کہ مادہ ناقابل تلف ہے اور یہ کہ مادہ بہرحال مادہ ہی رہے گا، توانائی میں تبدیل ہوجائے ممکن نہیں۔ اس جرمن یہودی نے ثابت کر دکھایا کہ مادہ تلف ہوکر توانائی کی صورت اختیار کرسکتا ہے اور یہ جو پہلے کہا جاتا تھا کہ سائنس کے لحاظ سے مادہ کی بربادی ممکن نہیں ہے اس لیے کائنات کا برباد ہونا اور قیامت کا آنا بھی امر محال ہے، یہ بات باقی نہ رہی اور سائنس کے لحاظ سے بھی قیامت کا وقوع ممکنات کے دائرے میں آ گیا ہے۔ شروع شروع میں اس بات کو ماننے میں تامل ہوتا رہا لیکن جب جاپان کے دوشہروں نے صفحۂ ہستی سے مٹ کر اس کی صداقت کی گواہی دے دی تو دنیا والوں کو مانے بغیر چارہ نہ رہا۔ کس قدر سادہ تھی اس جرمن سائنس داں کی مساوات (equation) $E=M.C^2$: (یا) ا=م س ۲

(''ا'' سے توانائی، ''م'' سے وزن مادہ اور ''س'' سے مراد رفتار روشنی)۔ لیکن حیف اس دنیا پر کہ اس نے تیرہ سو برس پہلے گذرے ہوئے اس یمنی یہودی کی کچھ ''قدر'' نہ کی جس نے اس سے زیادہ سادہ مساوات کے ذریعے دوشہر نہیں، دو عالم تہ و بالا کر ڈالے، اور قرآن وحدیث کے مقابلے کے لیے

ایک ایسے ''اتحادی دین'' کی داغ بیل ڈالی جس نے تھوڑے ہی عرصہ بعد مکمل غلبہ اور پوری سرفرازی حاصل کر کے قرآن وحدیث کا راستہ روک دیا! وہ سادہ تر مساوات یوں تھی: خ = پ ا۳

(یعنی ''خدائی'' = پیر کامل × اتحاد ثلاثہ)۔ پھر اس آفاقی فارمولے کے ذریعے وہ ''بزرگ وبرتر'' ذاتیں عالم واقعہ میں نمودار ہوئیں جن کی آج دھوم مچی ہوئی ہے۔ دُہرے غم انہوں نے سہے، کبھی ''خدائی'' کی دردِسری انگیز کی اور کبھی بندگی کے دردِ جگر میں وہ مبتلا رہے۔ ان ''برگزیدہ ہستیوں'' کی تاریخ پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو کچھ یوں نظر آئے گا:

پہلی صدی ہجری: ایسی ذاتوں سے خالی

دوسری صدی ہجری: ''حضرت'' ابراہیم بن الادہمؒ (متوفی ۱۶۲ھ)، ''حضرت'' رابعہ بصریؒ (متوفیہ ۱۸۵ھ)

تیسری صدی ہجری: ''حضرت'' معروف کرخیؒ (متوفی ۲۰۶ھ)، ''حضرت'' ذوالنون مصریؒ (متوفی ۲۴۵ھ)، ''حضرت'' سری سقطی بغدادیؒ (متوفی ۲۵۹ھ)، ''حضرت'' بایزید بسطامیؒ (متوفی ۲۶۱ھ)، ''حضرت ابوعبداللہ ترمذیؒ (متوفی ۲۸۵ھ)، ''حضرت'' جنید بغدادیؒ (متوفی ۲۹۸ھ)

چوتھی صدی ہجری: ''حضرت'' حسین بن منصور حلاجؒ (متوفی ۳۰۹ھ)، ''حضرت'' ابوبکر شبلیؒ (متوفی ۳۳۴ھ)

پانچویں صدی ہجری: ''حضرت'' علی ہجویری المعروف بداتا گنج بخش لاہوریؒ (متوفی ۴۶۵ھ)، ''حضرت'' ابواسماعیل ہرویؒ (متوفی ۴۸۱ھ)

چھٹی صدی ہجری: ''حضرت'' امام غزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ)، ''حضرت'' عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی ۵۶۱ھ)، ''حضرت'' احمد رفاعیؒ (متوفی ۵۷۸ھ)

ساتویں صدی ہجری: ''حضرت'' خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (متوفی ۶۳۳ھ)، ''حضرت'' خواجہ بختیار کاکیؒ

(متوفی ۶۳۴ھ)، ''حضرت'' محمد ابن عربیؒ (متوفی ۶۳۸ھ)، ''حضرت'' خواجہ فرید الدین گنج شکر (متوفی ۶۷۰ھ)، ''مولانا'' جلال الدین رومیؒ (متوفی ۶۷۳ھ)

آٹھویں صدی ہجری: ''حضرت'' خواجہ نظام الدین اولیاءؔ (متوفی ۷۲۵ھ)، ''حضرت'' امیر حسن بن علاءؔ سنجری، دہلوی المعروف بخواجہ حسن دہلویؔ (متوفی ۷۳۶ھ)

نویں صدی ہجری: شاہ مدارؔ (متوفی ۸۵۰ھ)، شاہ مینا لکھنویؔ (متوفی ۸۷۰ھ)

دسویں صدی ہجری: (اور گیارہویں صدی ہجری کے شروع کا زمانہ) خواجہ باقی باللہؔ (متوفی ۱۰۱۲ھ)

گیارہویں صدی ہجری: ''حضرت'' احمد سرہندی المعروف بمجدد الف ثانیؔ (متوفی ۱۰۳۴ھ)، ''حضرت'' عبدالحق محدث'' دہلویؔ (متوفی ۱۰۵۲ھ)

بارہویں صدی ہجری: شاہ ابوالرضاؔ محمد (متوفی ۱۱۰۰ھ)، شاہ عبدالرحیمؔ (متوفی ۱۱۳۱ھ)، شاہ ولی اللہؔ (متوفی ۱۱۷۶ھ)

تیرہویں صدی ہجری: شاہ عبدالعزیزؔ (متوفی ۱۲۳۹ھ)، شاہ اسماعیلؔ ''شہید'' (متوفی ۱۲۴۶ھ)، سید احمدؔ ''شہید'' (متوفی ۱۲۴۶ھ)، ''حضرت'' عبداللہ غزنویؔ (متوفی ۱۲۹۸ھ)

چودھویں / پندرہویں صدی ہجری: خاندان ولی اللہی کے خدام جماعت دیوبند، بریلی واہل حدیث۔

یہ سارے ''حضرات'' جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، اسی ''دین اتحاد'' کے علمبردار تھے، اور آج جو دین ''اسلام'' کے نام سے دنیا میں پایا جاتا ہے، وہ انہیں ''حضرات'' کا ایجاد کردہ ہے۔ قرآن وحدیث کے دین سے بالکل الگ، یکسر ممتاز، دین بندگی کے بجائے ''دین خدائی''! ہوسکتا ہے کہ اس اظہار حقیقت پر کسی کو بلا وجہ غصہ آجائے تو اس کی خدمت میں عرض ہے کہ غم وغصہ جذباتی کیفیات ہیں۔ ان کی وجہ سے حقیقت کا انکار کر کے زہر پر تریاق کا لیبل لگا دینا کسی صاحب عقل کو زیب نہیں دیتا۔

دوسرا وار جو اس بیان کے خلاف کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس چودہ سو برس کے طویل عرصہ میں تم ہی ایک ایسے علامہ دہر پیدا ہوئے ہو جو ماضی کے اس ''درخشاں ترین'' باب کو کتاب زندگی سے بیک جنبش قلم نکال دینا چاہتے ہو، تو ان کی خدمت میں عرض کرنا پڑے گا کہ حاشا! میں تو مقتدی ہوں، امام نہیں۔ امام تو وہ ہیں جن کے خلاف زبان کھولنے کا کسی کو یارا نہیں۔ سنو! یحییٰ بن سعید القطان (۱۲۰ھ تا ۱۹۸ھ) کون اور کیا تھے؟ انہوں نے اس نئے دین کی پہلی انگڑائی ہی کا عالم دیکھا تھا کہ اس کی حشر سامانیوں کے خوف سے لرزہ براندام ہو کر ''اَلْحَذَر، اَلْحَذَر'' کا نعرہ لگانے لگے۔ ملاحظہ فرمایئے:

''قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ یَحْیَی بْنُ سَعِیْدِ نِ الْقَطَّانُ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ لَمْ نَرَ الصَّالِحِیْنَ فِیْ شَیْءٍ

اَکْذَبَ مِنْهُمْ فِی الْحَدِیْثِ قَالَ ابْنُ اَبِیْ عَتَّابٍ فَلَقِیْتُ اَنَا مُحَمَّدًا بْنُ یَحْیٰی بْنُ سَعِیْدِنِ الْقَطَّانُ فَسَاَلْتُهٗ عَنْهُ فَقَالَ عَنْ اَبِیْهِ لَمْ تَرَ اَهْلَ الْخَیْرِ فِیْ شَیْءٍ اَکْذَبَ مِنْهُمْ فِی الْحَدِیْثِ قَالَ مُسْلِمٌ یَقُوْلُ یَجْرِی الْکِذْبُ عَلٰی لِسَانِهِمْ وَلَا یَتَعَمَّدُوْنَ الْکِذْبَ"①

''محمد بن یحییٰ سعید القطان کہتے ہیں کہ میرے باپ یحییٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے صالحین (صوفیا کو اُس زمانے میں صالحین اور اہل خیر کے نام سے پکارا جاتا تھا) سے زیادہ کسی کو حدیث کے معاملے میں جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا۔ ابن عتاب کہتے ہیں کہ پھر مجھ سے محمد بن یحییٰ کی ملاقات ہوئی اور میں نے اس بات کی جو مجھ تک پہنچی تھی ان سے تصدیق چاہی۔ انہوں نے کہا کہ ہاں میرے والد فرماتے تھے کہ اہل خیر (صوفیا) سے زیادہ تُو کسی کو بھی حدیث کے معاملہ میں جھوٹا نہ دیکھے گا۔ امام مسلم کہتے ہیں کہ جھوٹ ان کی زبانوں پر بے ساختہ جاری ہوجاتا ہے چاہے جھوٹ بولنے کا ان کا ارادہ بھی نہ ہو۔''

ان کے بعد امام مسلم رحمہ اللہ (۲۰۴ھ تا ۲۶۱ھ) نے ان کی پیروی میں دنیا کو ہوشیار وخبردار کیا۔ اور ایک بھرپور وار کے ذریعے اس نئے دین کی جڑ پر ہی تیشہ چلا دیا۔ لیکن اس ظالم کا بلا وا ایسا رنگین اور انداز ایسا ساحرانہ تھا کہ ایک پیش نہ چلی! امام مسلم رحمہ اللہ کا کہنا تھا کہ اس دین کو حسن بصری رحمہ اللہ کے ذریعہ ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما کے واسطے سے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا جاتا ہے وہ بالکل جھوٹ ہے۔ اور اس کو انہوں نے محدثانہ شان سے واضح فرمادیا ہے:

"حَدَّثَنِیْ حَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ الْحَلْوَانِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا یَزِیْدُ بْنُ هٰرُوْنَ اَخْبَرَنَا هَمَّامٌ قَالَ دَخَلَ اَبُوْ دَاوٗدُ الْاَعْمٰی عَلٰی قَتَادَةَ فَلَمَّا قَامَ قَالُوْا اِنَّ هٰذَا یَزْعَمُ اَنَّهٗ لَقِیَ ثَمَانِیَةَ عَشَرَ بَدْرِیًّا فَقَالَ قَتَادَةُ هٰذَا کَانَ سَائِلًا قَبْلَ الْجَارِفِ لَا یُعْرِضُ فِیْ شَیْءٍ مِنْ هٰذَا وَلَا یَتَکَلَّمُ فِیْهِ وَاللّٰهِ مَا حَدَّثَنَا الْحَسَنُ عَنْ بَدْرِیٍّ مُشَافَهَةً وَّلَا حَدَّثَنَا سَعِیْدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ عَنْ بَدْرِیٍّ مُشَافَهَةً اِلَّا عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ②"

---

① مقدمة صحیح مسلم: ص ۱۴/۱، ۱۳۔ طبع مصری.
② ایضاص ۱۷/۱.

''امام مسلم کہتے ہیں کہ مجھ سے حسن بن علی حلوانی نے بیان کیا اور ان کو یزید بن ہارون نے خبر دی اور انہوں نے کہا کہ ہم کو ہمام نے خبر دی کہ ابوداؤد الاعمیٰ (نابینا) قتادۃ رحمہ اللہ (تابعی) کی محفل میں داخل ہوا۔ جب وہ اٹھ کھڑا ہوا تو اہل مجلس نے کہا کہ یہ اس بات کا دعویدار ہے کہ اس نے اٹھارہ بدری صحابیوں سے ملاقات کی ہے۔ قتادۃ رحمہ اللہ نے فرمایا یہ تو طاعون جارف سے پہلے بھیک مانگا کرتا تھا، اس کو علم سے کچھ بھی مَس نہ تھا اور نہ کبھی علم کے بارے میں کوئی بات کرتا تھا، یہ کیا بدری صحابیوں سے ملاقات کرتا، اس سے زیادہ سن والے حسن بصری رحمہ اللہ اور سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے صرف ایک بدری صحابی سعد بن مالک (یعنی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) کے علاوہ کسی دوسرے بدری صحابی سے حدیث سن کر ہم تک نہیں پہنچائی۔''

اس طرح سے قتادۃ رحمہ اللہ نے بتا دیا کہ حسن بصری رحمہ اللہ اور سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے ابوبکر اور علی رضی اللہ عنہما سے (جو دونوں بھی بدری صحابی ہیں) کچھ نہیں سنا اور اس طرح جو صوفیا اپنے مذہب تصوف کو ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں، وہ بالکل جھوٹ ہے۔

وار کاری تھا مگر سخت جانی ایسی کہ الامان والحفیظ۔ آخر کار جب یہ لالہ رخ سیمیں بدن قیامتیں ڈھاتے ڈھاتے عہد شباب کو پہنچا تو ایک ''زاہد خشک'' بنام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱ھ تا ۷۲۸ھ)① نے مردانہ وارتنِ تنہا میدان میں نکل کر مبارزطلبی کی۔ پینترے بدلے گئے، وار ہوئے اور ایسا لگنے لگا کہ برسات کی چاندنی راتوں کا یہ ماہِ نیم ماہ اب بدلیوں میں آیا، کہ دفعتاً ایک تیر قضا چلا اور قصہ ختم ہوگیا۔ وہ دن اور آج کا دن ہے کہ کسی ''سرپھرے'' کو اس مہہ وش سے آنکھ ملانے کی جرأت پھر نہ ہوئی!

اس تاریخی روداد کے بعد لازم ہے کہ ہم پھر اُن ہستیوں کے کارناموں کی طرف پلٹیں جن سے ہماری تاریخ کے صفحات رنگین ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے جو اس برصغیر میں ایک جامع شخصیت کے مالک سمجھے جاتے ہیں، ارشاد فرمایا کہ:

''کاتب الحروف (مصنف شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ ہمارے اسلاف کا

① ابن تیمیہ کے عقائد کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''ایمان خالص قسط دوم'' دیکھیے۔

روحانی دستور یہ چلا آ رہا تھا کہ ہر صدی میں طریقہ چشتیہ کی نسبت کے حامل رہے ہیں اور اکثر و بیشتر ہر جانے والا آنے والے کی بشارت دیتا رہا ہے اور یہ قصہ اسی طرح چلتا رہا ہے۔''①

اس لیے مناسب یہی ہے کہ شاہ صاحب کے ارشاد کے بموجب اب ہم ''حضرات چشتیہ'' کے ''فضائل'' کا قصہ چھیڑیں۔ اس خاندان کا سلسلہ ہندوستان کی سرزمین پر خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری سے شروع ہو کر خواجہ نظام الدین اولیاء تک اس شان سے پہنچا ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ سب سے پہلے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی مرتبہ کتاب ''انیس الارواح'' کا پہلا واقعہ اپنے سامنے رکھیے جس میں انہوں نے خواجہ عثمان ہارونی اپنے پیر سے پہلی ملاقات کا ذکر فرمایا:

① ترجمہ انفاس العارفین ص ۳۷۔

ذکر خواجہ عثمان ہارونی کا

بقلم خواجہ معین الدین چشتی اجمیری

ملفوظات حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ مسمی بہ انیس الارواح مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''الحمد للہ رب العالمین: والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

اے عزیز خدا تجھے نیک بخت کرے کہ یہ وہ اخبار وآثار انبیاء اور اسرار وانوار اولیاء ہیں جو کلمات اور انفاس متبرکہ سید العابدین بدر العارفین اکرم اہل ایمان وافر البر والاحسان حضرت شیخ معظم خواجہ عثمان ہارونی غفر اللہ لہ ولوالدیہ سے سنے گئے اور اس رسالہ مختصر میں کہ موسوم بہ ''انیس الارواح'' ہے لکھے گئے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین۔ جب کہ مسلمانوں کے دعا گو فقیر حقیر اضعف العباد معین الدین حسن سنجری کو خاص شہر بغداد مسجد خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ میں دولت پابوسی حضرت خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہ کی حاصل ہوئی تو اور مشائخ کبار بھی خدمت میں حاضر تھے سو جیسے ہی اس فقیر نے پابوسی کے لیے زمین پر سر رکھا تو ارشاد ہوا کہ جا دوگانہ نفل شکرانہ ادا کر بجر دار شاد حضور کے میں دوگانہ ادا کر کے حاضر ہوا پھر فرمایا روبقبلہ بیٹھ میں روبقبلہ ہو بیٹھا پھر فرمایا کہ سورہ بقرہ پڑھ جب میں پڑھ چکا تو حکم ہوا کہ اکیس بار درود اور اکیس بار سبحان اللہ پڑھ میں اس سے فارغ ہوا تو اُس وقت حضور نے کھڑے ہو کر منہ آسمان کی طرف کیا اور اس فقیر کا ہاتھ پکڑ کے فرمایا کہ آ تجھ کو خدا تک پہنچا دوں اور خدا رسیدہ کر دوں اس کے بعد ہی حضور نے دست مبارک میں مقراض لے کر اس دعا گو کے سر پر چلائی اور اپنی غلامی میں لیا پھر کلاہ

چہار گوشہ اس عقیدت کیش کے سر پر رکھی اور اعزاز بخشا اور گلیم خاص عطا فرمائی اور فرمایا بیٹھ جا میں بیٹھ گیا ارشاد ہوا کہ ہمارے خانوادے میں ایک رات دن کا مجاہدہ آیا ہے جا آج کے دن اور آج کی رات ذکر میں مشغول رہ چنانچہ یہ درویش موافق حکم و ارشاد حضور سراپا نور کے کامل ایک شبانہ روز طاعت اور عبادت میں مشغول رہا دوسرے روز جو خواجہ نور اللہ مرقدہ کی خدمت بابرکت میں مشرف ہوا تو فرمایا کہ بیٹھ جا اور ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھ جب میں پڑھ چکا تو فرمایا کہ اوپر آسمان کی طرف دیکھ میں نے نظر کی فرمایا اب تو کہاں تک دیکھتا ہے میں نے عرض کیا عرش اعظم تک پھر فرمایا کہ زمیں کی طرف دیکھ جب میں نے زمین کی طرف دیکھا تو پوچھا کہ اب کہاں تک دیکھتا ہے میں نے عرض کیا تحت الثریٰ تک پھر فرمایا کہ ایک ہزار بار سورۂ اخلاص اور پڑھ جب میں پڑھ چکا فرمایا کہ اب پھر آسمان کی طرف دیکھ جب میں نے دیکھا فرمایا اب کہاں تک دیکھتا ہے میں نے کہا حجاب عظمت تک پھر فرمایا کہ آنکھ بند کر میں نے آنکھ بند کر لی پھر فرمایا آنکھ کھول دے میں نے آنکھ کھول دی تو مجھ کو دو انگلیاں دست مبارک کی دکھلائی دیں اور فرمایا کہ اس میں کیا دکھلائی دیتا ہے میں نے کہا اٹھارہ ہزار عالم معلوم ہوتے ہیں جب میں نے عرض کیا تو ارشاد فرمایا کہ جا اب تیرا کام پورا ہوگیا۔ ایک اینٹ حضور کے سامنے تھی فرمایا اسے اُکھیڑ لے جب میں نے اُسے اُکھیڑا تو اُس کے نیچے کچھ روپیہ تھے۔

فرمایا کہ ان کو لے اور فقیروں کو صدقہ دے جب میں صدقہ دینے سے فارغ ہو کر حاضر ہوا تو ارشاد ہوا کہ چند روز ہماری خدمت میں ملازم رہ میں نے عرض کیا کہ فرمانبردار ہوں جو ارشاد ہو بجالاؤں۔ اس کے بعد حضرت خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہ نے خانۂ کعبہ کی جانب عزم سفر فرمایا اور یہ پہلا سفر ہے کہ دعا گو بھی اُس میں حضور کے ہمراہ رکاب ہوا الغرض اثنائے راہ میں ایک شہر میں سے گذر ہوا۔ وہاں مقربان خاص کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی کہ وہ اپنے آپ سے خبر نہ رکھتے تھے چندے اُن کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا کہ اُس وقت تک عالم صحو

میں یعنی حالت شہود و ہوشیاری میں نہیں آئے تھے۔ پھر خانۂ کعبہ زادہا اللہ شرفا وتعظیما میں پہنچے اُس جگہ بھی حضرت خواجہ نور اللہ مرقدہ نے اس فقیر کا ہاتھ پکڑ کے خدا کے سپرد کیا اور میزاب رحمت یعنی خانۂ کعبہ کے پرنالہ کے نیچے کھڑے ہوکر اس فقیر کے حق میں دعائے خیر اور مناجات فرمائی اُس وقت غیب سے آواز آئی کہ ہم نے معین الدین کو قبول کرلیا پھر وہاں سے واسطے زیارت روضۂ رسول ﷺ کے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے جب زیارت روضۂ انور سے مشرف ہوئے تو حضرت خواجہ نے فقیر کی طرف متوجہ ہوکر ارشاد فرمایا کہ اب تو حضور اقدس میں حاضر ہے سلام کر میں نے سلام عرض کیا روضۂ انور سے آواز آئی وعلیکم السلام اے قب مشائخ بحر و بر۔ جوں ہی یہ آواز آئی حضرت خواجہ نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ بس اب تیرا کام پورا ہوگیا پھر ہم بدخشاں میں آئے۔''①

پہلی ہی ملاقات اور پہلی ہی ''توجہ'' پر کیا کچھ نہ ہوگیا ۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا

یہ پائبوسی، یہ ''حضرت'' کے سامنے زمین پر سر رکھنا، اور یہ اوراد و وظائف اور آخر کار پہلی ہی نشست میں ''خدا'' تک پہنچا دینا، کوئی آسان بات ہے! حج کے موقع پر سر پر قینچی چلا کر اللہ کی غلامی کے اقرار کی طرح ''حضرت عثمان ہارونی'' کا خواجہ معین الدین کے سر پر قینچی چلا کر اپنی غلامی میں لے لینا بھی ملاحظہ فرمائیے۔ پھر کلاہِ چہار گوشہ کا سر پر رکھنا کہ اب چار ترک اختیار کرنے پڑیں گے۔

یعنی (۱) ترکِ دنیا (۲) ترکِ عقبیٰ (۳) ترکِ اکل ونوم (یعنی کھانا اور سونا) (۴) ترکِ خواہش نفس۔

پھر ایک دن اور رات کی ریاضت اور اس کے بعد یہ کمال کہ اوپر عرش اعظم اور نیچے تحت الثریٰ تک ہر چیز کا نظر آنا، مزید ریاضت کے بعد حجاب عظمت تک اور پھر دو انگلیوں کے درمیان اٹھارہ ہزار عالم......

یا سلام! اب جاکر ''تکمیل'' ہوئی! مگر ''اکمل'' ہونا ابھی باقی تھا، اس لیے مکہ اور مدینہ کا سفر اور

①انیس الارواح ترجمہ غلام احمد بریاںؒ ص ۴،۶۔

راستے میں اُن ''مقربین'' سے ملاقات جو تا حال سُکر سے صحو میں نہیں آئے تھے، پھر خانہ کعبہ میں ندائے غیب کہ ہم نے معین الدین کو قبول کر لیا، لیکن ابھی آخری قبولیت باقی تھی اس لیے مدینہ آکر ''روضہ رسول'' پر السلام علیکم کہنا اور پھر ''روضہ رسول'' سے آواز کا آنا کہ ''وعلیکم السلام اے قطب مشائخ بحر و بر''، اور اب کام کا پورا ہو جانا......!

یہ پورا واقعہ پڑھنے کے بعد بے ساختہ یہ مصرع نوکِ زبان پر آ گیا کہ شاید ''حضرت'' ؎

''خدا کے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں''

ذکر خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا

خواجہ بختیار کاکی کی لکھی ہوئی کتاب ''دلیل العارفین'' کے ڈھائی صفحے تسلسل کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔ ان میں خواجہ معین الدین سنجری چشتی اجمیری کے ملفوظات ہیں، پڑھیے اور ''قہاری'' کی داد دیجیے:

''اس کے بعد خواجہ ادام اللہ تقواہ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ کل قیامت میں مؤمنین اور اولیاء صادق اور مشائخ طریقت اور صدیقون کو قبر سے اٹھائیں گے اور ان کی کملیاں ان کے کندھوں پر پڑی ہوں گی ہر کملی میں سے سو ہزار ریشے لٹکتے ہوں گے سو ان بزرگوں کے مرید اور فرزند آ کر ان کملیوں کے ریشوں میں لٹک کر کھڑے ہوں گے جب تمام خلق حشر قیامت سے فارغ ہو جائے گی اس وقت حق تعالیٰ ان کو وہ قوت بخشے گا کہ فوراً پل صراط کے نزدیک پہنچ جائیں گے اور اس کملی کو وہ بزرگ اور ان کے مرید و فرزند پکڑ کے تیس ہزار برس کی راہ قیامت کے عذابوں سے گذر کر پار اتر جائیں گے اور اپنے آپ کو بہشت کے دروازے پر کھڑا ہوا پائیں گے ذرہ بھر بھی سختی ان کو نہ پہنچے گی جب خواجہ نے یہ فوائد تمام کیے تو تلاوت کلام اللہ میں مشغول ہوئے اور سب لوگ اور یہ فقیر مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

مجلس ششم: پنج شنبہ کے روز دولت پابوسی حاصل ہوئی۔ شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد صفاہانی اور، اور بھی چند درویش جامع مسجد بغداد کے اندر خواجہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر تھے قدرت الٰہی کا ذکر چھیڑا آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے علم و قدرت سے تمام چیزیں پیدا کی ہیں اگر آدمی ان کے کنہ میں غور کرے تو ایک دم میں ہوش باختہ اور حواس پراگندہ ہو جائیں اور دیوانہ و مجنوں ہو جائے اس کے بعد فرمایا کہ ایک وقت حضرت رسالت پناہ ﷺ نے اصحاب کہف

کے دیکھنے کی آرزو کی فرمان آیا کہ ہم نے حکم کر دیا ہے کہ تم ان کو دنیا میں نہیں دیکھ سکو گے آخرت میں دیکھ لینا ہاں اگر تم چاہو تو میں ان کو تمہارے دین میں داخل کر دوں پھر آپ نے اپنے اصحاب سے ارشاد کیا کہ اس کملی کو لے جاؤ اور اصحاب کہف کے غار میں اس کو ڈالو۔ اصحاب رسول ﷺ گئے اور اصحاب کہف سے سلام کیا حق تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا تو جواب سلام کا انہوں نے دیا پھر یاران رسول ﷺ نے ان پر دین محمدی پیش کیا انہوں نے قبول کیا پھر خواجہ نے یہ فرمایا کہ ایسی کون سی چیز ہے خدا تعالیٰ اُس پر قادر نہیں ہے تو مرد کو چاہیے کہ اُس کے حکموں میں ذرا بھی قصور نہ کرے کیوں کہ ہوتا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے۔ اس مقام پر خواجہ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ

ایک وقت میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر تھا اور ایک جماعت درویشوں کی بیٹھی تھی متقدمین صوفیہ کے مجاہدات و ریاضات اور ان کے فوائد کا حال بیان ہو رہا تھا کہ اس اثنا میں ایک بڈھا ضعیف منحنی نہایت نحیف دراز عصا ٹیکتا ہوا آیا اور سلام کیا، خواجہ رحمۃ اللہ نے جواب سلام کا دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو نہایت خوشی سے اپنے پہلو میں بٹھایا اُس پیر مرد نے احوال کہنا شروع کیا کہ آج تیس برس کا عرصہ ہوا کہ میرا لڑکا مجھ سے جدا ہے اور کہیں چلا گیا ہے اُس کے مرنے جینے کی کچھ خبر تک معلوم نہیں اُس کی درد جدائی سے میرا یہ حال ہے حضور کی خدمت میں آیا ہوں اور اُس کے آنے اور صحت و سلامتی کے لیے فاتحہ واخلاص کی درخواست رکھتا ہوں۔ جب خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ نے یہ بات سنی تو مراقبے میں سر جھکا دیا تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کے حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اس پیر مرد کے گم شدہ لڑکے کے آنے کے لیے فاتحہ واخلاص پڑھو جب آپ اور سب درویشوں نے فاتحہ واخلاص تمام کی۔ پیر مرد سے کہا جاؤ اور ایک لحظہ کے بعد اپنے لڑکے کو ہمارے پاس ملاقات کے واسطے لے آؤ۔ جونہیں پیر مرد نے زبان مبارک سے یہ سنا فوراً روبرو خواجہ کے سر جھکا کے واپس گیا ابھی راستے ہی

میں تھا کہ کسی نے پیر مرد کا ہاتھ پکڑ کے کہا مبارک ہو تمہارا لڑکا آ گیا خوشی خوشی گھر میں آیا اور لڑکے سے ملاقات کی اُس پیر مرد کی آنکھیں ضعیف ہو گئی تھیں لڑکے کو دیکھتے ہی روشن ہو گئیں اور الٹے پاؤں لڑکے کو لے کر خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لڑکے کو پا بوس کرایا۔ خواجہ علیہ الرحمۃ نے اُس کو اپنے پاس بلا کے پوچھا کہ میاں تم کہاں تھے اُس نے کہا سمندر میں کشتی پر تھا صاحبِ کشتی نے پکڑ کر زنجیر سے جکڑ رکھا تھا آج میں اُسی جگہ بیٹھا تھا کہ ایک درویش آپ کی شبیہ گویا آپ ہی تھے آئے اور میرے پاؤں کی زنجیر توڑ کر میری گردن زور سے پکڑی اور اپنے آگے مجھ کو کھڑا کیا اور فرمایا کہ اپنا پاؤں میرے پاؤں پر رکھ لے اور آنکھیں بند کر جیسا اُن درویش نے حکم کیا میں نے وہی کیا تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ آنکھیں کھول میں نے جو ہیں آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا پایا۔ اتنی بات کہنے پایا تھا اور چاہتا تھا کہ اور کچھ کہے حضرت شیخ الاسلام نے دانت کے نیچے انگلی دبا کر منع کیا کہ اب مت کہہ پیر مرد اٹھا اور اپنا سر خواجہ کے قدموں پہ رکھ کے فرمایا کہ الحمد للہ ابھی تک ایسے قدرت والے مردان خدا موجود ہیں مگر اپنے آپ کو چھپائے رکھتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ یہ سب خدائے عزوجل کی قدرت ہے۔"①

اب ''کملیوں'' کا عمل آپ کے سامنے ہے کہ کس طرح وہ اپنے ریشوں کے ذریعہ دستگیری کریں گی اور ان ریشوں کے ساتھ ''بزرگوں'' کے مرید اور فرزند لٹکے ہوئے ہوں گے اور اسی طرح لٹکے لٹکے تیس ہزار برس کی راہ جو پل صراط کو عبور کرنے کی راہ ہے، چشمِ زدن میں پار کر لیں گے اور بہشت کے دروازہ پر جا کر کھڑے ہو جائیں گے! کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ یہ فقیر جو گلیوں میں گاتا پھرتا ہے کہ

؎

خدا خود کملی والے کا
خدائی کملی والے کی

① ''دلیل العارفین'' ملفوظات خواجہ چشتی اجمیری مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ترجمہ غلام احمد بریاںؔ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۹۱۶ء ص ۸۱۔۸۳

چاہے اصل کے لحاظ سے صحیح نہ ہو، مگر ''کملی'' میں کوئی بات ہے ضرور!

رہا یہ اصحابِ کہف کا واقعہ، تو اس میں بھی یہی ''کملی'' اپنی ساحری دکھا رہی ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی نے اسلامی تاریخ کے اس ''عظیم الشان'' واقعہ کو بیان کر کے ثابت فرما دیا کہ ہر چند کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے جمع حدیث میں جان لڑا دی ہے لیکن ابھی ایسی روایتیں بھی ہیں جو اُن کے کانوں تک نہ پہنچ سکی تھیں! یہی واقعہ خواجہ نظام الدین اولیاء بھی بیان فرماتے ہیں لیکن اس میں کچھ اضافہ بھی ہے اور اُن اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے نام بھی ہیں جن کو ہوا اُڑا کر اصحاب کہف کے غار تک لے گئی تھی! ملاحظہ ہو:

> ''پھر باری تعالیٰ عزّ اسمہ (اس کا نام بلند ہو) کی قدرت پر گفتگو ہوئی اس بارے میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی، ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آرزو کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کہف کو دیکھیں۔ فرمان الٰہی آیا کہ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ دنیا میں انہیں نہیں دیکھیں گے قیامت میں ان سے آپ کی ملاقات ہوگی، البتہ اگر آپ چاہیں تو ہم ان کو آپ کے دین میں لے آتے ہیں۔ اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک کمبل لائے اور چار آدمیوں سے کہا کہ ان میں سے ہر ایک اس کمبل کا ایک ایک کونا پکڑے ان چار میں سے ایک ابوبکر صدیق تھے دوسرے عمر خطاب، تیسرے علی بن ابی طالب اور چوتھے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم۔ بعد ازاں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ہوا کو جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بڑے بڑے کام کرنے کا حکم دیا تھا، حاضر ہونے کے لیے بلایا وہ ہوا حاضر ہوگئی اس کے بعد آپ نے اس ہوا سے فرمایا کہ اس کمبل کو ان چار اصحاب کے ساتھ لے جاؤ اور اصحاب کہف کے غار کے دروازے پر اتار دو۔ ہوا اس کمبل کو ان چار اصحاب کے ساتھ اڑا کر لے گئی اور انہیں اس غار کے دروازے پر اتار دیا۔ اصحاب نے باہر ہی سے اصحاب کہف کو سلام کہا حق تعالیٰ نے انہیں اس وقت زندہ کر دیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا بعد ازاں ان اصحاب نے ان کے سامنے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین پیش کیا۔ اور انہوں نے اُسے قبول کرلیا۔ الحمد للہ رب العالمین۔ اس حکایت کو بیان

کرنے کے بعد حضرت خواجہ نے...... اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، فرمایا کون سی چیز ہے جو خدا تعالیٰ کے احاطۂ قدرت میں نہیں۔''①

دیکھا آپ نے خواجہ معین الدین صاحب کے بیان کردہ واقعہ کی تائید خواجہ نظام الدین اولیاء صاحب نے بھی کر دی، اور تھوڑی تفصیل کے ساتھ! اس کے بعد گمشدہ لڑکے والا واقعہ ملاحظہ فرمایئے، خواجہ معین الدین چشتی کے پیر عثمان ہارونی نے کیا خوب کاروائی کی۔ مراقبہ، فاتحہ، اخلاص...... پھر ارشاد فرمایا جاؤ ایک لحظہ کے بعد اپنے تیس برس سے گم رہنے والے لڑکے کو ہمارے پاس لاؤ۔ چشم زدن میں فاصلے بھی طے ہو گئے، بچہ بھی آ گیا اور ''کُنْ فَیَکُوْنَ'' کا مسئلہ بھی اختتام کو پہنچا۔ سبحان اللہ! یہ بات اگر خواجہ معین الدین چشتی نے آٹھویں صدی ہجری میں بیان فرمائی ہے تو ان سے پہلے پانچویں ہجری میں ''حضرت علی ہجویری صاحب'' مصنف ''کشف المحجوب'' طیّ الارض کا واقعہ یوں بیان کر گئے:

''حضرت ابوبکر وراق ترمذی رحمہ اللہ سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت محمد بن علی رحمہ اللہ نے مجھے فرمایا کہ اے ابوبکر وراق ہم تجھے آج ایک جگہ لے جائیں گے میں نے عرض کی کہ حضور کا جہاں حکم ہو میں وہاں چلوں گا۔ چنانچہ حضرت محمد بن علی کے ساتھ چلا اور تھوڑی دیر چلا تھا کہ ایک جنگل نظر آیا جو بکٹ اور دُشوار گزار تھا۔ اور اس کے اندر ایک زریں تخت بچھا ہوا دیکھا۔ اور ایک سبز درخت کے نیچے ایک چشمہ جاری نظر آیا اور ایک بزرگ دیکھے جو اس تخت پر نہایت شاندار لباس میں تشریف فرما تھے۔

جب حضرت محمد بن علی اُن کے نزدیک پہنچے تو وہ بزرگ اٹھے اور آپ کو اس تخت پر بٹھا لیا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ ہر طرف سے لوگ آنے لگے حتیٰ کہ چالیس آدمی اس جگہ جمع ہو گئے پھر انہوں نے جو تخت زریں پر جلوہ افروز تھے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ یکا یک کچھ کھانے کی چیز آ گئی۔ ہم سب نے اُسے کھایا۔ پھر حضرت محمد

① ترجمہ ''فوائد الفؤاد'' ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء مترجم پروفیسر محمد سرور مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ص ر ۲۰۹۔۲۱۰.

بن علی ترمذی رحمہ اللہ نے ان سے سوال کیا۔ انہوں نے بہت تفصیل سے اس کا جواب دیا مگر میں ان کی گفتگو کو بالکل نہ سمجھ سکا۔ اس کے بعد سب نے اجازت لی اور رخصت ہوئے۔ مجھے بھی حکم ہوا کہ تو بھی جا اب تو نیک اور سعید ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب ہم ترمذ سے واپس آئے تو میں نے حضرت محمد بن علی رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ حضور وہ کون سا مقام تھا اور وہ تخت پر جو تشریف فرما تھے کون تھے۔ فرمایا وہ مقام تیہ بنی اسرائیل تھا اور وہ بزرگ قطب مدار تھے۔ میں نے عرض کی حضور اتنی سی مدت میں ترمذ سے بنی اسرائیل کے جنگل میں ہم کیوں کر پہنچ گئے۔ فرمایا ابوبکر تجھے پہنچنے سے کام تھا پوچھنے سے غرض نہیں ہونی چاہیے۔ یہ علامت صحتِ حال کی ہے نہ کہ سُکر کی۔

پھر حضرت جنید بغدادی اور حضرت ابوالعباس سیاری اور حضرت ابوبکر واسطی اور حضرت محمد بن علی ترمذی اس امر پر متفق ہیں کہ کرامت بحالت صحو و تمکین ظاہر ہوتی ہے۔ نہ کہ حالتِ سُکر میں۔ اور یہ تمام کے تمام اصحاب مذہب ہیں۔

اس لیے کہ اولیاء الٰہی مدیرانِ ملک اور احوال عالم کے خبردار اور تمام عالم کے والی ہوتے ہیں اور نظام عالم ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہر قسم کے حل وعقد اِن سے وابستہ ہوتے ہیں اور احکام عالم میں ان کا تصرف ہوتا ہے۔ بنا بریں یہ ضروری ہے کہ ان کی رائے تمام اہل رائے پر فائق اور تمام قلوب کے مقابلے میں مخلوق کے ساتھ ان کا دل شفیق تر ہو۔ کیوں کہ یہ لوگ خدا رسیدہ ہوتے ہیں اور ان کی ابتداء حال میں تلوین وسکر ہوتا ہے۔ اور جب ان کے حال کا بلوغ ہوتا ہے تو وہی تلوین تکمین کے ساتھ متبدل ہو جاتی ہے۔'' ①

یاد رکھیے کہ ''اولیاء اللہ'' کی یہ کرامتیں صحو کی حالت میں ہوتی ہیں سکر کی حالت میں نہیں! پھر ان ''اولیاء اللہ'' کی شان ملاحظہ فرمائیے کہ ''نظام عالم'' ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے! جس کے ہاتھ میں نظام عالم ہو، اس کے لیے زمان ومکان کی کوئی قید کیا حیثیت رکھتی ہے...... اللہ آپ کو خوش رکھے یہ

① کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب ص ۴۰۹/ ۴۱۱۔

''اتحادی دیومالا'' وہ دیومالا ہے جس کا کوئی ثانی نہیں!

علم جغرافیہ کے متعلق بعض ''حقائق'' کا انکشاف اوران کا عینی مشاہدہ:

اصحاب کہف کے تاریخی واقعہ کے بعدکوہ قاف کی جغرافیائی ہیئت کے متعلق انکشاف سنیے! خواجہ معین الدین چشتی نے کہا کہ میرے پیر خواجہ عثمان ہارونی نے:

''اس کے بعدفرمایا کہ اس کوہ قاف کوایک گائے کے سر پر رکھا ہے بزرگی اورکلانی اس گائے کی تیس ہزارسال کی راہ کے برابر ہے وہ گائے کھڑی ہوئی خدائے تعالٰی کی حمد وثنا کررہی ہے اوراس گائے کا سرمشرق میں ہے اور دُم مغرب میں۔ اس کے بعد شیخ عثمان ہارونی رحمہ اللہ نے قسم کھا کرکہا کہ جس دن یہ حکایت زبان مبارک حضرت شیخ مودود چشتی رحمہ اللہ سے میں نے سنی تو شیخ مذکور نے مراقبہ میں سرجھکایا اور ایک درویش اس وقت ان کی خدمت میں حاضر تھے انہوں نے بھی مراقبہ کیا اور یکبارگی دونوں صاحب خرقے کے اندرہی اندر سے غائب ہوگئے پھرتھوڑی دیر کے بعداس عالم میں واپس آئے تو اُس درویش نے قسم کھا کرکہا کہ میں اور شیخ مودود چشتی رحمہ اللہ دونوں کوہ قاف کے پاس تھے چالیس جہان کہ خواجہ رحمہ اللہ نے فرمائے تھے اوروہ عالم غیب میں تھے ہم نے خوب معائنہ کیے۔ ایک سرِ موتجاوز نہیں نکلا۔ اس مکاشفہ کا یہ سبب تھا کہ جس وقت شیخ مودود چشتی رحمہ اللہ یہ حکایت بیان فرماتے تھے میرے دل میں کچھ شک پیدا ہوگیا تھا جب شیخ نے یہ معاینہ کیا تواس کو اس مکاشفہ کے ذریعہ دفع کردیا۔ تب حضرت شیخ الاسلام خواجہ معین الحق والدین ادام اللہ تقواہ نے فرمایا کہ فقیر کوقوت باطنی ایسی ہی چاہیے کہ حکایات اولیا میں جو کوئی سننے والا شک کرے تووہ اُس کومعاینہ کرادے۔ اورقوت کرامت اس پر جتا دے۔ پھرایک قصہ اپنا بیان فرمایا کہ ایک وقت دعا گوسمرقند کی طرف بطورسفر کے گیا تھا امام ابواللیث سمرقندی کے محلے کے قریب ایک بزرگ دانشمند مسجد بنواتے تھے اورکھڑے ہوئے بتا رہے تھے کہ اس طرف محراب بناؤ اسی طرف قبلہ ہے یہ

دعا گو بھی اُس وقت اُسی جگہ کھڑا تھا میں نے کہا کہ اس طرف نہیں دوسری طرف ہے بتایا کہ اسی طرف ہے ہر چند اِن سے کہا انہوں نے ایک نہ سنی پھر تو اس دعا گو نے اُن پر تف کیا اور اُن کی گردن پکڑ کے کہا کہ دیکھو یہ سمت قبلہ ہے کہ نہیں جب انہوں نے خود کعبہ آنکھوں سے دیکھ لیا تو یقینا جان لیا کہ ہاں یہی سمت قبلہ ہے۔''①

کوہ قاف کا ایسی عظیم الشان گائے کے سر پر ہونا جس کا سر مشرق میں اور دُم مغرب میں ہے، اگر مان بھی لیا جائے تو مشرق و مغرب کی یہ دوری تیس ہزار سال کی مسافت کے برابر کیسے ہو جائے گی؟ پھر یہ مراقبہ اور ایک شکی کو ساتھ لے کر یکا یک غائب ہو جانا، اور اپنے پیچھے دو خرقے (یعنی گڈریاں) چھوڑ جانا ''کمال'' کی معراج نہیں تو اور کیا ہے! تھوڑی دیر میں کوہ قاف ہی نہیں چالیس جہانوں کا سروے (Survey) کر کے واپس آجانا، پُرانے زمانے میں ہوتا تو ہوتا ہو، اس زمانے میں تو یہ بالکل انوکھی بات ہے! پھر یہ ساری دوڑ دھوپ اس لیے کی گئی کہ ایک صاحب کے دل میں شیخ مودود چشتی کے عجیب بیان پر شک بار پا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس ریب و شک کا دور کرنا تو ''اہل کمال'' پر لازم ہے۔

دوسرا قصہ خود خواجہ معین الدین چشتی کی اپنی قوت تصرف کا مظہر ہے کہ ایک ''بزرگ'' کی سمت قبلہ کی تصحیح قبلہ کو سامنے لا کر کر دی! بالکل اسی قسم کا واقعہ حکیم موسیٰ امر تسری صاحب نے کلام المرغوب ترجمہ **کشف المحجوب** کے دیباچہ ص/۵۶، ۵۷ پر دارا شکوہ کے سفینۃ الاولیاء ص/ ۶۴ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے۔

تعمیر مسجد ایک کرامت:

''حضرت'' داتا صاحب قدس سرہ نے لاہور تشریف لاتے ہی اپنی فرودگاہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی۔ دارا شکوہ لکھتا ہے:

''انہوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جس کی محراب دیگر مساجد کی بہ نسبت جنوب کی طرف مائل ہے کہتے ہیں کہ اس وقت کے علماء جو لاہور میں موجود تھے اس محراب کی سمت کے سلسلے میں حضرت شیخ پر معترض ہوئے۔ چنانچہ ایک روز حضرت نے سب

① ترجمہ دلیل العارفین ص/۸۵۔۸۶۔

علماء کو جمع کیا اور خود امامت کے فرائض انجام دیئے اور بعد ادائے نماز حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھو کعبہ شریف کس سمت میں ہے؟ دیکھا تو حجابات اٹھ گئے اور کعبہ شریف محراب کی سیدھ میں نمودار ہو گیا...... ان کا مزار بھی ان کی مسجد کی سمت کے مطابق ہے''۔

غرض کہ یہ ''کمال'' ایک طرح کا ورثہ ہے کہ ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتا رہتا ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری جب ہندوستان تشریف لائے تو لاہور میں انہوں نے ''حضرت علی ہجویری المعروف بداتا گنج بخش صاحب'' کے مزار پر مراقبہ کیا تھا، یہ اس کا فیض بھی ہوسکتا ہے! واللہ اعلم

خواجہ معین الدین چشتی کا ذکر نا تمام رہے گا اگر دنیا سے پردہ کرنے کے بعد ان کے عالم واقعہ میں واپس تشریف لانے کا حال بیان نہ کیا جائے۔ اس لیے ''حکیم الامت'' اشرف علی تھانوی صاحب کی کتاب ''امداد المشتاق'' کا یہ اقتباس آپ کے سامنے لایا جا رہا ہے:

''چنانچہ ۱۲۹۹ھ میں جب میں (مولانا احمد حسن) حضور میں حضرت کے حاضر ہوا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب اول اول مکہ مکرمہ آیا فقر و فاقہ کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ نو روز تک بجز زمزم شریف کے کچھ نہ ملا۔ تین چار دن کے بعد بعض احباب سے قرض مانگا انہوں نے باوجود وسعت انکار کیا مجھے معلوم ہوا کہ یہ امتحان ہے پس عہد کر لیا کہ اب قرض بھی نہ لوں گا اور ضعف سے یہ حالت تھی کہ نشست و برخاست دشوار تھی آخر نویں دن حضرت خواجہ اجمیری عالم واقعہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اے امداد اللہ تم کو بہت تکالیف اٹھانی پڑی اب تیرے ہاتھوں پر لاکھوں روپیہ کا خرچ مقرر کیا جاتا ہے میں نے انکار کیا کہ یہ امانت بہت سخت ہے ارشاد ہوا کہ اچھا تمہاری مرضی مگر اب مایحتاج خرچ تمہیں ملا کرے گا تب سے بلا منت دیگرے مصارف روزمرہ چلتے ہیں۔''①

اس واقعہ نے دوسرے واقعات کے ساتھ مل کر پیران کامل کے عالم الغیب، حاضر و ناظر اور متصرف فی الامور ہونے کا ''قطعی ثبوت'' مہیا فرما دیا۔ فجزاہ اللہ اوفی الجزاء

① امداد المشتاق ص ۱۱۰۔

بات بہت طویل ہوتی جارہی ہے، اس لیے اب کوشش کروں گا کہ اس خانوادے کے باقی ''حضرات'' کے بہت ہی مختصر حالات بیان کروں۔

ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی:

مرتبہ خواجہ فرید الدین گنج شکر، نام کتاب ''فوائد السالکین''

خواجہ فرید الدین گنج شکر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی محفل میں مختلف قسم کے ذکر ہورہے تھے......

''پھر اس بات کا ذکر ہونے لگا کہ اگر مرید نفل پڑھتا ہو اور پیر اُس کو آواز دے تو وہ کیا کرے آیا نفل توڑ کر جواب دے یا نہیں خواجہ قطب الاسلام ادام اللہ بقائہ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ نفل ترک کرے اور جواب دینے میں مشغول ہو کہ اس میں ثواب بہت ہے فرمانے لگے کہ میں ایک مرتبہ نماز نفل میں مشغول تھا شیخ معین الدین ادام اللہ برکاتہ نے مجھ کو پکارا میں نے فوراً نیت توڑی اور عرض کیا حاضر ہوں فرمایا آؤ جب میں خدمت میں حاضر ہوا پوچھا کہ کیا مشغولیت تھی عرض کیا کہ نفل میں مشغول تھا میں نے آپ کی آواز سن کر اُسے ترک کر دیا اور آپ کو جواب دیا فرمایا بہت اچھا کیا یہ نماز نفل سے فاضل تر ہے کیوں کہ پیر کے کام میں مستعد ہونا عین دین کے کاموں میں مستعد ہونا ہے۔ پھر فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ میں شیخ معین الدین کی خدمت میں حاضر تھا اور اہل صفہ بھی موجود تھے اولیاء اللہ کا ذکر ہو رہا تھا کہ اتنے میں ایک شخص اور آیا بیعت کے لیے پابوسی کی آپ نے اس کو بٹھا لیا اور اُس نے عرض کی کہ میں مرید ہونے آیا ہوں فرمایا جو کچھ ہم کہیں گے کرے گا اگر یہ شرط منظور ہے تو بے شک میں مرید کرلوں گا اس نے کہا جو کچھ آپ کہیں گے وہی کروں گا آپ نے فرمایا کہ تو کلمہ اس طرح پڑھتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایک بار اس طرح پڑھ لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ چونکہ راسخ العقیدہ تھا اُس نے فوراً پڑھ دیا خواجہ نے اس سے بیعت لی اور بہت کچھ خلعت

ونعمت عطا کی اور فرمایا میں نے فقط تیرا امتحان لیا تھا کہ تجھ کو مجھ سے کس قدر عقیدت ہے ورنہ میرا مقصود یہ نہ تھا کہ تجھ سے اس طرح کلمہ پڑھواؤں میں کون اور کیا چیز ہوں میں ایک ادنیٰ بندگان وغلامان محمد رسول اللہ ﷺ سے ہوں حکم وہی ہے جو تو اول سے کہتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس بات سے تیری صدق عقیدت معلوم ہوئی اب تو میرا مرید صادق ہوا مرید کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ اپنے پیر کی خدمت میں صادق وراسخ ہو۔''①

سبحان اللہ! بالکل ابوسعید بن المعلّٰی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی طرح کا واقعہ خواجہ بختیار کاکی کے ساتھ پیش آیا، صرف اس فرق کے ساتھ کہ ابوسعید بن المعلّٰی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے بُلاوے کے باوجود صلوٰۃ میں مشغول رہے اور جب صلوٰۃ پوری کر کے آئے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ صلوٰۃ توڑ دینا چاہیے تھی کیوں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے:

﴿اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ ②﴾

''اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہو جب وہ تمہیں بلائیں''۔

کیا ''حرج'' ہے اگر اللہ اور رسول کے ساتھ ساتھ اپنے ''شیخ'' کو بھی اُسی حیثیت کا مالک سمجھ لیا جائے کہ اس کی آواز پر بھی نماز توڑ دی جائے! لیکن مرید ہونے کے لیے آنے پر یہ پابوسی کچھ سمجھ میں نہیں آئی اور نہ امتحان وآزمائش کے لیے مرید سے اپنا کلمہ پڑھوانا کہ لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ پھر مرید کو یہ کلمہ پڑھنے پر ''راسخ العقیدہ'' ہونے کی سند دینا اور کہنا کہ مرید کو ایسا ہی ہونا چاہیے، پھر خود کو بندگان محمد ﷺ میں شامل کرنا، کسرنفسی کی انتہا ہے!

''پیران کامل'' کے طواف کو کعبہ آتا ہے:

''مجلس پنجم: ماہ ذی الحجہ ۵۸۴ھ دولت پائے بوسی حاصل ہوئی حج کا ذکر چھڑ گیا۔ قاضی حمید الدین ناگوری، مولانا علاؤ الدین کرمانی، سید نور الدین مبارک غزنوی، سید شرف الدین محمود موزہ دوز، مولانا فقیہ خداداد یہ ایسے لوگ موجود تھے کہ ہر ایک

① فوائد السالکین ملفوظات قطب الدین بختیار کاکی مرتبہ فرید الدین گنج شکر ترجمہ غلام احمد بریاں ص/۱۲۶، ۱۲۷۔
② الانفال: ۲۴۔

ان میں کامل تھا، عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک ان کے آگے کوئی چیز حائل نہ تھی بڑے صاحب کشف وکرامات تھے خانہ کعبہ کے مسافروں کا ذکر ہونے لگا۔ خواجہ قطب الاسلام فرمانے لگے کہ جو اللہ کے خاص بندے ہیں جب وہ اپنے مقام پر ہوتے ہیں تو خانہ کعبہ کو حکم کیا جاتا ہے کہ ان کے گرد طواف کرے یہ فرماتے فرماتے آپ اور سب عزیز کھڑے ہو گئے اور ایسے عالم تحیر میں مستغرق ہوئے کہ اپنے آپ کی خبر نہ رہی۔

یہ دعا گو بھی عالم تحیر میں مشغول ہوا پھر سب نے ایسی تکبیریں کہیں جیسا کہ خانہ کعبہ کے طواف میں کہا کرتے ہیں غرض کہ سب تکبیر کہتے جاتے تھے اور ہر ایک کے اعضا سے تازہ تازہ خون نکلتا تھا اور جو قطرہ زمین میں گرتا تھا اس سے تکبیر کا نقش بنتا چلا جاتا تھا جب ہم ہوشیار ہوئے تو ہم نے کعبہ کو اپنے آگے دیکھا اس کا جیسا ادب چاہیے بجالائے اور چار بار اُس کے گرد طواف کیا ہاتف غیب نے آواز دی کہ اے عزیزو ہم نے تمہارا حج وطواف اور نماز قبول کی اور ان لوگوں کی بھی ہم نے قبول کی جو تمہاری متابعت اور پیروی کریں۔ پھر خواجہ قطب الاسلام ادام اللہ برکاتہ فرمانے لگے کہ شیخ الاسلام معین الدین سنجری قدس اللہ سرہ العزیز ہر سال اجمیر سے خانہ کعبہ کو جایا کرتے تھے آخر الامر جب ان کا کام کمالیت کے درجہ کو پہنچا تو جو حاجی حج کو جاتے وہ بیان کرتے کہ ہم نے خواجہ کو طواف کرتے دیکھا حالانکہ وہ یہیں معتکف ہوتے تھے پھر یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر شب خواجہ معین الدین خانہ کعبہ کے طواف کو جاتے تھے اور رات بھر وہیں رہتے تھے فجر سے پہلے پہلے یہاں آجاتے تھے اور اپنے جماعت خانہ میں فجر کی نماز پڑھتے تھے پھر اسی محل پر آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے خواجہ معین الدین رحمہ اللہ سے انہوں نے شیخ عثمان ہارونی کی زبانی سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ جب خواجہ مودود چشتی کو اشتیاق کعبہ غالب ہوتا تو فرشتوں کو حکم ہوتا کہ خانہ کعبہ کو چشت میں پہنچا دیں اور خواجہ کے آگے کر دیں جب

خواجہ اسے دیکھتے طواف کرتے نماز پڑھتے پھر فرشتے اُس کو اُس کے مقام پر پہنچا دیتے۔''①

ایسے ''کاملین'' کا کیا کہنا جن کے درمیان عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کوئی چیز حائل نہ ہو سکے! واہ واہ! زبان سے نکلنا تھا کہ خانہ کعبہ آموجود ہوا، عالم تحیر ہی میں طواف اور تکبیریں شروع ہو گئیں اور اعضاء جسمانی سے خون پھوٹ بہا، جو قطرہ بھی زمین پر گرا ''اللہ اکبر'' کا نقش بن گیا، جب ہوشیاری ہوئی تو خانہ کعبہ موجود تھا اور ہاتف غیب سے صدا آرہی تھی کہ ہم نے تمہارا حج وطواف اور تمہاری نماز قبول کی، اور ان کی بھی جو تمہاری متابعت کریں! خیر طواف ونماز وغیرہ ''قبول'' ہو جانا تو کچھ کچھ سمجھ میں آتا ہے، لیکن بغیر عرفات کے وقوف کے یہ حج کیسے قبول ہو گیا؟ اور یہ بھی کہ کعبہ اگر دہلی چلا آیا تھا تو مکہ میں طواف کرنے والے کیا کر رہے ہوں گے؟ ملاحظہ فرمایا کہ جب پیر کامل ہو جاتا ہے تو اس کی کیفیت کا کیا عالم ہوتا ہے۔ اجمیر میں معتکف مگر حاجیوں کے ساتھ حج کے مناسک ادا ہو رہے ہیں، پھر ہر رات کو کعبہ کا طواف اور صبح فجر کی نماز میں اجمیر میں! واللہ ''تصرفات'' کی حد ہو گئی! پھر خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا فرمانا کہ میرے پیر خواجہ عثمان ہارونی نے خواجہ مودود چشتی کا یہ واقعہ بیان فرمایا کہ حسب اشتیاق کعبہ ان کے پاس لایا اور واپس لے جایا جاتا تھا! شاید کسی کو شک پیدا ہو کہ یہ سب کیسے ممکن ہے؟ تو اس کے لیے عرض ہے کہ وہ ان اقدار مشترکہ وذوات مرکبہ کو انسانوں پر قیاس نہ کرے، ان کا تو مقام ہی اور ہے۔

اب اس سلسلہ کے ایک اور پیر کامل کی ''بزرگی وعظمت'' نگاہ میں رکھیے:

① فوائد السالکین ص ۱۲۹/ ۱۲۸۔

ذکر خواجہ فرید الدین گنج شکر کا

خواجہ نظام الدین اولیاء کی کتاب راحۃ القلوب کے ذریعہ سے تاریخ دانی کا شاہکار، اور آہ و بکا' اور ماتم داری کا ثبوت:

فرمایا: خواجہ فرید الدین گنج شکر نے کہا جس نے

''عاشورہ کا روزہ رکھا تو گویا اس نے سارے سال کا روزہ رکھا پھر آپ نے اسی محل پر فرمایا کہ عاشورہ کے دن جنگلی ہرن بھی رسول خدا ﷺ کے خاندان کی دوستی کے سبب اپنے بچوں کو دودھ نہیں دیتے پس کیا وجہ ہے کہ آدمی ہوکر روزہ نہ رکھیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بغداد میں ایک بزرگ تھا کہ اُس کے آگے امیر المؤمنین حسین وحسن رضی اللہ عنہما کے شہید ہونے کا ذکر لوگ کر رہے تھے کہ اس نے خاندان رسول ﷺ کی دوستی میں اپنا سر زمین سے دے مارا خون بہنے لگا پھر تھوڑی دیر کے بعد چکرا کر زمین پر گر پڑا جب لوگوں نے دیکھا تو وہ جان دے چکا تھا۔ اسی شب اس بزرگ کو خواب میں دیکھا کہ امیر المؤمنین حسنین رضی اللہ عنہما کے پاس کھڑا ہوا ہے پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا کہا مجھے بخش دیا اور کہا حسنین کے پاس رہا کر پھر آپ نے اسی موقع پر فرمایا کہ ایک دفعہ رسول خدا ﷺ صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید کو کندھے پر بٹھائے ہوئے لیے جا رہے تھے رسول خدا ﷺ نے تبسم کیا اور فرمایا سبحان اللہ دوزخی بہشتی کے کندھے پر سوار ہوئے جا رہا ہے۔ جب یہ کلمہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے سنا تو حال پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ کا لڑکا ہے دوزخی کہاں سے ہے۔ کہا اے علی یہ یزید وہ بدنصیب لڑکا ہے کہ جو میرے حسن وحسین اور میری ساری آل کو شہید کرے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور تلوار نیام سے نکال لی کہ میں اسے مار ڈالتا ہوں آپ نے فرمایا

اے علی ایسا نہ کر خدا تعالیٰ کا حکم ایسا ہی ہے۔ حضرت علی رونے لگے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ اس وقت آپ تو سر پر ہوں گے فرمایا نہیں کہا یاروں میں سے کوئی ہوگا کہ نہیں۔ کہا میں ہوں گا کہ نہیں۔ کہا فاطمہ ہوں گی۔ کہا وہ بھی نہیں۔ کہا یا رسول اللہ میرے بچوں کی کون ماتم داری کرے گا کہا میری امت۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ دونوں گریہ کرنے لگے اور دونوں شاہزادوں سے بغل گیر ہوئے اور نعرہ مارا کہ میں نہیں جانتا کہ اس دشت میں تمہارا کیا حال ہوگا۔ اس کے بعد شیخ الاسلام زبان مبارک سے فرمانے لگے کہ جس روز امیر المؤمنین حسین رضی اللہ عنہ شہادت پائیں گے اُس رات ایک بزرگ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا کہ آپ کل انبیاء کی بیویوں کے ساتھ آئی ہیں دامن مبارک کمر سے بندھا ہوا ہے دشت کربلا میں جہاں کہ امیر المؤمنین حسین رضی اللہ عنہ شہادت پاویں گے جھاڑو دے رہی ہیں اور اپنی آستین مبارک سے صاف کرتی جاتی ہیں انہوں نے پوچھا کہ اے خاتون قیامت اور اے بنت شفیع محشر! یہ کیا مقام ہے جسے آپ اپنی آستین سے صاف کر رہی ہیں فرمایا یہ وہ مقام ہے کہ حسین میرا بیٹا یہاں سر دے گا اور شہادت پائے گا۔ اس کے بعد اسی موقع پر آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے یہ حکایت پوچھی کہ جب ہم میں سے کوئی بھی نہ ہوگا تو کون ان کی تعزیت کرے گا کہا یا رسول اللہ آپ کی امت آپ کے فرزندوں کی تعزیت کرے گی اور ایسی ماتم داری کرے گی کہ اس کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔"①

اس واقعے میں چند باتیں نوٹ کرنے کے لائق ہیں:

(۱) حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی دوستی میں اگر کوئی خودکشی کر لے وہ اُن کے ساتھ رہے گا!

(۲) نبی ﷺ کے زمانے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے یزید کو کاندھے پر لے کر نکلے، حالانکہ وہ اس

---

① راحۃ القلوب یعنی ملفوظات خواجہ فرید الدین گنج شکر مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاء ترجمہ غلام احمد بریاں مطبوعہ مجتبائی دہلی سن ۱۹۱۶ء ص ر ۲۰۵، ۲۰۶۔

وقت تک پیدا بھی نہ ہوئے تھے، وہ تو نبی ﷺ کی وفات کے پندرہ سال بعد سن ۲۶ ھ میں عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں پیدا ہوئے۔

(۳) علی رضی اللہ عنہ کا نبی ﷺ سے دریافت کرنا کہ پھر میرے بچوں کی ماتم داری کون کرے گا جب ہم لوگ نہ ہوں گے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا ان کو شہید کردے گا؟ جواب ملا ''پوری امت'' اور یہ بات سچ ثابت ہوئی۔

(۴) اُسی وقت نبی ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ کا آہ وبکا، گریہ وماتم شروع کردینا اور نعرے لگانے لگنا، غرض ہر وہ چیز جس سے آپ ﷺ نے روکا تھا، خود کرنے لگنا۔

(۵) فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دشت کربلا میں انبیاء علیہم السلام کی بیویوں کو ساتھ لے کر آنا اور شہادت کی جگہ کو آستین سے صاف کرنا اور فرمانا کہ حسین میرا بیٹا یہاں سر دے گا۔

(۶) جبرئیل علیہ السلام کا خبر دینا کہ آپ کی پوری امت ایسی ماتم داری کرے گی کہ صفت بیان نہیں ہوسکتی۔

اس طرح وہ ساری باتیں، جن پر آج نکیر کی جاتی ہے، خود زبان نبوت سے ہی ثابت ہوگئیں۔ سبحان اللہ! دین اتحاد میں علی رضی اللہ عنہ کو مرکزی حیثیت دے دی گئی ہے، اس لیے ''اصحاب کمال'' باقی خلفا کی کچھ زیادہ قدر نہیں کرتے۔ ملاحظہ ہو:

پیرانِ کامل کے اس خرقہ کی ابتدا شب معراج سے ہوئی:

''پھر کچھ خرقہ کا ذکر ہونے لگا آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ رسول خدا ﷺ کو بھی شب معراج میں خرقہ ملا تھا اور آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بلا کر فرمایا تھا کہ میں نے اپنے پروردگار سے خرقہ پایا ہے مجھ کو حکم ہے کہ میں اس کو تم میں سے کسی کو دوں اب میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں جو شخص تم میں سے جواب باصواب دے گا میں یہ خرقہ اُسے دوں گا اول آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ اے ابوبکر اگر میں یہ خرقہ تجھ کو دوں تو تو کیا کرے گا کہا یا رسول اللہ میں صدق اختیار کروں گا اور خدا کی بندگی کروں گا اور جو کچھ میرے پاس مال ومنال ہو وہ سب اللہ کی راہ میں دوں گا پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہا

میں عدل کروں گا اور بندگان خدا کے ساتھ انصاف کروں گا اور مظلوموں کی داد دوں گا پھر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہا میں ایک دوسرے میں اتفاق کی کوشش کروں گا اور جو حق بات ہو اُس کو بجالاؤں گا اور حیا اور سخاوت اختیار کروں گا پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا انہوں نے کہا میں پردہ پوشی کروں گا اور خدائے تعالیٰ کے بندوں کا عیب چھپاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ لے یہ خرقہ میں نے تجھ کو دیا۔ مجھ کو حضرت عزت کا فرمان بھی یہی تھا کہ جو تیرے یاروں میں سے یہ جواب دے اُسی کو یہ خرقہ دیجیو۔ یہ حکایت فرما کر شیخ الاسلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ہائے ہائے کر کے رونے لگے اور بیہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو یہ لفظ زبان مبارک پر لائے کہ معلوم شد درویشی پردہ پوشی ست۔ یعنی یہ بات معلوم ہوئی کہ درویشی کے معنی یہی ہیں کہ بندگان خدا کی پردہ پوشی کرے۔''①

مسلم کی صحیح حدیث میں یہ تو آ گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں مجھے تین چیزیں عطا فرمائیں: (۱) پانچ وقت کی صلوٰۃ کا حکم (۲) خواتیم سورۃ البقرہ (۳) امت محمدیہ کے ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو گا ہلاک کرنے والے گناہ بھی معاف کر دیے جائیں گے۔ ان تین باتوں کا تو ذکر ہے، مگر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خرقہ (گدڑی) بھی ملی تھی، اس کا ذکر رہ گیا! انہی باتوں کی وجہ سے امام مسلم رحمہ اللہ نے صوفیا کے متعلق وہ بات کہی ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

خواجہ فرید الدین کا اپنے دادا پیر خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے کشف قبور کا واقعہ بیان کرنا:

کہ کس طرح ان کے پردادا پیر خواجہ عثمان ہارونی نے قبر میں پہنچ کر فرشتوں کی مار سے اپنے مُرید کو بچایا

''پھر شیخ الاسلام نے فرمایا کہ شیخ معین الدین حسن سنجری قدس سرہ العزیز کی یہ رسم تھی کہ جو کوئی ہمسایہ میں سے اس دنیا سے نقل کرتا اُس کے جنازہ کے ساتھ جاتے اور خلق کے لوٹ جانے کے بعد اُس کی قبر پر بیٹھتے اور جو ورد کہ ایسے وقت میں

① راحۃ القلوب ص ۱۳۸/.

پڑھتے آئے ہیں پڑھتے پھر وہاں سے آتے، چنانچہ اجمیر میں آپ کے ہمسایوں میں سے ایک نے انتقال کیا دستور کے موافق جنازہ کے ساتھ گئے جب اُسے دفن کر چکے خلق لوٹ آئی اور خواجہ وہاں ٹھہر گئے اور تھوڑی دیر کے بعد آپ اٹھے شیخ الاسلام قطب الدین فرماتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ تھا میں نے دیکھا کہ دم بدم آپ کا رنگ متغیر ہوا پھر اُسی وقت برقرار ہوگیا۔ جب آپ وہاں سے کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ الحمد للہ بیعت بڑی اچھی چیز ہے شیخ الاسلام اوشی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کیفیت سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب اس کو لوگ دفن کر کے چلے گئے تو میں بیٹھا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ عذاب کے فرشتے آئے اور چاہا کہ اُسے عذاب کریں اُسی وقت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ العزیز ظاہر ہوئے اور کہا کہ یہ شخص میرے مریدوں میں سے ہے۔ جب خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا تو فرشتوں کو فرمان ہوا کہ کہو یہ تمہارے برخلاف تھا۔ خواجہ نے فرمایا بے شک اگرچہ یہ برخلاف تھا مگر چونکہ اس نے اپنے آپ کو اس فقیر کے پلے سے باندھا تھا تو میں نہیں چاہتا کہ اس پر عذاب کیا جائے فرمان ہوا کہ اے فرشتو شیخ کے مرید سے ہاتھ اٹھاؤ میں نے اس کو بخش دیا۔ پھر شیخ الاسلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمانے لگے کہ اپنے آپ کو کسی کے پلے سے باندھنا بہت ہی اچھی چیز ہے۔''①

یہ ہے پیران کامل کی ''قدرتِ تصرف''! دنیا ہی میں نہیں، برزخ اور آخرت میں بھی وہ اپنے مریدوں کی ''دستگیری'' کرتے ہوئے فرشتوں کی مار سے اُن کو بچاتے ہیں! کسی کے پلے سے اپنے آپ کو باندھ لینا کس قدر ''ضروری'' چیز ہے۔

آخر میں خواجہ فرید گنج شکر کا بیان کردہ ایک واقعہ خواجہ بدر اسحاق کی کتاب ''اسرار الاولیاء'' سے ملاحظہ فرمایئے اور پیر کامل کا زندگی اور موت پر اختیار دیکھیے:

---

① راحة القلوب ص ۱۶۳ .

خواجہ بختیار کاکی کا مردہ کو زندہ کر دینا:

''پھر آپ نے فرمایا کہ اے درویش خواجہ قطب الدین چشتی قدس اللہ سرہ العزیز سے پوچھا گیا کہ حضرت یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ اب سلوک کا مرتبہ تمام ہو گیا اور یہ شخص کمال کو پہنچ گیا فرمایا اگر وہ کسی مردہ پر دم کر دے تو وہ مردہ خدا کے حکم سے زندہ ہو جائے تو اُس وقت سمجھ لو کہ وہ کمالیت کو پہنچ گیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے درویش حضرت خواجہ قطب الدین چشتی قدس اللہ سرہ العزیز اسی محل پر یہ فوائد فرما ہی رہے تھے کہ ایک عورت روتی ہوئی آئی اور قدموں میں سر دیا۔ اور کہا کہ میں ایک ہی بچہ رکھتی تھی کہ اُسے بادشاہ نے بے گناہ دار پر کھینچوا دیا خواجہ اُس کی عرضداشت سن کر کھڑے ہو گئے اور عصا ہاتھ میں لے کر اُس کے ساتھ ہو لیے آپ کے اصحاب بھی آپ کے ساتھ ہو لیے اور اس دار کشیدہ لڑکے کے پاس پہنچے ہندو مسلمان کی ایک بھیڑ لگ گئی۔ خواجہ نے کہا الٰہی اگر اسے بے گناہ بادشاہ نے دار پر کھینچا ہے تو اسے زندہ کر دے آپ کہہ ہی رہے تھے کہ وہ لڑکا زندہ ہو گیا اور ساتھ چلنے لگا یہ کرامت دیکھ کر کئی ہزار ہندو مسلمان ہو گئے۔ پھر آپ اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ مرد کی کمالیت اس سے زیادہ نہیں جو خواجگان میں ہے۔''①

مردہ کو زندہ کر دینے سے بڑا ''کمال'' اور کیا ہو گا؟ سچ کہا خواجہ فرید گنج شکر نے کہ ''کمال'' خواجگان چشت پر ختم ہے! آپ نے دیکھا کہ خواجہ فرما ہی رہے تھے کہ

''وہ شخص (پیر) کامل جو کسی مردہ پر دم کر دے اور مردہ خدا کے حکم سے زندہ ہو جائے'' کہ ''کمال'' کے امتحان کا وقت آ گیا۔ اور خواجہ امتحان میں پورے اترے، مردہ ہندو لڑکے کو زندہ کر دکھایا!

اب خانوادۂ چشت کے تاجدار خواجہ نظام الدین اولیاء کا حال سنیے:

کتاب کا نام ''فوائد الفؤاد'' مرتب کرنے والے خواجہ حسن علا سنجری المعروف بخواجہ حسن

①اسرار الاولیاء ملفوظات خواجہ فرید الدین گنج شکر مرتبہ خواجہ بدر اسحاق۔ ترجمہ: غلام احمد بریاں مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۹۱۶ء ص ر ۱۱۰، ۱۱۱۔

دہلوی۔ خواجہ کا پورا بیان تو بنوری صاحب کے والد صاحب کے تلاش پیر کامل کے سفر میں بارگاہ سلطان اولیاء کے مقام پر آئے گا، مگر کچھ باتیں سنتے چلیے:

شیخ عبدالقادر جیلانی کی خانقاہ کی شان میں بے ادبی کا انجام:

''کچھ دیر مشائخ کبار اور ابدال کے مقابلے میں ان کی ترقی درجات کا ذکر رہا۔ آپ نے فرمایا ایک شخص حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی قدس اللہ سرہ العزیز کی خانقاہ میں آیا۔ اس نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ خانقاہ کے دروازے پر پڑا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے اور خراب حالت میں ہیں۔ آنے والا شخص حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی کی خدمت میں پہنچا اور اس نے دروازے پر پڑے ہوئے اس آدمی کا ذکر کیا۔ اور حضرت شیخ سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ خاموش رہو اس نے بے ادبی کی ہے۔ آنے والے شخص نے پوچھا کہ حضرت! اس نے کیا بے ادبی کی ہے؟ حضرت شیخ نے فرمایا، کہ وہ ابدال میں سے ہے۔ کل اس قوت پرواز کے مطابق کہ ابدال کو بخشی گئی ہے، وہ اپنے دو ساتھیوں کی معیت میں ہوا میں اڑ رہا تھا جب وہ تینوں اس خانقاہ کے اوپر پہنچے تو اس کا ایک ساتھی اڑتے ہوئے خانقاہ سے ایک طرف ہٹ گیا اور ادب کے طور پر خانقاہ کی دائیں جانب سے نکل گیا اس کا دوسرا ساتھی بھی اڑتا ہوا خانقاہ کی بائیں جانب سے نکل گیا اس نے بے ادبی سے خانقاہ کے اوپر سے گزرنا چاہا لہٰذا نیچے گر گیا۔''①

معلوم ہوا کہ ابدال فلک پیما اور ہوا باز ہوا کرتے تھے! کاش یہ اس زمانے میں بھی موجود ہوں اور اللہ تعالیٰ ان سے ملاقات کا شرف بخشے! باقی اس ملک پاکستان کو ایسے ہوا بازوں کی سخت ضرورت ہے جو ہوائی جہاز کے محتاج نہ ہوں اور چشم زدن میں لاہور سے اڑ کر اجمیر پہنچ جائیں!

محبت نام مستی کا:

خواجہ حسن دہلوی نے کہا:

① فوائد الفؤاد ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء، مرتبہ خواجہ حسن دہلوی ترجمہ پروفیسر محمد سرور صاحب، مطبوعہ علماء اکیڈمی، اوقاف پنجاب لاہور ۱۹۷۳ء ص ۴۵، ۴۶۔

''اسی اثنا میں اولیائے حق اور ان کے کمال محبت کا ذکر چلا اس موقع پر آپ نے فرمایا کل قیامت کے دن حشر کے میدان میں معروف کرخی رحمۃ اللہ کو لایا جائے گا۔ اور وہ یوں نظر آئیں گے جیسے کوئی حد سے زیادہ مست ہو۔ خلقت انہیں دیکھ کر حیران ہو جائے گی۔ اور پوچھے گی یہ کون ہیں؟ پھر وہ یہ آواز سنے گی کہ یہ ہماری محبت میں مست ہے، اسے معروف کرخی کہتے ہیں۔ اس وقت معروف کرخی کو یہ حکم ہوگا کہ بہشت میں چلو۔ وہ کہیں گے میں نہیں جاتا۔ میں نے تیری بہشت کے لیے پرستش نہیں کی۔ بعد ازاں فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ انہیں نور کی زنجیروں میں جکڑ کر کھینچتے کھینچتے بہشت میں لے جاؤ۔''①

یہ میدان محشر کی خبریں سنانا یا تو ''ذات خداوندی'' کی طرف سے ہوسکتا ہے یا اس کا کوئی نمائندہ ہی کل کی بات اس اعتماد کے ساتھ بیان کرسکتا ہے۔ آپ نے ''حضرت'' معروف کرخی کا بے نیازی سے بھرپور بانکپن بھی دیکھا! اگر وہ فرشتوں کے قابو میں بھی نہ آئے تو کیا ہوگا؟

وہی آزمائشی کلمہ جو خواجہ معین الدین چشتی نے استعمال کیا تھا:

خواجہ نظام الدین اولیاء نے

''زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ شیخ کا فرمان رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کی طرح ہوتا ہے۔ اس وقت آپ نے یہ حکایت بیان کی ایک شخص شیخ شبلی کی خدمت میں آیا اور کہا میں آپ کا مرید ہونا چاہتا ہوں، شیخ شبلی نے کہا کہ میں اس شرط پر تمہیں مرید بنانا قبول کروں گا کہ جو میں حکم دوں تم وہ کرو گے۔ مرید نے کہا میں ایسا کروں گا۔ شبلی نے اس سے پوچھا کہ تم کلمہ طیبہ کیسے پڑھتے ہو؟ مرید نے کہا میں اس طرح پڑھتا ہوں ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ''۔

شبلی کہنے لگے کہ اب اس طرح پڑھو ''لا الہ الا اللہ شبلی رسول اللہ'' مرید نے فی الفور اسی طرح پڑھ دیا۔ بعد ازاں شبلی رحمۃ اللہ نے کہا کہ شبلی تو آں حضرت ﷺ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہے اور اللہ کے رسول وہی ہیں میں تیرے اعتقاد کا امتحان کر رہا

① ترجمہ فوائد الفؤاد ص ۳۵۳/۔

تھا۔''①

یہ ایک پیٹنٹ آزمائشی کلمہ ہے، پرانے زمانے میں بھی استعمال کیا گیا اور آج بھی اس کا استعمال جاری ہے۔ ''حکیم الامت'' اشرف علی تھانوی صاحب نے ''تکشف'' میں تھانہ بھون کے پیر صادق صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کلمہ ''لا الہ الا اللہ صادق رسول اللہ'' کو آزمائش کے طور پر استعمال فرماتے تھے اور پھر ''چشتی رسول اللہ اور شبلی رسول اللہ'' پڑھوانے والوں کی طرح اس کے بعد معذرت بھی نہیں کرتے تھے کیوں کہ یہ کلمہ بالکل صحیح تھا صرف یہ ہوا تھا کہ ''صادق رسول اللہ'' میں خبر مقدم اور مبتدا موٴخر ہو گیا تھا! اس طرح ''حکیم الامت'' اشرف علی تھانوی کے فرمانے کے بموجب کلمہ کچھ یوں بنتا ہے ''لا الہ الا اللہ رسول اللہ صادق'' یہ تبدیلی کیا بڑی بات ہے، یہ تو کلمے کے دوسرے جزء میں ''تھوڑا سا ردوبدل'' ہے۔ امام غزالی نے تو کلمہ کے پہلے جزو ہی کو ''لا ھوالا ھو'' میں تبدیل کر دیا، پھر نہ تو زمین روئی اور نہ آسمان نے آنسو بہائے!

پیر کے سامنے سر جھکا کر سجدہ کرنے سے درجے بلند ہوتے ہیں:

خواجہ نظام الدین کی بارگاہ میں

''پھر کچھ دیر اس بارے میں گفتگو رہی کہ مرید حضرت مخدوم کی خدمت میں آتے ہیں اور آپ کے سامنے سر زمین پر رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو اس سے منع کروں لیکن چونکہ میں نے خود اپنے شیخ (شیخ الاسلام فرید الدین) کے سامنے اسی طرح کیا ہے اس لیے میں منع نہیں کرتا۔ اس پر بندے نے عرض کیا کہ وہ لوگ جو حضرت مخدوم کی ذات سے وابستہ ہیں وہ آپ کے ارادت مند ہیں اور آپ سے انہوں نے بیعت کی ہے، تو ان کی یہ ارادت و بیعت عبارت ہے پیر کے ساتھ عشق و محبت سے پس جہاں عشق و محبت ہوگی وہاں زمین پر سر رکھنا ایک سہل سا کام ہے۔ حضرت خواجہ نے اللہ آپ کا ذکر بھلائی سے کرے، میری اس بات کی مدافعت میں فرمایا کہ میں نے حضرت شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز سے سنا ہے کہ ایک دفعہ ایک راستے

① ترجمہ فوائد الفؤاد ص ۴۰۲۔

میں شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ ایک گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ سامنے سے ایک مرید آ گیا وہ مرید پیدل تھا۔ اس نے شیخ ابوسعید ابوالخیر کے زانو کو بوسہ دیا۔ شیخ نے فرمایا کہ اس سے نیچے بوسہ دو۔ اس نے شیخ کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ شیخ نے کہا اور نیچے، مرید نے گھوڑے کے زانو کو بوسہ دیا، شیخ نے فرمایا اور نیچے، مرید نے گھوڑے کے سم کو بوسہ دیا۔ شیخ نے کہا اور نیچے۔ مرید نے زمین کو بوسہ دیا۔ اس وقت شیخ نے فرمایا کہ میں نے جو تمہیں اور نیچے اور نیچے بوسہ دینے کو کہا تو اس سے میرا مقصد یہ نہ تھا کہ تم زمین کو بوسہ دو۔ میرا اس سے مقصد یہ تھا کہ تم جتنا نیچے جاؤ گے اتنا ہی تمہارا درجہ بلند ہوگا۔'' ①

''فنا فی اللہ'' ہونے کے لیے بعض صوفیا سرپٹ جانا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ تدریجاً چلتے ہیں۔ پہلے ''فنا فی الشیخ'' پھر ''فنا فی الرسول'' اور پھر ''فنا فی اللہ''! یہ ''سجدۂ تعظیمی''، یہ ''پائے بوسی''، ''فنا فی الشیخ'' کی تکمیل کے لیے کی جاتی ہے! ''سجدۂ تعظیمی'' کے انکاری کہاں ہیں؟ انہیں آواز دو، اور انہیں خواجہ حسن سنجری کا یہ شعر سناؤ:

کافراں سجدہ کہ بروئے بتاں می کردند
ہمہ روسوئے تو بود و ہمہ سو روئے تو بود

''کافروں نے اگر بتوں کے سامنے سجدہ کیا تو کیا ہوا ہر رخ تیری طرف تھا اور ہر سمت میں تیرا رخ تھا۔''

علم قرآن و حدیث اور دین طریقت میں باپ مارے کا بیر ہے:

خواجہ نظام الدین اولیاء کا ذکر ہو رہا ہے:

''الغرض خواجہ ذکر اللہ بالخیر نے یہ حکایت بیان فرمائی اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ پیران راہ میں سے ایک پیر تھا اور اس کا بیٹا محمد نامی صاحب علم اور مرد اہل تھا جب اُس نے چاہا کہ میں عالم طریقت میں آؤں تو اس نے اپنے باپ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ درویش بنوں اس کے باپ نے کہا کہ پہلے تو ایک چلہ کر اس نے کہا بہت اچھا باپ کے فرماتے ہی چلہ میں بیٹھ گیا جب وہ تمام ہوا تو

① ترجمہ فوائد الفؤاد ص ۴۳۰۔

باپ کی خدمت میں آیا باپ نے اس سے چند مسائل پوچھے اس نے سب کا جواب دیا باپ نے کہا ایک چلہ اور کرو یہ چلہ تمہارے لیے سود مند نہیں ہوا اُس نے ایک چلہ اور کیا پھر باپ کی خدمت میں آیا باپ نے اس سے پھر چند مسئلے پوچھے اس نے کچھ کچھ ان کا جواب دیا باپ نے کہا بیٹا ایک چلہ اور کرو پھر اس نے تیسرا چلہ پورا کیا اور باپ کی خدمت میں آیا اور اس نے کچھ مسائل پوچھے وہ لڑکا حق میں ایسا مشغول ہو گیا تھا کہ کسی کا بھی جواب نہ دے سکا۔''①

قرآن وحدیث دین طریقت کے لیے وبال جان ہیں، جب تک ان سے پیچھا نہ چھڑا لیا جائے اس وقت تک راہ طریقت کی راہ نوردی ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۭ ②﴾

''اللہ سے تو صحیح معنوں میں اس کے عالم بندے ہی ڈرتے ہیں''

اور ''دین اتحاد'' کے یہ نمائندے اس کے دشمن بن جائیں! خواجہ نظام الدین اولیاء بھی فرماتے ہیں کہ اگر کار ہے تو مشغولی حق ہے باقی سب چیزیں اس دولت کی مانع ہیں! پھر آپ نے فرمایا کہ جو کتابیں میں نے پڑھی ہیں اگر ان میں سے کسی وقت کچھ دیکھتا ہوں تو مجھ پر ایک وحشت ظاہر ہوتی ہے، میں اپنے جی میں کہتا ہوں میں کہاں آ پڑا!③

خواجہ نظام الدین اولیاء بدایونی ثم دہلوی قرآن وحدیث کے عالم تھے مگر جب اس کوچۂ طریقت میں قدم رکھا تو اس علم سے وحشت ہونے لگی۔ سچ ہے قرآن وحدیث کے دین اور طریقت کے دین میں سفیدی اور سیاہی کا فرق اور صبح وشام کا تباین ہے۔ اس حقیقت کے باوجود ظلم دیکھیے کہ کہا جاتا ہے کہ اس برصغیر ہند و پاکستان میں اسلام ان ''حضرات'' کے ذریعے پہنچا ہے۔ کیا خوب!

یہ ہیں مشہور ''بزرگان چشت'' کے حالات جو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں کہ یہ سارے کے سارے ''حضرات'' دین اتحاد کے پیروکار ہی نہیں بلکہ اس کے علمبردار تھے اور انہوں نے اپنی مسلسل کوششوں سے وہ حالات پیدا کر دیئے کہ کسی شخص کا اس دین طریقت کے اثرات سے بچ نکلنا ممکن نہ

---

① ترجمہ فوائد الفؤاد ص/ ۱۹۵۔　② فاطر: ۲۸۔

③ ترجمہ فوائد الفؤاد ج/ ۳، ص/ ۲۰۵۔

رہا۔ آج جو عرسوں، میلوں، نذر و نیازوں، سجدہ ہائے تعظیمی، عَلَم اور تعزیوں، قبروں اور آستانوں، مراقبوں اور مشاہدوں والا دین اس ملک میں رائج ہے، اس میں ان ''حضرات'' کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ بہر حال، جو ہونا تھا ہو چکا، اب اصلاح حال کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ دنیا کو پوری طرح کھول کر بتایا جائے کہ اس دین طریقت اور اصل دین اسلام میں جو قرآن و حدیث کے اندر ہے، کیا فرق ہے۔ پھر ایسے لوگوں کو تیار کر کے جمع کیا جائے جو قرآن و حدیث کے دین خالص کے ماننے والے بن کر اٹھیں اور اس دین اتحاد کی دھجیاں اڑا دیں۔ پھر کہیں اللہ کی وہ رحمت متوجہ ہوگی جس نے صدیوں سے منہ پھیر لیا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ یہ راستہ سخت کٹھن اور انتہائی جرأت آزما راستہ ہے لیکن اس سے مفر نہیں۔ آج بھی اگر یہ کام نہ کیا گیا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی جواب نہ بن پڑے گا۔ غضب ہے کہ ہر حق، ناحق بنا ڈالا گیا اور ہر ناحق اُبھرا اور پوچھا گیا! حرام حلال ہو گیا، اور حلال پر قدغن لگا دی گئیں!

قرآن کی تنزیل کا مطالعہ کیجیے تو نظر آئے گا کہ ہمیشہ اصلاح کے لیے پہلا قدم یہی رہا ہے کہ باطل عقائد پر سب سے پہلے ضرب لگائی جائے اور پوری طرح سے ان کا پول کھول ڈالا جائے۔ تیرہ سال کی مکی زندگی میں مشرکین عرب کا کوئی باطل عقیدہ ایسا نہ تھا جس سے تعرض نہ کیا گیا ہو۔ ایسے ہر ہر عقیدے کی سفاہت، اس کا فساد، واضح کر کے اس کی جگہ پر عقیدۂ حق کی برکتوں سے روشناس کروایا گیا۔ اور جب ہجرت کے بعد مدینہ میں اہل کتاب سے سابقہ پیش آیا تو سورۃ البقرۃ، آل عمران، النساء، المائدۃ کے ذریعہ اہل کتاب کے عقائد کا تیاپانچہ کر ڈالا گیا۔ آج بھی یہی کام ہونا چاہیے۔

یہ ''اتحاد ثلاثہ'' اگر پارہ پارہ نہ کیا گیا تو یہ موجودہ بے آبروئی نہ جائے گی اور انجام کار جہنم کی آگ سے بچنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ اس لیے وقت آ گیا ہے کہ کھول کر بے دھڑک اعلان کیا جائے کہ یہ ''دین اتحاد'' توحید قرآنی کا مقابلہ کرنے کے لیے ایجاد کیا گیا ہے اور آج تک کوئی صوفی ایسا نہیں گزرا جو ''اتحادی'' نہ ہو۔ یہ وہ دین ہے جس نے شرک و بدعت کو سند جواز عطا کی ہے، طبیب کا روپ دھار کر بیمار کو اپنے ہاتھ سے زہر پلایا ہے، گمراہی کو خوش نما بنانے کے لیے اصطلاحات کا ایک جنگل تیار کیا ہے اور خالق و مخلوق، عبد و معبود کو ایک دوسرے میں سمو کر بے حساب ایسی ''مرکب ذاتیں'' پیدا کی ہیں جنہوں نے اپنی اپنی گدی سنبھالی ہے اور پھر یہ ''خدائی میراث'' باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتی رہی ہے...... ان کی محفلوں میں قرآن و حدیث کے بجائے کشف و کرامات، مراقبہ و مشاہدہ، وصل و ہجر، صحو و سکر کی آوازیں

گونجتی رہی ہیں اور اگر کبھی انہوں نے قرآن وحدیث کا نام لیا بھی ہے تو صرف اپنے دین اتحاد کی مخصوص اصطلاحات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے! جیسے وحدت الوجود کے ثبوت کے لیے اس حدیث قدسی کو استعمال کیا گیا جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کی سماعت وبصارت بن جاتا ہوں، اس کے ہاتھ وپیر بن جاتا ہوں ...... اور ایسا کرتے ہوئے حقیقت ومجاز کے سارے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اسی طرح جب اپنی اصطلاحات صحو وسکر کے ثابت کرنے کا موقع آیا تو یہود ونصاریٰ اور مشرکین ومنافقین کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر لگائے ہوئے جھوٹے الزامات کو سچا مان کر ان خود ساختہ اصطلاحات کا ثبوت بہم پہنچایا گیا! جیسے علی ہجویری المعروف بداتا گنج بخش نے اپنی ''کشف المحجوب'' نامی کتاب میں داؤد علیہ السلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے ہوئے جھوٹے الزامات کو جوں کا توں مان لیا اور اپنے زعم میں ثابت کر دکھایا کہ یہ سب صحو وسکر کی کرشمہ کاریاں تھیں!

بائبل میں، جو عیسائیوں اور یہودیوں کی کتاب مقدس مانی جاتی ہے، لکھا ہوا ہے (نقل کفر کفر نباشد) کہ داؤد علیہ السلام نے اوریاہ حتّی (Uriah Hittite) کی بیوی کو اپنے محل کی چھت پر سے برہنہ نہاتے ہوئے دیکھ لیا اور اُس پر عاشق ہو گئے پھر اس کے ساتھ (معاذ اللہ) زنا کا ارتکاب کیا اور جب وہ حاملہ ہو گئی تو انہوں نے اوریاہ حتّی اس کے شوہر کو بنی عمون کے مقابلہ پر جنگ میں بھیج دیا اور فوج کے سالار اعلیٰ کو حکم دیا کہ اس کو ایسی جگہ مقرر کرے جہاں وہ زندہ نہ بچ سکے۔ اور جب وہ مارا گیا تو داؤد علیہ السلام نے اس کی بیوی سے باقاعدہ شادی کر لی۔①

معاذ اللہ! یہ جھوٹا الزام یہودیوں نے اپنے محسن پیغمبر داؤد علیہ السلام پر لگا کر اپنی کتاب مقدس میں قیامت تک لیے ثبت کر دیا ہے۔ اور وہ دوسرا الزام جو یہود مدینہ، منافقین اور مشرکین عرب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر لگایا وہ یہ تھا کہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا (جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی زاد بہن تھیں) جب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن کو برہنہ دیکھ لیا اور عاشق ہو گئے (نعوذ باللہ) پھر زید رضی اللہ عنہ سے طلاق دلوائی اور اپنے نکاح میں لے آئے ......علی ہجویری صاحب نے ''کشف المحجوب'' کے اندر ان دونوں الزامات کو جو داؤد علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کافروں اور منافقوں نے لگائے تھے، صحیح مان کر اپنے نظریہ صحو (ہوش مندی) اور سکر (مدہوشی) کو ثابت کر دکھایا! ملاحظہ فرمائیے:

①بائبل: کتاب سموئیل دوم، باب ۱۲، ۱۱۔

صُحو وسُکر کی جہنم زاریاں:

''......تو جب فعل حق مضاف ہو بندہ کی طرف تو بندہ بخود قائم ہوتا ہے۔ اور جب بندہ کا فعل حق کی طرف مضاف ہوتو بندہ بحق قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ داؤد علیہ السلام کی نظر مبارک وہاں پڑی، جہاں پڑنی نہ چاہیے تھی یعنی ایک عورت پر جو اوریا کی عورت تھی جسے دیکھا، وہ ان پر حرام تھی۔ اور جب بندہ بحق قائم ہوگیا جیسے حضور ﷺ کہ نظر تو آپ کی بھی پڑی اس طرح زید کی بیوی پر۔ مگر وہ بیوی زید پر حرام ہوگئی۔ اس لیے کہ وہ نظر جو داؤد علیہ السلام کی تھی وہ محل صحو میں تھی اور یہ نظر جو حضور ﷺ کی تھی یہ محل سُکر میں تھی۔''①

کوئی تو بتائے کہ آخر یہ سب ہے کیا؟ کیا انبیاء علیہم السلام کی ذاتیں بھی معصوم نہ رہیں گی؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''ان حضرات'' ہی کے ذریعے تو اس برصغیر میں اسلام پھیلا۔ ہاں دین تو ضرور پھیلا مگر وہ قرآنی دین نہیں جو نبی ﷺ لائے تھے بلکہ وہ ''اتحادی دین'' جس نے اللہ کی اس زمین پر ہزاروں اور لاکھوں ''مرکب ذاتیں''، اقدار مشترکہ کی شکل میں پیدا کرڈالیں، جو کبھی عروج کرکے ''الہ'' بنیں، اور کبھی بندہ کے مقام تک نزول فرما کر بندگی کرنے لگیں! قرآن اور حدیث کے علم کو اگر وہ آگے لے کر چلے ہیں تو اس لیے کہ دین حق کو تفسیر اور تشریح کے ذریعہ ''دین اتحاد'' ثابت کردکھائیں۔ اور آج اسی ''دین اتحاد'' کی دھوم مچی ہوئی ہے!

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان میں کتنے ''حضرات'' ایسے ہیں جنہوں نے اللہ کے دین کی مدافعت کی ہے اور اس سلسلہ میں بادشاہان وقت سے ٹکر لی ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ بادشاہان وقت سے تصادم ہوا ہے مگر دین اللہ کی مدافعت کے بجائے اپنی قدر مشترک کے دفاع کے لیے یہ پاپڑ بیلے گئے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے توحیدی دین پر یقین ہی نہیں رکھتے، وہ اس کے لیے سردھڑ کی بازی کیا لگائیں گے!

اتحادی دین کی ایجاد کے بعد اس کے دباؤ کا یہ حال رہا کہ گزشتہ صدیوں میں بہت کم ایسے علم والے ملیں گے جو پوری طرح قرآنی توحید کی ترجمانی کرپائے ہوں۔ رہا یہ برصغیر تو یہاں ایک بھی ایسا عالم نہیں گزرا ہے جو اس اتحادی فلسفہ سے متاثر نہ رہا ہو۔ اسی لیے اس ملک میں جو گروہ کم سے کم عقیدہ

① کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب ص ۳۴۹۔

کے فساد میں مبتلا ہے، اس میں بھی اتحادی فلسفہ کی وجہ سے عقیدہ کی دو صریح خرابیاں موجود ہیں۔ ہر چند کہ اس گروہ نے دوسری ساری شریک ٹھہرائی جانے والی ہستیوں سے پیچھا تو چھڑا لیا مگر نبی ﷺ کے متعلق یہی عقیدہ رکھا کہ وہ وفات کے بعد بھی قبر میں زندہ ہیں اور اگر کوئی وہاں پہنچ کر درود و سلام پڑھے تو سنتے ہیں۔ اور اس کے لیے انہوں نے اُس جھوٹی اور موضوع (گھڑی ہوئی) روایت کو دلیل بنایا جس میں محمد بن مروان سُدی صغیر سائب الکلبی موجود ہے جس کو سارے محدثین نے کذاب (بہت جھوٹا) اور وضاع (حدیثیں گھڑنے والا) کہا ہے، اور امام عقیلی نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ لا اصل لہ۔

اور دوسرا فاسد عقیدہ اس گروہ کا یہ ہے کہ کچھ خاص ملائکہ اس کام کے لیے مقرر ہیں کہ لوگوں کے پڑھے ہوئے درود و سلام نبی ﷺ تک براہ راست پہنچائیں۔ ان کے اس عقیدے کی دلیل وہ روایت ہے جس کا اصل راوی ''زاذان'' رافضی ہے اور جس نے اپنے فاسد عقیدے کو کہ رافضی مومنین کے اعمال ان کے بارہ ائمہ معصومین کے حضور پیش کیے جاتے ہیں، اس روایت کے ذریعہ اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس طرح سے وہ دو فاسد عقیدے جو نبی ﷺ کو ''خدائی صفات'' کا حامل قرار دیتے ہیں، اس ملک کے سب سے بہتر عقیدے رکھنے والے گروہ میں بھی موجود ہیں۔ پہلا عقیدہ نبی ﷺ کو الحیّ قرار دیتا اور بتاتا ہے کہ آپ کو موت نہیں آئی اور اس طرح قرآن و حدیث کی ان ساری نصوص کی نفی کرتا ہے جن میں یہ بیان کیا گیا کہ آپ کے لیے بھی موت ہے اور وفات پا جانے کے بعد کسی کے لیے سننا ممکن نہیں اور یہ بات کہ

﴿مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾①

''اور مرنے والوں اور اس دنیا کے درمیان ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک''

اور موت آ جانے کے بعد قیامت کے دن ہی پھر زندہ ہو کر اٹھنا ہوگا:

﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴾②

''(مرنے کے بعد) پھر تم لوگ قیامت ہی کے دن دوبارہ زندہ اٹھائے جاؤ گے''

①② المومنون: ۱۶، ۱۰۰۔

رہا عرض اعمالِ درود وسلام کا عقیدہ تو یہ بعض اعمال میں نبی ﷺ کا ذات الٰہی سے اشتراک اور ذات الٰہی کی جُزوی معطلی کی غمازی کرتے ہوئے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾① کا انکاری ہے۔

یہ بات حق ہے کہ اس ملک کی دینی تاریخ مکمل نہ ہوگی جب تک عبدالحق ''محدث'' دہلوی صاحب کا معاملہ بھی سامنے نہ آجائے کیوں کہ آپ ہی حدیثوں کی مشہور کتاب مشکوٰۃ کے شارح ہیں اور آپ نے اس دین اتحاد کو اپنی تحریروں کے ذریعہ بے انتہا تقویت پہنچائی ہے۔ آپ کی مشہور تصنیف ''مدارج النبوۃ'' کے مقدمہ کا پہلا صفحہ کھولتے ہی نظر آتا ہے:

''حضور ﷺ کی شان اولیت:

اب رہا یہ امر کہ حضور اکرم ﷺ کا اسم صفت ''اول'' کیسے ہے؟ تو یہ اولیت اسی بنا پر ہے کہ آپ کی تخلیق موجودات میں سب سے اول ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُوْرِيْ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو وجود بخشا② یہ کہ آپ مرتبہ نبوت میں بھی اول ہیں چنانچہ حدیث پاک میں ہے كُنْتُ نَبِيًّا وَاِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِيْنَتِهٖ (میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم اپنے خمیر میں ہی تھے)۔''

یہاں بھی وہی اتحادی فلسفہ کام کر رہا ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لیے دو موضوع (گھڑی ہوئی) روایتوں کو استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل کہنا یہ ہے کہ نبی ﷺ نور کے ہیں اور آپ کا نور ''ذات خداوندی'' کا ایک ٹکڑا ہے۔ اور آپ کے ہم عصر ''مجدد الف ثانی'' کے بیان میں گزر چکا ہے کہ کسی اور کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اس طرح سے سب سے پہلے نبی ﷺ کا ذات باری تعالیٰ کے ساتھ اتحاد ثابت کر کے امتیوں کے لیے اس راہ کو کھول دیا گیا۔ حالانکہ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ آپ ﷺ اولادِ آدم میں سے ہیں اور جب آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر اس میں پھونک ماری گئی تو اس وقت فرشتے اور ابلیس سب موجود تھے۔ اور اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ صفت علم میں آپ ﷺ کو اللہ کے برابر کا شریک ٹھہرا دیا گیا! ملاحظہ ہو:

''ہر شے کے جاننے والے: ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (وہی ہر شے کا جاننے والا

① اس (اللہ) کا کوئی مثل نہیں ہے۔ شوریٰ: ۱۱۔
② خود نوشت مقدمہ مدارج النبوۃ مصنفہ عبدالحق ''محدث'' دہلوی مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

ہے) کا ارشاد بلاشبہ حضور اکرم ﷺ ہی کے لیے ہے کیوں کہ ﴿فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾ (ہر صاحب علم کے اوپر اور زیادہ جاننے والا ہے) کی صفات آپ ہی میں موجود ہیں۔ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلٰوتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّحِيَّاتِ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا'' ①

اب کوئی چیختا رہے کہ نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ قرآن تو نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ یہ اعلان کر دیجیے کہ

میرے پاس غیب کا علم نہیں ② اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں خیر کی کثرت کر لیتا اور مجھے کسی برائی سے سابقہ پیش نہ آتا (لیکن) میں عالم الغیب نہیں ہوں، بلکہ صرف نذیر و بشیر ہوں۔ ③

اتحاد کی راہ کتنی حسین راہ ہے! ایک بار اسے ہموار کر لیا جائے، پھر ''الوہیت'' کا تخت اپنا ہے۔ علم و اقتدار تصرف و اختیار، سب اپنے قبضہ میں! اب دیکھیے کہ شیخ عبد القادر جیلانی صاحب کو کس طرح شیخ عبد الحق ''محدث'' دہلوی نے ''اخبار الاخیار'' نامی کتاب لکھ کر ''اتحاد'' کی انتہا تک پہنچا دیا ہے:

''نقل ست کہ چوں وی متولد شد در نہار رمضان از پستان مادر شیر نمی خورد و در مردم شہرت گردید کہ در خانہ بعضے از اشراف پسری متولد شدہ است کہ در روز رمضان شیر نمی خورد'' ④

''روایت ہے کہ آپ پیدائش کے بعد رمضان میں دن کے وقت اپنی والدہ کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ حتی کہ سب میں مشہور ہو گیا کہ بعض اشراف کے گھر میں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا۔'' ⑤

یہ تو تھی شیر خوارگی کے زمانے میں آپ کی کیفیت! جب آپ (عبد القادر جیلانی) کچھ بڑے ہوئے تو:

''نقل ست کہ از آنحضرت پرسیدند از کجا باز شناختی تو خود را کہ ولی خدائی فرمود کہ دہ سالہ بودم کہ از خانہ بسوئے مکتب می بر آمدم و در راہ فرشتگان می دیدم کہ گرداگرد من

---

① خود نوشت مقدمہ مدارج النبوۃ۔ ② الانعام: ۵۰۔
③ الاعراف: ۱۸۸۔
④ اخبار الاخیار فارسی مصنفہ عبد الحق ''محدث'' دہلوی مطبوعہ مجتبائی، دہلی ص ر ۱۶۔
⑤ ترجمہ اخبار الاخیار: مترجم سبحان محمود صاحب استاذ الحدیث، دار العلوم کراچی، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ص ر ۴۳۔

میرفتند وچوں بمکتب می رسیدم می شنیدم کہ صبیان را می گفتند فراخ کنید جائی را برولی خدا''①

''منقول ہے کہ لوگوں نے آپ سے (شیخ عبدالقادر جیلانی سے) دریافت کیا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ ولی اللہ ہیں۔ فرمایا کہ دس سال کی عمر تھی جب میں مدرسہ جاتا تو میں راستہ میں فرشتوں کو اپنے گرد چلتے ہوئے دیکھتا اور جب مکتب میں پہنچ جاتا تو فرشتوں کو یہ بات بچوں سے کہتے ہوئے سنتا کہ اے بچو! اللہ کے ولی کے لیے جگہ کشادہ کرو''②

اور بڑے ہوکر جب وعظ فرمانے لگے تو تصرفات کا یہ عالم ہوگیا:

''نقل ست از مشائخ کہ ہرگاہ کہ شیخ محی الدین عبدالقادر بکرسی برمی آید ومی گوید الحمدللہ خاموش می گردد ہر ولی خدائے کہ برروئے زمین ست حاضراً وغائباً وازیں جہت ست کہ ایں کلمہ را مکرر می گوید درمیان آں ساکت می گردد واولیاء وملائکہ اژدحام می کنند درمجلس او وآنہا کہ درمجلس او حاضر شوند وشمارند بیشتر انداز آنہا کہ بنمایند یکی''③

''شرکائے وعظ:

مشائخ سے منقول ہے کہ حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ جب وعظ کے لیے منبر پر بیٹھ کر الحمد للہ کہتے تو روئے زمین کا ہر غائب وحاضر ولی خاموش ہوجاتا اسی وجہ سے آپ یہ کلمہ مکرر کہتے اور اس کے درمیان کچھ سکوت فرماتے، بس اولیاء اور ملائکہ کا آپ کی مجلس میں ہجوم ہوجاتا، جتنے لوگ آپ کی مجلس میں نظر آتے ان سے کہیں زیادہ ایسے حاضرین ہوتے جو نظر نہیں آتے تھے۔''④

منبر پر بیٹھ کر ایک مرتبہ الحمد للہ کا کہنا اور روئے زمین کے ہر غائب وحاضر ولی کا خاموش ہوجانا، کیا کسی انسان کے بس کی بات ہوسکتی ہے! اور پھر ذرا ان مجالس میں تمام زندہ اور مردہ اولیاء اور

①اخبار الاخیار فارسی ص ۱۶۔
②ترجمہ اخبار الاخیار ص ۴۳۔
③اخبار الاخیار فارسی ۱۳، ۱۲۔
④ترجمہ اخبار الاخیار ص ۳۸۔

انبیاء علیہم السلام کی حاضری کا نظارہ کیجیے:

''وفرمودہ اند کہ جمیع اولیاء انبیاء احیاء باجساد واموات باارواح وجن وملائکہ در مجلس او حاضر شدند وحضرت حبیب رب العالمین ﷺ نیز از برائ تربیت وتائید تجلی می فرمودند وخضر علیہ السلام اکثر اوقات از حاضران مجلس شریف می بود واز مشائخ عصر ہر کرا ملاقات می کرد وصیت می نمود بملازمت مجلس شریف او وی فرمود من اراد الفلاح فعلیہ بملازمۃ ھٰذا المجلس''①

''مشہور ہے کہ آپ کی مجلس وعظ میں تمام اولیاء وانبیاء جو زندہ تھے وہ اپنے جسموں کے ساتھ اور جو زندہ نہ تھے وہ اپنی روحوں کے ساتھ موجود ہوتے تھے، اسی طرح آپ کی تربیت وتائید کے لیے حضور اکرم ﷺ بھی تجلی فرماتے تھے، علی ہذا اکثر اوقات حضرت خضر علیہ السلام بھی آپ کی مجلس میں آتے تھے اور حضرت خضر علیہ السلام کی جس ولی سے ملاقات ہوتی وہ اُسے آپ کی مجلس میں حاضر باشی کی نصیحت فرماتے۔''②

سارے زندہ اور مردہ اولیاء اللہ وانبیاء علیہم السلام اور رسول ﷺ کا ''حضرت'' کی مجلس میں حاضر ہونا عجیب بات سہی، مگر ایک ''محدث'' کو جھٹلانا بھی تو آسان نہیں ہے③۔

''حضرت عبد القادر جیلانی صاحب'' کا اپنی صفات پر سے پردہ اٹھانا:

''منم کہ تیغ من مشہورست وقوس من موتور وتیر من رسندہ ونیزۂ من بے خطاست واسپ من بے زین ست من آتش سوزان الٰہی ام من سلب کنندہ احوال من دریائی بی کرانم رہنمائی وقتم من سخن کنندہ در غیر خودم وقتے دیگر در حالت بود ومی فرمود منم محفوظ ومنم ملحوظ ای روزہ داران ای شب بیداران ای کوہ نشینان پست باد کوہ ہائی شما ای صومعہ نشینان منہدم باد صومعہ شما پیش آئید امر خدائی را امر ما از خداست ای راہ

①اخبار الاخیار فارسی ص/۱۳۔

②ترجمہ اخبا الاخیار ص/۳۹۔

③ مترجم نے عبارت کے آخری حصے کا ترجمہ بمطابق اصل نہیں کیا، ورنہ شرکت پر جو زور فارسی عبارت میں ہے وہ ترجمے میں نہیں، اور ان کی وصیت کے عربی الفاظ کا تو سرے سے ترجمہ ہی نہیں کیا گیا جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ''خضر علیہ السلام فرماتے کہ جو بھی فلاح چاہتا ہے، اس پر لازم ہے کہ اس مجلس میں شرکت کرے۔''

روان ای ابدال ای اوتاد ای پہلوانان ای طفلان بیائید دیگر یدفیض را از دریائے کہ کران ندارد بعزت پروردگار کہ نیک جنتان و بد بختان ہمہ عرض کردہ می شوند برمن ونظر من در لوح محفوظ ست منم غواص دریائے علم ومشاہدۂ الٰہی من حجۃ خداوندم برتمامۂ شما ونائب رسول اللہ ووارث اویم درزمین ونیز فرمودہ است آدمیان را مشائخ اندو پریان رامشائخ فرشتگان رامشائخ ومن شیخ ہمہ ام''①

''اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں شمشیر برہنہ اور چڑھی ہوئی کمان ہوں، میرا تیر نشانہ پر لگنے والا، میرا نیزہ بے خطا میرا گھوڑا بے زین ہے، میں عشق خداوندی کی آگ، حال واحوال کا سلب کرنے والا، دریائے بے کراں، رہنمائے وقت اور غیروں سے باتیں کرنے والا ہوں، ایک دفعہ آپ نے کیفیت حال میں فرمایا کہ میں ہوں محفوظ اور میں ہوں ملحوظ، اے روزہ دارو، اے شب بیدارو، اے پہاڑوں پر بیٹھنے والو، خدا کرے تمہارے پہاڑ بیٹھ جائیں اور اے خانقاہ نشینو، خدا کرے تمہاری خانقاہیں زمین دوز ہوجائیں، حکم خدا کے سامنے آؤ، میرا حکم خدا کی طرف سے ہے، اے رہروان منزل، اے ابدال، اے اقطاب واوتار، اے پہلوانو، اور اے جوانو، آؤ اور دریائے بے کراں سے فیض حاصل کرلو، عزت پروردگار کی قسم تمام نیک بخت اور بد بخت میرے سامنے پیش کیے گئے اور میری نظر لوح محفوظ میں جمی ہوئی ہے، میں دریائے علم ومشاہدۂ الٰہی کا غوطہ خور ہوں، میں تم سب پر اللہ کی حجت، رسول کا نائب اور اس کا دنیا میں وارث ہوں، پھر فرمایا کہ انسانوں کے بھی پیر ہیں، جنات اور فرشتوں کے بھی لیکن میں تمام پیروں کا پیر ہوں۔''②

شیخ عبد القادر جیلانی المعروف بغوث الاعظم کا دوسرا ارشاد:

''و پروردگار من عزوجل بفضل خود وعدہ کردہ است مرا کہ اصحاب مرا واہل مذہب

① اخبار الاخیار فارسی ص ۱۵، ۱۴۔
② ترجمہ اخبار الاخیار ص ۴۱۔

وتابعان طریق مرا و ہر کہ محب من بود در بہشت درآ د و نیز فرمودہ است البیضۃ منا بالف والفرخ لا یقوم یعنی بیضہ از ما بہزار ارزد دوہ چوچہ را خود قیمت نتوان کرد و نیز فرمودہ است حق سبحانہ وتعالیٰ مرا سجلی نوشتہ داد کہ در وی نامہائے اصحاب من ومریدان من کہ تا روز قیامت باشند ثبت ست وگفت عزوجل کہ ایں ہمہ را بتو بخشیدم واز مالک کہ خازن آتش دوزخ ست پرسیدم کہ نزد تو ہیچ کسے از اصحاب من ہست گفت لا بعزت پروردگار کہ دست حمایت من برمریداں من مثل آسمان ست برزمین اگر مرید من جید نیست من خود جیدم بعزت پروردگار وجلال او کہ از پیش او عزوجل نردم تا مرا با اصحاب من بہشت نبرد اگر مرید من در مشرق بود و پردۂ عفت او برافتد و من در مغرب ہر آئینہ بپوشم پردہ اورا'' ①

''اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے وعدہ فرمالیا ہے کہ میرے مریدوں، سلسلہ والوں، میرے طریق کا اتباع کرنے والوں اور میرے عقیدت مندوں کو جنت میں داخل فرمائے گا، نیز آپ نے فرمایا کہ ہم میں کا ایک انڈا ہزار میں ارزاں اور چوزہ کی قیمت تو لگائی نہیں جاسکتی نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک لکھا ہوا دفتر دیا جس میں قیامت تک آنے والے میرے احباب اور مریدوں کے نام درج تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سب کو میں نے تیری وجہ سے بخش دیا، آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے داروغۂ جہنم سے جن کا نام مالک ہے، دریافت کیا میرے مریدوں میں سے تمہارے پاس کوئی ہے، جواب دیا، عزت پروردگار کی قسم کوئی بھی نہیں، دیکھو میرا دست حمایت میرے مریدوں پر ایسا ہے جیسے آسمان زمین کے اوپر، اگر میرا مرید اچھا نہیں تو کیا ہوا، میں تو اچھا ہوں، جلال پروردگار کی قسم جب تک میرے تمام مرید بہشت میں نہیں چلے جائیں گے میں بارگاہ خداوندی میں نہیں جاؤں گا، اور اگر مشرق میں میرے ایک مرید کا پردۂ عفت گر رہا ہو اور میں مغرب میں ہوں تو یقیناً میں اس کی پردہ پوشی کروں گا۔'' ②

---

① اخبار الاخیار ص ۱۶/۱۔ ② حوالہ مذکورہ ص ۴۹

آپ کا تیسرا ارشاد:

’’نقل ست کہ آں حضرت فرمود در زمان حسین بن منصور حلاج کسے نبود کہ اورا دستگیری کند واز لغزشے کہ اورا شدہ بود باز دارد واگر من در زمان او می بودم اورا دستگیری می کردم تا کار او باین جانمی کشید ومن دستگیری می کنم ہر کرا از مریدان من مرکب بلغزد واز پائے در آید تا روز قیامت وفرمودہ مرا در ہر طویلہ فحلی ست کہ مقاومت کردہ نشود وخیلے ست کہ مسابقت کردہ نشود ومرا در ہر لشکر سلطانی ست کہ مخالفت کردہ نشود ودر ہر منصب خلیفہ ایست کہ عزل کردہ نشود وفرمود ہرگاہ از خدا چیزے خواہید بوسیلۂ من خواہید تا خواہش شما باجابت رسد وفرمود ہر کہ استعانت کند بمن در کربتی کشف کردہ شود آن کربت از وے وہر کہ منادی کند بنام من در شدتے کشادہ شود آن شدت از وے وہر کہ توسل کند بمن بسوی خدا در حاجتے قضا کردہ شود آن حاجت مرا در او فرمود کسے کہ دو رکعت نماز بگذارد وبخواند در ہر رکعت بعد از فاتحہ سورۂ اخلاص یازدہ بار بعد ازان درود بفرستد بہ پیغمبر ﷺ بعد از سلام وبخواند آن سرور ﷺ بعد ازان یازدہ گام بجانب عراق برود ونام مرا گیرد وحاجت خود را از درگاہ خداوندی بخواہد حق تعالیٰ آن حاجت او قضا گرداند بمنہ وکرمہ‘‘①

’’روایت: حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حسین بن منصور حلاّج کے زمانہ میں کوئی ان کی دستگیری کرنے والا اور جس لغزش میں وہ مبتلا ہوئے اس سے کوئی بچانے والا نہیں تھا، اگر میں ان کے زمانے میں ہوتا تو ان کی دستگیری کرتا اور نوبت یہاں تک نہ پہنچتی، قیامت تک میں اپنے مریدوں کی دستگیری کرتا رہوں گا اگرچہ وہ سواری سے گرے، اور فرمایا کہ ہر طویلہ میں میرا ایک ناقابل مقابلہ سانڈ، ایک ناقابل مسابقت گھوڑا رہتا ہے، اور فرمایا کہ ہر لشکر پر میرا ایسا تسلط ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں کرتا اور ہر منصب میں ایسا خلیفہ ہے جسے ہٹایا نہیں جا سکتا، فرمایا کہ جب بھی اللہ سے کوئی چیز مانگو تو میرے وسیلہ سے مانگو تا کہ مراد پوری ہو، اور فرمایا

① اخبار الاخیار فارسی ص ۲۰۱، ۱۹۰.

کہ جو کسی مصیبت میں میرے وسیلہ سے امداد چاہے تو اس کی مصیبت دور ہو، اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر پکارے اسے کشادگی حاصل ہو، اور جو میرے وسیلہ سے اللہ کے سامنے اپنی مرادیں پیش کرے تو پوری ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور سلام کے بعد سرکار دو عالم ﷺ پر درود بھیجے اور میرا نام لے کر اللہ سے دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی حاجت برآری کرے (ایک روایت میں ہے کہ گیارہ قدم عراق کی جانب چل کر میرا نام لے کر دعا مانگے، لیکن یہ روایت ثابت نہیں ہے)۔''①

دیکھا آپ نے کہ صرف آخری روایت ثابت نہیں ہے،② باقی سب کچھ ثابت ہے!

مرض الموت میں ''حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی'' کا ارشاد:

''نقل ست کہ آں حضرت در مرض موت می فرمود نسبتی میان من و شما و میان من و خلق وتفاوت آسمان و زمین ست قیاس نکنید مرا بکسی و کسی را بمن و فرمود من از ورائے امور خلقم و من ورای عقول ایشانم یا اہل الارض شرقا و غربا یا اہل السماء حق تعالیٰ فرمودہ است وَاَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ من از انہام کہ مر خدا میداند و شما نمی دانید گفتہ می شود مرا در شب و روز ہفتاد بار وَاَنَا اخْتَرْتُكَ . وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ گفتہ می شود مرا یا عبدالقادر بحقی کہ مرا باتست تکلم کن تا شنیدہ شود از تو گفتہ می شود مرا یا عبدالقادر بحقی کہ مرا باتست بخور و بنوش و بگو ایمن ساختم ترا از ردسوگند بخدای عزوجل نکردم و نگفتم چیزی را تا مامور نشدم بدان و فرمود وقتے کہ تکلم بکنم من بکلامی بر شما باد کہ تصدیق کنید آں را کہ تکلم من ناشی از یقینی ست کہ شک را در وی مجال نسیت گویا گردانیدہ می شوم پس می گویم و دادہ می شوم پس می بخشم و امر کردہ می شوم پس می کنم و عہدہ بر کسی است کہ مرا امر کردہ است والدیة علی العاقلة تکذیب شما مراز ہر قاتل ست مر دین شمار

① ترجمہ اخبار الاخیار ص ۵۰،۴۹۔

① یہ مترجم کا تصرف ہے ورنہ اصل کتاب میں ایسی کوئی بات نہیں بتائی گئی بلکہ وہاں تو خود ایسا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اوسبب زوال دنیا وآخرت شماست انا سیاف انا قتال ویحذر کم اللہ نفسہ اگرنمی بودلگام شریعت برزبان من ہر آئینہ خبرمی کردم شمارا بانچہ می خوریدو می نہید درخانہای خودمن می دانم آنچہ درظاہر و باطن شماست وشما دررنگ شیش ہائید درنظر من‘‘①

’’روایت ہے کہ حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ اپنے مرض الموت میں فرماتے تھے کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی نسبت نہیں، میرے اور مخلوق کے درمیان زمین وآسمان کا سافرق ہے مجھے کسی پر اور کسی کو مجھ پر قیاس نہ کرنا، فرماتے تھے کہ میری تخلیق تمام امور سے بالا ہے اور میں لوگوں کی عقل سے ماوراہوں، اے زمین کے مشرق اور مغرب کے اور اے آسمان کے رہنے والو! حق تعالیٰ فرماتا ہے وَ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) میں ان میں سے ہوں جنہیں خدا جانتا ہے تم نہیں جانتے، مجھ سے دن اور رات میں ستر بار کہا جاتا ہے وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ. وَ لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ (یعنی میں نے تجھے پسند کرلیا اور تاکہ تو پرورش پائے میری آنکھوں کے سامنے) مجھ سے کہا جاتا ہے کہ اے عبدالقادر میرے اس حق کی جو تجھ پر ہے تجھے قسم ہے ذرا بات تو کرتا کہ سنی جائے، مجھ سے کہا جاتا ہے کہ اے عبدالقادر تجھے میرے اس حق کی قسم جو تیرے اوپر ہے کھا اور پی اور بات کر، میں نے تجھے قسم توڑنے سے مامون بنا دیا، خدا کی قسم جب تک مجھے حکم نہ ہو نہ کچھ کرتا ہوں نہ کچھ کہتا ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ جب میں تم سے کوئی بات کہوں تو تم پر اس کی تصدیق ضروری ہے کیوں کہ میری بات ایسی یقینی ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں، گویا جب مجھے حکم ہوتا ہے تو میں کہہ دیتا ہوں، جب مجھے دیا جاتا ہے تو بخشش کردیتا ہوں اور جب مجھے امر ہوتا ہے تو کرلیتا ہوں، ذمہ داری تو اس پر ہے جس نے مجھے حکم کیا ہے (کیوں کہ قاعدہ ہے) **الدیۃ علی العاقلۃ** (یعنی خون بہا رشتہ داروں پر ہے) میری تکذیب تمہارے لیے زہر قاتل ہے دین کے لیے اور دنیا وآخرت کی تباہی کا

---

①اخبار الاخیار فارسی ص ۱۵/۱۔

سبب ہے میں تلوار باز اور قاتل ہوں اور اللہ تمہیں ڈراتا ہے اگر شریعت نے میرے منہ میں لگام نہ ڈالی ہوتی تو میں تمہیں بتا دیتا کہ تم نے گھر میں کیا کھایا ہے اور کیا رکھا ہے میں تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہوں کیوں کہ تم میری نظر میں شیشہ کی طرح ہو۔''①

یہ تو شیخ عبد القادر جیلانی صاحب کے ارشادات اپنے متعلق تھے، اب شیخ عبد الحق ''محدث'' دہلوی صاحب کا فیصلہ سنیے:

''غرض کہ آپ سے لاتعداد کرامتیں ظاہر ہوئیں، مخلوقات کے ظاہر و باطن میں تصرف کرنا، انسان اور جنات پر آپ کی حکمرانی، لوگوں کے پوشیدہ راز اور پوشیدہ امور سے واقفیت، عالم ملکوت کے بواطن کی خبر، عالم جبروت کے حقائق کا کشف، عالم لاہوت کے سربستہ اسرار کا علم، موہب غیبیہ کی عطا، باذن الٰہی حوادث زمانہ کا تصرف وانقلاب، مارنے اور جلانے کے ساتھ متصف ہونا، اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرنا، مریضوں کی صحت، بیماروں کی شفاء، طی زمان ومکان، زمین وآسمان پر اجرائے حکم، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، لوگوں کے تخیل کا بدلنا، اشیاء کی طبیعت کا تبدیل کر دینا، غیب کی اشیاء کا منگانا، ماضی و مستقبل کی باتوں کا بتلانا اور اسی طرح کی دوسری کرامات مسلسل اور ہمیشہ عام وخاص کے درمیان آپ کے قصد وارادہ سے بلکہ اظہار حقانیت کے طریقہ پر ظاہر ہوئیں اور مذکورہ کرامتوں میں سے ہر ایک سے متعلق اتنی روایات وحکایات ہیں کہ زبان وقلم ان کے احاطہ سے قاصر ہیں۔ مشائخ نے اس پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔''②

دیکھا آپ نے کہ عبد ومعبود، خالق ومخلوق کے اتحاد نے کیسی کیسی ہستیوں کو جنم دیا ہے!

بہرحال ہر قصہ میں ایک ہی رنگینی اور ہر ساز میں ایک ہی آواز ہے۔ اب بھی اگر کسی کا کہنا یہ ہے کہ شریعت وطریقت دونوں ایک ہی ہیں تو عقل وخرد کے ماتم کے علاوہ کیا کیا جا سکتا ہے۔ ہر چیز سامنے ہے اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ شریعت کا حق دین طریقت کا باطل ہے، اس کا حرام اس کا حلال

① ترجمہ اخبار الاخیار ص ۴۲/۴۲۔ ② حوالہ مذکورہ ص ۴۵

ہے، ان دونوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے اور یہ دو ایسے کنارے ہیں کہ ایک دوسرے سے کبھی نہیں مل سکتے، ایک زندگی دوسرے کی موت ہے......

آج ہر طرف یہی آوازیں آرہی ہیں کہ مسلمانوں کو جمع کرو، مسلمانوں کو جمع کرو۔ سوال یہ ہے آخر اِن کو کس چیز پر جمع کیا جائے؟ اگر موجودہ دین پر، جو ''اتحادی دین'' ہے، تو اس اجتماع سے فائدہ؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت کبھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوگی بلکہ ہر آن اس پر عذاب کے ڈونگرے برستے رہیں گے۔ ہاں اگر اس موجودہ دین سے براءت کا اعلان کر کے خالص قرآن وسنت کا قصد کیا جائے تو یہ اجتماع مبارک اور صحیح معنوں میں ''حبل اللہ'' کو مضبوطی کے ساتھ مل کر پکڑنا ہوگا۔ اس اجتماع سے مالک حقیقی کا وعدہ ہے کہ ﴿ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ①

تم ہی سربلند، تم ہی کامگار رہو گے، تم ہی (دنیا اور آخرت کے) تاجدار ہو گے، اگر تم مومن بن جاؤ، اس زمین کی خلافت تمہارے ہاتھوں میں ہوگی، اور امن وسلامتی تمہارے قدم چومے گی۔

رہے ہم، تو ہماری ساری دوڑ دھوپ ان شاء اللہ اسی مقصد کے لیے وقف ہے اور وقف رہے گی۔ اب کوئی برا مانے، چراغ پا ہو، گالیاں دے، جان ومال کا دشمن بن جائے تو یہ چیزیں تو آنی جانی ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ کل مالک کے دربار میں ہماری نجات کا کیا بنے گا؟ اس لیے ہم ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ﴾ ② کے حکم پر عمل کر رہے ہیں، اس یقین کے ساتھ کہ آسمان وزمین کا اکیلا مالک ہماری کفایت کے لیے بس ہے۔

ابھی ایک آخری بات تو باقی ہے یعنی یہ فریاد کہ لوگو! اگر اللہ کا دین توحید تمہارے دل کو اپیل نہیں کرتا تو کم از کم اس ''دین اتحاد'' کو اپنی ذات تک ہی محدود رکھتے مگر تم نے یہ غضب کیا کہ صدیوں سے اس کی تبلیغ وترویج کے لیے خانقاہیں بنا رہے ہو، مدرسے قائم کر رہے ہو......تم نے اپنی متحرک خانقاہیں دنیا کے کونے کونے میں بھیج رکھی ہیں جو تمہارے ''دین اتحاد'' کا پرچار کرتی ہیں، تمہارے اخبار، تمہاری کتابیں، تمہارے رسالے، اسی ایک بات کو پھیلا کر مالک کائنات کے تحمل کو آزما رہے ہیں۔ للہ اس کھیل کو اب تو ختم کر دو، بہت ہو چکا۔ کیا کہا؟ یہ بات غلط ہے! تمہیں یقین نہیں آتا۔ اچھا

---

① آل عمران: ۱۳۹۔

② جس بات کا تمہیں حکم دیا گیا ہے، وہ تم (انہیں) کھول کر سنا دو۔'' (الحجر: ۹۴)۔

ٹھہرو، اور خود نظارہ کرو۔

شیخ عبدالحق ''محدث'' دہلوی کے خیالات وافکار گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں، اب دارالعلوم دیوبند کے اپنے ''ماہنامہ دارالعلوم'' کے کارنامے ملاحظہ فرمائیے:

''بز غالہ زندہ شد! شاہ عبداللہ قریشی جن کا تعارف شیخ محدث نے کراتے ہوئے لکھا ہے کہ ''از اولاد شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا است'' انہیں شاہ عبداللہ کے آباء واجداد ملتان سے دہلی آگئے تھے، بے مثل علوم وفنون کے ساتھ سلوک واحسان کے مراحل بھی طے کیے تھے اور اس راستہ میں محنت وریاضت سے وہ مقام حاصل کیا کہ خود ہی سنگِ میل بن گئے۔ صوفیاء نے لکھا ہے کہ مردان حق ریاضت ومجاہدہ سے ایسی قوتیں وملکات بھی حاصل کر لیتے ہیں جو خداوند ذوالمنن کی خاص قدرتوں سے مشابہ ہوتی ہیں حالانکہ مؤثر حقیقی اس وقت بھی خداوند تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ ورنہ شریعت کے ارتقائی حدود سے یہ چیزیں باہر ہیں۔ انہیں شاہ عبداللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ

''ایک روز جذب کے عالم میں بکری کے بچے کو زمین پر پٹک کر شاہ عبداللہ نے دے مارا بکری کے بچے کی بساط ہی کیا وہیں ڈھیر ہو گیا، لوگوں میں اس کا چرچا ہوا اور معترضین وبد اندیش لوگوں کی زبان طعن وتشنیع دراز ہو گئی کہ شاہ عبداللہ نے یہ کیا غضب کیا۔ عوام الناس کے انہیں بے ہودہ دل خراش طعنوں سے تنگ آ کر لکھا ہے کہ شاہ عبداللہ مرے ہوئے بکری کے بچے کے پاس آ کر بولے ''اٹھ اللہ کے بندوں کو کیوں بدنام کرتا ہے؟'' یہ کہتے ہوئے اپنا پاؤں بھی اس کے جسم سے مس کیا، اتنا کہنا تھا کہ قدرت الٰہی سے بکری کا بچہ زندہ ہو گیا''۔①

یہ دارالعلوم دیوبند جیسی دینی درسگاہ کا رسالہ ہے اور خود ان لوگوں کے کہنے کے بموجب نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس مدرسے کی داغ بیل ڈالی تھی اور کبھی کبھی آپ ﷺ وہاں حساب وکتاب

① اخبار الاخیار ص / ۲۰۲، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، جنوری ۱۹۵۸ء، نگران اعلیٰ قاری محمد طیب، مدیر ابن الانور سید محمد ازہر شاہ میر ص / ۳۲۔

کی جانچ پڑتال کے لیے اپنے خلفا کو ساتھ لے کر آیا بھی کرتے تھے اور میل جول بڑھ جانے کی وجہ سے آپ ﷺ اردو زبان بولنا بھی سیکھ گئے تھے...... ایسے رسالے میں یہ لکھنا کہ

''مردانِ حق ریاضت ومجاہدہ سے ایسی قوتیں حاصل کر لیتے ہیں جو خداوند ذوالمنن کی خاص قدرتوں سے مشابہ ہوتی ہیں، حالانکہ مؤثرِ حقیقی اس وقت بھی خداوند تعالیٰ ہی ہوتا ہے''

ایسی بات ہے کہ جس پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ اور ہوشیاری تو دیکھیے کہ لکھتے ہیں:

''حالانکہ مؤثرِ حقیقی اس وقت بھی خداوند تعالیٰ ہی ہوتا ہے''

یعنی ایک طرف اللہ تعالیٰ اعلان کرتا ہے کہ میری قدرتوں اور میری صفات میں کسی کا کوئی حصہ نہیں، اور دوسری طرف ان ''اقدار مشترکہ'' کو وہ خود زندگی اور موت پر اختیار مرحمت فرما دیتا ہے! سبحان اللہ

ذرا اس واقعے کے اصل لکھنے والے صاحب پر نگاہ ڈالیے:

یہ ہمارے اور آپ کے شیخ عبدالحق ''محدث'' دہلوی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب ''اخبار الاخیار'' میں اِن ''الوہیت کی حامل بزرگ ہستیوں'' کا ''ذکرِ خیر'' کیا ہے۔ آپ خود ہی انصاف فرمایئے کہ ایک طرف قرآن وحدیث کا دین بندگی ہے اور دوسری طرف ''فلسفۂ اتحاد'' کا یہ ''دین خدائی''۔ آخر یہ مخلوق کیا کرے؟ کیسے ''دین خدائی'' کو دین بندگی پر قربان کر دے؟

ایک اور مہربانی اس علمی درسگاہ کے ماہنامہ کی ملاحظہ فرمایئے۔ قرآن حدیث کی تعلیم اس درسگاہ دیوبند کی تاسیس کی ایک غرض بیان کی جاتی ہے، مگر یہ رسالہ ایسے مضامین شائع کرتا ہے جو قرآن وحدیث کی کھلی توہین اور ان کا ازکار رفتہ ہونا ثابت کرتے ہیں! آپ خود دیکھیے:

''بچپن کی عبادتیں!:

حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ اپنے وقت کے ممتاز بزرگ ہوئے ہیں، آپ کے جد امجد شیخ صفی الدین سید اشرف سمنانی رحمہ اللہ کے مرید تھے شیخ صاحب اپنے سوا ماہ کے فرزند کو لیے ہوئے حاضر خدمت ہوئے سید صاحب رحمہ اللہ نے بچے کو پیار کر کے فرمایا کہ یہ بھی مرید ہے اور اس کے صلب سے ایک قطب عالم پیدا ہوگا۔ آپ نے ہوش سنبھالتے ہی روضہ شیخ کی جاروب کشی شروع کر دی، ایک

روز بیٹھے ہوئے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے کہ اندر سے حق حق کی آواز سنتے ہی بے ہوش ہوگئے دیکھا کہ شیخ فرمارہے ہیں کہ ''علم ظاہری حجاب اکبر ہے'' اب تو اصل کام میں مصروف ہو۔ پھر کیا تھا، لکھنا پڑھنا ترک کرکے عبادات ومجاہدات میں مصروف ہوگئے۔ پوری پوری راتیں عبادت میں بسر کردیتے، غنودگی طاری ہوتی تو شیخ کو بیدار کرتے دیکھتے۔ کیوں نہ ہو بچپن ہی سے اشتیاق غالب تھا۔ سب سے پہلے مسجد میں جاکر صف اول میں بیٹھ جاتے اور ہٹتے ہٹتے پیچھے آجاتے اور نماز کے بعد نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کرکے رکھتے۔ (لطائف قدسی)''①

دیکھا آپ نے کہ کس چابکدستی کے ساتھ قرآن وحدیث کے علم کو ''علم ظاہر'' کا نام دے کر ''حجاب اکبر'' ٹھہرا دیا اور ''دین اتحاد'' کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوگئے! اور ''مولانا روم'' کے اس مصرع کی تشریح وترجمانی بھی فرمادی کہ ؎

استخواں پیش سگاں انداختیم

یعنی ''مغز'' ہم نے لے لیا ہے اور ''علم ظاہر'' کو ہڈیوں کی طرح کتوں کے آگے ڈال دیا ہے۔

اس طرح کتابی علم کے رد میں گویا ''مولانا روم'' کا ہی یہ شعر پڑھ دیا: ؎

علم جوئی از کتبہا اے فسوس
ذوق جوئی تو زحلوائے سبوس

''تو کتابوں میں علم تلاش کرتا ہے! ہائے افسوس تو بھوسی کے حلوے سے مزہ چاہتا ہے''

اب انہی ''قطب عالم'' شیخ عبدالقدوس گنگوہی صاحب کی قوت تصرف ملاحظہ فرمائیے:

ہندو جوگی سے مقابلہ:

''جس وقت آپ تکمیل علوم باطنی کے بعد گنگوہ تشریف لائے ہیں اس وقت یہاں ایک باکمال جوگی رہتا تھا، جس کی کٹی نہایت وسیع اور پرفضا تھی، آپ کو یہ جگہ بہت پسند آئی اور قیام کی خواہش پیدا ہوئی۔ اندر جاکر چیلوں سے پوچھا کہ بتلایئے تو کہ آپ کے گروجی کہاں ہیں؟ بولے کہ وہ تو گپھا کے اندر گئے ہوئے ہیں، ایک سال

① ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، جنوری ۱۹۶۰ء ص ر ۴۱۔

گزر چکا ہے، ہوا کے لیے ایک روزن ہے، کس کی مجال ہے جو آپ کے قریب جا سکے؟ آپ اس روزن کے قریب ہی بیٹھ گئے مراقبہ جو کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حبس دم کیے ہوئے بیٹھا ہے اور اپنے کام میں مصروف ہے، آخر آپ نے اس کی روح کو حرکت دی، ساتھ ہی وہ ہوشیار ہو گیا پوچھا تو کون ہے؟ اور اندر کس طرح آ گیا؟ فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اسی کی قدرت سے اس سوراخ کے ذریعہ اندر آ گیا ہوں مگر یہ تو بتا تو کس حد تک ترقی کر چکا ہے؟ بولا کافی ترقی کر لی ہے، جو صورت چاہوں اختیار کر سکتا ہوں۔ دیکھو ابھی پانی بنتا ہوں۔ چنانچہ وہ اسی وقت پانی ہو گیا۔ آپ نے فوراً ہی اس پانی میں دھجی تر کر کے رکھ لی اس کے ہوش میں آتے ہی فرمایا کہ اب میں پانی ہوتا ہوں، تو اس میں ایک کپڑا تر کر کے رکھ لینا اس کے بعد یہ کپڑے سونگھے گئے، تو ایک میں بدبو تھی اور دوسرے میں خوشبو! ایک کی بدبو سے دماغ پریشان ہوا جاتا تھا اور دوسرے کی خوشبو سے معطر (اقتباس الانوار) بولا کہ میں تو اپنے فن و ہنر میں کامل تھا ہی آپ بھی کامل نکلے صرف خوشبو اور بدبو کا فرق رہا۔ فرمایا کہ یہ کفر و اسلام کا فرق ہے۔ چنانچہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا اور مرید ہو کر جلد تکمیل کر لی اس کے تمام چیلے بھی مسلمان ہو گئے اس جوگی کو آپ نے صاحب ولایت مقرر کر کے کہیں اور بھیج دیا حضرت کا روضہ اسی جگہ پر ہے، وصال کے بعد بھی قلب بدستور ذکر و حرکت میں مصروف تھا۔'' ①

آپ کہیں گے کہ اس شعبدہ گری سے ایمان و اسلام کا کیا واسطہ؟ تو جواب یہ ہے کہ آپ نے عجلت فرمائی، یہ ایمان اور اسلام کا معاملہ ہے ہی نہیں، یہ تو ''خدائی'' کا مقابلہ ہے! آج تم جیتے کل میدان اس کے ہاتھ رہا۔

یہاں پہنچ کر میں آپ سے درخواست کروں گا کہ میں بھی اس بات کا اعتراف کرتا ہوں اور آپ بھی اعتراف کریں کہ بنوری صاحب نے اس ''دین اتحاد'' کی نمائندگی کا حق ادا کر دیا ہے۔ ایک بھی بات اس پورے مضمون میں ایسی نہیں ہے جس میں انہوں نے اس دین کے جزئیات تک سے سرمو

① ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، جنوری ۱۹۶۰ء ص ر ۴۲۔

انحراف کیا ہو۔

آخر میں چاہتا ہوں کہ یہ بیان ''مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع دیوبندی صاحب'' کے اس مضمون پر ختم ہو جو انہوں نے اپنے رسالہ ''البلاغ'' میں لکھا تھا تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اس ''دینِ خدائی'' کے دفاع میں کٹ مرنے سے بھی دریغ نہ کریں گے:

''خود حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا یہ دستور تھا کہ جو رقم آپ کے پاس اپنی ذاتی صرفہ کی ہوتی اس کے تین حصے کرتے، ایک حصہ سب سے پہلے صدقہ ہو جاتا باقی میں سے پھر تین حصے کرتے اور اس میں ایک حصہ اپنے تصرف میں لاتے تھے، باقی گھر بھیج دیتے اور یہ عمل کوئی مشکل نہیں ہے انسان اگر اپنی خواہشات کو کنٹرول کر کے اور حاجت ضرور یہ پوری کرنا شروع کرے تو بہت کچھ اس کا نفس اس کے قابو میں آ سکتا ہے نفس کو قابو میں کرنا اور اس کو خدا کی اطاعت میں لگانا اور طریقۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زندگی گذارنا یہی کامیابی ہے دین اور دنیا دونوں جگہ کی۔ پھر ایسے لوگوں کو خدا کی مدد حاصل ہوتی ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے ہیں ان کو رسول پاک کی زیارت نصیب ہوتی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں جا کر اللہ والے سلام کرتے ہیں تو جواب ملتا ہے اور اس قسم کے بیشتر واقعات ہم نے کتابوں میں پڑھے ہیں اسی قسم کا ایک واقعہ ہے کہ یمن کے ایک عالم تھے جو ہر سال حج بیت اللہ کو آتے اور ہر سال ایک قصیدہ لکھ کر لاتے اور حضور کے دربار میں کھڑے ہو کر سناتے اور یہی نہیں بلکہ قصیدہ میں حضور کے ساتھ حضرات شیخین کو یعنی ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہم کو بھی خطاب فرماتے۔

اتفاق سے ایک شیعہ بھی وہاں موجود تھا اس کو یہ قصیدہ صحابہ کرام کی شان میں کب گوارا ہوتا ہے چنانچہ قصیدہ کے بعد وہ ان عالم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو دعوت کے بہانے اپنے گھر لے گیا وہاں جا کر اس بے ہودہ نے ان کے ساتھ یہ زیادتی کی کہ ان کی زبان کاٹ ڈالی کہ اب کیسے ذکر صحابہ کر سکے گا۔ وہ عالم مطلق

پریشان نہ ہوئے بلکہ وہ کٹی ہوئی زبان کا ٹکڑا ہاتھ میں لیے ہوئے وہاں سے آ گئے اور دربار پاک میں اس کو دکھایا منہ سے کچھ بول نہ سکتے تھے اسی حالت میں گھر واپس چلے گئے اللہ والوں کو ایسی حالت میں بھی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا چنانچہ نیند آ گئی تو خواب میں حضور ﷺ تشریف لائے اور وہ ٹکڑا اپنے ہاتھ سے ان کی زبان میں جوڑ دیا جب آنکھ کھلی تو دیکھا زبان بالکل صحیح سالم ہے۔ اور کوئی خراش تک نہیں بلکہ پہلے سے زیادہ فصیح ہوگئی۔ ایک ملنے والے بزرگ کا ابھی حال ہی میں انتقال ہوا ہے وہ ملیر کالونی میں دفن ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ دربار نبوی ﷺ میں حاضر تھا رات کا وقت تھا لوگ جا چکے تھے ایک افریقی شخص لمبا چغہ پہنے داخل ہوا اور دربار کے پاس آ کر کہا السلام علیک یا رسول اللہ تو دربار کے اندر سے آواز آئی وعلیک السلام وہ بزرگ فرماتے ہیں خود میں نے اپنے کانوں سے حضور ﷺ کی آواز سنی۔

ایک اور بزرگ کا واقعہ ہے ان کے ایک مرید زیارت کو جا رہے تھے خود شیخ نہ جا سکے تو مرید سے فرمایا حضور ﷺ سے ہمارا سلام کہہ دینا چنانچہ مرید جب دربار میں حاضر ہوئے تو اپنے پیر کا سلام پیش کیا۔ وہاں سے جواب ملا۔ اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔ چنانچہ مرید جب واپس ہوئے تو پوچھا ہمارا سلام بھی کہا تھا۔ جواب دیا جی ہاں سلام پیش کر دیا تھا۔ اور حضور نے آپ کو بھی سلام کہا ہے پیر صاحب نے فرمایا نہیں وہی الفاظ کہو جو حضور ﷺ نے فرمائے تھے مرید نے کہا میں نے آپ کی تعظیم اور ادب کی وجہ سے وہ الفاظ نہیں کہے تھے لیکن آپ کو خود اس کا علم ہو گیا اب میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے فرمایا نہیں تم کہو میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں مرید نے کہا یہ فرمایا ہے کہ اپنے بدعتی پیر کو بھی ہمارا سلام کہہ دینا یہ سن کر شیخ کھڑے ہو کر ناچنے لگے اور فرمایا اس طنز میں جو مزہ میں نے سنا وہ کوئی کیا جانے۔ یہاں پر ایک نکتہ کی بات یہ ہے کہ شیخ صاحب سماع یعنی قوالیاں سنتے

تھے۔ چنانچہ قوالیاں سننا اگر چہ کہنے والا اور سننے والا دونوں باوضو ہوں یا باشرع ہوں اور عورت یا لڑکا نہ ہو اور رباب و چنگ مقصد نہ ہو اور حمد و نعت کا بیان ہو تو مباح ہیں لیکن بدعت اس وجہ سے فرمایا کہ اس کو عوام جس رنگ میں لیتے ہیں وہ کسی طرح جائز نہیں ان میں سے کسی چیز کا بھی اہتمام عام لوگ نہیں کر سکتے اس لیے ایسی چیز جس کا ہم پورے طور پر اہتمام نہ کر سکیں اس سے بچنا ہی اچھا ہے۔''①

محترمی! آپ نے مجھے تبصرہ کرنے کا حکم دیا تھا، میں نے اپنی سی کر دیکھی۔ ابتدا تو ہو گئی ہے باقی مضمون پر تبصرہ کسی دوسرے موقع پر پیش کروں گا۔ چاہے اور کچھ نہ ہوا ہو مگر یہ بات تو ہوئی کہ دونوں دین آپ کے سامنے آ گئے ہیں۔ اب آپ کو اختیار ہے جس کو چاہیں گلے کا ہار بنائیں اور جس کو چاہیں پیروں کی بیڑیاں سمجھ کر کاٹ ڈالیں۔

آخر میں ہماری پکار:

کیا کوئی ایسا ہے جو شرک کو مٹانے اور توحید خالص کو پھیلانے کے لیے ہمارا ساتھ دینے پر تیار ہو؟ اور...... کہاں ہیں وہ لوگ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقوش قدم کی رہنمائی میں باطل کو مٹا کر حق کے قیام کے لیے ہمارے ہمسفر بنیں؟

① ماہنامہ البلاغ، بابت صفر المظفر ۱۳۹۴ھ زیر سرپرستی ''مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب'' نام مضمون ''امن وسکون کا راستہ'' تحریر مفتی اعظم محمد شفیع ص ر۱۰۰، ۱۰۱.

جنتیوں کا بنیادی عقیدہ: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ:

مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں جو خالق و مالک کہلائے جانے کا مستحق ہو۔ عالم الغیب، حاضر و ناظر مختار کل سمجھا جائے۔ نفع و نقصان جس کی مٹھی میں ہو، حاجت روائی، مشکل کشائی، فریاد رسی جس کی صفت ہو۔ اٹھتے بیٹھے جس سے غائبانہ خوف کھایا جائے۔ امیدیں وابستہ کی جائیں۔ جس پر توکل کیا جائے واسطہ اور وسیلہ کے بغیر جس سے دعا مانگی جائیں۔ جس کے حضور رکوع و سجود ہو۔ جس کے نام کی نذر و نیاز کی جائے۔ قانون سازی جس کا حق ہو۔ سب جس کے بندے اور محتاج ہوں۔ کسی کو اس پر زور یا زبردستی کا یارا نہ ہو۔

محمد رسول اللہ:

کے اقرار کے معنی یہ ہیں کہ نبی ﷺ بشر اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ ان کے قول و عمل کے سامنے کسی کا قول و عمل ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔ اور نبی ﷺ کے قول و عمل کی وہی تعبیر معتبر ٹھہرے گی جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے قیامت تک سنت نبوی ﷺ زندگی کے ہر شعبہ میں سند آخر ہے اور ہر قسم کی بدعت قابل رد۔ اس عقیدہ کا مالک گناہ گار سے گناہ گار بندہ انجام کار جنت کی بادشاہی میں پہنچ کے رہے گا۔ (ان شاء اللہ) اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والا جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا چاہے وہ دن میں ہزار نمازیں پڑھنے والا، ہر روز تہجد ادا کرنے والا صائم الدھر ہو۔''

شریعت وطریقت

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ

دین طریقت کے نظریات وعقائد

دین طریقت کے آفاقی مذہب ہونے کا جو دعویٰ کیا جاتا ہے، تو وہ اس لحاظ سے نہیں ہے کہ اس میں عالمگیریت اور ہمہ گیریت پائی جاتی ہے اور جملہ بنی نوع انسان کو پیش آمدہ مسائل کے حل کرنے کا ضامن ہے، بلکہ یہ دعویٰ اس لحاظ سے ہے کہ یہ دین زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے اور دنیا کے تمام مذاہب میں موجود رہا۔

اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ ان دین طریقت کے پیروکاروں کو سینٹ کہتے تھے، قرآن نے ان کے لئے رُہبان کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہندوؤں میں ایسے لوگ جوگی، گرو، سادھو، رِشی، مُنی، کے مختلف ناموں سے موسوم کئے جاتے ہیں۔ بدھ مت ایسے لوگوں کو بھگشو کا نام دیتا ہے۔ سکھ انہیں گیانی کہتے ہیں اور مسلمانوں میں ایسے لوگوں کے بے شمار نام مشہور ہیں مثلاً پیر، فقیر، مرشد، درویش، صوفی، خدارسیدہ، بزرگ، عارف، مجذوب، واصل باللہ، واصل بحق، قطب، ابدال، غوث وغیرہ وغیرہ جن میں سے کچھ نام ان کے مراتب کے لحاظ سے رکھے گئے ہیں۔

اس مذہب کی اصل بنیاد ذاتی مکاشفات و مشاہدات پر ہوتی ہے۔ لیکن ان مشاہدات و مکاشفات میں فروعی اختلاف کے باوجود چند ایسی باتیں ہیں جن پر ان سب مذاہب کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ ایسی متفق علیہ باتوں کو دین طریقت میں نظریات وعقائد کی حیثیت حاصل ہے جو مراتب کے لحاظ سے درج ذیل ہیں:

۱۔ وَحدتُ الوجود:

یعنی انسان چلّہ کشی اور ریاضتوں کے ذریعہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے، کہ اسے کائنات کی ہر چیز میں خدا نظر آنے لگتا ہے، بلکہ ہر چیز کو خدا کی ذات سمجھنے لگتا ہے۔ اس قدر مشترک کے لحاظ سے ایک بدکار انسان، ایک بزرگ، ایک درخت، ایک بچھو، لہلہاتے باغ اور ایک غلاظت کا ڈھیر سب برابر ہوتے ہیں کیونکہ ان سب میں خدا موجود ہے۔

۲۔ وَحدتُ الشہود:

جب انسان اس مقام سے ترقی کر جاتا ہے تو اس کی ہستی خدا کی ہستی میں مدغم ہو جاتی ہے اور وہ دونوں ایک ہی ہو جاتے ہیں۔ گویا یہ نظریہ خدا کی ہستی کو کائنات سے الگ تسلیم تو کرتا ہے اور اس کائنات کو خدا کا پرتو یا سایہ تصور کرتا ہے، لیکن مزید روحانی ترقی کے بعد خود کو خدا کی ذات میں گُم کر دیتا ہے۔

۳۔ حلول:

اس سے اگلا مقام یہ ہے کہ انسان اپنے آئینہ دل کو اتنا لطیف اور صاف بنا لیتا ہے کہ خدا کی ذات خود اس کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے یا تو حلُول کر جاتی ہے۔ گویا کہ وحدت الشہود میں تو انسان روحانی ترقی کرتا کرتا خدا کی ذات میں مدغم ہوتا ہے لیکن حلول میں خدا خود اپنے مرتبہ سے نیچے اتر کر انسان کے جسم میں داخل ہو کر مدغم ہو جاتا ہے۔

باالفاظِ دیگر ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ وحدتُ الشہود اور حلول، وحدتُ الوجود ہی کے دوسرے پہلو یا ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ اصل الاصول وحدتُ الوجود ہی ہے۔

دین طریقت کے پیروکاروں میں کم وبیش مندرجہ بالا تینوں عقائد پائے جاتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی خاص فرد کسی ایک نظریے کو زیادہ نمایاں کرتا اور اس کا علم بردار بن جاتا ہے۔ بعد میں اسی شخص کے معتقدین اسی نظریہ کے پرچارک بن جاتے ہیں۔①

کیا تصوف ایک بدعت ہے؟:

جب سے یہ فنِ تصوف وسلوک معرضِ وجود میں آیا ہے۔ اس پر علمائے حق کی طرف سے مسلسل اور متواتر یہ اعتراض ہوتا رہا ہے۔ پھر بعض ایسے صوفیاء کرام جن کے دلوں میں شریعت کی بھی کچھ قدر وقیمت ہوتی ہے وہ اس اعتراض کا جواب دینے کی کوشش اور طریقت کو شریعت کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش فرماتے رہے ہیں۔ موجودہ دور میں مولانا اللہ یار خان صاحب نے جو اسی بحرِ طریقت کے شناور ہیں اور شریعت کو بھی محفوظ رکھتے ہیں۔ اس اعتراض کا جواب اپنی تصنیف ''دلائل السلوک'' میں ذرا تفصیل سے دیا ہے۔ یہاں ہم آپ کے اس جواب کا جائزہ لینا مناسب سمجھتے ہیں۔ آپ نے اس

① شریعت وطریقت ص: ۶۳ تا ۶۴.

کتاب میں مدرسہ محمدیہ کے عنوان کے تحت اس اعتراض کے جواب میں کئی اصولی باتیں بیان فرمائیں۔ جن کا ملخّص یہ ہے:

ا۔حضور اکرم ﷺ جامع کمالات تھے۔صحابہ میں سے ہر شخص کو اس کی فطری صلاحیتوں کے مطابق حصہ ملا، کوئی مبلّغ بنا، کوئی مدرس، کوئی محدث، کوئی فقیہہ، کوئی قاضی اور صاحب الہام وکشف وصوفی وعارف اب حیرت یہ ہے کہ لوگ یہ نہیں کہتے کہ تمام صحابہ مفسر ومحدث وفقیہہ کیوں نہیں تھے، مگر یہ بات بڑی بے تکلفی سے کہہ دیتے ہیں کہ سارے صحابہ صاحب کشف والہام اور صوفی کیوں نہیں تھے۔①

۲۔دوسری اصولی بات آپ نے یہ بتلائی کہ ’’آپ ﷺ کی تعلیم بنیادی اور اصولی قسم کی ہوتی تھی۔ اصول وکلیات سے جزئیات کا استخراج ان لوگوں کے ذمے تھا، جو اس کی صلاحیت رکھتے ہوں۔‘‘ اور تیسری اصولی بات آپ نے یہ بتلائی کہ ’’دورِ نبوی ﷺ اور دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تمام علوم وفنون اصولی اور اجمالی شکل میں تھے۔کسی فن کی تدوین نہ ہوئی تھی۔فن تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، صرف ونحو، معانی وغیرہ۔جس طرح حالات کے مطابق اپنی تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ مدون ہوتے رہے۔اسی طرح تصوف وسلوک کی تدوین بھی رفتہ رفتہ عمل میں لائی گئی تو جب دوسرے علوم کو کوئی بدعت نہیں کہتا، تو آخر اس علم یا فن تصوف وسلوک کو کیوں بدعت کہا جاتا ہے۔‘‘②

اب دیکھیے کہ مولانا اللہ یار خان نے جو تین اصولی باتیں بتلائی ہیں دراصل یہ ایک ہی اُصولی بات ہے اور وہ یہ ہے کہ فن حدیث، فقہ، تفسیر، صرف ومعانی وغیرہ بعد میں مدوّن ہونے کی وجہ سے بدعت نہیں تو تصوف کیسے بدعت ہوا، آپ کو تو یہ حیرت ہے کہ آخر تصوّف ہی کیوں بدعت کہلائے اور حیرت ہمیں بھی ہے اور وہ یہ کہ آخر علماء کو تمام علوم وفنون میں سے صرف تصوف کے ساتھ کون سی دشمنی تھی کہ اور کسی علم وفن کو بدعت نہیں کہا گیا مگر اسے بدعت کہتے ہیں۔آخر دال میں کچھ تو کالا ہے۔علماء کچھ ایسے سر پھرے تو نہیں کہ بلا وجہ ہی تصوّف کے پیچھے پڑ گئے۔

---

① دلائل السلوک، ص ۱۹۶.

② حوالہ مذکورہ، ص/۱۹۷.

حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ بدعت نہیں:

دورِ نبوی ﷺ اور دورِ صحابہ میں مدرس، مبلغ، مفسر، محدث، قاری، قاضی اور فقیہہ صحابہ موجود تھے۔ جو اسی اعزازی لقب سے مشہور تھے اور ان کے نام تک گنوائے جا سکتے ہیں۔ مثلاً

ا۔ مدرس، مبلغ اور قاری:

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جو درس گاہِ صفہ میں زیرِ تعلیم رہا کرتے تھے ان میں کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم تو یہاں مستقلاً رہائش پذیر تھے، کچھ ایسے بیرونی صحابہ تھے جو چند دن کے لیے یہاں رہ کر تربیت وتعلیم حاصل کرتے اور کچھ صبح سے شام تک رہ کر چلے جاتے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک انصاری صحابی سے باری مقرر کر رکھی تھی۔ ایسے صحابہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ قبیلہ رعل اور زکوان کے رؤسا نے جب حضور ﷺ سے اپنے قبیلوں کے لئے مبلغوں کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے ستر صحابہ کو برائے تدریس وتبلیغ ان کے ہمراہ بھیج دیے تھے (جنہیں بعد میں انہوں نے دھوکہ سے شہید کر دیا تھا) لہٰذا ایسے مبلغین، مدرسین، اور قاری صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام گنوانا بھی دشوار ہے۔

۲۔ محدثین:

ایسے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کثیر الروایہ ہیں محدثین تھے کثیر الروایہ سے مراد وہ اصحاب ہیں جنہوں نے ایک ہزار سے زائد احادیث روایت کی ہیں اور وہ یہ ہیں:

ا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تعداد مرویات (۵۳۷۴)

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۲۲۱۰)

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (۱۶۳۰)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۱۶۶۰)

۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (۱۵۴۰)

۶۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۱۲۸۶)

۷۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (۱۱۷۰) وغیرہم

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو تو خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ

''میں جانتا ہوں کہ تم میری حدیثوں کے سب سے زیادہ مشتاق ہو''۔①

---

①بخاری کتاب العلم.

۳۔فقیهه:

فقیہہ صحابہ رضی اللہ عنہم وہ تھے جن کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان چار حضرات سے قرآن سیکھو اور وہ چار حضرات یہ ہیں:

ا۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ ۲۔سالم رضی اللہ عنہ مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ۔ ۳۔حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔
۴۔حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ①

ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فقیہہ تھے جن کو خود رسول اللہ ﷺ نے دُعا دی تھی کہ ''الٰہی انہیں قرآن کی حکمت سکھلا دے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار بھی اکابر فقہاء میں ہوتا ہے۔ترمذی کی روایت کے مطابق جب کبھی صحابہ رضی اللہ عنہم کسی مسئلہ کو حل نہ کر سکتے تو آپ کے پاس آتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس مسئلے کا حل مل جاتا۔

علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی فقہاء میں شمار ہوتے ہیں۔

۴۔مفتی:

حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دورِ نبوی ﷺ میں درج ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فتویٰ دیا کرتے تھے۔

''وَلَمْ يَكُنْ يُفْتِى فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ غَيْرَ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَمَعَاذٍ وَاَبُو مُوْسى''②

''نبی کریم کے زمانہ میں چار آدمی کے سوا کوئی فتویٰ نہ دیتا تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ''۔

۵۔قاضی:

رسول اللہ ﷺ نے مملکتِ اسلامیہ کے مختلف صوبوں میں جو عمال مقرر کیے وہ سب کے سب قاضی تھے اور وہ یہ ہیں:

① بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن۔
② تاریخ الفقہ، ص ر ۱۵ قاضی ظہور الحسن، عبدالصمد صارم۔

۱۔ مکہ مکرمہ میں عتاب بن اُسید انصاری رضی اللہ عنہ۔ ۲۔ طائف میں مالک بن عوف رضی اللہ عنہ اور عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ۔ ۳۔ بحرین میں ابو العلاء الحضرمی رضی اللہ عنہ ۴۔ صنعاء (یمن) میں بازان انجمی رضی اللہ عنہ، مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ اور ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ۵۔ عمّان میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ۶۔ نجران میں ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ ۷۔ السواحل میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ۸۔ یمن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ۹۔ وادی القریٰ میں عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ۱۰۔ تیماء میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ①

۶۔ صرف ونحو:

صرف ونحو کے قواعد کی اہل عرب قطعاً ضرورت نہ تھی۔ جب اسلام حدود عرب سے باہر پھیل گیا اور غیر عرب قرآن پڑھنے میں اعراب کی غلطیاں کرنے لگے، تو اس علم کی ضرورت پیش آئی، تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں اس علم کی تدوین شروع ہوگئی۔ چند ابتدائی قواعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضع کیے باقی کام حضرت اسود دیلی رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیا جنہوں نے اس علم کی ابتدائی تدوین کی۔

یہ پوری تصریحات پڑھنے کے بعد بتلایئے کہ دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں صوفی کون تھا جو اس لقب سے پکارا گیا ہو؟ نیز علم وفن تصوّف وسلوک کی تدوین کس صحابی نے کی ہے؟ اگر ان باتوں کا جواب نفی میں ہو تو بتلایئے کہ بدعت اور کسے کہتے ہیں؟ ہمیں یہ تو تسلیم ہے کہ آج جس ''صحیح اسلامی تصوّف'' کا تصوّر پیش کیا جانے لگا ہے۔ اس کے کچھ اصول کتاب وسنّت سے ماخوذ ہیں اور یہ اصول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی معلوم تھے۔

پھر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے انہی اصولوں پر توجہ مبذول فرمائی۔ تزکیہ نفس کے لیے ان کا اپنا ایک مخصوص طریق عمل تھا جس پر علماء کو بھی چنداں اعتراض نہ تھا۔ ایسے حضرات عابد، زاہد یا صالح کہلاتے ہیں۔ سوچنے کی بات صرف یہ ہے کہ آخر بعد کے لوگوں کو صوفی کا لقب اختیار کرکے اپنا الگ تشخص قائم کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ وہ کون سی مابہ الامتیاز باتیں ہیں جو ان کے زُہّاد، عُبّاد اور صالحین میں نہ تھیں مگر بعد میں ان کے جانشین ''صوفیہ'' میں آگئیں۔ بس یہ باتیں ہماری اس کتاب کا موضوع ہیں اور یہی باتیں بعض صورتوں میں صرف بدعت ہی نہیں بلکہ کفر اور شرک تک پہنچ جاتی ہیں۔

---

① صحیح بخاری، کتاب اخبار الآحاد، باب ما کان یبعث من الأمَراء، بحوالہ اسلامی ریاست، ص ۱۱۴، مطبوعہ علماء اکیڈمی لاہور۔

علاوہ ازیں اس فن کی بے شمار ایسی اصطلاحات ہیں جن کا کتاب وسنّت میں سراغ تک نہیں ملتا۔

کیا تصوف دین کا اہم شعبہ ہے؟:

یہ تین اُصولی باتیں بیان کرنے کے بعد مولانا اللہ یار خان صاحب فتح الباری کے حوالہ سے ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو منافقین کے نام معلوم تھے اور دیگر کئی آئندہ اُمور کا علم تھا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کشف والہام اور علم الاسرار سے وہ وافر حصہ ملا جو دوسروں کو نہیں ملا۔

لہٰذا چوتھی اُصولی بات یہ فرمائی کہ تصوّف واحسان دین کا اہم شعبہ ہے اور قاعدہ ہے کہ جب ایک شے ثابت ہو جائے تو وہ اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے اور الہام وکشف کا ثابت ہونا تصوّف کے لوازمات سے ہے اس لیے دین کو تسلیم کرنے کے ساتھ تصوّف واحسان کو تسلیم کرنا پڑے گا، اسے تسلیم کیا تو کشف والہام کو ماننا پڑے گا۔ کیونکہ یہ لازم وملزم ہیں۔ ①

مولانا موصوف کا بیان کئی لحاظ سے محلِ نظر ہے۔ مثلاً

۱۔ مولانا موصوف کو خود بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ کشف والہام کا صحیح ہونا ضروری نہیں۔ ②

لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا علم چونکہ یقینی طور پر صحیح تھا، لہٰذا وہ ان کا ذاتی کشف والہام نہ تھا، بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل شدہ علم تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی عطا کیا تھا۔

۲۔ آپ فرماتے ہیں چونکہ الہام وکشف، تصوّف کے لوازمات سے ہے اور یہ الہام وکشف، جوگیوں، ہندوؤں، سکھوں، کافروں اور شیطانوں کو بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے لوگ بھی اہل تصوّف اور صوفی کہلا سکتے ہیں اور یہی مفہوم ہے اس مقولہ کا جو صوفیہ میں بکثرت مشہور ہے کہ

''اَلصُّوْفِی لَامَذْهَبَ لَهٗ''

لیکن اس صغریٰ سے یہ نتیجہ پیش کرنا

''لہٰذا دین کے ساتھ تصوّف واحسان کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا'' کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

۳۔ تصوّف اور احسان کو ہم معنی قرار دینا بھی غلط ہے۔ اب اگر صوفیاء کے اکابرین یا متاخرین میں سے

① صحیح بخاری، کتاب اخبار الآحاد، باب ما کان یبعث من الأمَراء، بحوالہ اسلامی ریاست، ص/ ۱۹۸، مطبوعہ علماء اکیڈمی لاہور.

② دلائل السلوک، ص/ ۱۷.

عبدالحق محدّث دہلویؒ① وغیرہم احسان سے مراد تصوّف ہی لیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مفہوم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیوں نہ سمجھ سکے۔ صحابہ کرام کی کثیر تعداد محسنین ضرور تھی۔

ارشاد باری ہے۔

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ②﴾

''مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے پہلے ایمان لانے میں سبقت کی۔ پھر وہ لوگ جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سب سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔''

لیکن تمام صحابہ میں سے صوفی ایک بھی نہ تھا، لہٰذا احسان سے تصوف مراد لینا درست نہیں۔③

① عبدالحق محدث دہلوی نے حدیث جبریل کی شرح میں امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

''قَالَ الْإِمَامُ مَالِكٍ: مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ'' (دلائل السلوک، ص ۲۰)

''حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: جس نے فقہ کے بغیر تصوف حاصل کیا، وہ زندیق ہوا، اور جس نے تصوف سیکھے بغیر فقہ کا علم حاصل کیا، وہ فاسق ہوا اور جس نے دونوں کو جمع کیا، وہ محقق ہوا''۔

امام مالک رحمہ اللہ کے اس قول سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے:

۱۔ تصوف کا علم یا فن حاصل کرنا دین کی تکمیل کے لیے نہایت ضروری ہے۔

۲۔ عبدالحق محدث دہلوی چونکہ دونوں چیزوں کے ماہر ہیں لہٰذا آپ فی الواقع محقق ہوئے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہو نہیں سکتا اور خواہ مخواہ ان کے سر تھوپ دیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تو ۱۷۱ھ میں فوت ہو جاتے ہیں جبکہ ابھی صوفی کا لفظ بھی عالم وجود میں نہ آیا تھا۔ فن تصوف تو بہت بعد کی پیداوار ہے۔ یہ محدث اور محقق صاحب کا اپنا خیال تھا۔ جو انہوں نے امام مالک رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے اسی لیے اس کا حوالہ بھی درج نہیں۔

② سورہ توبہ: ۱۰۰.

③ شریعت وطریقت: ص ۱۲۸ تا ۱۳۳.

اہل باطن پر علماء حق کی گرفت

اب سوال یہ ہے کہ اگر ان صوفیائے کرام کا مذہب ایسے ہی مشرکانہ عقائد واعمال کا مرقع ہے تو اہل ظاہر نے ان پر کوئی گرفت بھی کی یا نہیں؟ اس سوال کا جواب مختصراً حسبِ ذیل ہے۔

حکومتوں سے سزا دلوانا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عبداللہ بن سبا یہودی کے چیلوں یعنی حلولیوں نے اپنے عقائد کا اظہار کیا تو انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زندہ جلا دیا تھا۔ اس سخت سزا کی وجہ سے یہ فتنہ کافی عرصہ دبا رہا۔

اس کے بعد جب منصور حلاّج نے یہی بات کہی تو علمائے حق نے اس پر بھی بروقت گرفت کی خلیفہ مقتدر باللہ نے ۳۰۹ھ میں اور بقولِ بعض ۳۱۰ھ میں اسے قتل کرا دیا۔ پھر اسے دفن نہیں کیا گیا بلکہ اسے جلا کر اس کی راکھ دریا میں پھینک دی گئی۔ ابوعبداللہ الحکیم ترمذی نے تیسری صدی کے اواخر میں جب نظریۂ ختم الولایۃ پیش کیا اور تصوّف کے بعض دوسرے مسائل پر روشنی ڈالی تو علمائے وقت نے بڑی شورش کی اور کفر کا فتویٰ بھی لگایا۔ آخر اس نے اپنی جان بچانے کی خاطر ترمذ سے راہِ فرار اختیار کی اور جلاوطن ہو کر بلخ میں جا کر پناہ لی۔

پھر ہمیں تاریخ میں ایک اور صوفی بزرگ شہاب الدین سہروردی المقتول کا ذکر ملتا ہے۔ یہ بزرگ ایک صوفی اور فلسفی کی حیثیت سے پہلے اصفہان میں رہے۔ پھر بغداد بعد ازاں وہاں سے حلب چلے گئے۔ جب ان کے صوفیانہ عقائد نے مسلمانوں کے دل میں ان کی طرف سے شبہات پیدا کر دیئے اور راسخ الاعتقاد علماء نے ان پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کیا، تو ابوالملک الظاہر نے ۵۸۷ھ میں ان کو بعمر ۳۶ یا ۳۸ سال قتل کرادیا۔①

ابن عربی پر بھی وحدت الوجود کی اشاعت وتشہیر کی پاداش میں کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور اسے بھی زندیق، ملحد اور کذاب جیسے بدترین القاب سے نوازا گیا اور مصر کے اندر اِن کے قتل کا حکم بھی حاصل کر لیا

① دائرۃ المعارف، ج:۱۱، ص:۷۰۴، زیرِ عنوان شہاب الدین سہروردی المقتول۔

گیا۔اس کو اس کا پتہ لگ گیا تو چپکے سے راہ فرار اختیار کی اور دمشق میں آ کر دم لیا۔

عفیف الدین تلمسانی قرآن وحدیث کے خلاف خرافات بکتا تھا مگر نہایت رازداری سے اور جب اسے خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں کمال الدین اس کا راز فاش نہ کر دے تو اپنے اس شاگرد کے پاس آیا اور منّت ومعذرت سے اِسے اس بات پر آمادہ کیا کہ اس کے یہ خرافات پردۂ راز میں رہنے دے۔

اس کے بعد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا دور آتا ہے۔انہوں نے اپنے وقت کے موجودہ رفاعی، بدعتی اور مشرک فرقے سے حکومتی سطح پر مناظرہ ومباہلہ کیا۔جس میں یہ رفاعی بزرگ ہار گئے (حالانکہ حکومت کے اکثر اہلکاروں پر ان رفاعی شعبدہ بازوں کا اچھا خاصا اثر تھا) اور معذرت طلب کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ ایسی بدعات وخرافات سے باز آئیں گے اور خلاف شریعت کام نہیں کریں گے۔

ہند میں اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں حکیم سرمد نے خدائی کا دعویٰ کیا تو اسے ۱۰۷۰ھ میں قتل کیا گیا۔یہ تو تعزیری اقدامات تھے۔اب تحریری بھی سن لیجیے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ پہلی اور دوسری صدی میں ایسے بزرگوں کو زاہد، عابد اور صالح کہا جاتا تھا۔صوفیاء کی اصطلاح بعد میں وضع ہوئی۔یہ لوگ چونکہ فقر وفاقہ، دنیا سے بے رغبتی اور نفلی عبادات مثلاً نماز، روزہ میں سنت سے آگے بڑھ گئے اور غلو سے کام لیتے تھے۔لہٰذا ان لوگوں یا ان کے معتقدین میں اپنے نظریات کو صحیح ثابت کرنے کی خاطر موضوعات اور جھوٹ کا بھی رواج ہو گیا تھا۔چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ اپنی کتاب ''مسلم'' کے مقدمہ میں مندرجہ ذیل روایت درج فرماتے ہیں:

امام مسلم رحمہ اللہ اور صالحین:

''قال محمد یحییٰ بن سعید القطان عن ابیه قال: ''لم نر الصالحین فی شیء اکذب منهم فی الحدیث ''قال ابن أبی عتاب فلقیت أنا محمد بن یحییٰ بن سعید القطان فسألته عنه فقال عن ابیه: ''لم تر اهل الخیر فی شیء اکذب منهم فی الحدیث'' قال مسلم رحمہ اللہ یقول یجری الکذب علی لسانهم ولا یتعمدون الکذب''①

''محمد بن یحییٰ سعید القطان کہتے ہیں کہ میرے باپ یحییٰ نے کہا کہ ''ہم نے صالحین

①مقدمہ صحیح مسلم، ص: ۱۳۔۱۴، مصری.

سے زیادہ کسی کو حدیث کے معاملہ میں جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا۔'' ابن ابی عتاب کہتے ہیں کہ پھر مجھ سے محمد بن یحییٰ بن سعید القطان کی ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے یہی بات پوچھی، تو کہنے لگے ''ہاں میرے والد فرماتے تھے کہ تو ان اہل خیر (صوفیاء) سے زیادہ کسی کو بھی حدیث کے معاملہ میں جھوٹا نہ دیکھے گا''۔ امام مسلم کہتے ہیں کہ ''جھوٹ ان کی زبانوں سے بے ساختہ جاری ہوتا ہے۔ چاہے جھوٹ بولنے کا ارادہ نہ بھی رکھتے ہوں۔''

صالحین سے حدیث قبول کرنے میں تامّل:

چنانچہ آئمہ حدیث اس طبقہ صالحین سے حدیث قبول کرنے میں متامل رہتے تھے۔ ان حضرات میں زُہد اور عبادت میں غلو کی وجہ سے ان کی روایات کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کا ظن اور ضرورت سے زیادہ احتیاط ''علم'' کے نکات پر حاوی رہتے تھے۔ چنانچہ مشہور حدیث ''پانی پاک ہے جب تک اس کا رنگ، ذائقہ اور بو متغیر نہ ہو'' کے سلسلہ میں ''رشدین بن سعد'' کی روایت کو محض ''اَخَذَتْهُ غَفْلَةُ الصَّالِحِيْنَ'' کی بنا پر قبول نہیں کیا گیا۔①

حالانکہ یہ حدیث صحیح ہے مگر سلسلۂ اسناد میں ایسے صلحاء کا نام آنے سے محدثین پرہیز کرتے تھے اور جب تک دوسرے ثقہ راویوں سے توثیق نہ ہو اسے قبول نہ کرتے تھے۔

صوفیاء کا شجرہ طریقت:

امام مسلم رحمہ اللہ کہتے تھے کہ اس دین (طریقت) کے ذریعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وحضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا جاتا ہے یہ بالکل جھوٹ ہے آپ مقدمہ مسلم میں فرماتے ہیں:

''حدثني حسن بن علي الحلواني قال حدثنا يزيد بن هارون اخبرنا همّام قال دخل ابو داؤد الاعمٰى على قتادة فلما قام قالوا ان هٰذا يزعم انه لقى ثمانية عشر بدريًا فقال قتادة هٰذا كان سائلا قبل الجارف لا يعرض شيء من هٰذا و لا يتكلم فيه و الله ما حدثنا الحسن عن بدريٍّ مشافهة و لا حدثنا سعيد بن المسيب عن بدريٍّ مشافهة الا عن سعيد بن مالک''②

---

① متفرق کتب اسمائے الرجال

② مقدمہ صحیح مسلم، ص:۱۷، مصری۔

''مجھ سے حسن بن علی حلوانی نے بیان کیا ان کو یزید بن ہارون نے، ان کو ہمام نے خبر دی کہ داؤد اعمیٰ (نابینا) قتادہ (تابعی) کی محفل میں داخل ہوا۔ جب جانے لگا تو اہل مجلس نے کہا کہ یہ داؤد اعمیٰ دعویدار ہے کہ اس نے اٹھارہ (۱۸) بدری صحابیوں سے ملاقات کی ہے۔ قتادہ نے فرمایا ''یہ طاعون جارف سے پہلے مانگتا پھرتا تھا۔ اس وقت اس نے کبھی ایسی کوئی بات نہ کی تھی۔ اللہ کی قسم! حسن (بصری) اور سعید بن المسیب (جو داؤد اعمیٰ سے بڑے تھے) نے بھی سوائے سعد بن مالک کے کسی بدری صحابی سے کوئی حدیث ہم تک نہیں پہنچائی۔''

ملّا علی قاری نے بھی اپنی تصنیف ''موضوعات'' میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ صوفیاء جو اپنی نسبت حسن بصری رحمہ اللہ کے ذریعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاتے ہیں۔ تو آئمہ حدیث کے ہاں تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات بھی ثابت نہیں۔ تحصیل علم تو بڑی بات ہے①، ②

① بحوالہ اسلامی تصوّف، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، ص: ۱۲۰۔

② مولانا اللہ یار خان اپنی تصنیف دلائل السلوک کے صفحہ ۲۰۳ پر اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:
''صوفیاء کرام تو سب کے سب حضرت حسن بصری اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات پر متفق ہیں، اہل حدیث کے ہاں ملاقات اور رویت بالاتفاق ثابت ہے ہاں صحبت طویلہ کی بالاتفاق نفی ہے۔ اگر فیض کے لیے صحبت طویلہ کو شرط قرار دیا جائے تو پھر بھی فیض باطنی بالواسطہ تو ممکن ہے، محال نہیں۔ ہاں فیض بلاواسطہ کی نفی ہو گی مگر بالواسطہ کی نفی کہاں لازم آئی...... اب رہا یہ سوال کہ اگر کسب فیض بالواسطہ کا اصول تسلیم کر لیا جائے تو وہ واسطہ کون سا ہے؟ جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملنے والے ہزاروں صحابی حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملے تھے۔ کسی سے فیض حاصل کر لیا ہو۔ یہ کوئی ظاہری چیز تو ہے نہیں کہ ظاہری چیز کی نفی سے باطنی فیض کی نفی ہو جائے''۔
اور یہی کچھ ہم کہتے ہیں کہ یہ صوفیاء اپنا شجرۂ نسب ملانے کے لیے ظاہری صحبت کے محتاج نہیں۔ بھلا جن کے ہاں نسبت اولیسہ جیسا کارگر ذریعہ موجود ہو، انہیں اس ظاہری ملاقات یا صحبت کو ثابت کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ یہ جواب دینے کے بعد آپ نے سید احمد شاہ قشاشی، شاہ ولی اللہ دہلوی، تہذیب التہذیب اور جلال الدین سیوطی کے چند اقتباسات اور روایات سے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن کی ملاقات، سماع اور روایت ثابت ہے۔ اب ایک طرف ان حضرات کے اقوال سامنے رکھیے اور دوسری طرف یہ دیکھیے کہ
۱۔ امام مسلم رحمہ اللہ خدا کی قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ حسن (بصری) اور سعید بن المسیب نے بھی کسی بدری صحابی سے کوئی حدیث ہم تک نہیں پہنچائی۔ (مقدمہ صحیح مسلم، ص ۱۷، مصری)
۲۔ اور ملا علی قاری مصنف ''موضوعات کبیر'' ان کی ملاقات بھی تسلیم نہیں کرتے (اسلامی تصوف، یوسف سلیم چشتی، ص ۱۲۰) ۳۔ اور دائرہ المعارف الاسلامیہ اس سلسلہ نسب کو اپنی پوری تحقیق کے بعد منحول قرار دیتا ہے۔ اندریں صورت جو بات راجح ہو سکتی ہے اس کا آپ خود اندازہ فرمالیجیے۔

دائرۃ المعارف الاسلامیہ (مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی) میں صوفیاء کے شجرہ طریقت پر طویل بحث کی گئی ہے۔ کیوں کہ اس میں بہت سے اختلافات ہیں۔ بالآخر جو نتیجہ پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ سب سے آخر میں چودھویں صدی عیسوی میں استاد ابن ابی اُصیبعۃ نے جو شجرۂ طریقت مرتب کیا ہے اسے اس وقت سے بہت بڑے بڑے صوفی سلسلے تسلیم کرتے چلے آئے ہیں اور وہ شجرۂ طریقت یوں ہے:

١۔حضرت علی رضی اللہ عنہ ٢۔حضرت حسن بصری رحمہ اللہ (م ١١٠ھ)

٣۔حضرت حبیب الاعجمی (م ١٥٦ھ) ٤۔داؤد طائی

٥۔معروف کرخی (م ٢٠٦ھ) ٦۔سری سقطی (م ٢٥٣ھ)

٧۔جنید بغدادی (م ٢٩٨ھ) ٨۔ارذباری

٩۔ابوعلی کاتب زجاجی ١٠۔مغربی

١١۔جرجانی

یہ شجرہ درج کرنے کے بعد دائرۃ المعارف میں ساتھ ہی یہ تبصرہ بھی درج ہے:

''ابن الجوزی اور ذھبی نے ثابت کیا ہے کہ اس شجرہ میں قدیم ترین چار واسطے یعنی ١ تا ٤ منحول (کمزور) ہیں۔ یہ بزرگ آپس میں ملے ہی نہیں تھے۔ بعض طریقت کے سلسلے ایسی اسناد استعمال کرتے ہیں۔ جس میں معروف کرخی سے پہلے نو شیعی ① امام آتے ہیں۔

اس سلسلہ اسناد کی صحت اور بھی زیادہ مشکوک ہے۔ ②

صوفیاء پر محدثین کی گرفت کے اثرات:

اہل تصوف کی اوّلین کتابوں میں سے ایک مستند کتاب ابونصر سراج کی کتاب ''اللمع'' ہے۔ اس کے متعلق دائرۃ المعارف اسلامیہ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور (جلد: ١۔ ١٤، ص: ١٢٥ زیر عنوان

① یعنی ١۔حضرت علی رضی اللہ عنہ (م ٤٠ھ)۔ ٢۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ۔ ٣۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ (م ٦١ھ) ٤۔زین العابدین (م ٩٥ھ) ٥۔ امام باقر (م ١١٤ھ) ٦۔جعفر صادق (م ١٤٩ھ)، ٧۔ موسیٰ کاظم (م ١٨٣ھ)، ٨۔ موسیٰ رضا (م ٢٠٣ھ) ٩۔محمد بن علی تقی (م ٢٢١ھ) قادری اور سہروردی اپنا سلسلہ آٹھویں امام موسیٰ رضا سے ملاتے ہیں جبکہ چشتی حضرت علی رضی اللہ عنہ، حسن بصری سے آگے عبدالواحد بن زید کی طرف منتقل کرتے ہیں۔

② دائرۃ المعارف الاسلامیہ، زیر عنوان تصوّف، ج: ٦، ص: ٤٢٦۔

علمِ تصوّف) پر درج ہے کہ:

''کتاب ''اللمع''، تصوّف کی اولین کتابوں میں سے ہے۔ اس پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے زمانہ میں تصوف کے خلاف اعتراض میں خاصی شدت آگئی تھی۔ جن کے ازالے کی اس نے خاص ضرورت محسوس کی۔ ان شکوک کی خاصی طویل فہرست کتاب کی ابتدائی فصل میں موجود ہے۔

ابونصر سراج (م ۳۷۸ھ) سب سے زیادہ اصحاب الحدیث کے اعتراضات سے خوفزدہ معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ انہیں کو سب سے زیادہ مطمئن کرنا چاہا ہے۔ یہاں تک کہ نعتِ طبقات اہل الحدیث کے لیے ایک پورا باب وقف کیا گیا ہے۔''

پھر اسی عنوان کے تحت دوسرے مقام پر درج ہے کہ:

''ابونصر سراج کے ہاں اس اَمر کی کوشش نظر آتی ہے کہ تصوف کے اصولوں اور عقیدوں کو محدثین اور فقہاء کے طریقے پر بیان کیا جائے تاکہ شریعت کا ہم خیال بلکہ اس کے تابع ثابت کیا جاسکے۔''

دوسری یہ کوشش کی گئی ہے کہ تصوف کو علومِ شریعت میں موادمل جائے اسی لیے تطبیق وموافقت کی سعی ہر جگہ نمایاں ہے۔ کتاب کے آخر میں اکابر صوفیاء کے بعض الفاظ سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں ان کو صاف کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ دینی حلقوں کے لیے قابل قبول بنایا جائے۔''

صوفیاء پر فقہاء کی گرفت:

دائرۃ المعارف الاسلامیہ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی (جلد: ۱۲، زیرعنوان طریقت، ص: ۴۶۲) پر درج ہے کہ:

''راسخ العقیدہ فقہاء نے ان بدعتوں کے خلاف، جن کی تبلیغ بعض صوفی طریقے کرتے رہے۔ ہمیشہ جنگ جاری رکھی، یعنی ان کی نفلی عبادتوں، ان کے مخصوص لباس (خرقہ وغیرہ) ان کی مستثنیات، منشی اشیاء (قہوہ، حشیش، افیون) ان کی شعبدہ بازی اور ان کے عقیدہ کے خلاف اور اسنادِ بیعت پر مؤرخانہ تنقید پر خاص

توجہ کی ہے اور ان کے سلسلوں کے رخنوں اور نقائص کو ظاہر کر کے ان کی صحت کو غیر اغلب قرار دیا۔‘‘

اس کے بعد سلف اور خلف میں بے شمار ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ اہل حمیت اور محافظین شریعت نے جب کسی کا کوئی ایسا قول دیکھا جو ان کو شریعت کے نصوص اور اس کے متواتر و قطعی عقائد کے خلاف نظر آیا، تو انہوں نے اس قول کی تردید کی اور صاحبِ قول کی عظمت وشہرت اور اس کی ولایت ومقبولیت کے آثار بھی ان کو اس تردید سے باز نہ رکھ سکے۔ ایسے محافظین شریعت میں سے بعض لوگوں نے اس موضوع پر مستقل رسائل بھی تصنیف کیے ہیں۔ صاحبِ جلاء العینین نے (صفحہ ۴۳، ۴۴) پر ایسے اصحاب کے کارنامے درج کیے ہیں۔ اس فہرست میں ہم کو علامہ سخاوی، علامہ سید الدین تفتازانی، ملا علی قاری، حافظ ابن حجر عسقلانی، ابوحیان مفسر شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام، حافظ ابوذر، (شیخ) الاسلام سراج الدین البلقینی جیسے نامور علماء وآئمہ فن نظر آتے ہیں①۔②

---

① تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۲، ص:۱۵۲، از ابوالحسن علی ندوی۔

② شریعت وطریقت: ص ۱۸۰ تا ۱۸۵۔

صوفیاء کے مخصوص مسائل

شیعیت سے لگاؤ:

یہ تو شاید آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے یہاں دین طریقت کے مروّجہ چاروں سلسلے قادری، نقشبندی، چشتی، سہروردی ہیں۔ اسی طرح غیر ملکی سلسلے بدوی، رفاعی، اور یونسی وغیرہ بھی ہیں ①

اپنے شجرہ طریقت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملاتے ہیں۔ اور بزعم خود انہیں علوم باطنی کا علم بردار سمجھتے ہیں۔ عبداللہ بن سبا یہودی نے ظاہریت اور باطنیت کا یہ گمراہ کُن عقیدہ جس چابکدستی سے اسلام میں داخل کیا وہ بھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ بھی کہ یہی عبداللہ بن سبا کے پیروکار شیعان علی کے نام سے موسوم ہوئے اور انہی لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ میں حلول کا عقیدۃ اپنایا۔ یہ باطنیت کے اثرات اور اسی وجہ سے دین طریقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور شیعیت سے لگاؤ کا عقیدہ آج تک پایا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ وہ روایت ہے جو تذکروں اور ملفوظات میں آج بھی پائی جاتی ہے۔ ان میں چند روایت کا ذکر ہم یہاں کریں گے۔

ا۔ بارہ اماموں کا فیض:

ضیاء اللہ قادری صاحب اپنی کتاب ''سیرۃ غوث الثقلین'' کے صفحہ/ ۱۰۹ اور صفحہ/ ۲۲۱ پر راقمطراز ہیں کہ:

> ''حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وصال سے قبل اس مقامِ ولایت کے ملجا و ماویٰ تھے اور جس کسی کو اس طریقہ سے فیض پہنچتا تھا، ان ہی کے توسط اور توسّل سے پہنچتا تھا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا، تو یہ بلند درجہ کا منصب حضرت حسنین کو بالترتیب حاصل ہوا۔ ان کے بعد بالترتیب بارہ اماموں کو پہنچتا رہا۔ اور اسی طرح اب بزرگوں کے وصال کے بعد جس کسی کو فیض پہنچتا ہے، ان ہی کے توسل سے پہنچتا ہے۔ اور بعد ازاں جتنے بھی

① فی الحقیقت ان سلسلوں کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے دائرۃ المعارف الاسلامیہ زیرِ عنوان طریقت۔

اقطاب اور نجبائے وقت ہوئے ہیں۔ان کے ملجا وماویٰ بھی وہی ہوئے ہیں کیونکہ اطراف کو لامحالہ مرکز سے ملنا ہی پڑتا ہے۔تا آنکہ نوبت سید عبدالقادر جیلانی تک پہنچی اور یہ مرتبہ آپ کو مل گیا۔بارہ اماموں اور حضرت شیخ کے درمیان کوئی بھی شخص اس مرتبہ پر نہیں ہے۔اب اس راستے سے فیوض وبرکات جتنے اقطاب، نجباء اور اور ولیوں کو پہنچتی ہیں ان کے ذریعہ پہنچتی ہیں۔کیونکہ فیض کا مرکز ان کے بغیر کسی کو نہیں ملا۔اسی جگہ غوث پاک نے فرمایا کہ:

اَفلت شُمُوسُ الاَوَّلِینَ وَشَمسُنَا   اَبَداًعَلٰی اُفُقِ العُلٰی لاَتَغرُبُ

ترجمہ: یعنی پہلے ولیوں کے سورج ڈوب گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ افق پر بلند رہے گا، جو کبھی نہ ڈوبے گا۔①

مجددالف ثانی کے درج بالا اقتباس میں مندرجہ ذیل اُمور قابل غور ہیں:

ا۔عبدالقادر جیلانی کا شجرۂ طریقت آٹھویں امام علی موسیٰ (م ۲۰۳ھ) کے بعد معروف کرخی کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔باقی چار اماموں کا کہیں ذکر نہیں۔

۲۔خود مجددالف ثانی نقشبندی بھی ہیں اور ان کا شجرہ طریقت چھٹے امام جعفر صادق (م۱۴۹ھ) سے بایزید بسطامی کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔باقی چھ اماموں کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔تاہم آپ نے پورے بارہ اماموں کا ذکر کر کے شیعہ حضرات کے فرقہ اثنا عشریہ سے لگاؤ کا پورا ثبوت مہیا فرمادیا ہے۔

۳۔اگر مرکز فی الواقعہ یہ بارہ امام ہی ہیں تو طریقت کے سارے کے سارے سلسلے اس مرکز کو چھوڑ گئے ہیں۔اور چشتی حضرات تو اپنا شجرہ طریقت حضرت علی رضی اللہ عنہ (م ۴۰) سے یک لخت حسن بصری (م ۱۱۰ھ) کی طرف موڑ لیتے ہیں۔حالانکہ حضرت حسن بصری کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کو بھی محدثین تسلیم نہیں کرتے۔

۴۔اس دنیائے طریقت میں عبدالقادر جیلانی سے پہلے کے کئی حضرات کے سورج طریقت کے آسمان پر آج تک چمک رہے ہیں۔مثلاً معروف کرخی، سری سقطی، جنید بغدادی، ابوبکر شبلی، منصور حلاج، حسن بصری، ابراہیم ادھم، بایزید بسطامی وغیرہ وغیرہ، کیا ان سب کے سورج ڈوب چکے ہیں؟

① مکتوبات، ج: ۳،ص: ۱۲۳

۲۔حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے درویش تھے:

خواجہ فرید گنج شکر واقعہ معراج پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''پھر کچھ خرقہ کا ذکر ہونے لگا۔آپ (خواجہ فرید الدین رحمہ اللہ گنج شکر) نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شبِ معراج میں خرقہ ملا تھا۔اور آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا کر فرمایا میں نے پروردگار سے خرقہ پایا ہے۔مجھ کو حکم ہے کہ میں تم میں سے اسے کسی کو دے دوں۔اب میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔جو شخص تم میں سے جواب بالصواب دے گا۔میں یہ خرقہ اسے دوں گا۔اوّل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ خرقہ تجھ کو دوں، تو تو کیا کرے؟ کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں صدق اختیار کروں اور خدا کی بندگی کروں اور جو کچھ میرے پاس مال ومنال ہو، وہ سب اللہ کی راہ میں دوں۔پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کہا، میں عدل کروں اور بندگانِ خدا کے ساتھ انصاف کروں اور مظلوموں کی مدد کروں۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کہا، کہ میں ایک دوسرے میں اتفاق کی کوشش کروں۔پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: انہوں نے کہا: کہ میں پردہ پوشی کروں اور خدا کے بندوں کے عیب چھپاؤں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ! اے علی لے یہ خرقہ میں نے تجھ کو دیا۔مجھ کو ربُّ العزت کا فرمان بھی یہی تھا کہ جو تیرے یاروں میں سے یہ جواب دے۔اسی کو یہ خرقہ دیجیے۔''

''یہ حکایت فرما کر شیخ الاسلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ہائے ہائے کر کے رونے لگے اور بے ہوش ہو گئے۔جب ہوش میں آئے، تو یہ لفظ زبانِ مبارک پر لائے 'معلوم شد درویشی پردہ پوشی است' یعنی یہ بات معلوم ہوئی کہ درویشی کے معنی یہی ہیں کہ بندگانِ خدا کی پردہ پوشی کرے''۔①

① راحة القلوب، ملفوظات خواجہ فرید الدین گنج شکر، مرتبہ نظام الدین اولیاء، مترجم غلام احمد بریال، مطبع چھتائی دہلی، ۱۹۱۶ء، ص: ۱۳۸۔

اس حکایت سے مندرجہ ذیل باتیں مستفاد ہوتی ہیں۔

۱۔ معراج جیسا مشہور واقعہ تقریباً سب محدثین نے ذکر کیا ہے۔ لیکن اس عظیم الشان خرقہ کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ یہ شاید اہل باطن پر ہی القا ہوا ہے۔

۲۔ اس امت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے درویش، پردہ پوش اور خرقہ پوش تھے۔

۳۔ یہ کہ صدق اور صدقہ، عدل اور اصلاح بین المسلمین یہ سب اعمال پردہ پوشی کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ پہلے تین خلفاء کے جواب کا خرقہ سے کچھ تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شاید لوگوں کے عیوب پر یہ خرقہ ڈال کر پردہ پوشی فرما لیتے ہوں۔

۳۔ جبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ:

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ عبدالعزیز قادری مصنف سرچشمہ حیات کے بیان کے مطابق (بحوالہ حقیقت گلزار صابری) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ سال قبل از ہجرت پندرہ ممالک کا باطنی انتظام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا۔ اور ارشد اویسی صاحب مصنف الاویس کے بیان کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت رحلت اپنا جبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر کے فرمایا:

> ''کہ وہ اسے خواجہ اویس قرنی کو پہنچائیں اور ان سے امت کے لیے بخشش کی دعا کروائیں''۔

چنانچہ ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑی جستجو کے بعد دس سال بعد آخر خواجہ اویس قرنی کو تلاش کر ہی لیا۔ اور جبہ مبارک ہدیہ کیا اور امت کی بخشش کے لیے درخواست کی۔ پھر یہی جبہ مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ گیا۔ یہ کیسے واپس آیا، ہمیں نہیں معلوم، ہمیں تو یہی معلوم ہے کہ جب فرات میں طغیانی آئی تھی اور کوفہ کے لوگوں نے آپ سے اس بات کی شکایت کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہی جبہ پہن کر دریائے فرات کے کنارے پہنچ کر دو رکعت نماز ادا فرمائی① پھر ہوتے ہوتے یہ جبہ قلعہ لاہور پہنچ گیا تھا۔ آج کل اسی مقام پر ہے۔②

---

①خزینۃ الاصفیاء، ص: ۶۱.

②حدیقۃ الاولیاء، ص: ۲۴۶.

۴۔ ماتم اور تعزیہ داری کی اہمیت:

خواجہ فریدالدین سے متعلق دوسرا واقعہ دورِ نبوی کا تاریخی واقعہ ہے۔ جو ماتم اور تعزیت پر روشنی ڈالتا ہے:

''پھر آپ (خواجہ فریدالدین گنج شکر) نے اس موقع پر فرمایا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید کو کندھے پر بٹھائے ہوئے لیے جارہے تھے۔ تو آپ ﷺ نے تبسم کیا اور فرمایا: سبحان اللہ! دوزخی بہشتی کے کندھے پر سوار ہوئے جارہا ہے۔ جب یہ کلمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنا، تو حال پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ تو حضرت معاویہ کا لڑکا ہے۔ دوزخی کہاں سے ہے؟ کہا کہ اے علی رضی اللہ عنہ! یہ یزید وہ بدنصیب لڑکا ہے۔ جو میرے حسن اور حسین رضی اللہ عنہ اور میری ساری آل کو شہید کرے گا۔ حضرت علی کھڑے ہوگئے اور تلوار نیام سے نکال لی کہ میں اسے مار ڈالتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اے علی رضی اللہ عنہ! ایسا نہ کر، خدا کا حکم ایسا ہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! اس وقت آپ سر پر ہوں گے؟ فرمایا کہ، نہیں۔ کہا یاروں میں سے کوئی ہوگا؟ کہا کہ نہیں۔ کہا کہ فاطمہ ہوں گی؟ کہا کہ وہ بھی نہیں، کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرے بچوں کی کون ماتم داری کرے گا۔ کہا کہ میری امت۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ دونوں گریہ کرنے لگے۔ اور دونوں شہزادوں سے بغلگیر ہوئے اور نعرہ مارا کہ میں نہیں جانتا اس دشت (کربلا) میں تمہارا کیا حال ہوگا۔''

''اس کے بعد شیخ الاسلام زبان مبارک سے فرمانے لگے جس روز امیر المومنین حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی اس رات ایک بزرگ نے حضرت فاطمہ کو خواب میں دیکھا آپ کل انبیاء کی بیویوں کو ساتھ لائی ہیں۔ دامن کمر مبارک سے بندھا ہوا ہے دشت کربلا میں جہاں کہ امیر المومنین حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہادت پائیں گے، جھاڑو دے رہی ہیں اور اپنی آستین مبارک صاف کرتی جارہی ہیں۔ انہوں

نے پوچھا کہ اے خاتونِ قیامت اور اے بنت شفیع روزِ محشر! یہ کیا مقام ہے جسے آپ اپنی آستین سے صاف کر رہی ہیں؟ فرمایا: یہ وہ مقام ہے کہ حضرت حسین میرا بیٹا یہاں سر دے گا اور شہادت پائے گا۔

''اس کے بعد اسی موقع پر آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریلؑ سے یہ حکایت پوچھی کہ جب ان میں سے کوئی بھی نہ ہوگا، تو کون ان کی تعزیت کرے گا؟ کہا یارسول اللہ ﷺ! آپ کی امت آپ کے فرزندوں کی تعزیت کرے گی اور ایسی ماتم داری کرے گی کہ اس کی صفت بیان نہیں ہوسکتی''۔①

اس بیان سے مندرجہ ذیل باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

ا۔مندرجہ بالا بیان شیخ الاسلام کی تاریخ وجغرافیہ دانی کا ایسا نادر شاہکار ہے کہ خواہ مخواہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔مثلاً:

الف۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کو کندھے پر اٹھائے حضور اکرم ﷺ کے سامنے نکلے حالانکہ یزید اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔حضور اکرم ﷺ کے وصال کے پندرہ سال بعد ۲۶ھ میں خلافتِ عثمان کے دور میں پیدا ہوئے تھے۔تو پھر بہشتی کے کندھے پر دوزخی کا کیا سوال؟

ب۔حضور اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں شہزادوں سے بغلگیر ہوئے اور فرمایا میں نہیں جانتا دشت میں تمہارا کیا حال ہوگا۔حالانکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ واقعہ کربلا ۶۱ھ سے گیارہ سال پہلے ۲۰ صفر ۵۰ھ کو وفات پاچکے تھے۔

ج۔جب آپ کی ساری آل کو یزید نے دشت کربلا میں شہید کر دیا تھا۔تو یہ اتنے کثیر تعداد میں سید کہاں سے تشریف لائے۔

د۔دشت کربلا تو ریت کا میدان تھا، وہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کیا جھاڑو دے کر ریت کے تودے ہٹائے تھے۔

ر۔امیر المومنین کوئی اعزازی لقب نہیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ امیر المومنین کیسے ہوگئے۔جبکہ ان کی خلافت

① راحۃ القلوب، ص:۲۰۶، ۲۰۷۔ملفوظات خواجہ فریدالدین گنج شکر، مرتبہ خواجہ نظام الدین اولیاء، ترجمہ غلام احمد بریاں، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۹۱۶ء۔

ایک لمحہ کے لئے بھی منعقد نہیں ہوئی۔

۲۔اسی طرح یہ بیان شیعہ نوازی کا شاہکار ہے۔ یزید رحمہ اللہ کو دوزخی قرار دینا۔ وقوعہ شہادت سے پہلے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گریہ زاری کرنا۔ پھر زبانِ نبوت سے امت کی طرف سے تعزیہ اور ماتم داری کا اعلان۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ خود خدا کا اعلان کہ یہ ماتم داری صرف جائز ہی نہیں، بلکہ ایک اچھی صفت ہے۔ یہ سب باتیں شیعیت کی پوری پوری تائید کر رہی ہیں۔

۵۔جنوں کا ماتم:

مفتی غلام سرور لاہوری، مصنف ''خزینۃ الاصفیاء'' اس کتاب کے صفحہ/ ۵۸ پر رقمطراز ہیں کہ:

''جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، تو جنات نے تین دن تک مسجد نبوی کی چھت پر ماتم کیا اور آپ کے مرثیہ میں ابیات پڑھتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کو تین روز تک دفن نہیں کیا گیا۔ ناگاہ ہاتف آواز دی: ''اِدفَنُوۡہُ وَلا الصَّلوۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ قَدۡ صَلّٰی اللّٰہُ عَلَیۡہِ'' یعنی انہیں دفنایا جائے اور نمازِ جنازہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس محبوب کا جنازہ ادا کر دیا ہے''۔①

اب دیکھیے کہ:

۱۔ جنات کے کرنے کام یہ تو تھا، کہ ان غنڈوں کا جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ گلا گھونٹ دیتے یا کم از کم شہید کرنے کے بعد ان کی خبر لیتے۔ لیکن انہوں نے بھی کیا کم ہمتی دکھائی کہ بس ماتم پر مطمئن ہو گئے۔ اور یہ بدرسم امت محمدیہ میں چھوڑ دی۔ جس کو عملاً شیعہ حضرات نے اور عقیدتاً صوفیاء نے تسلیم کر لیا۔

۲۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفن کا انحصار ہاتف کے ندا پر تھا۔ اگر یہ ندا دو دن پہلے آجاتی تو دو دن پہلے دفن ہو جاتے اور غنیمت سمجھیے کہ تین دن بعد ہاتف کہ ندا آگئی۔ اگر ایک ماہ بعد ندا آتی تو، میت کا جو حال ہوتا وہ تو معلوم ہے۔ لہٰذا اس ہاتف کی آواز کا مشکور ہونا چاہیے۔

۳۔معلوم ہوتا ہے کہ کرامت نگار تاریخ کے پسِ منظر سے بالکل بیگانہ ہو کر ہر طرح کے واقعہ کو رجال

① خزینۃ الاصفیاء، ص: ۵۸۔

الغیب، ندائے غیبی کے ذریعہ اپنے مخصوص رنگ میں رنگ دینے کے عادی ہوتے ہیں۔ رہی عربی زبان کی فصاحت تو وہ بھی قابل داد ہے۔

۶۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور حوض کوثر:

''مولانا جامی (م ۸۹۸ھ) اپنی کتاب ''شواہد النبوت'' میں فرماتے ہیں:

''ایک نیک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے۔ حضور اکرم ﷺ حوضِ کوثر کے پاس کھڑے ہیں اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہ دائیں بائیں کھڑے مخلوقِ خدا کو پانی پلا رہے ہیں۔ میں نے پانی کی درخواست کی، تو فرمایا:

''تمہیں حضور اکرم ﷺ کی اجازت کے بغیر پانی نہیں مل سکتا۔ کیونکہ تمہارے ہمسایہ میں ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتا ہے اور تم منع نہیں کرتے''۔

میں نے عرض کیا: ''مجھے ڈر ہے کہ اگر میں منع کروں، تو مجھے قتل نہ کر دے'' آپ ﷺ نے مجھے ایک تیز چھری دی کہ اس سے دشمن علی کا کام تمام کر دوں، میں نے چھری لی اور آکر دشمن مولا علی کو قتل کر کے آپ ﷺ کو جا کر اطلاع دی، تو آپ ﷺ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے فرمایا۔ اسے آبِ کوثر دے دو اس نے حق محبت علی ادا کر دیا ہے'' میں نے پیالہ لیا اور یاد نہیں کہ پی سکا کہ نہیں میری آنکھ کھل گئی۔ صبح ہوتے ہی باہر شور برپا تھا کہ فلاں شخص کو کسی نے بستر ہی میں قتل کر دیا۔ صبح پولیس آئی اور بے گناہ ہمسایوں کو گرفتار کر لیا۔ میں نے کہا سبحان اللہ کیا خواب ہے۔ بے گناہ ہمسائے گرفتارِ مصیبت ہو گئے۔ انہیں بے گناہ قید و بند رکھنا دین کے خلاف ہے۔ میں نے قاضی شہر کے پاس جا کر قتل اعتراف کیا اور رات کا واقعہ سنا کر کہا کہ لوگ بے قصور ہیں انہیں رہا کر دیا جائے'' اس نے کہا: ''تم بھی اس مقدمہ میں بے گناہ ہو مقتول اپنی سزا کو پہنچ گیا ہے''۔①

مولانا عبدالرحمٰن جامی صاحب کی ''شواہد النبوت'' کی یہ روایت کئی لحاظ سے محل نظر ہے۔ مثلاً:

۱۔ حوضِ کوثر سے پانی آنحضرت ﷺ خود پلائیں گے۔ اس میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہ کا کوئی واسطہ نہیں۔

① خزینۃ الاصفیاء، ص: ۶۸.

۲۔خود آپ کو غیب کا حال معلوم نہ ہوگا۔حوضِ کوثر کی طرف آنے والے بعض مسلمانوں کو فرشتے دھکیل رہے ہوں گے۔آپ ﷺ فرشتوں سے اس کی وجہ پوچھیں گے،تو فرشتے کہیں گے کہ''آپ کو خبر نہیں آپ کے بعد ان لوگوں نے کیا بدعت جاری کی تھی۔①

تو آپ کو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ فلاں شخص دشمن علی ہے۔اور یہ پانی کا سائل اپنے دشمن علی ہمسایہ کو برا بھلا کہنے سے منع نہیں کرتا تھا۔''

۳۔خواب حضور ﷺ کو بھی آیا تھا وہ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ عُمرہ کر رہے ہیں۔لیکن یہ خواب کا عمرہ دو سال بعد واقعاتی دنیا میں وقوع پذیر ہوا۔تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے خواب کو سچ کر دکھایا''

لیکن اس نیک شخص کا خواب اسی وقت واقعاتی دنیا میں اس کے جاگنے سے پہلے رونما ہوگیا۔شاید یہ شخص رسول اللہ ﷺ سے بھی زیادہ پہنچا ہوا ہو۔

۴۔پولیس بھی عجب بدھو قسم کی تھی۔دشمن علی رضی اللہ عنہ کے قتل کا شبہ تو کسی محب علی رضی اللہ عنہ نیک آدمی پر ہی ہوسکتا تھا۔اس نے دوسرے ہمسایوں کو خوہ مخواہ قید و بند میں ڈالا۔البتہ اس لحاظ سے باشعور بھی تھی کہ خواب کے حوادثات کو عدالت کی بنیاد قرار نہ دے کر اس نیک شخص کو بھی چھوڑ دیا۔

۵۔یہ سارا قصہ آبِ کوثر کے پیالہ پینے کے گرد گھومتا ہے اور یہی بات اس نیک آدمی کو یاد نہ رہی کہ پیالہ پیا یا محروم ہی رہا۔پھر اس قصہ کا فائدہ ہی کیا تھا؟

بہر حال ہم جامی صاحب کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے۔جنہوں نے حبِ علی رضی اللہ عنہ کی تائید کے سلسلے میں ایسا لاجواب افسانہ تراشا ہے۔

۷۔حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا اور خونِ کربلا:

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا امّ المومنین بیان فرماتی ہیں کہ ایک رات آپ کافی دیر سے گھر آئے۔پریشان حال۔غبار آلود اور تھکے تھکے دکھائی دیتے تھے اور ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔میں نے پوچھا''یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ اور آپ اس حال میں کیوں ہیں؟ فرمایا،آج مجھے کربلا لے جایا گیا جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مقتل ہوگا۔مجھے اپنی

① بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض.

اولاد کے دوسرے افراد دکھائے گئے (جو ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے) میں اس زمین پر پڑا ہوا خون اکٹھا کر کے لے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے کھول کر مجھے فرمایا: ''اس سرخ مٹی کو اپنے پاس محفوظ کرلو۔'' میں نے یہ سرخ مٹی ایک شیشی میں ڈال کر منہ کو خوب بند کر دیا۔ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ سفر عراق کو روانہ ہوئے۔ میں ہر روز اس شیشی کو دیکھا کرتی تھی اور رویا کرتی تھی۔ محرم کی دسویں تاریخ، شام کو دیکھا وہ مٹی خون بن گئی ہے۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ آج حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔''①

یہ حدیث چوں کہ بلا حوالہ اور بے سند ہے۔ لہٰذا موضوع اور مردود ہے۔ پھر کئی لحاظ سے محل نظر بھی ہے۔ مثلاً:

یہ کہ آپ کو یہ میدان کافی رات گئے کیوں دکھایا گیا؟ ہم اس بات کے قائل نہیں کہ آپ اس طرح نور تھے کہ آپ کے جسم سے روشنی پھوٹتی تھی۔ بلکہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ رات کو آپ کے ہاں بھی چراغ جلتا تھا اور بجھتا تھا۔ جیسا کہ بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہے۔ پھر آپ کو اشخاص بھی ایسے دکھائے گئے۔ جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور آپ ﷺ انہیں جانتے بھی نہ تھے۔ اس رات اندھیرے میں آپ ﷺ نے انہیں کیا دیکھا ہوگا؟

پھر آپ ﷺ نے کربلا کے میدان سے اکٹھا تو خون کیا تھا، مگر گھر آنے تک وہ سرخ مٹی میں تبدیل ہوگیا یہ تبدیلی اس لیے کی گئی کہ اگر کرامت تراش اس خون کو پہلے سرخ مٹی نہ بناتے، تو اگلی کرامت کی بنیاد نہیں بن سکتی تھی۔

۸۔ حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کو امامت کیسے ملی:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد محمد بن حنفیہ (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیوی حنفیہ کے بطن سے ہیں) اور زین العابدین (ابن حسین) میں امامت کے متعلق جھگڑا ہوا۔ محمد بن حنفیہ کہتے تھے، میں بڑا ہوں، لہٰذا امامت پر میرا حق ہے اور زین العابدین کہتے تھے کہ میں اہل بیت سے ہوں۔ لہٰذا امامت پر میرا حق ہے۔ آخر میں زین العابدین نے کہا کہ چلو حجر اسود سے فیصلہ کرواتے ہیں۔ دونوں حجر

① خزینۃ الاصفیاء، ص: ۷۴.

اسود کے سامنے پیش ہوئے۔ پہلے محمد بن حنفیہ نے اپنا دعویٰ پیش کیا۔لیکن حجراسود خاموش رہا۔ پھر جب زین العابدین نے دعویٰ پیش کیا، تو حجراسود زور سے ہلا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ اپنی جگہ سے نکل آئے گا۔ پھر فصیح زبان میں بولا:

''اللہ تعالیٰ نے امامت اور ولایتِ باطنی کا حق تو زین العابدین کو دیا ہے۔ دوسرا کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہوسکتا۔''

یہ فیصلہ سنتے ہی محمد بن حنفیہ اپنے حق سے دستبردار ہوگئے۔①

حجرِ اسود کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مخاطب کر کے کہا تھا کہ ''کہ میں جانتا ہوں کہ تو بے جان پتھر ہے جو نہ کسی کا کچھ سنوار سکتا ہے نہ بگاڑ سکتا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے تمہیں نہ چوما ہوتا، تو میں بھی نہ چومتا۔'' اس وقت حجراسود کچھ نہ بولا۔لیکن حکم بن کر بلند آواز سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پوتے کو ہی اہل بیت اور امامت کا مستحق قرار دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو امامت اور ولایتِ باطنی سے محروم کرا دیا۔اور اسی طرح اہل بیت کی طرف داری کا ثبوت مہیا کر دیا۔

۹۔اشرف علی تھانوی کی پیدائش:

اشرف علی تھانوی اپنی پیدائش کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں:

''میں ایک مجذوب کی دعا سے پیدا ہوا ہوں، جن کا نام غلام مرتضیٰ تھا۔ان سے کہا گیا تھا کہ اس لڑکی ،یعنی میری والدہ کی اولاد زندہ نہیں رہتی ،تو فرمایا کہ عمر اور علی رضی اللہ عنہ کی کھینچا تانی میں ٹوٹ جاتی ہے۔اب جو اولاد ہو علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنا۔'' اس (رمز) کو کوئی نہیں سمجھا۔میری والدہ جن کی نسبت سنا ہے کہ صاحب ذوق تھیں، سمجھ گئیں اور کہنے لگیں کہ باپ فاروقی ہیں اور ماں علوی اور نام بچوں کے والد کے نام پر رکھے جاتے ہیں۔اب جو اولاد ہو ماں کے خاندان کے نام پر رکھو۔یعنی اس میں لفظ علی ہو، وہ مجذوب خوش ہوئے اور فرمایا: ''یہ لڑکی بڑی ذہین ہے، یہی مطلب ہے۔'' نانی صاحبہ نے عرض کیا پھر آپ ہی نام رکھ دیجیے، فرمایا ''دولڑکے ہوں گے ایک نام اشرف علی خان رکھنا اور ایک کا نام اکبر علی خان'' عرض کیا گیا کہ

①خزینۃ الاصفیاء، ص: ۷۹۔

کیا پٹھان ہیں؟ فرمایا، ہاں ہاں! ایک کا اشرف علی اور ایک کا اکبر علی رکھنا۔ ایک ہمارا ہوگا، وہ حافظ اور مولوی ہوگا اور ایک دنیا دار ہوگا۔ پھر ہم دونوں بھائی پیدا ہوئے۔''①

اس اقتباس سے درجہ ذیل اُمور پر روشنی پڑتی ہے۔:

۱۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی والدہ اور نانی دونوں کو اللہ پر توکل نہیں تھا۔ اور آج کل کی کمزور عقیدہ والی عورتوں کی طرح ہی تھیں، جو اولاد کے حصول اور زندگی کے لیے پیروں اور فقیروں کی طرف رجوع فرماتی ہیں۔

۲۔ مجذوب غلام مرتضٰی صاحب اسرار ورموز میں بات کیا کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے۔

۳۔ ان مجذوب صاحب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کھینچا تانی کا علم تو ہوگیا۔ لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ خاندان پٹھان نہیں، چنانچہ بعد میں ناموں کی تصحیح بھی فرمائی۔

تصوف پر باطنیت کی چھاپ اور موضوعات:

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے متعلق ایک حدیث بھی سن لیجیے، جو صوفیاء اور شیعوں کے یہاں یکساں مقبول ہے۔

''مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِيْ كَسَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجِيَ وَمَنْ تَخَلَّفَ فَقَدْ غَرَقَ وَهَوٰى''

ترجمہ: میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے۔ جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا۔ اور جو پیچھے رہ گیا، غرق ہوا اور گر گیا۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اپنی کتاب ''اسلامی تصوف'' میں بدلائل یہ بات ثابت کی ہے کہ موجودہ تصوّف باطنیت یعنی عبداللہ بن سبا یہودی کی تحریک سے سخت متاثر ہے۔ انہوں نے اس بات پر خاصا زور دیا ہے کہ بے شمار وضعی احادیث شیعوں اور باطنیوں نے وضع کیں، جن کو صوفیاء نے قبول کر لیا ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے الحاقی مضامین بھی اہل تصوف کی تصنیفات میں شامل کر دیئے ہیں۔'' آخر میں ملا علی قاری کی مشہور کتاب موضوعات سے چند اقتباس درج کر کے اس موضوع کو ختم کرتا ہوں۔

① افاضات یومیہ، ص: ۲۰۱، جلد: ۵، بحوالہ غوث الثقلین، ص: ۲۲۰

۱۔سیرۃ النبی ﷺ کا اوّلین مصنف ابن اسحاق چونکہ شیعہ تھا اس لئے اس نے اکثر ایسی روایات بھی درج کردی ہیں۔جن سے اس کے مذہب کی تائید ہو۔مثلاً خیبر کے دروازہ اکھڑنے کی روایت۔

۲۔''کنتُ کنزاً مخفِیاً'' یہ حدیث نہیں۔اکثر صوفیاء اسے حدیث سمجھتے ہیں۔

۳۔تاریخوں میں خلیفہ منتخب ہوجانے کے بعد حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے خطبہ نہ دے سکنے کی روایت بھی غلط ہے۔

۴۔آئمہ حدیث کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حسن بصری رحمہ اللہ (م ۱۱۰ھ) کی ملاقات اور تحصیل علم ثابت نہیں۔

۵۔خرقہ والی حدیث (جس کا اوپر ذکر کیا گیا) غلط ہے اور معاندینِ صحابہ کی وضع کردہ ہے۔

۶۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نمازِ عصر قضاء ہونے پر حضرت رسول اللہ ﷺ کے سورج کو واپس موڑنے کی روایت بھی غلط ہے۔

۷۔حجۃ الودع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کا مجمع عام میں فرمانا کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ میرا وصی ہے'' قطعاً بے بنیاد اور غلط ہے۔

۸۔یہ روایت کہ حضور ﷺ نے حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج مت کرنا'' یہ بھی بے بنیاد ہے۔

۹۔پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا خروج کریں تو تم نرمی کا برتاؤ کرنا'' سراسر کذب اور افتراء ہے۔

۱۰۔یہ روایت آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ باطنی اسرار وعلوم سکھائے تھے۔جو دوسرے صحابہ کو نہیں سکھائے۔قطعاً غلط ہے۔

ملا علی قاری کے اس قول پر ''کہ روافض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ۳ لاکھ روایات وضع کی تھیں۔'' اس اقتباس کو ختم کرتا ہوں①۔

یہی سلیم چشتی آگے چل کر ایک شیعہ مصنف پروفیسر حسین نصر کی انگریزی کتاب ''اسلام کے مطامح نظر اور حقائق'' سے چند اقتباس پیش کرتے ہیں مثلاً:

۱۔منگولوں کے حملے کے دور میں ایران اور اسماعیلیت میں اتحاد کی ایک مستقل صورت پیدا ہوگئی تھی۔

① اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، یوسف سلیم چشتی، صفحہ نمبر: ۱۱۹۔

جس کا تحقیقی مطالعہ ابھی تک نہیں کیا گیا۔

۲۔ اثنا عشری شیعیت میں مذہب کے ظاہری پہلوؤں کو بالخصوص اہمیت دی جاتی ہے۔ اور اس اعتبار سے وہ تصوف کی ہمنوا ہے۔

۳۔ تصوّف اور تشیع دونوں کی تعلیم یہ ہے کہ ''نورِ محمدی'' حضرت آدمؑ سے لے کر ہر نبی کی ذات میں موجود رہا ہے۔ ①

ان اقتباس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں کا موجودہ تصوّف باطنیّت اور شیعیت کے زیرِ اثر پرورش پاتا رہا ہے۔ اور ہمارے بڑے بڑے بزرگ بھی تحقیق وتفحص کے بجائے محض اکابر کی پیروی کرتے چلے آتے ہیں۔ ②

---

① اسلام کے مطامح نظر اور حقائق ص ۱۶۰، بحوالہ اسلامی تصوف، ص: ۱۲۴۔

② شریعت وطریقت: ص ۲۴۱ تا ۲۵۲۔

قبروں کے متعلق صوفیاء کا ذہنی انتشار

پھر بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو ماشاء اللہ علم شریعت کے ماہر ہیں۔ مگر ان کا دامن طریقت میں الجھا ہوا ہے۔ جب یہ حضرات شریعت کی بات کرتے ہیں۔ تو تمام تر دلائل اس کی حقانیت میں صرف کر دیتے ہیں۔ لیکن جب طریقت کی طرف آتے ہیں تو پہلی سب باتیں اور دلائل بھول جاتے ہیں۔ اور یوں معلوم ہونے لگتا ہے یہ دونوں قسم کی تصانیف فردِ واحد کی نہیں ہوسکتیں۔ اور ایسے علماء بہت زیادہ ہیں۔ ہم اس انتشار کو دو مثالوں سے واضح کریں گے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خدماتِ اسلامی سے کسے انکار ہوسکتا ہے؟ آپ نے ایک کتاب البلاغ المبین (فارسی) میں پیر پرستی اور قبر پرستی کا نہایت مدّلل اور تحقیقی انداز میں ردّ کیا ہے۔ اس کتاب کے صفحہ/۳۰ پر صحیح بخاری کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل فرماتے ہیں۔

> ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا ''اَلقَبر القَبر'' وہ گویا حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ڈرا رہے تھے گویا اس کام سے بچو جیسے شیر شیر یا سانپ سانپ کہہ کر ڈرایا جاتا ہے کہ محتاط ہو جائے۔

شاہ ولی اللہ اور کشف قبور:

اب انہی شاہ صاحب کا درج ذیل بیان بھی ملاحظہ فرمالیں:

''ذکر کشف قبور: جان کہ ذکر کشف قبور کے واسطے اول جب مقبرہ میں آئے گا دوگانہ ان بزرگ کی روح کے واسطے پڑھے۔ اگر سورہ فاتحہ یاد ہو تو پہلی رکعت میں پڑھے اور دوسری میں سورۃ اخلاص اور نہیں تو ہر رکعت میں پانچ پانچ بار اخلاص پڑھے۔ اور پھر قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے، اور ایک بار آیت الکرسی اور بعض سورتیں جو زیارت کے وقت پڑھتے ہیں۔ جیسے سورۃ الملک اور اس کے سوا۔ بعدہٗ قل کہے بعد فاتحہ کے ۱۱/بار سورۃ الاخلاص پڑھے اور ختم کرے اور تکبیر کرے۔ بعدہٗ سات دفعہ طواف کرے اور اس میں تکبیر پڑھے اور پھر پاؤں کی طرف رخسار رکھے اور نزدیک میت کے منہ کے بیٹھے اور کہے یارب اکیس دفعہ۔ بعدہٗ دل آسمان کی طرف کر کے کہے ''یاروح'' اور دل میں ضرب

کرے ''یاروح الروح''۔ جب تک کہ انشرح پائے یہ ذکر کرے۔ ان شاء اللہ کشف قبور وکشف ارواح حاصل ہوگا۔①

شاہ صاحب کے مندرجہ بالا بیان سے درج ذیل چیزوں کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

۱۔مقبروں اور مزاروں کا جواز۔

۲۔نذر لغیر اللہ کا جواز۔ کیونکہ دو رکعت نماز محض ایصالِ ثواب کے لئے نہیں پڑھی جارہی ہے۔ بلکہ اس کے پیچھے ایک مقصد بھی ہے اور یہی چیز ''نذر'' کہلاتی ہے۔

۳۔قبروں کے گرد طواف کا جواز۔

۴۔صاحب قبر کے پاؤں کی طرف رخسار رکھنے کا جواز۔

۵۔غیر اللہ پکارنے کا جواز۔

۶۔قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنے کی حکمت وآداب تو شاہ صاحب خود ہی بہتر سمجھتے ہیں۔

اب اگر اتنی باتیں شاہ صاحب جیسے بزرگ عالم دین سے ثابت ہوجائیں۔تو اگر عام لوگ اس میں قبروں پر چراغ جلانے، جھاڑو دینے، اور صاحب قبور سے مرادیں مانگنے کا اضافہ کرلیں تو ان بے چاروں کا کیا قصور۔

اسی طرح ایک اور بزرگ ابن حجر مکّی (م ۹۷۲ھ) ہیں ان کے متضاد بیانات ملاحظہ فرمالیجیے۔

ابن حجر مکی کا ذہنی انتشار:

نبہانی نے جن لوگوں سے استفادہ کیا ان میں سے ایک ابن حجر مکی بھی ہیں۔ ابن حجر مکی اپنی کتاب ''الزواجر'' میں کہتے ہیں کہ:

''شرک کا سب سے بڑا سبب قبروں کے پاس نماز پڑھنا اور ان کو مساجد بنالینا ہے۔ جتنے منکرات مزاروں اور قبروں پر ہوتے ہیں۔ ان کو ہٹانا اور مٹانا واجب ہے۔قبروں پر تعمیر شدہ قبوں اور مزاروں کو جلد از جلد گرادینا چاہیے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے روکا ہے اور قبروں کو گرانے کا حکم دیا ہے۔لہٰذا قبروں پر دیئے،قندیلیں اور قمقمے سب ختم کردیئے جائیں۔ ایسی جگہوں کے لئے کوئی چیز

①انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ مصنف ولی اللہ صاحب، ص: ۱۱۳، ۱۱۴۔

وقف کرنا اور نذر و نیاز ماننا اور اس کو پورا کرنا صحیح نہیں ہے قبروں پر دیئے جلانا، ان کو بت بنانا، ان کا طواف کرنا اور ان کی طرف نماز پڑھنا سب گناہ کبیرہ ہیں''۔

مگر الجواہر المنظم میں خود ہی ان سب باتوں کی تردید کر دی او''تحفہ''اور''الزواجر''میں جن کاموں کو کبیرہ گناہ اور اسباب شرک بتایا تھا۔ ان کو جائز کر دیا۔ یہاں تک کہ قبروں کو سجدہ کرنا۔ اہل حال کے لئے جائز قرار دے دیا اور اتنا غلو کیا غالیوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔①

یہ دو مثالیں ہم نے محض بطورِ نمونہ پیش کی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو علمائے دین بھی اس طریقت کے میدان میں گھسے ہیں۔ آپ ان کی مختلف تصنیفات کا مطالعہ کریں گے تو ایسی صورت حال سامنے آئے گی۔②

① غایۃ الامانی فی الرد علی النبھانی، مصنف علامہ آلوسی.

② شریعت وطریقت: ص ۳۴۴ تا ۳۴۵.

صوفیاء کا اشاعت اسلام کا طریقہ

انبیاء کی بعثت کا مقصد یہی رہا ہے کہ وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور اس کی تبلیغ و اشاعت کریں اور ہوتا یہ رہا ہے کہ جب کسی نبی نے اپنی قوم کو دعوت دی تو قوم نے انبیاء کو جھٹلا دیا۔ بعض قوموں نے انبیاء سے معجزات کا مطالبہ کیا۔ لیکن معجزات دیکھنے کے بعد اس معجزات کو جادو قرار دے کر انبیاء کی دعوت کو مسترد کر دیا اور انبیاء کو جھٹلایا۔

ارشادِ باری ہے۔

﴿وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝۲﴾①

ترجمہ: اور کافر جب بھی کوئی نشانی دیکھتے ہیں۔ تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے چلا آتا۔

انبیاء پر صرف وہ لوگ ایمان لاتے رہے جو اِن کی پاکیزہ زندگی اور اخلاق و کردار سے متاثر ہوئے۔ معجزات کے طالب کم ہی ایمان لائے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے عصا کے سانپ بن کر ساحروں کی رسیوں کو کھا جانے پر جادوگر ہی ایمان لائے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جادوگر بحیثیت فن دان یہ سمجھ گئے تھے کہ حضرت موسیٰ کا معجزہ جادو کے فن سے کوئی ماوراچیز ہے۔ قومِ فرعون سے ایک آدمی بھی یہ معجزہ دیکھ کر ایمان نہ لایا۔

لیکن ہمارے اولیاء اللہ کی دنیا ہی الگ ہے۔ اِن کا طریقِ کار یہ ہے کہ یہ اسلامی تعلیمات کو پیش نہیں فرماتے۔ بلکہ طلب کئے بغیر کوئی نہ کوئی کرامت پیش کر دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کافر دھڑا دھڑ اسلام لانا شروع کر دیتے ہیں۔ اب ان کی مثال ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صلوٰۃِ خمسہ:

''راحت القلوب'' میں لکھا ہے کہ ایک دن مدینہ کے بازار میں چند یہودی بیٹھے تھے۔ ایک مسلمان سائل ان کے پاس آیا اور کہا ''میں بھوکا ہوں کھانے کو کچھ دیجئے۔'' انہوں نے از راہِ تمسخر کہا:

①سورۃ القمر: ۲.

''علی شاہِ مرداں کے پاس جاؤ، جو چاہوگے، پاؤ گے''۔ ابھی سائل نے کوئی جواب بھی نہیں دیا تھا کہ دور سے حضرت علی رضی اللہ عنہ آتے دکھائی دیئے۔ وہ سائل ان کے پاس گیا، اپنی داستانِ غم بھی بیان کی اور یہودیوں کے طعنہ کا بھی ذکر کیا۔ اتفاق سے اس وقت حضرت علی کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پانچ بار صلوٰۃ خمسہ پڑھی اور سائل کے ہاتھ پر دم کر دیا اور پنجہ بند کر دیا اور کہا ''جاؤ یہودیوں کو دکھلاؤ'' اسی طرح پنجہ بند کئے یہودیوں کے پاس گیا، جب کھولا تو اس میں سونے کے پانچ دینار تھے۔ حیران ہوکر دوڑے دوڑے حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوکر تائب ہو گئے اور مسلمان ہوکر ہدایت یافتہ ہو گئے''۔①

اب دیکھیے راحت القلوب کی اس روایت میں درج ذیل اُمور قابل غور ہیں:

۱۔ دورِ نبوی میں ہی یہودیوں کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

۲۔ دورِ عثمانی میں مسلمانوں کے پاس اتنی دولت آگئی تھی کہ کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔ کسی مسلمان کے مفلوک الحال ہونے کی وجہ سے سائل ہونا خارج از بحث تھا۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پانچ بار صلوٰۃ خمسہ پڑھی تو پانچ دینار نکلے اگر دس بار پڑھتے تو یقیناً دس دینار نکلتے۔

۴۔ یہ صلوۃِ خمسہ کیا بلا ہے۔ کب ایجاد ہوئی؟ اس کی صاحبِ راحت القلوب نے تصریح نہیں فرمائی۔ بہرحال اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی دَم جھاڑ اور جنتر منتر قسم کی چیز ہوگی، جو اس دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت بعد کی پیداوار ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام جڑ دی گئی ہے۔

یہ بات بہرحال شک وشبہ سے بالا ہے کہ وہ سارے یہودی یہ کرامت دیکھ کر مسلمان ہو گئے تھے۔ اب اس قسم کی چند کرامات جنہیں دیکھنے پر لوگ اسلام لاتے رہے ہیں۔ حاضر خدمت ہیں:

۲۔ خواجہ حذیفہ المرعشی (م ۲۰۲ھ) اور ندائے غیب:

''آپ سے کسی نے پوچھا، آپ اتنا کیوں روتے ہیں؟'' فرمایا مجھے ﴿وَفَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ﴾ رُلاتا ہے۔ نہ معلوم میں کون سے فریق سے ہوں۔ اس نے کہا ''اگر ایسی بات ہے تو

① خزینۃ الاصفیاء، ص:۶۷۔

آپ بیعت کیوں لیتے ہیں؟'' آپ نے سن کر ایک آہ کھینچی اور بیہوش ہو گئے ۔ جب ہوش میں آئے تو غیب سے بشارتِ جنت کی ندا آئی، جو سب نے سنی ۔ کہتے ہیں کہ اس آواز پر تین سو کافران کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے ۔①

۳۔خواجہ ابواحمد ابدال چشتی (م ۳۵۷):

ایک مرتبہ دورانِ سفر آپ کا گزر ایک کافروں کی بستی پر ہوا۔ان کافروں کی عادت تھی کہ جب کوئی مسلمان ادھر آجاتا تو اس کو نہایت مار پیٹ کر آگ میں جلا دیا کرتے ۔ اسی طرح حضرت شیخ کے ساتھ بھی معاملہ کیا مگر رُعب کی وجہ سے آگ میں ڈالنے کی ہمت نہ ہوئی ۔ شیخ نے کہا تم فکر نہ کرو ۔ میں خود ہی آگ میں گر جاؤں گا ۔ یہ کہہ کر شیخ اپنا مصلیٰ آگ پر ڈال کر خود چلے گئے ۔ حضرت کا وہاں پہنچنا تھا کہ آگ دفعتاً ٹھنڈی ہو گئی ۔ یہ قصہ دیکھ کر سب متحیر ہو گئے ۔ دل وجان سے قربان ہو گئے ۔ اور سینکڑوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا ۔②

اب دیکھیے کہ

۱۔حضرت شیخ کا رُعب بھی کیسا نرالا تھا مار پیٹ کے وقت تو کچھ اثر نہ دیکھا یا مگر جلانے کے وقت سب کافر مرعوب ہو گئے ۔

۲۔ پھر رُعب کی وجہ سے کافروں کو آگ میں ڈالنے کی جرات ہی نہ ہو سکی ۔ تو پھر از خود آگ میں پڑنے کا فائدہ کیا تھا؟

۳۔ تاہم آپ نے آگ پر مصلیٰ ڈالا اور خود مصلے پر ہی بیٹھ گئے ہوں گے ورنہ مصلیٰ کا کچھ مصرف نظر نہیں آتا، تو مصلیٰ کی برکت کی وجہ سے نیچے سے آگ ٹھنڈی ہو گئی ۔ اور آپ مصلیٰ سمیت زمیں پر آ گئے ہوں گے ۔ یہ ایسی ترکیب ہے، جو حضرت ابراہیمؑ کے ذہن میں بھی نہ آئی تھی ۔

۴۔ جو کچھ بھی ہوا بہر حال سینکڑوں کافر ضرور مسلمان ہو گئے تھے اور ایسی سعادت ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو بھی نصیب نہ ہوئی ۔

---

① تاریخ مشائخ چشت ۔ مولانا زکریا، ص: ۱۴۶۔

② حوالہ مذکورہ، ص: ۱۵۴۔

۴۔ خواجہ محمد بن احمد (م ۴۱۱ھ):

مادرزاد ولی تھے۔ حمل کے زمانہ میں والدہ کے پیٹ سے ذکر اللہ کی آواز آتی تھی۔ پیدا ہوتے ہی سات مرتبہ کلمہ پڑھا۔ ایامِ رضاعت میں مشغول بذکر رہتے۔ اور پانچ وقت (یعنی نمازوں کے وقت) آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا کر اَن گنت کلمہ پڑھتے۔ جو شخص آزمانے آتا وہ مسلمان ہو جاتا①'

گویا جو لوگ آزمانے گئے تھے۔ وہ سب کافر ہی ہوتے تھے اور یہ بات ہے بھی دل لگتی۔ بھلا جو لوگ پہلے مسلمان ہوں ان کو ایسی شنید پر کیسے شک ہو سکتا تھا؟

۵۔ احمد خضرویہ کی کرامت:

احمد خضرویہ کے ہاں ایک درویش مہمان ہوئے۔ اس درویش کے ساتھ ستر اور بھی درویش تھے۔ آپ نے بطورِ مہمان نوازی ستر شمعیں روشن کیں اور شمعیں ایسی تھیں کہ پھونک تو درکنار، اس پر خاک ڈالنے سے بھی نہ بجھتی تھیں آپ کی اس کرامت کا یہ اثر ہوا کہ دوسرے دن جب آپ اس مہمان درویش کے ساتھ ایک راہب کے پاس سے گزرے، تو اپنے گھر کے ستر آدمیوں سمیت مسلمان ہو گئے۔ آپ نے اپنے ساتھی درویش سے فرمایا:

''میں نے خدا کے لیے ستر شمعیں روشن کی تھیں۔ خدا نے میرے ہاتھ ستر گمراہوں کے دلوں کو نورِ ایمان سے روشن کر دیا۔''②

راہب تارک الدنیا ہوتے ہیں۔ وہ راہب بھی خوب تھا، جو اپنے گھر کے ستر آمیوں کے ساتھ ہی رہتا تھا۔

۶۔ سیّد مودود چشتی (م ۵۲۷ھ) کا جنازہ اُڑنا:

آپ کی وفات ۹۷ سال کی عمر میں رجب ۵۲۷ھ میں ہوئی۔ آپ کی نمازِ جنازہ اوّل رجال الغیب نے پڑھی۔ پھر عام آدمیوں نے اور نماز کے بعد جنازہ خود بخود اُڑنے لگا۔ خواجہ صاحب کی اس کرامت پر بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔③

① تاریخ مشائخ چشت۔ مولانا زکریا، ص: ۱۵۵۔

② مقربان حق، ص: ۱۸۰

③ تاریخ مشائخ چشت، مولانا زکریا، ص: ۱۶۰

اور سیر الاولیاء صفحہ ۴۹ پر یوں لکھا ہے کہ:

''خواجہ کی کرامت دیکھ کر اس دن ہزاروں کافر مسلمان ہو گئے۔''

۷۔خواجہ عثمان ہارونی (م ۶۰۳ھ) کا آگ میں داخل ہونا:

ایک دفعہ آپ کا ایک آتش پرستوں پر گزر ہوا۔ انہیں نصیحت فرمائی کہ آگ ہرگز پرستش کے قابل نہیں۔ یہ تو خود مخلوق ہے۔ اگر اس کی پرستش کرو گے تو بھی تم کو جلانے میں کمی نہیں کرے گی۔ پھر قیامت کے دن بھی جلائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ کی پرستش کرو گے تو تمہیں قیامت کے دن نہیں جلائے گی۔ انہوں نے کہا ''اچھا تم جو اللہ کو پوجتے ہو۔ اس میں داخل ہو کر دکھلاؤ کہ وہ اثر کرتی ہے یا نہیں۔ آپ نے وضو کر کے دوگانہ ادا کیا۔ پھر سردار کے ایک کمسن بچے کو لے کر آگ میں چلے گئے اور دو گھنٹہ اس میں رہے۔ آگ نے اس بچہ پر کوئی اثر نہ کیا۔ اس پر وہ سب آتش پرست مع سردار کے مسلمان ہو گئے۔①

۸۔معین الدین چشتی (۵۳۷۔۶۳۷) اور شیعی امیر:

ایک دفعہ دورانِ سفر آپ ہرات تشریف لے گئے۔ وہاں کا شیعی امیر سخت متعصّب تھا۔ اور جو شخص حضراتِ ثلاثہ کے نام پر نام رکھتا۔ اسے قتل کرا دیتا تھا۔ آپ اس کے خاص باغ میں لب حوض تشریف فرما ہوئے۔ اس نے جب آپ کو اس حالت میں دیکھا تو غضب ناک ہو کر تکلیف دہی کا ارادہ کیا۔ آپ نے اس پر ایک نگاہ ڈالی وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ حضرت نے تھوڑی دیر میں اس پر حوض کا پانی ڈالا جس سے وہ ہوش میں آیا۔ لیکن اس حال میں کہ سخت معتقد تھا۔ اور مع اپنے اراکین حضرت سے بیعت ہو گیا اور خلافت ظاہری و باطنی سے آپ کا نائب امیر بنا۔②

۹۔قصیب البان (م ۵۷۲ھ) کی تبدیلی اشکال:

آپ غوث الاعظم کے کامل ترین مریدوں میں سے تھے۔ مگر بے نماز تھے۔ کسی نے غوث الاعظم سے اس بات کی شکایت کی، تو فرمایا ''ان کا سر ہمیشہ کعبہ کی دہلیز پر رہتا ہے۔'' قاضی موصل کو ان سے سخت اختلاف تھا۔ ایک روز موصل کے کسی بازار سے گزرتے ہوئے قاضی سے دوچار ہو گئے۔ قاضی نے دل میں کہا:

① تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۲۴۔

② حوالہ مذکورہ ص: ۱۶۸۔

’’کہ آج موقعہ ہے گرفتار کر کے حاکم کو پیش کر دینا چاہیے۔ قاضی نے اچانک دور سے دیکھا کہ گرد اُڑ رہی ہے۔ جب وہ گرد قریب ہوئی تو معلوم ہوا کہ کوئی مغرور قوی ہیکل پہلوان ہے اور قریب ہوا تو ایک اعرابی کی شکل میں متشکل ہو گیا۔ پھر عالم وفقیہہ کی شکل میں ظاہر ہوا اور قریب آ کر کہنے لگا۔ کہو ان تین شکلوں میں سے کون سی شکل حاکم کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہو۔ قاضی اس تبدیلی ہیئت سے خوفزدہ ہو کر شیخ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا۔‘‘①

اب دیکھیے کہ

۱۔ قصیب البان بے نمازی ہونے کے باوجود پیران پیر کے کامل ترین مریدوں میں سے تھا۔

۲۔ غوثِ الاعظم نے ترکِ نماز کی شکایت پر اس بے نمازی ہی کی طرف داری فرمائی۔ آخر مرید جو تھا۔

۳۔ ایسے بے نمازیوں سے بھی ایسی عظیم الشان کرامات صادر ہو سکتی ہیں۔ کہ پڑھے لکھے پابندِ شرع قاضی قسم کے لوگ بھی ان کے مرید بن جاتے ہیں۔

۱۰۔ فریدالدین گنج شکر (م ٦٦٠ ھ) کی چھ سال کی عمر میں کرامات:

’’حضرت نظام الدین فرمایا کرتے تھے کہ

حضرت شیخ (فریدالدین) کی والدہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ ایک چور چوری کرنے آیا۔ جب اس کی نگاہ والدہ پر پڑی، فوراً اندھا ہو گیا۔ اس نے آواز دی ’’اگرچہ میں چوری کی نیت سے آیا تھا اور نابینا ہو گیا ہوں۔ مگر اب عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی چوری نہ کروں گا‘‘ حضرت شیخ کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی۔ حضرت نے دعا کی۔ اللہ کے فضل سے اچھا ہو گیا۔ صبح جا کر بمعہ اہل وعیال مشرف بہ اسلام ہوا۔ عبداللہ نام تجویز ہوا اور آخر تک حضرت شیخ کی خدمت میں رہا۔②

غور فرمایئے چھ سال کے شیخ کے دست حق پرست پر یہ کافر چور بمعہ اہل وعیال مشرف بہ اسلام ہو رہا ہے اور اس وقت سے لے کر انہی کا ہو جاتا ہے۔ اس نے چھ سالہ شیخ سے اسلام کیا سیکھا ہوگا؟

① خزینۃ الاصفیاء، ص: ۱٦۸۔

② تاریخ مشائخ چشت، مولانا زکریا، ص: ۱۷۷۔

۱۱۔خواجہ فرید الدین گنج شکر (م ۶۶۰ھ):

آپ کے پاس ایک عورت روتی ہوئی آئی اور کہا کہ بادشاہ نے میرے بے گناہ بچہ کو تختہ دار پر کھنچوادیا۔آپ اپنا عصا ہاتھ میں لیے اپنے اصحاب سمیت اس کے ساتھ ہولیے اور دار کشیدہ لڑکے کے پاس پہنچے۔ ہندو مسلمان کی ایک بھیڑ لگ گئی۔خواجہ نے کہا ''الٰہی! اگر اسے بادشاہ نے بے گناہ دار پر کھینچا تو اسے زندہ کردے'' آپ کہہ ہی رہے تھے کہ لڑکا زندہ ہوگیا اور ساتھ چلنے لگا۔ یہ کرامت دیکھ کر کئی ہزار ہندو مسلمان ہوگئے۔①

۱۲۔عبدالقدوس گنگوہی (م: ۹۴۴ھ) کا پانی بننا:

قطب عالم عبدالقدوس گنگوہی جب باطنی علوم سے فارغ ہوکر تشریف لائے، تو ایک ہندو جوگی سے سابقہ پیش آیا۔آپ نے اس سے پوچھا ''کتنی روحانی ترقی کرلی ہے'' کہنے لگا، بہت، جو صورت چاہوں بن سکتا ہوں۔دیکھو ابھی پانی بنتا ہوں۔'' چنانچہ وہ اسی وقت پانی بن گیا آپ نے کپڑے کی ایک دھجی اس سے تر کر کے رکھ لی۔پھر اس جوگی کے ہوش میں آتے ہی فرمایا کہ اب میں پانی ہوتا ہوں، تو اس میں سے ایک کپڑا اتر کر کے رکھ لینا۔اس کے بعد کپڑے سونگھے گئے، تو پہلے کپڑے میں بدبو کی وجہ سے دماغ پھٹا جاتا تھا اور دوسرے کپڑے میں خوشبو کی وجہ سے دماغ معطّر ہو رہا تھا۔جوگی بولا ''میں تو اپنے فن و ہنر میں کامل تھا۔آپ بھی کامل نکلے۔صرف خوشبو اور بدبو کا فرق رہا'' فرمایا، یہ کفر و اسلام کا فرق ہے۔چنانچہ وہ اسی وقت مسلمان ہوکر آپ کا مرید ہوگیا۔اس جوگی کو آپ نے صاحبِ ولایت مقرر کر کے کہیں اور بھجوادیا۔حضرت کا روضہ بھی اسی جگہ ہے۔②

ذرا غور فرمائیے کہ یہ جوگی صاحبِ ولایت مقرر ہوکر جہاں گئے ہوں گے۔تو وہ لوگوں کو وہی کچھ سکھلاتے ہوں گے جو کچھ انہیں آتا تھا۔اسلامی تعلیمات سے جب وہ خود ہی بے بہرہ تھے تو دوسروں کو اسلام کیا سکھلاتے ہوں گے؟

---

① اسرار الاولیاء، ملفوظات خواجہ فرید الدین گنج شکر، ص: ۱۱۰ یا ۱۱۱، مرتبہ خواجہ بدر اسحاق، ترجمہ غلام احمد بریاں، مطبع دہلی ۱۹۱۶ء۔

② ماہنامہ دار العلوم دیوبندی جنوری ۱۹۶۰ء، ص: ۴، نگران اعلیٰ قاری محمد طیب صاحب۔

۱۳۔امیر کلال (م: ۷۷۲ھ) کی کشتی کا فلسفہ:

امیر کلال بابا سماسی سے بیعت ہونے سے پہلے کشتی لڑا کرتے تھے۔ایک بار کشتی لڑ رہے تھے کہ بابا سماسی کا اُدھر سے گزر ہوا۔لوگوں کے دل میں خیال آیا کہ کشتی لڑنا تو بدعت ہے۔ایسے بزرگ اور سیدزادے کو اِن بدعتوں سے کیا واسطہ۔اسی وقت ان لوگوں پر نیند اور غنودگی طاری ہوگئی۔خواب دیکھا کہ قیامت برپا ہے لوگ کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں۔اتنے میں امیر کلال تشریف لائے اوران کو کیچڑ سے نکال دیا۔جب وہ لوگ نیند سے بیدار ہوئے۔حضرت امیر کلال نے اُن کے کان پکڑ کر فرمایا کہ ''ہم اس روز کے لیے نبرد آزمائی کرتے اور کشتی لڑتے ہیں۔بزرگوں کی طرف سے بدعقیدہ نہ ہونا چاہیے۔'' اس پر سب نے توبہ کی اور آپ کی تربیت سے مردانِ خدا بن گئے۔①

غور فرمایئے کہ کتنی لاجواب کرامت تھی۔ابھی امیر کلال بیعت بھی نہیں ہوئے، نہ ہی فقیری لائن میں داخل ہوئے، لیکن کرامت ظاہر ہوگئی۔جس کا آدھا حصہ خواب سے تعلق رکھتا ہے آدھا بیداری سے۔ابھی امیر کلال کشتی ہی لڑا کرتے ہیں، خود بابا سماسی نے ان کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔لیکن سب لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ بھی کرتے اور مردانِ خدا بھی بن جاتے ہیں۔علاوہ ازیں اس روایت اور کرامت نے مل کر بدعت کی کیسی جامع و مانع تعریف بیان فرمادی اور اس کا فلسفہ بھی بیان کر دیا کہ پہلوان حضرات ہی قیامت کے دن سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوں گے۔

۱۴۔پیر حسن کبیر الدین (م ۸۵۳ھ) کی دعوت:

پیر حسن کبیر الدین شیعہ امامیہ اسماعیلیہ کے پیر اور مبلّغ تھے۔ان کے متعلق نور مبین میں بحوالہ کتاب گلزار شمس میں لکھا ہے کہ ''آپ نے چالیس سال تک ایک پاؤں پر کھڑے ہوکر عبادت کی تھی۔ اور اپنی کرامت سے گنگا ندی کا پانی اوجھ گاؤں میں منگوا کر اس میں ہندوؤں کو اشنان کرواتے تھے۔ جس کے باعث کثرت سے لوگ مذہب اسماعیلی میں داخل ہوتے تھے۔نیز آپ نے ایک مردہ بلوچ کو زندہ کر دیا تھا②۔③

① صوفیائے نقشبند، ص: ۱۶۱.

② نور مبین، مرتب اے جے چنار، مطبوعہ اسماعیلیہ ایسوسی ایشن، برائے ہند ممبئی.

③ شریعت وطریقت: ص ۳۷۱ تا ۳۷۸.

صوفیائے کرام کی تعلیم کی خصوصیات

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صوفیاء کی آمد سے پہلے برِ صغیر میں جو بھی اسلام پھیلا تھا۔ وہ خالص اسلام تھا۔ اوراس میں دین طریقت کی آمیزش نہ تھی اوران میں زیادہ تر اہل حدیث تھے۔ چنانچہ عرب کے مشہور سیاح علامہ شباری مقدسی ۳۷۵ھ میں ہندوستان تشریف لائے۔ وہ اپنی کتاب ''احسن التقاسیم'' میں صوبہ سندھ کے شہر ''منصورہ'' کے حال میں لکھتے ہیں کہ

''وکانوا اکثر من اھل الحدیث''①

یہاں کے مسلمانوں میں سے اکثر اہل حدیث تھے۔

مگر جو اسلام صوفیاء کے ذریعہ پھیلا وہ درج ذیل خصوصیات کا حامل تھا۔

ا۔ کشف وکرامات:

اس اسلام کی اشاعت کا انحصار اسلامی تعلیمات پرنہیں بلکہ کرامات پر ہوتا تھا۔ یعنی جو بزرگ زیادہ اور بڑی کرامتیں دکھلا سکتا تھا۔ اس کے اسلام کی اشاعت کا دائرہ بھی اسی مناسبت سے وسیع ہوتا تھا۔ چنانچہ خلیق نظامی صاحب اپنی کتاب ''تاریخ مشائخ چشت'' میں گلزار ابرار کے حوالہ سے نظام الدین اولیاء کی کرامات اوران کرامات کے ذریعہ اشاعت اسلام کے سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں:

''آپ کی بارگاہِ خلافت سے وقتاً فوقتاً نئے نئے خلیفہ روانہ ہوتے تھے۔ ان کی فیض پاشی سے ہند کا ہر مکان اور قطعہ زمین آباد تھا۔ آپ نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مرتبہ اور بڑی بڑی کرامتوں والے سات سو ایسے خلیفہ روانہ کیے تھے کہ ہر شخص کے سینہ سے عرفان کا آفتاب طلوع ہوا کرتا تھا۔ نیز ان سینوں سے بزرگوار پیر کے اسرار عیاں ہوتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ جب کسی شخص کو کسی بزرگ کی خدمت سے معرفت کا سرمایہ ہاتھ آجاتا ہے اور ایک منزل سے دوسری منزل کو اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور فنا کے درجات سے

① تاریخ سندھ ص: ۱۲۴، ج: ۲.

عبور کر کے بقائے اصلی کے مقام کو پہنچ جاتا ہے تو اس وقت نام اور صورت میں فرق کے سوا کسی قسم کی دوئی کی شکل ان دونوں شخصوں میں قائم نہیں رہتی۔''①

۲۔قبوری شریعت اور شرکیہ افعال:

شریعت اسلامیہ نے قبروں کو پختہ کرنا، ان پر مزارات تعمیر کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔ مگر صوفیاء کا کام ہی چونکہ کشف قبور اور مزارات پر چلّہ کشیوں پر منحصر تھا۔ لہٰذا اس طرح کا اسلام یہاں برصغیر میں رائج ہو گیا۔ پروفیسر سلیمان اظہر سیرت محمد بن عبدالوہاب کے مقدمہ میں اس صورتِ حال کا نقشہ اِن الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''عوام عموماً ہندومت سے تائب ہو کر صوفیاء کے توسط سے مسلمان ہوئے تھے۔ لیکن تبدیلی مذہب سے ان کی معاشرت میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ پہلے مندروں میں بتوں کے سامنے سربسجود تھے تو اب مقابر سجدہ گاہ بن گئے۔ پہلے دیوتاؤں کے سامنے دستِ دعا دراز کیا جاتا تھا۔ اب صوفیاء اور پیروں سے مرادیں مانگی جانے لگیں۔ احکامِ اسلام کی پابندی اور اعمالِ حسنہ کی کوئی قیمت نہ تھی۔ روحانی مدارج، شرکیہ وظائف، قبروں② پر چلّہ کشی اور مرشد کی توجہ کے محتاج ہو کر رہ گئے تھے۔③

پھر ان بزرگوں کی غیب دانی، حاجت روائی، مشکل کشائی اور تصوف فی الامور اور تصورِ شیخ جیسے مشرکانہ عقائد اس قدر عام ہوئے کہ کوئی ایسی باتوں کو شرک سمجھتا بھی نہ تھا۔ اس ظلمت کدہ کفر و شرک میں چند عالم صوفیاء مثلاً حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے بعض مشرکانہ افکار و نظریات پر کاری ضرب لگائی مگر چونکہ ان کا دامن بھی طریقت میں الجھا ہوا تھا۔ اس لیے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہو سکے۔

---

① گلزار ابرار، اردو، ص: ۸۴، ۸۵.

② شریعت اسلامیہ نے کسی دیوی کے چرنوں میں ڈنڈوت بجالانے اور کسی قبر پر چلّہ کاٹنے یا معتکف ہونے دونوں کو شرک قرار دیا ہے۔ پھر صوفیاء کے برصغیر کے مسلمانوں پر جس احسانِ عظیم کا تذکرہ جناب خورشید احمد گیلانی صاحب نے فرمایا ہے۔ اس کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔

③ مقدمہ سیرت محمد بن عبدالوهاب، ص: ۵.

۳۔غیر مسلموں کے ساتھ مخلوط معاشرت:

ان بزرگوں نے الخلق عیال اللہ کی غلط تعبیر پیش کر کے ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں سب کو اپنی خانقاہ میں جمع کر لیا تھا۔اور ایک ایسا مخلوط معاشرہ پیدا کیا جو اپنے خیالات، عقائد اور مذہب کے مختلف ہونے کے باوجود اِن بزرگوں کو یکساں عزت وتکریم کی نظر سے دیکھتا تھا۔اور یہی دین طریقت کا وہ عنصر ہے، جو دین طریقت کو اسلام سے جدا کر دیتا ہے۔خلیق نظامی صاحب اپنی کتاب ''تاریخ مشائخ چشت'' میں اس حقیقت کو یوں پیش فرماتے ہیں:

> ''اگر تاریخ کے اشاروں پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سماجی نظام مشائخِ چشت کی کوششوں کا مرہونِ منت تھا۔انہوں نے ان علاقوں میں بسنے والے مختلف الخیال اور مختلف المذاہب لوگوں میں اتحادِ فکر پیدا کیا اور ان منتشر طبقوں کو ایک ایسے سماجی رنگ میں رنگ دیا۔جس نے ایک مضبوط معاشرہ کی شکل اختیار کر لی۔ ان بزرگوں کی خانقاہوں میں ہندو اور مسلمان سبھی جمع ہوتے تھے۔ان مشائخ نے اختلاف کے پردوں کو ہٹا کر ان میں ہم دلی اور ہم زبانی پیدا کی اور سماجی ماحول پیدا کر دیا''۔①

نیز شیعوں کے فرقہ اسماعیلیہ کے ایک تذکرہ نگار اپنی تصنیف نور مبین میں رقمطراز ہیں کہ

> ''پیر صدر الدین (م ۸ رجب ۸۱۹ھ) نے ہندوستان واپس آکر امام حاضر، اسلام شاہ کی زیارت کے بعد خود مختارانہ اسماعیلی مذہب کی دعوت کو نہایت زور سے کرنا شروع کیا۔نتیجتاً تین بڑے بڑے شہروں میں جماعتیں قائم ہو گئیں، پنجاب جماعت کے مکھی سیٹھ شام داس لاہوری، کشمیر جماعت کے مکھی سیٹھ تلسی داس اور سندھ جماعت کے مکھی ترکیم کو قائم کیا اور ضلع سندھ کے شہر کوٹری میں پیر صدر الدین کی حاضری میں پہلا جماعت خانہ تعمیر ہوا۔اور مال واجبات حضرت امام زمانہ کے حق کو تمام جماعتوں سے وصول کر کے پیر صدر الدین نے ایران میں امام کی خدمت میں مریدوں کے ذریعہ بھجوایا۔پیر صدر الدین ہندوستان کے اولیاء اللہ

① تاریخ مشائخ چشت، خلیق نظامی، ص: ۱۹۷۔

میں سید صدرالدین الحسینی کے نام سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ انہوں نے بارہ قبائل کے آدمیوں کو فہمایش کر کے امام زمان کا تعارف کرایا تھا۔ اس لیے انہیں بارہ گر بھی کہتے ہیں۔ ہندوؤں کے قدیم وید شاستر کی انہیں خوب واقفیت تھی اس لیے پیر صدرالدین، ہریش چندر اور سوہ دیو یعنی بڑے درویش کے نام سے بھی مشہور رہیں۔①

مندرجہ بالا اقتباس بار بار پڑھیے اور دیکھیے کہ ہمارے اولیاء اللہ اور پیر جو ہندوؤں کو مسلمان بناتے تھے۔ تو وہ کس قسم کا اسلام ہوتا تھا۔ مسجد کے بجائے جماعت خانے بنائے جاتے تھے۔ جن میں ایسے نومسلم اکٹھا ہوتے تھے۔ جہاں بالادستی ہندوؤں کی ہوتی تھی۔ مکھی دراصل جماعت خانے کا بڑا منتظم ہوتا ہے جو پنجاب کی جماعت کا بھی ہندو تھا اور کشمیر کی جماعت کا بھی۔ اور غالباً سندھ کا مکھی بھی ہندو تھا۔ کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بہتر نہ ہوگا کہ ہمارے اولیاء اللہ اور پیر ہندوؤں کو مسلمان نہیں بناتے تھے۔ بلکہ خود بھی ہندو بن جاتے تھے۔ جیسا کہ صدرالدین، ہریش چندر یا سوہ دیو (بڑا درویش) کے نام سے بھی مشہور رہیں۔

برصغیر میں مندرجہ بالا اوصاف سے متصف طرز کی اشاعت اسلام کرنے والے مندرجہ ذیل صوفیاء کے نام قابل ذکر ہیں:

۱۔ معین الدین چشتی سنجری اجمیری (م: ۶۳۳ھ)

۲۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م: ۶۳۴ھ)

۳۔ مخدوم علاؤالدین صابر کلیری (م: ۶۹۰ھ)

۴۔ بابا فرید گنج شکر (م: ۶۶۴ یا ۶۶۸ھ)

۵۔ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی (م: ۷۵۷ھ)

۶۔ شیخ نظام الدین اولیاء (م: ۷۲۵ھ)

۷۔ بہاؤالدین زکریا ملتانی (م: ۶۶۷ھ)

۸۔ سید محمد گیسودراز (م: ۸۲۵ھ)

① نور مبین، ص: ۴۸۷، ۴۸۸، مطبوعہ اسماعیلیہ ایشن برائے ہند بمبئی۔

۹۔ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی (م: ۷۳۵ھ)
۱۰۔ شیخ صدرالدین عارف (م: ۶۸۴ھ)
۱۱۔ شیخ جلال الدین تبریزی (م: ۶۴۲ھ)
۱۲۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت (م: ۷۸۵ھ)
۱۳۔ بُوعلی قلندر (م: ۷۲۴ھ)
۱۴۔ سید محمد غوث گیلانی قادری (م: ۹۲۳ھ)
۱۵۔ پیر صدرالدین (م: ۸۱۹ھ)
۱۶۔ لال شہباز قلندر
۱۷۔ منگھو پیر المعروف مگرمچھ پیر (ہندو انہیں لالہ جے راج کے نام سے مانتے تھے)۔

چونکہ یہ بزرگ صوفیاء موجودہ حکومت کے وفادار ہوتے تھے۔ اور کسی بھی غیر شرعی حکومت کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنا ان کی تعلیمات سے خارج تھا۔ لہٰذا یہ گروہِ صوفیاء سلاطین وقت کا ہمیشہ سے منظورِ نظر رہا ہے۔ سلاطین وقت ان کا اسی وجہ سے احترام کرتے تھے۔ ان کے آستانوں اور مزاروں پر حاضر ہوتے تھے اور ان کی خانقاہوں کے لیے جاگیر وقف کر دیا کرتے تھے۔ تاکہ یہ حضرات ان حکومتوں کو مضبوط و مستحکم بنانے کے سلسلے میں موثر کردار ادا کرتے رہیں۔ اور قوم کو اسی طرح کے اشغال میں مصروف و منہمک رکھیں تاکہ صورتحال میں مداخلت کی طرف انہیں بھولے سے خیال بھی نہ آسکے۔ مزارات اور خانقاہوں کے ساتھ جاگیروں کا الحاق آج بھی اس حقیقت کا زندہ ثبوت مہیّا کر رہا ہے۔

ابتداء میں کچھ صوفیاء ایسے بھی تھے جو سرکاری درباروں میں آمد و رفت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ البتہ ان کے عطا کردہ وظائف اور جاگیریں قبول فرمالیا کرتے تھے۔ مگر بعد میں آنے والے بزرگوں نے یہ روایت بھی ختم کر دی اور سرکاری درباروں سے باقاعدہ مراسم بھی شروع کر دیئے۔

---

① شریعت وطریقت: ص ۳۸۷ تا ۳۹۱.

تصوف تاریخ وحقائق

علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ

تصوف کی ابتداءاور اس کا ظہور

جس طرح لفظ تصوف کے اصل اور اس کی تعریف میں اختلاف ہے، اسی طرح اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ اس لفظ کا استعمال کب ہوا اور سب سے پہلے کس نے اس لفظ کو استعمال کیا۔ ابن تیمیہ، ابن الجوزی، ان خلدون وغیرہ کا اس بارے میں مؤقف یہ ہے کہ یہ لفظ ابتدائی تین صدیوں تک استعمال نہیں ہوا اور ۳۰۰ھ تک ہمیں کہیں بھی اس لفظ کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ تین صدیوں کے بعد یہ لفظ مستعمل اور مشہور ہوا۔ تاہم ائمہ اور شیوخ میں سے بہت سے حضرات کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اس لفظ کا استعمال کیا، مثلاً امام احمد بن حنبل، ابوسلیمان دارانی، سفیان ثوری وغیرہ سے یہ الفاظ منقول ہیں اور ان کے مخطوطات اور خطابات میں بھی اس لفظ کا ذکر ملتا ہے۔ ①

بعض حضرات کا خیال ہے کہ لفظ صوفی ابتدا میں استعمال نہیں ہوا اور یہ نیا لفظ ہے۔ سراج طوسی نے اپنی کتاب میں اس پر ایک باب قائم کیا اور ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے کہا:

> ''اگر کوئی پوچھنے والا یہ کہے کہ ہم نے تو اصحابِ رسول ﷺ میں صوفی کا لفظ نہیں سنا اور نہ ہی تابعین یا تبع تابعین میں سے کسی نے اس لفظ کو استعمال کیا۔ اس زمانے میں تو عباد، زہاد، سیاحین، فقرا اور صالحین کے لفظ استعمال ہوتے تھے۔ کسی نے بھی صحابی کے لیے لفظ صوفی کا استعمال نہیں کیا۔ تو اس بارے میں یہ کہوں گا کہ حضور ﷺ کا صحابی ہونا شان اور مرتبے والا مقام ہے۔ اور اس شرف پر چند حضرات ہی فائز ہوئے ہیں۔ یہ لفظ مخصوص حضرات کے لیے استعمال ہوا اور یہ اتنی عظمت والا لفظ تھا کہ اس کے ہوتے ہوئے ان لوگوں کے لیے کسی اور لفظ کے استعمال کو مناسب نہ سمجھا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، زہاد، متوکلین، فقرا، صالحین کے ائمہ تھے اور انہوں نے حضور ﷺ کی صحبت کی وجہ سے ہی یہ مقام حاصل کیا۔ تو جب صحبت کی وجہ سے انہیں صحابی کا لفظ مل گیا، جو کہ عظیم ترین لقب ہے، تو ان کے لیے

① ''الصوفیہ والفقراء'' مصنف شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ص ۵، مطبوعہ: القاہرہ۔ نیز ''مقدمہ ابن خلدون'' ص ۴۶۷۔ نیز تلبیس ابلیس'' مصنف ابن الجوزی، ص ۱۵۷، مطبوعہ: دار القلم بیروت لبنان۔

اس سے کم تر کسی لقب کا استعمال کیسے ہوسکتا ہے۔''

اسی طرح بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ لفظ صوفی کا استعمال سب سے پہلے بغداد میں ہوا، تاہم یہ قول بھی درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے دور میں بھی یہ لفظ معروف تھا اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے تو بہت سے صحابہ کرام کا دور بھی پایا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک دفعہ طواف کے دوران ایک صوفی کی ان سے ملاقات ہوئی تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اس کو کچھ توشہ اور زادِ راہ دینا چاہا، تو وہ صوفی کہنے لگا:

''میرے پاس چار دوانیق ہیں جو میرے لیے کافی ہیں اور اس سے زیادہ کی مجھے ضرورت نہیں۔''

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

''اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں کبھی بھی ریاء اور دکھلاوے کو سمجھ نہ پاتا۔ انہوں نے مجھے اس کی صحیح تعریف سمجھائی۔''

سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب، جس میں انہوں نے مکہ مکرمہ کے احوال لکھے، محمد بن اسحاق وغیرہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں انہوں نے کہا:

''اسلام سے قبل ایسا وقت بھی تھا جب بعض اوقات طواف کرنے والا ایک آدمی بھی نہیں ہوتا تھا، دور دراز سے کوئی صوفی آتا اور طواف کرنے کے بعد چلا جاتا۔''

اگر یہ بات درست ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے قبل بھی یہ لفظ معروف تھا اور اس زمانے میں اس لفظ کا استعمال نیک لوگوں یا اہلِ علم کے لیے کیا جاتا تھا۔①

سہروردی نے بھی اس طرح کی بات نقل کی ہے۔②

عبدالرحمان جامی نے اپنی کتاب میں تصحیح کی ہے:

''ابو ہاشم کوفی سب سے پہلے وہ شخص تھا جس نے صوفی کا لفظ استعمال کیا، اس سے

---

① ''اللمع'' مصنف طوسی، ص ۴۳-۴۲۔ نیز ''الفتوحات الٰہیہ'' مصنف ابن عجیبہ الحسنی، ص ۵۳، مطبوعہ: عالم الفکر القاہرہ۔

② ''عوارف المعارف'' مصنف سہروردی، ص ۶۳۔

قبل یہ لفظ کبھی استعمال نہیں ہوا۔ شام کے علاقہ رملہ میں سب سے پہلے صوفیوں کے لیے ایک خانقاہ بنی، اور اسے بنانے والا وہاں کا عیسائی بادشاہ تھا۔ اس بارے میں یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ رملہ کا عیسائی بادشاہ کسی جگہ گیا تو اس نے دو صوفی دیکھے جو آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ ان لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنی چاہیے۔ اس وقت ان لوگوں نے اکٹھے کھانا بھی شروع کر دیا اور انتہائی اچھے اخلاق کے ساتھ وہ آپس میں پیش آرہے تھے۔ بادشاہ کو ان کے معاملات اور اچھے اخلاق دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اس نے صوفیوں میں سے ایک کو بلایا اور دوسرے کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ بادشاہ نے پوچھا تمہارا اس کے ساتھ تعلق کیا ہے؟ اس نے کہا کوئی بھی نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا تو پھر تمہارے درمیان اتنی محبت اور اچھے اخلاق کیسے ہیں؟ درویش کہنے لگا یہ ہمارا طریقہ اور اسلوب ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تمہارے پاس کوئی رہنے کی جگہ یا ٹھکانہ ہے؟ تو کہنے لگا کہ ہمارے پاس تو ایسا کچھ بھی نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا میں تمہارے لیے رہائش کا انتظام کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے رملہ میں ان کے لیے یہ خانقاہ قائم کی۔''①

قشیری نے اپنی کتاب میں اس حوالے سے لکھا:

''یہ لفظ ہجری تقویم سے دو سو برس پہلے سے بھی استعمال ہوتا آیا ہے۔''②

مشہور صوفی بزرگ علی ہجویری نے اپنی کتاب میں ذکر کیا:

''تصوف حضور ﷺ کے زمانے میں بھی موجود تھا اور اس زمانے میں بھی اس کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا تھا۔'' دلیل کے طور پر ایک جھوٹی اور موضوع حدیث کا ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''جس نے اہل تصوف کی آواز سنی اور ان کی دعا پر آمین نہ کہی تو اللہ کے ہاں وہ

① ''نفحات الانس'' مصنف الجامی فارسی، ص ۳۲۔۳۱، مطبوعہ: ایران۔

② ''الرسالہ القشیریہ'' جلد ۱ ص ۵۳، تحقیق ڈاکٹر عبدالحلیم محمود، محمود الشریف۔ نیز ''جمهرة الاولیاء'' مصنف المنوفی الحسینی، جلد ۱، ص ۲۶۹، مطبوعہ: مؤسسة الحلبی القاهره.

غافلوں میں شمار ہوتا ہے۔''①

حالانکہ علی ہجویری اپنی ایک اور کتاب میں ابوالحسن کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تصوف ایک نام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس سے قبل یہ ایک حقیقت تھی جس کا نام نہیں تھا۔''

مزید تشریح کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

''یعنی یہ لفظ صحابہ اور سلف کے دور میں موجود نہیں تھا، تاہم اس لفظ کی جو خصوصیات ہیں اور جن اخلاق حمیدہ کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے، صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین ان اوصاف حمیدہ سے متصف تھے۔ اب یہ لفظ تو موجود ہے لیکن وہ صفات اور اس لفظ کی حقیقت موجود نہیں۔''②

مستشرقین جنہوں نے تصوف پر متعدد کتابیں لکھیں اور عام طور پر ان کا مؤقف صوفیوں کے حق میں ہی ہوتا ہے، ان میں سے مشہور مستشرق نیکلسن کا خیال بھی لفظ تصوف کے بارے میں وہی ہے جو جامی کا ہے، یعنی سب سے پہلے لفظ تصوف کا استعمال ابوہاشم الکوفی المتوفی ۱۵۰ھ کے لیے ہوا۔③

مشہور فرانسیسی مستشرق ماسینیوں کا خیال اس سے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''سب سے پہلے لفظ صوفی کا استعمال آٹھ سو پچاس عیسوی کو ہوا۔ اس لفظ کا استعمال سب سے پہلے جابر بن حیان کے لیے ہوا جو کہ مشہور کیمیا دان اور کوفہ کا ایک معروف شیعہ تھا۔ زہد اور تصوف کے حوالے سے اس کا اپنا خیال اور مسلک تھا۔ ابو ہاشم کوفی بھی مشہور صوفی ہے اور اس کا تعلق بھی کوفہ سے ہی ہے۔''

اگر اس لفظ صوفی کو جمع یعنی ''صوفیاء'' کے طور پر استعمال کیا جائے تو یہ سب سے پہلے ۱۸۹ھ ''۸۱۴ء'' کو استعمال ہوا۔ اسکندریہ جو کہ مصر میں ہے، وہاں کسی معاملے پر کوئی جھگڑا کھڑا ہوا، اس جھگڑے کے درمیان پہلی جگہ یہ لفظ سنائی دیا۔ کوفہ میں

① ''کشف المحجوب'' مصنف الہجویری، عربی ترجمہ ص ۲۲۷.

② مذکورہ بالا حوالہ، ص ۲۳۹.

③ ''التصوف الاسلامی وتاریخہ'' مصنف نیکلسن، عربی ترجمہ ابوالعلا العفیفی، ص ۳، مطبوعہ: قاہرہ.

ایک فرقہ تھا جو اپنے عقائد کے اعتبار سے تو شیعیت کے قریب تھا مگر وہ اپنے آپ کو صوفی کہتے تھے۔ ان کا آخری امام عبدک نامی شخص تھا جس کا عقیدہ یہ تھا کہ امامت، وراثت اور تعین کرنے کے ساتھ متعین ہوتی ہے۔ عبدک گوشت نہیں کھاتا تھا اور سن ۲۱۰ ھ کے قریب اس کا انتقال ہوا۔ اسکندریہ میں کسی جھگڑے کے موقع پر اس فرقے کے لوگوں کے بارے میں بات ہو رہی تھی تو سب سے پہلے اس لفظ کا استعمال ہوا۔ گویا صوفی کا لفظ آغاز میں کوفہ میں ہی مستعمل ہوتا رہا۔'' ①

ماسینیون مزید کہتا ہے:

''عبدک بغداد میں رہنے والا ایک معتزلی تھا اور سب سے پہلے صوفی کے لفظ سے یہی مشہور ہوا۔ اس کے زمانے میں یہ لفظ کوفہ کے شیعوں کے لیے استعمال ہوتا تھا، اسکندریہ میں بھی شیعہ اس لفظ کو استعمال کرنے لگے۔ چونکہ عبدک گوشت نہیں کھاتا تھا اور لوگوں کو بھی اس سے منع کرتا تھا لہٰذا عام طور پر اس کے بارے میں یہی مشہور تھا کہ وہ زندیق اور بے دین ہے۔ اسی کے بارے میں مشہور ہے کہ صوفی سب سے پہلے اس کو کہا گیا۔''

ہمذانی کا خیال بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ اس کا کہنا ہے:

''قرونِ اولیٰ میں نیک لوگ صوفی کے لفظ سے نہیں پہچانے جاتے تھے۔ بلکہ یہ لفظ تیسری صدی میں آکر مشہور ہوا اور سب سے پہلے بغداد میں عبدک نامی شخص کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا۔ عبدک، بشر بن حارث الحافی اور سری بن المفلس السقطی سے پہلے کا صوفی ہے اور اس کا شمار صوفیوں کے بڑے مشائخ میں سے ہوتا ہے۔'' ②

عجیب بات یہ ہے کہ یہ تینوں حضرات جن کا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے اور جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے لیے سب سے پہلے صوفی کا لفظ استعمال ہوا، ان کے عقاید کے بارے میں بہت سے

① ''دائرۃ المعارف الاسلامیہ'' اردو، جلد ۶، ص ۴۱۹۔ مطبوعہ: پنجاب یونیورسٹی پاکستان۔ نیز ''دائرۃ المعارف الاسلامیہ'' عربی ترجمہ۔

② ''التصوف'' مصنف ماسینیون، مصطفیٰ عبدالرزاق، ص ۵۶۔ ۵۵، مطبوعہ: دارالکتاب اللبنانی ۱۹۸۴۔ نیز ''تاریخ التصوف فی الاسلام'' مصنف ڈاکٹر قاسم غنی، عربی ترجمہ صادق نشات، ص ۶۴، مطبوعہ: مکتبۃ النہضۃ المصریہ القاہرہ۔

لوگوں کے مختلف اقوال ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے ان کے بارے میں فسق وفجور حتی کہ زندیق ہونے کا الزام لگایا ہے۔ بالخصوص جابر بن حیان اور عبدک کے بارے میں تو عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ وہ زندیق اور بے دین تھے، جیسا کہ تفصیلاً یہ بحث آگے بھی آئے گی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اس بارے میں خیال ہے:

''لفظ صوفی پہلے تین صدیوں میں مشہور نہیں تھا، بعد میں یہ لفظ مستعمل اور مشہور ہوا۔''① ابن خلدون کا بھی یہی موقف ہے۔②

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ لفظ صوفی جدید اختراع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے دور میں اس لفظ کے استعمال کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

جہاں تک یہ بات کہی جاتی ہے کہ صوفی اخلاق حمیدہ سے متصف ہوتے ہیں، تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعتبار سے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں۔ دنیا اور اس کی آلائش سے آپ دور رہتے تھے۔ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کی سیرت اور طریقے پر چلے۔ انہوں نے دنیا و مافیہا کو لہو ولعب ہی شمار کیا، دنیا کے بارے میں ان کا خیال یہی تھا کہ یہ ڈھلتی چھاؤں اور فنا ہونے والی چیز ہے۔ اموال واولاد اللہ پاک کی طرف سے آزمائش ہے۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا کے حصول کو اپنا مقصد نہیں بناتے تھے بلکہ زندگی گزارنے کا ان کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا اور آخرت کی تیاری کرنا تھا۔ وہ اللہ پاک کے غضب اور عذاب سے ہر وقت ڈرتے رہتے تھے۔ دنیا میں حلال طریقے سے کمانے اور محنت کرنے پر یقین رکھتے تھے، جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ان سے اجتناب کرتے تھے، ہمیشہ اعتدال کے طریقے پر چلتے تھے، قناعت اور زہد اِن کا طرزِ زندگی تھا۔ کبھی بھی انہوں نے احکامِ خداوندی سے تجاوز یا اس میں افراط وتفریط نہیں کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بالخصوص خلفائے راشدین، پھر عشرہ مبشرہ، پھر بدری صحابہ، پھر بیعت الرضوان میں شامل ہونے والے صحابہ کرام، پھر مہاجرین وانصار میں سے سابقون الاولون، پھر عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ یہ فضیلت کے اعتبار سے ان کی ترتیب ہے اور وہ اخلاقِ حمیدہ کے سرخیل اور ائمہ تھے۔

---

① ''الصوفیہ والفقراء'' مصنف شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ص ۵۔

② ''مقدمہ ابن خلدون'' ص ۴۶۷۔

ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ جو خیر القرون کے باسی تھے اور ان کے لیے بھی حضور ﷺ نے فضیلت اور خیر کی دعا کی ہے۔ ان کی شان یہ تھی کہ جب کھانے کو کچھ مل جاتا تو کھا لیتے اور اللہ پاک کا شکر ادا کرتے، جب کچھ نہ ملے تو تقدیر پر راضی ہوتے اور صبر کرتے۔ عام طور پر سفید لباس پہنتے تھے۔ رومی جبہ پسند کرتے تھے۔ تہائی مال سے زیادہ صدقہ کرنے سے منع کرتے تھے۔ اپنے اور گھر والوں کے حقوق کی حفاظت کا حکم دیتے تھے۔ اپنے آپ کو تکلیف دینے، تھکانے اور برداشت سے زیادہ اپنے جسم پر بوجھ ڈالنے سے منع کرتے تھے۔ رات بھر قیام والی بات بھی ان سے منقول نہیں بلکہ وہ جسم اور بدن کو راحت اور آرام پہنچاتے تھے۔ طلب حلال کی کوشش کرتے تھے۔ دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں ڈھونڈتے رہتے تھے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تبع تابعین رحمہ اللہ کی شان تھی اور قرآن پاک میں مختلف آیات کے ذریعے اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا۔

﴿اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰى ۝ وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَ وَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰى ۝ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَ اَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝﴾ ①

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تبع تابعین رحمہ اللہ کے بعد جو لوگ آئے وہ مکمل طور پر حضور ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے نہیں تھے۔ چونکہ دورِ نبوت کو گزرے کافی عرصہ ہو چکا تھا لہٰذا رہن سہن اور طرز زندگی میں بہت سی خرافات شامل ہو گئیں۔ نمود ونمائش اور خوشحالی کا دور آ گیا۔ آسمان اور زمین کی ساری نعمتیں ان کے لیے اکٹھی ہو گئیں۔ زمین کے سارے خزانے ان کے سامنے کھل گئے۔ مختلف ممالک فتح ہوئے اور وہاں کی ساری خرافات بھی ان علاقوں میں آنے لگیں۔ فاتحین تو دنیا کی نعمتیں اور مزے لوٹنے لگے مگر جو لوگ اس سے متاثر ہوئے انہوں نے خانقاہوں اور مزارات کا سہارا لیا اور دنیا سے فرار اختیار کیا۔

دراصل یہ نعمتوں اور آسائشوں والی زندگی کا ردعمل تھا اور جس طرح بعض لوگ دنیاوی آسائشوں میں افراط وتفریط کا شکار ہو گئے، اسی طرح یہ لوگ دینی معاملے میں غلو کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے اپنے اوپر تقدس اور پاکی کا رنگ اوڑھ لیا اور نیک لوگوں کی شہرت اختیار کر لی۔ خانقاہوں اور مزاروں کا سہارا لینے کی اور بھی بہت ساری وجوہات تھیں، اس زمانے میں کافروں کی سازشیں بھی اپنے

① سورۃ الضحیٰ، ۶ تا آخر سورت۔

عروج پر تھیں جنہوں نے مسلمانوں کے درمیان بہت سے نئے فلسفے داخل کیے اور زندگی کے متعلق مسلمانوں کی رائے وہ نہ رہی جو حضور ﷺ کے دور میں تھی۔ چنانچہ تصوف کی ایک مخصوص صورت ابھر کر سامنے آئی، تصوف ایک مسلک بن گیا اور بعض لوگوں نے اسے گلے لگایا اور اس مسلک کے پیروکار بن گئے۔ سادہ لوگ غور وفکر کے بغیر ہی اس میں داخل ہوتے گئے۔ انہوں نے سوچ وبچار کیے بغیر صوفیوں کی باتیں ماننا شروع کر دیں۔ انہیں یہ پتہ ہی نہیں تھا کہ اس مسلک کی اصل اور بنیاد کیا ہے؟ وہ تو اپنی سادگی میں تقرب الی اللہ اور نیکی کے لیے اس راستے کو اختیار کر رہے تھے۔

مگر یہاں تو معاملہ الٹ ہی تھا۔ چونکہ ان لوگوں پر قناعت اور سادگی کا پردہ پڑا ہوا تھا اس لیے عام طور پر سادہ لوح لوگ ان کی اصل پہچان نہ سکے۔ حالانکہ اسلام کو تباہ کرنے کے لیے ایک سازش تھی اور اسلام کے قلعے میں یہ ایک عظیم نقب تھی۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اسلام میں اپنے افکار وخیالات داخل کرنے کے لیے یہ راستہ اپنایا۔ اسی طرح زرتشتیوں، مجوسیوں، ہندوؤں، بدھوؤں اور یونانی فلسفہ کے پیروکاروں نے بھی تصوف کے ذریعے ہی اپنے خیالات اسلام میں داخل کیے۔ چنانچہ ان کی تعلیمات اکثر مقامات پر اسلامی تعلیمات اور حضور ﷺ کے فرمودات سے متصادم ہیں۔ مثلاً صوفیوں کی تعلیمات میں اسلام کی تنسیخ اور شریعت کا ابطال وحدۃ الوجود کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کا مسلک وحدۃ الادیان کا ہے جو اسلامی تعلیم کے سراسر مخالف ہے۔ صوفیوں کے نزدیک نبوت کا سلسلہ جاری ہے، ان کے نزدیک ولی کو انبیاء اور رسل پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ جھوٹے واقعات اور من گھڑت کہانیوں کو پھیلانا ان کا وتیرہ ہے۔ اور جھوٹی باتوں کو پھیلانے کے لیے یہ کرامات کا سہارا لیتے تھے۔

تصوف بطور مسلک کے تیسری صدی میں مشہور ہوا اور تیسری صدی میں آکر ہی اس کی اصطلاحات، اس کی تعلیم مرتب ہوئیں، اس کے قواعد وضوابط وضع کیے گئے، اس کا فلسفہ سامنے آیا اور اس کے پیروکاروں اور اس کے رہنماؤں کے خیالات بھی سامنے آئے۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں لکھتے ہیں:

"حضور ﷺ کے زمانے میں لوگوں کی نسبت ایمان اور اسلام کی طرف ہوتی تھی۔ چنانچہ کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص مومن ہے یا مسلم ہے۔ پھر زاہد اور عابد کا لفظ ایجاد

ہوا۔ کچھ لوگ زہد اور عبادت کے اعتبار سے مشہور ہوئے، انہوں نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی اور اپنی پوری توجہ عبادت پر مرکوز کر دی۔ اس کے لیے انہوں نے ایسا طریقہ کار اختیار کیا جو اس زمانے میں مشہور اور مروج نہ تھا۔ لفظ صوفی دوسری صدی کے آخر میں مشہور ہوا۔ اس لفظ کے مشہور ہونے کے بعد اس کے بارے میں بحث وتحقیق کا آغاز ہوا، چنانچہ ہر شخص لفظ صوفی کی تعریف اپنے انداز میں کرنے لگا۔

مشہور قول یہی ہے کہ تصوف ریاضت نفس، مجاہدہ، برے اخلاق کا ترک، اچھے اخلاق کا حصول، زہد، بردباری، صبر، اخلاص، صدق اور اس طرح کے اخلاق حمیدہ کے لیے کوشش ومحنت کا نام ہے۔ ابتدا میں لوگ اچھے اخلاق اور شریعت کے اتباع کو ہی تصوف سمجھتے تھے۔ مگر بعد میں شیطان نے اس میں بہت سی نئی چیزیں ڈال دیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں نئی چیزیں شامل ہوتی گئیں اور شیطان کو اپنی کارروائیاں کرنے کا موقع ملتا رہا۔ اس کے حوالے سے شیطان کو بڑی کامیابی یہ حاصل ہوئی کہ اس نے صوفیوں پر علم کے دروازے بند کر دیئے اور انہیں یہی باور کرایا کہ اصل چیز عمل ہے، علم کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب صوفیوں نے علم کو چھوڑ دیا اور آہستہ آہستہ علم کا چراغ بجھتا گیا تو لوگ جہالت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگے اور آہستہ آہستہ مذہب اور علم کی جگہ خرافات اور جھوٹی کرامات نے لے لی۔

بعض لوگوں کا خیال یہ ہوا کہ دنیا کو چھوڑ کر وہ مقصود حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ دنیا تو ایک بچھو ہے۔ جو اس کو اختیار کرے گا وہ اسے ضرور ڈسے گی۔ حالانکہ انہیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے تھی کہ دینی مقاصد حاصل کرنے کے لیے بھی ہمیں اپنی دنیا بہتر بنانی پڑتی ہے اور مال ودولت کے ذریعے ہم بہتر انداز میں دین کی خدمت کر سکتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی تھے جو پوری پوری رات سوتے نہیں تھے۔ اگرچہ ان کا مقصد یا نیت تو اچھی تھی مگر انہوں نے اس کے

لیے غلط راستہ استعمال کیا اور اس کی بنیادی وجہ وہ غلط روایات تھیں جو تصوف کی بنیاد ہیں۔

پھر ان کے بعد کچھ لوگ ایسے آئے جنہوں نے بھوک، فقر، وساوس اور خطرات پر زیادہ توجہ دی اور اس پر کافی بحث اور غور وخوض کیا۔ ان میں سے مشہور لوگ حارث المحاسبی وغیرہ ہیں۔ پھر کچھ لوگ ایسے آئے جنہوں نے تصوف کو مہذب انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس میں کچھ ایسی چیزیں شامل کیں جس کی وجہ سے تصوف انہی چیزوں کے ساتھ پہچانا جانے لگا مثلاً سماع، وجد، رقص، تالیاں بجانا، اسی طرح انہوں نے پاکی اور طہارت پر زور دیا۔ بات بڑھتی گئی اور ہر آنے والا بزرگ اپنی طرف سے کوئی نہ کوئی چیز ڈالتا گیا۔ کچھ علما بھی ان کے ساتھ متفق ہوئے اور انہوں نے علم کو دو اعتبار سے تقسیم کر دیا۔ علمِ ظاہر اور علمِ باطن۔ علمِ ظاہر شریعت کو اور علمِ باطن تصوف کو کہنے لگے۔ اپنے بے جا عقاید اور بے مقصد ریاضت کی وجہ سے ان میں سے بہت سے لوگوں کی حالت بگڑ گئی اور انہوں نے اللہ کے ساتھ عشق اور اس عشق کی مختلف صورتیں اور شکلیں بیان کرنی شروع کر دیں۔ خدا کے لیے انہوں نے خوبصورت سی شکل تخلیق کی اور اس کی پوجا کرنے لگے۔ ان کے عقائد کفر اور بدعت کے درمیان تھے۔ جوں جوں لوگ اس سلسلے میں آگے بڑھتے گئے، ان کے عقائد بھی بگڑتے گئے۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ حلول اور کچھ لوگ وحدت کی باتیں کرنے لگے۔ شیطان اپنی کارروائی دکھاتا گیا۔ یہ لوگ تصوف میں ڈوبتے گئے اور بالآخر انہوں نے اسے ایک مسلک کی شکل دے دی۔ ایسا مسلک جس کے اپنے طریقے اور سنتیں تھیں، جس کے اپنے ضوابط وقواعد تھے، حتی کہ ابوعبدالرحمان السلمی نے تصوف پر ایک کتاب ''کتاب السنن'' کے نام سے لکھی جس میں تصوف کی سنتوں، اس کے فرائض اور اس کے طریق کار کے بارے میں بحث کی گئی۔ اس کتاب میں ابوعبدالرحمان السلمی نے قرآن کی مختلف آیات کی من گھڑت تشریحات کیں اور ایسی ایسی باتیں کیں جس کی کوئی اصل اور بنیاد نہیں تھی۔

یہی ابوعبدالرحمان السلمی ہے جس کے بارے میں ابومنصور عبدالرحمان القزاز کہتے ہیں۔ ''ابوبکر الخطیب نے محمد بن یوسف القطعان النیشاپوری سے نقل کیا ہے کہ ابوعبدالرحمان سلمی غیر ثقہ ہے اور عام طور پر یہ الاصم سے روایت نقل کرتا ہے۔ حالانکہ الاصم اور السلمی کے درمیان بہت ہی کم عرصہ تعلق قائم رہا۔ جب الحاکم ابوعبداللہ البیع کا انتقال ہوا تو یحییٰ بن معین وغیرہ کے حوالے سے یہ روایتیں نقل کرنے لگا۔ یہ صوفیوں کے لیے احادیث گھڑنے کے اعتبار سے مشہور ہے۔''

ابونصر السراج نے بھی اپنی کتاب ''لمع الصوفیہ'' کے نام سے لکھی جس میں اس نے بہت سی بیہودہ باتیں اور غلط قسم کے عقیدے لکھے جس کا ہم ان شاء اللہ آگے ذکر کریں گے۔ ابوطالب مکی نے ''قوت القلوب'' کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اس نے بھی جھوٹی حدیثوں کو جمع کیا۔ بہت ساری موضوع روایات اور غلط قسم کے عقیدوں سے اس کتاب کو بھر دیا۔ مثلاً ایک مقام پر وہ لکھتا ہے:

''بعض اہل کشف کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اولیاء کو اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔''

ابومنصور القزاز کہتے ہیں کہ

ابوبکر الخطیب نے ابوطاہر محمد بن العلاف کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ابوحسین بن سالم کی وفات کے بعد ابوطالب مکی بصرے میں آیا اور ابوحسین بن سالم کے مقالات پر اعتراض کرنے لگا۔ اس کے بعد بغداد آیا تو لوگ اس کے اردگرد اکٹھے ہوگئے۔ اس نے وعظ کا آغاز کیا اور اپنی طرف سے بہت ساری باتیں اس وعظ میں شامل کردیں۔ جب اس نے یہ بات کہی کہ بندوں کو سب سے زیادہ نقصان ان کا خالق ہی پہنچاتا ہے تو لوگ اس کے درپے ہوگئے اور انہوں نے اس کو علاقہ بدر کردیا۔ اس نے لوگوں کے ساتھ بات چیت ختم کردی اور عام مجالس میں آنا جانا کم کردیا۔

الخطیب مزید کہتے ہیں کہ

ابوطالب المکی نے ایک کتاب ''قوۃ القلوب'' کے نام سے لکھی اور اس میں بہت سی من گھڑت اور بے بنیاد باتیں شائع کیں۔ اسی طرح ابونعیم الاصبہانی نے صوفیوں

کے لیے ایک کتاب ''کتاب الحلیۃ'' کے نام سے لکھی اور تصوف کے بارے میں بہت سی باتیں شامل کیں۔ جسے ایک عام آدمی شرم وحیا کی وجہ سے ذکر ہی نہیں کرتا۔ انہوں نے جرأت کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی صوفی تھے۔ چنانچہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنی کتاب میں عجیب عجیب باتیں نقل کیں۔ اسی طرح انہوں نے قاضی شریح، حسن بصری، سفیان ثوری اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو بھی صوفیوں میں شمار کیا۔

ابوعبدالرحمان السلمی نے اپنی کتاب ''طبقات الصوفیہ'' میں فضیل، ابراھیم بن ادھم، معروف کرخی وغیرہ کو بھی اکابر صوفیاء میں شمار کیا۔

تصوف ایک علیحدہ مسلک اور مکتبۂ فکر ہے۔ اس میں اور زہد وتقویٰ میں واضح فرق موجود ہے۔ یاد رہے کہ زہد وتقویٰ کا تو کوئی بھی مخالف نہیں ہے اور نہ کسی کو اس پر اعتراض ہے۔ بلکہ یہ عادتِ حمیدہ ہے۔ اختلاف تصوف کے اوپر ہے اور اسی کے عقائد اور افکار مختلف فیہ ہیں۔ عبدالکریم بن ہوزان القشیری نے بھی ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام اس نے ''الرسالہ'' رکھا۔ اس کتاب میں اس نے فنا، بقا، قبض، بسط، وقت، حال، وجد، وجود، بے خودی، اثبات، تجلی، محاضرہ، کشف، تکوین، حقیقت اور اس طرح کی اور بھی بہت ساری چیزوں کے بارے میں عجیب وغریب بحث اور کلام نقل کی ہے اور ایسے ایسے اس کی تشریح وتفسیر بیان کی کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ حالانکہ ان چیزوں کا اسلام اور مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔

محمد بن طاہر المقدسی نے ایک کتاب ''صفوۃ التصوف'' کے نام سے لکھی، اس میں ایسی چیزیں بیان کیں جن کو صاحب عقل بیان کرتے ہوئے بھی شرماتا ہے۔ ہم ان تمام اقوال اور عقائد کو اس کے مقام پر ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

شیخ ابوالفضل بن ناصر الحافظ کا ابن طاہر کے بارے میں قول ہے کہ ابن طاہر ہر معاملے میں اباحت کا قائل تھا۔ اس نے ایک کتاب لکھی جس میں مخطوبہ کی طرف دیکھنے کے جواز پر دلائل دیئے گئے۔

شیخ ابن ناصر کے مطابق ابن طاہر قابل حجت نہیں ہے اور عام طور پر یہ من گھڑت باتیں نقل کرتا رہتا ہے۔

ان کے علاوہ ابو حامد الغزالی نے بھی ''کتاب الاحیاء'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں تصوف کے طریقوں کے بارے میں بحث کی گئی۔ اس کتاب میں امام غزالی نے باطل احادیث کی بھر مار کر دی، علم مکاشفہ کے بارے میں ایسے ایسے اقوال نقل کیے جو کسی قاعدے اور قانون کے تحت نہیں اور جنہیں مذہب کے علاوہ عقل سلیم بھی تسلیم نہیں کرتی۔ امام غزالی کے مطابق چاند اور ستاروں سے مراد اللہ تعالیٰ کے انوار و حجابات ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے جس چاند سورج اور ستاروں کو ملاحظہ کیا تھا وہ دراصل وہ چاند اور ستارے نہیں تھے جنہیں ہم دیکھتے ہیں۔ غزالی نے معروف اقوال کو ردّ کر کے اپنی طرف سے بہت سی باتیں اس کتاب میں شامل کیں۔ اسی کتاب میں ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں:

> ''صوفی بیداری کی حالت میں فرشتوں اور انبیاء کی ارواح کا مشاہدہ کرتے ہیں، ان کی آوازیں سنتے ہیں اور اس مشاہدے سے انہیں بہت سارے فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ یہ مشاہدہ آہستہ آہستہ بہت ترقی کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ انہیں اس مشاہدے کی سعادت بھی حاصل ہو جاتی ہے جس کے بارے میں زبان بتانے سے قاصر ہے۔''①

تو یہ اس مذہب اور مسلک کی بنیادیں ہیں۔ ان من گھڑت اور باطل اقوال کی بنیاد پر تصوف کی ساری عمارت کھڑی ہے۔ اس کے مصادر، مراجع، تعلیمات اور منہج کے بارے میں ہم ابھی بحث کریں گے۔ تاہم یہاں تک جو ہم نے باتیں لکھیں، اس سے بھی یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ تصوف کی تعلیمات اسلامی تعلیمات بلاشک وشبہ سے مخالف اور مقابل ہیں۔②

---

① ''تلبیس ابلیس'' مصنف ابن الجوزی، ص ۱۵۶، مطبوعہ: دار القلم بیروت لبنان۔

② تصوف تاریخ وحقائق ص: ۵۶ تا ۶۷۔

شیعیت اور تصوف

شیعیت دراصل یہودیت کا چربہ ہے، شیعیت کے موجد اور بانی یہودی ہیں جنہوں نے اس کی بنیاد رکھی، اصول وضع کیے، قواعد مرتب کیے۔ شیعیت کا بانی عبداللہ بن سبا تھا جس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام میں نقب لگائی۔ تقیہ اور دھوکے کا چولا پہن کر مسلمانوں کو فریب دیا۔

تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ شخص یمن سے مدینہ منورہ آیا، اس کا مقصد ہی اسلامی ارکان کا خاتمہ اور اسلام کی تباہی تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے مسلمانوں کے درمیان تفریق اور اختلاف کے بیج بوئے اور بغض وعداوت کی آگ بھڑکائی۔ یہی وہ شخص ہے جس نے مسلمانوں کے درمیان گالم گلوچ اور لعن طعن کی ترویج کی۔ اصل میں یہ یہودی تھا، مسلمان ہونے کا ڈھونگ رچایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں شامل ہوگیا۔ یہودیوں کے مذہب کے مطابق یوشع بن نون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصی تھے، عبداللہ بن سبا نے اسی طرز پر یہ مشہور کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہوں گے۔ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی فرضیت کا اعلان کرنے والا شخص بھی یہی تھا۔ اسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دشمنوں پر تبرا بازی کی، ان کو کافر قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ ازم کے ناقدین برملا کہتے ہیں کہ شیعیت اور رافضیت یہودیت سے ماخوذ ہے۔①

عبداللہ بن سبا کے جھنڈے تلے بہت سے یہودی اکٹھے ہوگئے، ایران کے شکست خوردہ عراق کے مفتوحین، اہل عرب کی بالادستی کے مخالف، عربوں کے دیرینہ مخالفین، سبھی اس کے جھنڈے میں آگئے، یوں عبداللہ بن سبا کو بنا بنایا ماحول ملا اور اس نے ان لوگوں پر مشتمل ایک لشکر ترتیب دیا۔

① "رجال الکشی" ص/۱۰۱' مطبوعہ: مؤسسۃ الاعلمی' کربلا عراق۔ نیز "تنقیح المقال" مصنف مامقانی' ج/۲' ص/۱۸۴' مطبوعہ: تہران۔ نیز "فرق الشیعہ" مصنف نوبختی' ص/۴۴۔۴۳' مطبوعہ: المطبعۃ الحیدریہ' نجف عراق ۱۳۷۹ھ۔ نیز "کتاب المقالات والفرق" مصنف سعد بن عبداللہ القمی' ص/۲۱' مطبوعہ: تہران ۱۹۶۲ء۔ نیز "رجال الطوسی" ص/۵۱' مطبوعہ: نجف۔ نیز "تحفۃ الاحباب" ص/۱۸۴۔ نیز "ناسخ التواریخ" ج/۳ ص/۳۹۳' مطبوعہ: ایران۔ نیز "کتاب الرجال" مصنف الحلی' ص/۴۶۹' مطبوعہ: تہران ۱۳۸۳ھ۔ نیز "منہج المقال" مصنف استرآبادی' ص/۳۰۳۔ نیز "شرح ابن ابی" مصنف ابوالحدید' ج/۲ ص/۳۰۹۔ اس کے علاوہ بھی شیعوں کی بہت سی کتب میں یہ حوالہ مذکور ہے۔

عبداللہ بن سبا نے اس بات کو واضح طور پر محسوس کیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کھلی جنگ نہیں کر سکتا، وہ مسلمانوں کی شان وشوکت کو براہ راست ختم نہیں کر سکتا، چنانچہ اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھا اور مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو گیا۔ اس نے مسلمانوں میں یہودی، مجوسی اور عیسائی افکار داخل کیے، اس کا اصل مقصد اسلام اور مسلمانوں سے انتقام لینا تھا۔ اس نے ایسے ایسے عقائد داخل کیے جو اس سے قبل مسلمانوں نے نہیں سنے تھے۔ مثلاً اس نے حلول کا عقیدہ داخل کیا جس کے مطابق خدا بندے میں حلول کرتا ہے۔ اسی نے حضور ﷺ کے بعد نبوت کے اجراء کا دعویٰ کیا، یہی وہ شخص تھا جس نے اماموں پر وحی کے نزول، فرشتوں کی آمد، معصومیت، ہر زمانے میں امام کا نزول، وصیت اور ولایت کا عقیدہ، امام کا چھپنا، تاویل، علم کی ظاہر و باطن اقسام، لوگوں کی عموم و خصوص میں تقسیم، شریعت کی تنسیخ، اسلامی تعلیمات کا خاتمہ اور اس طرح کے نئے ڈھکوسلے اسلام میں داخل کیے، حالانکہ ان کا اسلام کے ساتھ دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان ڈھکوسلوں کے ذریعے اس نے اسلام میں شکوک وشبہات کے بیج بوئے۔ بنیادی مقصد اسلام کو ختم کرنا تھا۔

عبداللہ بن سبا کے بعد شیعوں نے اس اصل مقصد کو آگے چلایا اور اس کی آبیاری کی۔ اس حوالے سے شیعوں نے جو خدمات سرانجام دیں انہیں کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ سب سے پہلے انہوں نے داماد رسول، تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، ان کی شہادت کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان تفرقے اور اختلاف پیدا ہوئے جو شیعوں کا بنیادی مقصد تھا۔ ایسے ایسے گروہ اور فرقے سامنے آئے جن کا پہلے کبھی نام بھی نہ سنا گیا تھا۔ اختلاف اور تفرقہ بازی کے اس ماحول میں ان نئے فرقوں کی خوب پرورش ہوئی، یہاں تک کہ لوگوں کو مصدر اصلی یعنی قرآن وسنت بھول ہی گئے۔

عبداللہ بن سبا اور اس کے متبعین کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے درمیان فتنے فساد پیدا کیے جائیں، یہ فتنے دونوں اعتبار سے تھے، مادی اور فکری فتنے۔ مادی فتنوں کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے اور انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ فکری فتنوں کی وجہ سے مسلمان اپنے مصدر حقیقی سے دور ہوتے گئے۔ حضور ﷺ کے ارشادات کو بھول گئے، کتاب اللہ کے احکامات کو نظر انداز کرنے لگے، انتشار اور لڑائی جھگڑے کے اس دور میں ہی ایک نئے مسلک یعنی تصوف نے جنم لیا، تصوف کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ تصوف کی پیدائش کا

وہی وقت ہے جب یہودیت نے شیعیت کے ذریعے اسلام پر یلغار کی ہوئی تھی۔ یہودیوں نے شیعہ ازم کے ذریعے بہت سے فرقوں کی پرورش کی، تاہم ان تمام فرقوں کو پرکھنے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان کی بنیاد شیعہ ازم ہے۔

یہی معاملہ تصوف کا ہے۔ اسلامی تاریخ کے اندر وہ پہلے تین افراد جو صوفی کے لقب سے مشہور ہوئے، وہ تینوں شیعہ تھے اور ان مقامات پر رہائش پذیر تھے جو اس دور میں شیعیت کے مراکز تھے، یعنی کوفہ۔

ان تین میں سے ایک ابو ہاشم الکوفی ہے جس کے بارے میں کچھ باتیں تو ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں، یہ کوفہ کے مشہور شیعوں میں سے تھا بلکہ اس کے بارے میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ وہ زندیق اور دہریہ تھا۔①

دوسرا شخص جابر بن حیان ہے۔

جابر بن حیان کے بارے میں مشہور مستشرق ماسینئن کہتا ہے

''تاریخ میں یہ پہلا شخص ہے جو صوفی کے لقب سے مشہور ہوا۔ آٹھویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں اس کا نام سامنے آیا، یہ کیمیا دان اور کوفہ کا مشہور شیعہ ہے۔ تصوف میں اس کا خاص مقام ہے۔''②

نیکلسن اس کے بارے میں کہتا ہے:

''جابر بن حیان مشہور کیمیا دان ہے جو جابر صوفی کے نام سے معروف تھا۔ ذوالنون مصری کی طرح یہ بھی علم باطن کا دعویدار تھا اور تصوف اسلامی میں اس کا خاص مقام ہے۔''③

چیکوسلواکیہ کے مشہور مستشرق محقق پی کراس اور ایم پلیسز لکھتے ہیں:

''جابر بن حیان غالی شیعہ تھا، غالباً اس کا تعلق فرقہ کرامیہ یا اسماعیلیہ سے تھا۔ دیگر

---

①''طرائق الحقائق'' مصنف الحاج معصوم علی' ج/۱ ص/۱۰۱۔

②''دائرۃ المعارف الاسلامیہ'' اردو' ج/۶ ص/۴۱۹' مطبوعہ: پنجاب یونیورسٹی پاکستان' پہلا ایڈیشن ۱۹۶۲ء۔ نیز ''التصوف'' مصنف ماسینئن' عربی ترجمہ ص/۲۶' مطبوعہ: دار الکتاب اللبنانی ۱۹۸۴ء۔

③''فی التصوف الاسلامی وتاریخہ'' ترجمہ ڈاکٹر ابو العلا العفیفی ص/۱۱۔

غالی شیعوں کی طرح یہ بھی تناسخ ارواح کے عقیدے کا قائل تھا۔''①

یہ دونوں مستشرقین جابر بن حیان سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے خود کہا:

''میں نے تمام علوم جعفر صادق سے حاصل کیے ہیں جو حکمت کے منبع تھے۔ میں تو ان علوم کا صرف ناقل اور مرتب ہوں۔ ان علوم کے بانی جعفر صادق تھے۔''②

اسی طرح مشہور انگریز محقق ہوم یارڈ جس نے جابر بن حیان کی بہت ساری کتابیں شائع کیں، وہ بھی یہی نقل کرتا ہے۔③

شیعہ اپنی کتب میں جابر بن حیان کو اپنی اہم شخصیات اور اکابر میں شمار کرتے ہیں۔ سید محسن الامین جو مشہور شیعہ ہے، اپنی کتاب میں اعیانِ شیعہ یعنی شیعہ رہنماؤں کے حوالے سے لکھتا ہے:

''ابو عبد اللہ، بعض کے مطابق ابو موسیٰ جابر بن حیان بن عبد اللہ الطرسوسی الکوفی جو صوفی کے لقب سے مشہور تھا، یہ ماہر حکیم، ریاضی دان، فلسفی، علم نجوم کا ماہر، طبیب، منطقی اور بہت سی کتابوں کا مصنف تھا۔ امام جعفر صادق کے ساتھیوں میں سے تھا، کبار شیعہ میں سے ہے، اس کی کتابیں اور تالیفات اتنی زیادہ ہیں کہ انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے، کہا جاتا ہے کہ اس نے مختلف علوم وفنون پر انتالیس سو سے زائد کتابیں لکھیں جہاں یہ فلسفی، حکیم اور مصنف تھا، وہاں زاہد اور واعظ بھی تھا۔''④

پھر اس نے بہت سارے شیعہ مصنّفین کا نام ذکر کیا جنھوں نے جابر بن حیان کو شیعہ قائدین میں شمار کیا جو کہ جعفر بن الباقر کے شاگردوں میں سے تھا۔ وہ لکھتا ہے:

''ان کے بارے میں بہت سے امور ثابت ہیں، ایک یہ کہ وہ شیعہ تھے، دوسرا یہ کہ وہ مشہور کیمیا دان تھے، اس کے علاوہ صوفی فلسفی، امام صادق کے شاگرد بھی تھے۔ ان کی شہرت چہار دانگ عالم میں تھی۔''⑤

---

① ''دائرۃ المعارف الاسلامیہ'' ج ر ۷ ص ر ۶ پی کراؤس اور میم پلیسز کا تذکرہ۔

② حوالہ مذکورہ۔

③ ''کتاب الرحمہ'' کا مقدمہ۔ ''المنشور'' ''مصنف ہوم یارڈ۔ نیز ''کتاب البیان'' وغیرہ۔

④ ''اعیان الشیعہ'' مصنف محسن امین الشیعی ج ر ۱۵ ص ر ۸۸۔۸۷ مطبوعہ: دار التعارف للمطبوعات بیروت۔

⑤ مذکورہ بالا حوالہ ص ر ۱۰۲۔

اس کے بعد محسن امین نے علیٰحدہ عنوان قائم کیا جس کا نام اس نے رکھا ''جابر بن حیان کا شیعہ ہونا''۔ چنانچہ اس ضمن میں وہ لکھتا ہے:

''ابن طاؤس نے اسے شیعہ ستارہ شناسوں میں شمار کیا ہے' ابن الندیم نے جابر بن حیان کو اکابر شیعہ میں شمار کیا ہے اور یہ بھی کہا کہ وہ جعفر صادق کے شاگردوں میں سے تھا۔ بعض لوگوں کو اس حوالے سے مغالطہ ہے کہ وہ اسے جعفر برمکی کا ساتھی قرار دیتے ہیں۔ مگر بڑے بڑے فلسفی اسے جعفر صادق کے ساتھیوں میں شمار کرتے ہیں۔ فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ شیعہ بھی ہے۔ اس کا فلسفہ اسلامی فلسفہ تھا اور یہ پرانے فلسفے کا مخالف تھا۔''①

ڈاکٹر رحمت فواد الاھوانی اس کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

''جابر بن حیان کے والد کو خراسان میں شیعہ ہونے کی وجہ سے قتل کیا گیا۔''②

ہم یہاں پر مشہور شیعہ مؤرخ تہرانی کے حوالے سے نقل کریں گے کہ اس نے بھی جابر بن حیان کو شیعوں میں ذکر کیا۔ تہرانی لکھتے ہیں:

''جابر بن حیان کی دو کتابیں مشہور ہیں، ایک کا نام الرحمۃ الصغیر اور دوسری کا نام کتاب الرحمۃ الکبیر ہے۔ اس کا پورا نام جابر بن حیان الصوفی الطوسی الکوفی ہے۔ المتوفی ۲۰۰ھ۔''③

ابن الندیم اس حوالے سے نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''ابوعبداللہ جابر بن حیان بن عبداللہ الکوفی جو صوفی کے نام سے مشہور تھا، اس کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے، شیعوں کا مؤقف یہ ہے کہ یہ اکابر شیعہ میں سے تھے، کوفہ کا رہنے والا تھا اور جعفر صادق کے ساتھیوں میں سے تھا۔ بعض فلسفی اسے فلسفیوں میں شمار کرتے ہیں۔ اس نے منطق اور فلسفہ کے موضوع پر بہت سی کتابیں

---

① ''اعیان الشیعہ'' مصنف محسن امین الشیعی' ج/۱۵' ص/۱۰۵۔

② حوالہ مذکورہ ج/۱۵' ص/۸۷۔

③ ''الذریعہ الی تصانیف الشیعہ'' ج/۱۰ ص/۱۷۱۔

بھی لکھیں۔ یہ کیمیا گری کا ماہر تھا اور اپنی موت تک اس نے کیمیا گری کا طریقہ نہ سکھایا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کسی بھی شہر میں چند روز سے زیادہ قیام نہیں کرتا تھا کیوں کہ اسے ہمیشہ خطرہ لاحق رہتا کہ اس علاقے کا بادشاہ اس سے کیمیا گری کا طریقہ زبردستی پوچھے گا۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ برمکی خاندان سے قربت رکھتا تھا۔ جعفر بن یحییٰ کا ساتھی تھا۔ جو لوگ اس کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جعفر سے مراد جعفر صادق نہیں بلکہ جعفر برمکی ہے۔ شیعوں کا مؤقف ہے کہ اس سے مراد جعفر صادق ہیں۔'' ①

یہاں تک لکھنے کے بعد ابن الندیم لکھتا ہے:

''مذہب شیعہ پر اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔'' ②

اس کے بارے میں یہ بھی منقول ہے:

''یہ جعفر بن محمد الباقر کا شاگرد یا غلام تھا۔'' ③

اس کے شیعہ ہونے اور نظریہ حلول پر عقیدت رکھنے کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنی کتابوں میں خود یہ کہا:

''جب میں نے کیمیا گری پر امام صادق کا کلام سنا تو میں اس کے سحر سے باہر نہ نکل سکا، سجدے میں گر پڑا۔ مجھ سے امام جعفر نے کہا اگر تو تیرا سجدہ میرے لیے ہے، تو تو ہمیشہ کے لیے کامیاب ہوگیا۔ تیرے آباؤ اجداد بھی مجھے ہی سجدے کرتے رہے۔ مجھے سجدہ کرنا گویا اپنے آپ کو سجدہ کرنا ہے۔'' ④

جہاں تک جعفر صادق کے شاگرد ہونے کا تعلق ہے، حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب ''کشف الظنون'' اور ابن خلکان نے اپنی کتاب ''وفیات'' میں اس کو ذکر کیا ہے۔ ⑤

---

① ''الفہرست'' مصنف ابن الندیم' ص/ ۴۹۹-۴۹۸' مطبوعہ: دار المعرفہ لبنان.

② مذکورہ بالا حوالہ.

③ ''خلاصۃ الاثر'' مصنف المحبی' ج/۱ ص/ ۲۱۳.

④ جابر بن حیان کے رسائل کا انتخاب' ص/ ۸۷.

⑤ ''وفیات الاعیان'' مصنف ابن الخلکان.

ڈاکٹر شیبی نے اگر چہ جابر بن حیان کے حوالے سے بہت سی باتیں لکھیں تاہم اس نے چند اہم باتیں چھوڑ بھی دیں، مثلاً وہ کہتا ہے:

''جابر برائے نام ہی صوفی تھا، کیوں کہ اس نے کبھی کوئی مجاہدہ وغیرہ نہیں کیا، زیادہ تر کیمیا گری میں مصروف رہا۔''①

حالانکہ ابن الندیم نے تو جابر بن حیان سے خود نقل کیا ہے کہ وہ کہتا ہے:

''میں نے زہد اور تصوف پر بہت سی کتابیں لکھیں۔''②

اخبار الحکمہ میں قطفی لکھتا ہے:

''جابر بن حیان مشہور فلسفی اور اس کا علم کا مقلد تھا جسے علم باطن کہا جاتا ہے، جس کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ وہ حارث المحاسبی، سہل بن عبداللہ تستری وغیرہ کی طرح تصوف میں بھی کمال رکھتا تھا۔''③

مشہور مستشرق فلپ اس کے بارے میں لکھتا ہے:

''زہد اور تصوف میں اس کا خاص مقام ہے۔''④

تو یہ دو افراد ہیں جو صوفیوں کے بانیان میں سے ہیں، جابر بن حیان کے انتقال کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، ۱۶۰ سے لے کر ۲۰۰ ھ کے درمیان میں اس کا انتقال ہوا۔ تصوف کے بانیان میں سے تیسرا شخص عبدک ہے۔

تصوف کے بانیوں میں سے تیسرا شخص عبدک ہے جس کا ذکر مستشرقین میں سے ماسینن نے کیا، اس کے علاوہ شیعہ محقق ڈاکٹر قاسم غنی، عراق کے شیعہ محقق ڈاکٹر مصطفی الشیبی وغیرہ نے بھی اس کا ذکر کیا، اور اس امر کی بھی تصدیق کی کہ وہ غالی شیعہ تھا۔

ماسینن کہتا ہے:

''صوفیاء کا لفظ جو کہ جمع کے صیغے سے آتا ہے، سب سے پہلے اس لفظ کو ۱۹۹ھ

---

① ''الصلة بين التصوف والتشيع'' ج/۱، ص/۲۸۹، مطبوعہ: دار الاندلس بیروت، تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۲ء۔

② ''الفهرست'' ابن الندیم، ص/۵۰۳۔

③ ''اخبار الحكماء'' مصنف القطفی، ص/۱۱۱۔

④ ''تاريخ العرب'' مصنف الهتی، ج/۲، ص/۲۲۔

بمطابق ۸۱۴ء میں سنا گیا۔ سکندریہ میں فسادات کے دوران سب سے پہلے اس لفظ کا ظہور ہوا۔ یہ تقریباً وہی وقت ہے جس زمانے میں کوفہ میں شیعیت پروان چڑھ رہی تھی۔ عبدک صوفی شیعوں کا مشہور رہنما تھا اور اس کا عقیدہ تھا کہ امامت تعین کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ یعنی ہر امام اپنے بعد آنے والے امام کو متعین کرتا ہے۔ عبدک سبزی خور تھا، اس نے کبھی بھی گوشت نہیں کھایا، بغداد میں ۲۱۰ھ بمطابق ۸۲۵ء میں اس نے وفات پائی۔ اس لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفی کا لفظ سب سے پہلے کوفہ میں منظر عام پر آیا۔''①

ڈاکٹر قاسم غنی کہتے ہیں:

''وہ مشہور صوفی تھا، لوگوں سے علیحدہ رہتا تھا، عزلت نشینی اور خلوت کا دلدادہ تھا، سب سے پہلے صوفی کے نام سے یہی مشہور ہوا۔ اس زمانے میں بعض کوفی زاہدوں کے لیے یہ لفظ بولا جاتا تھا۔ ۱۸۹ھ میں بھی بعض لوگوں کے لیے اس لفظ کو بولا گیا مثلاً ثوار الاسکندری۔ چونکہ عبدک گوشت نہیں کھاتا تھا اس لیے بعض لوگ اسے زندیق سمجھتے ہیں۔ ماسینئن کہتا ہے کہ پہلی صدی ہجری میں صوفی کا نام مشہور نہیں تھا۔ تیسری صدی ہجری میں یہ لفظ مشہور ہوا اور سب سے پہلے لفظ عبدک صوفی کے لیے استعمال کیا گیا، جو کہ صوفیوں کے شیوخ اور اقطاب میں شمار ہوتا ہے۔ یہ بشر بن حارث الحافی سے بھی قبل کا ہے۔ اسی طرح سری سقطی بھی اس کے بعد آیا ہے کیوں کہ عبدک کی وفات ۲۱۰ھ اور بشر بن حارث کی وفات ۲۲۷ھ، جبکہ سری سقطی کی وفات ۲۲۵ھ ہے۔ اس بنا پر سب سے پہلے صوفی کا لفظ کوفہ میں استعمال ہوا۔ نصف صدی کے بعد ہی یہ لفظ بغداد کے گلی کوچوں میں گونجنے لگا۔ عراق کے اندر یہ لفظ ملامتی فرقہ کے افراد کے لیے بولا جاتا تھا، جو خراسان وغیرہ کے گردونواح میں رہتے تھے۔ چوتھی صدی کے بعد یہ لفظ بہت زیادہ مشہور ہوگیا اور اب یہ کسی فرقہ کی خصوصیت نہ رہی۔ صوفیوں کا سفید جبہ جو انہوں نے پہلی صدی

① ''دائرۃ المعارف الاسلامیہ'' اردو ج/۶ ص/۴۱۹۔ نیز ''التصوف'' مصنف ماسینئن عربی ترجمہ ص/۲۷۔

ہجری کے آخر میں استعمال کرنا شروع کیا تھا، دراصل خوارج اور عیسائیوں کی یادگار ہے۔"①

پھر مزید کہتا ہے:

"عبدک اپنے کمالات اور جامع شخصیت کی وجہ سے شیعوں کا بڑا اہم کردار سمجھا جاتا ہے۔ ایک طرف اس کی طبیعت میں زہد اور تصوف ہے اور اس نے اس رجحان کو کوفہ اور بغداد میں پھیلایا۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس کے لیے صوفی لفظ کا استعمال کیا گیا۔ یہ کوفہ سے بغداد آیا تو لوگوں نے صوفی کا لفظ اس کے لیے استعمال کیا، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ لفظ صوفی کا منبع کوفہ ہے جہاں اس لفظ کو شیعوں نے استعمال کیا۔② اگر یہ قول درست ہو تو یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ تصوف ابتدائی دور میں شیعیت کا ہی چربہ تھا۔"③

متقدمین میں سے مشہور شخصیت الملطی اسی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہتا ہے:

"عبدک زندیقوں کے ایک فرقہ کا سربراہ تھا جن کا دعویٰ تھا کہ دنیا سے فائدہ اٹھانا حرام ہے، اس سے صرف اتنا ہی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جو زندگی کے لیے انتہائی ضروری ہو۔ دنیا حاصل کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہو سکتا جب تک امام عادل موجود نہ ہو۔ اگر امام عادل نہ ہو تو دنیا کا حصول حرام ہے۔ ایسے علاقے کے لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا بھی حرام ہے جہاں امام عادل موجود نہ ہو۔ لہٰذا اگر تم امام عادل کے بغیر کہیں خرید و فروخت کرو گے تو وہ حرام ہی ہو گا۔"④

یہ وہ شخص ہے جس کو صوفی کا لقب ملا۔

ہم یہاں ابو ہاشم الکوفی کے حوالے سے بھی کچھ بیان کرنا چاہیں گے، کوفہ کا رہنے والا تھا۔

① "تاریخ التصوف فی الاسلام" مصنف ڈاکٹر قاسم غنی' عربی ترجمہ ص ۶۵/ ۶۴۔
② "الانساب" سمعانی' ص ۲۹۳/ ۔
③ "الصلة بین التصوف والتشیع" ج ۱/ ص ۲۹۳/ ۔
④ "التنبیه والرد" مصنف الملطی' تحقیق محمد زاہد الکوثری' ص ۱/ مطبوعہ: مصر ۱۳۶۰ھ۔

اگرچہ اس پر شیعہ ہونے کی تہمت تو نہیں ہے لیکن عام طور پر اس کے بارے میں یہی خیال کیا جاتا ہے کہ زندیق اور دہریہ ہے۔ حاجی معصوم علی نے اس کے بارے میں لکھا:

''اُون کا بنا لمبا سا چوغہ پہنے رکھتا تھا۔ عیسائیوں کی طرح حلول اور اتحاد کا قائل تھا۔ عیسائیوں نے حلول اور اتحاد کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کی، جب کہ اس نے حلول اور اتحاد کی نسبت اپنی طرف کی۔ حلول اور اتحاد کے بارے میں اس کے بہت سارے اقوال تھے، آخر تک وہ اس میں متذبذب رہا، اموی النسل تھا، ظاہری اعتبار سے فرقہ جبریہ سے تعلق رکھتا تھا جب کہ حقیقت میں یہ دہریہ تھا۔ اسلام میں فتنہ فساد پیدا کرنے کے لیے اس نے اس مذہب (تصوف) کو وضع کیا۔''①

ایک اور شخص بھی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تصوف کے بانیان اور ابتدائی افراد میں سے ہے، وہ ذوالنون المصری ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے:

''وہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے توحید کی وہ تعریف کی جو آج صوفی کرتے ہیں۔''②

نیز ''اس جماعت کا سربراہ ہے، تمام بڑے بڑے صوفیا نے اس سے علم اخذ کیا۔ اس سے پہلے بھی بہت سارے مشائخ گزرے لیکن یہ پہلا شخص تھا جس نے صوفیوں کے اقوال کی تفصیل اور وضاحت کی۔''③

اور یہ کہ ''وہ پہلا شخص ہے جس نے اپنے علاقے میں صوفیوں کے مقامات اور ولایت کے احوال کو بیان کیا۔''④

اس کے بارے میں یہ بھی منقول ہے:

''وہ پہلا شخص ہے جس نے وجد اور سماع کی تعریف بیان کی۔''⑤

---

① ''طرائف الحقائق'' مصنف حاجی معصوم علی' ج ۱/ ص ۱۰۱/۔

② ''الرسالۃ القشیریۃ'' مصنف ابوالقاسم عبدالکریم القشیری' تحقیق عبدالحلیم محمود' مطبوعہ: دارالکتب الحدیثہ القاہرہ۔

③ ''نفحات الانس'' مصنف الجامی' ص ر ۳۳' فارسی ایڈیشن' ایران۔

④ ''النجوم الزاہرہ'' مصنف تغری البردی الاتابکی' ج ر ۲' ص ر ۳۲۰' مطبوعہ: وزارت الثقافہ مصر۔

⑤ ''الرسالۃ القشیریۃ'' تحقیق عبدالحلیم محمود' مطبوعہ: القاہرہ۔

اسی بنیاد پر مشہور انگریز محقق بجا طور پر اس کے بارے میں کہتا ہے:

''یہ کہنا قرین انصاف ہے کہ یہی شخص تصوف کا واضع تھا، اس میدان کا شہسوار تھا، اور بہت سے مسلمان مؤرخوں نے بھی اس کے احوال نقل کیے۔''①

تو یہ وہ آخری شخص تھا جو تصوف کے بانیان میں سے ہے۔ اس پر بھی عام طور پر یہ تہمت لگائی جاتی تھی کہ یہ زندیق اور جادوگر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شعبدہ بازیوں اور جادو پر یقین رکھتا تھا۔ جیسا کہ امام ذہبی نے یوسف بن احمد البغدادی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

''اس کے علاقے کے لوگ اسے زندیق سمجھتے تھے۔''②

سلمی سے منقول ہے:

''ذوالنون وہ پہلا شخص ہے جس نے احوال اور اولیاء کے مقامات بیان کیے۔ عبداللہ بن عبدالحکم نے ذوالنون کی مخالفت کی۔ مصر کے علما نے اسے زندیق سمجھ کر شہر بدر کر دیا۔ اس کے بارے میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ اس نے ایک ایسا علم ایجاد کیا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ لوگوں نے اس پر زندیق ہونے کا الزام لگا کر اسے شہر بدر کر دیا۔ اس کے بھائی اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تو زندیق ہے، اس لیے تجھے شہر بدر کیا جا رہا ہے، تو وہ کہنے لگا کہ میرے پاس خاموشی کے علاوہ کوئی طریقہ نہیں ہے، میں اپنی ٹھوڑی اور گال کے نیچے ہاتھ رکھے ہوئے بیٹھا رہوں گا۔''③

امام ذہبی نے اس کے بارے میں نقل کیا ہے:

''حدیث کا ذکر بہت کم کیا کرتا تھا اور لوگوں کو اس کی تلقین بھی نہیں کرتا تھا۔ دارقطنی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ اس نے مالک سے بہت سی احادیث نقل کی ہیں لیکن ان حدیثوں میں نظر ہے۔''④

مشہور صوفی فریدالدین عطار اپنی کتاب میں اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

① ''فی التصوف الاسلامی وتاریخہ'' مصنف نیکلسن 'عربی ترجمہ ابوالعلا العفیفی' ص ر ۷ ' مطبوعہ: القاہرہ.

② ''سیر اعلام النبلاء'' مصنف الذہبی ' ج ر ۱۱ ص ر ۵۳۳.

③ مذکورہ بالا حوالہ ' ص ر ۵۳۴.

④ مذکورہ بالا حوالہ ' ص ر ۵۳۳.

''اس کا تعلق ملامتی فرقہ سے تھا، اس نے اپنے تقویٰ کو چھپایا ہوا تھا، لوگوں کے سامنے شرعی امور کی خلاف ورزی کرتا تھا، اس لیے عام طور پر مصری اسے زندیق سمجھتے تھے۔ اگر چہ اس کی وفات کے بعد سب نے اس کی ولایت کا اعتراف کرلیا۔''①

ابن الندیم نے اس کے بارے میں یہ نقل کیا ہے کہ یہ علم کیمیا کا ماہر تھا، اسے جانتا تھا اور اس کے بہت سے اصول بھی اس نے وضع کیے۔②

القطفی نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

''ذوالنون بن ابراہیم الاخمیمی المصری کیمیا گری میں جابر بن حیان کی طرح مہارت رکھتا تھا، بہت سے فلسفی علوم کا ماہر تھا، بربہ نامی شہر میں جو کہ اخمیم کے نواح میں واقع تھا، وہیں رہتا تھا۔ یہ علاقہ قدیم حکمت کا گڑھ تھا جہاں مختلف قسم کی تصاویر، عجیب وغریب اشکالیں بنی ہوئی تھیں جس سے ایمان والے کا ایمان بڑھتا اور کافر کا مزید گمراہ ہوتا۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ نے اس پر کچھ ایسے علوم کھول دیئے جو اسی کا خاصہ ہیں۔ یہ صاحبِ کرامات بھی تھا۔''③

اس کے بارے میں مسعودی ذکر کرتا ہے:

''مجھے ذوالنون کے بارے میں معلومات اخمین شہر جا کر ہوئیں۔ وہاں کے لوگ اسے ابوالفیض کے نام سے جانتے تھے۔ اس علاقے میں اس کے زہد وتقویٰ اور حکمت کا چرچہ تھا، دین ودنیا کے معاملے میں اس کا اپنا ہی ایک انداز تھا۔ براوی جوا کی پراسرار سا مقام ہے، یہ وہاں بہت زیادہ آتا جاتا اور کہا جاتا ہے کہ وہ اس علاقے کے پراسرار رازوں کو سمجھتا تھا، وہ بہت سے نقوش اور اشکال جو دیواروں پر بنی ہوئی تھیں، انہیں اس نے اپنی ذہانت سے حل کیا تھا، پھر مسعودی بعض اشکال

① ''تذکرۃ الاولیاء'' مصنف فرید الدین عطار' ص/۶۹' مطبوعہ: پاکستان۔ نیز ''فی التصوف الاسلامی وتاریخہ'' مصنف نیکلسن' ص/۹۔

② ''ابن الندیم'' ص/۵۰۴۔۵۰۳۔

③ ''اخبار العلماء باخبار الحکماء'' ص/۱۸۵۔

کا ذکر کرتا ہے جنہیں ذوالنون نے حل کیا۔''①

ان عبارات کو نقل کرنے کے بعد نیکلسن لکھتا ہے:

''ذوالنون نقش شناس تھا، بصریٰ کے قدیم مندروں اور چرچوں میں دیواروں پر جو تصویریں اور اشکال بنی ہوتیں، انہیں حل کرنے کا اسے شوق تھا۔ مسلمانوں کی نظر میں قدیم مصر کیمیا گری کا مرکز اور جادو و پراسرار علوم کا گڑھ تھا۔ ذوالنون مصری کیمیا دان اور جادوگر تھا۔ حالانکہ اسلام میں جادو کی حرمت منقول ہے اس لیے ذوالنون نے جادو کو کرامات کی شکل دی اور اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اس کے زمانے سے ہی صوفیوں میں کرامات ظاہر ہونا شروع ہوئیں۔ یہ اپنے متبعین کو جادو کے الفاظ سکھاتا، سب سے پہلے اسی نے مختلف قسم کی خوشبوؤں کا استعمال کیا جس کے ذریعے لوگوں پر سحر ساطاری ہو جاتا۔''②

پہلے تین افراد کے ساتھ اس کو بھی ملا لیا جائے تو تصوف کی ایک واضح تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

① ''فی التصوف الاسلامی وتاریخه''۔

② مذکورہ بالا حوالہ ص/ ۹۔

تصوف کے سلسلے

تصوف کی بنیاد شیعیت ہے۔اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ تصوف کے سارے سلسلے سوائے ایک دو کے سبھی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر جا کر ختم ہوجاتے ہیں۔کسی اور صحابی کی طرف ان سلسلوں کی اسناد نہیں ہے۔ان تمام سلسلوں کی اسناد اگر مطالعہ کیا جائے تو اس میں شیعوں کے معصوم ائمہ کا ذکر ملتا ہے اور شیعوں کا ان کے بارے میں عقیدہ یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔تصوف کی کتابوں میں بھی ائمہ معصومین کا ذکر ملتا ہے۔اس کے علاوہ تصوف کا ذکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہی شروع کیا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ:

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے،عشرہ مبشرین میں شامل ہیں۔چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔عرب میں انہیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا،لیکن بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ زاہد اور متقی نہیں تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جنہوں نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی،جن کا لقب عتیق تھا،سفر وحضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے،ہر حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا،انتقال کے بعد بھی روضہ مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔قرآن پاک میں ان کا ذکر ایسے الفاظ کے ساتھ آیا ہے جن تک اور کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔زمانے پر ان کی فوقیت اور عزت مسلم ہے۔ان کے مقام تک پہنچنا تو دور کی بات،کوئی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔قرآن پاک میں ان کے لیے ثَانِيَ اثْنَيْنِ کا لفظ بولا گیا جو کسی اور کے لیے ثابت نہیں ہے۔احادیث میں ان کے بہت زیادہ فضائل نقل ہوئے ہیں،ان کا مقام اور مرتبہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ:''فتح مکہ سے قبل جو لوگ مسلمان ہوئے،اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا،

ان تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔''

لقب صدیق میں یکتا ہیں۔ساری زندگی اسلام کی سربلندی کے لیے محنت کرتے رہے اور اس سلسلے میں اپنی جان، مال کی پرواہ نہیں کی۔''①

''جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے پاس درہم و دینار میں سے کچھ بھی نہ تھا۔''②

''دو پرانے کپڑوں میں کفن دیا گیا۔''③

آخری وقت میں اپنے گھر والوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا:

''جب سے مجھے مسلمانوں کی ولایت عطا کی گئی میں نے کبھی بھی ان کے درہم و دینار کو اپنے لیے حلال نہیں سمجھا، ان کے مال میں سے سوکھی روٹی کو ہی اپنے پیٹ کی غذا بنایا، کھردرے کپڑوں کو پہنا، دوران خلافت مجھے خدمت کے لیے ایک حبشی غلام اور سواری کے لیے اونٹ دیا گیا تھا، جب میں مرجاؤں تو یہ عمر کو دے دینا تا کہ بیت المال میں جمع کرا دیا جائے۔''

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کا پیغام پہنچا تو وہ رونے لگے، یہاں تک کہ ان کے آنسو زمین پر گرتے رہے، کہنے لگے: اللہ ابوبکر پر رحم کرے، اس نے آنے والوں کے لیے بڑی مشکل مثال چھوڑی ہے۔④

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو چہار دانگ عالم میں پھیلانے والے، حق و باطل کے درمیان فاصل، دین کو تقویت پہنچانے والے، توحید کے سب سے بڑے داعی، بدعت وشرک کی جڑیں کاٹنے والے، اسلام کے کلمہ کو بلند کرنے والے، اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں اتنی صفات جمع کیں جنہیں بیان کرنا مشکل ہے۔ان کے دورِ خلافت میں پوری دنیا اسلام کے جھنڈے تلے آ گئی۔کفر اِن کے رعب و دبدبے

① ''حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیا'' مصنف الاصفہانی ' ص/ ۲۹۔۲۸ ' مطبوعہ: دارالکتب العربی بیروت۔

② ''طبقات ابن سعد'' ج/ ۳ ص/ ۱۹۵۔

③ مذکورہ بالا حوالہ۔

④ مذکورہ بالا حوالہ ص: ۱۹۶۔

سے لرزاں وترساں رہتا۔ مشرکین ہمیشہ دبے رہتے۔ وہ یقین کی اس کیفیت میں تھے کہ ان کی بات سننے والے شخص کے پاس ماننے بنا کوئی چارہ نہ ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی بھی مخالفین کی کثرت یا جمعیت سے مرعوب نہیں ہوئے، ہر موقع پر حق کی بات سنائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو بعینہ نقل کرنے والے، زندگی بھر مشقتوں اور تکلیفوں پر صبر کیا، آخری وقت تک نعمتوں اور آسائشوں کا منہ نہ دیکھا۔ کفر کے لیے شمشیر بے نیام تھے، حق ان کی زبان پر جاری ہوتا، ان کے موافقات بھی مشہور ہیں، ہمیشہ حق کی بات کرنے والے، اسی کا پرچار اور اسی کو نافذ کرنے والے، زندگی بھر خدا کے علاوہ کسی کا خوف دل میں نہ رکھا۔'' ①

نیز'' کپڑوں پر کندھوں کے نزدیک چار پیوند لگے ہوئے تھے، ازار پر چمڑے کے پیوند لگے ہوتے تھے، منبر پر خطبہ دینے کے لیے بیٹھے تو کپڑوں پر بارہ پیوند لگے ہوئے تھے، حج کرنے گئے تو دوران حج سولہ دینار کا خرچ آیا، جب واپس آئے تو اپنے بیٹے سے کہنے لگے: ہم نے اس حج کے دوران بہت زیادہ اسراف کیا۔ دوران سفر سایہ دار جگہوں پر نہ بیٹھتے، جب کہیں پڑاؤ کرنا ہوتا تو کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتے، اونٹ یا گھوڑے کے کجاوے کو اس درخت پر لٹکا کر سایہ حاصل کر لیتے، سفر کے دوران کبھی بھی ان کے لیے خیمہ نصب نہیں کیا گیا۔'' ②

اپنی زندگی میں بیت المال سے کچھ ادھار لیا تھا، جب آخری وقت آیا تو اپنے بیٹے سے کہا:

''ادھار اتارنے کے لیے میرا سارا مال بیچ دینا، اگر وہ مال پورا نہ ہوا تو بنی عدی سے لے لینا، اگر وہ بھی پورا نہ ہوا تو قریش سے لینا، ان کے علاوہ کسی اور سے نہ لینا۔'' ③

اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ شیعہ پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

① ''حلیۃ الاولیاء'' ج ۱/ ص ۳۸/.

② ''البدایۃ والنہایۃ'' مصنف ابن کثیر' ج ۷/ ص ۱۳۵/ ۔ ۱۳۴ .

③ ''طبقات ابن سعد'' ج ۳/ ص ۳۵۸/.

''شیعوں کا مؤقف یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے سب سے زیادہ زاہد اور متقی تھے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زہد اور تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، اس لیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی تمام آمدنی اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ مال ودولت خرچ کرنے کے اعتبار سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فوقیت حاصل ہے، اگر زہد کا اعتبار کیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی آرام اور آسائش والی تھی، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ کی چار بیویاں اور خادموں کے علاوہ انیس ام ولد بھی تھیں۔ انتقال کے وقت ان کی چوبیس اولادیں تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے بہت سا مال ودولت اور جائیدادیں چھوڑیں، جس کی وجہ سے ان کی اولاد بھی مالدار اور خوشحال ہوگئی۔ یہ ایک ایسی بات ہے، جس کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا، تو اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ زہد کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ مقام پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فائز ہیں۔''①

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اور بھی بہت سارے لوگ تھے جو زہد اور تقویٰ والی زندگی بسر کرتے تھے لیکن تصوف کا کوئی بھی سلسلہ ان پر ختم نہیں ہوتا۔ سارے سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ختم ہوتے ہیں۔ جس طرح شیعہ انہیں اپنا پہلا امام تسلیم کرتے ہیں۔

مشہور بزرگ علی ہجویری نے جنید بغدادی کے حوالے سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''اصول میں ہمارے شیخ علی المرتضیٰ ہیں، یعنی علی بن ابی طالب، جو علم اور معاملات میں اس طریقت کے امام ہیں۔ اہل طریقت اصول کی نسبت انہی کی طرف کرتے ہیں اور تصوف کی مختلف منازل بھی انہی سے منقول ہیں۔''②

ہجویری نے ہی عطار سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

---

① ''منهاج السنه النبويه'' مصنف شیخ الاسلام ابن تیمیہ' ج ر ۴ ص ر ۱۲۹ تا ۱۳۱۔

② ''کشف المحجوب'' مصنف الہجویری' عربی ترجمہ ڈاکٹر اسعاد عبدالہادی' ص ر ۲۷۴' مطبوعہ: بیروت ۱۹۸۰ء۔

’’اللہ تعالیٰ نے انہیں علم، حکمت اور کرامت سے نوازا تھا۔ حضرت علی کی وجہ سے ہی ہم اس راہ پر چلے۔‘‘①

طوسی ابونصر السراج کہتا ہے:

’’دیگر صحابہ کرام میں سے امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو مختلف اعتبار سے فضیلت اور خصوصیت حاصل ہے۔ معرف، ایمان اور علم کو بیان کرنے کے لیے آپ کا انداز منفرد اور جداگانہ ہے۔ آپ کی وہ خصالِ شریفہ ہیں کہ اہل تصوف نے ان سے استفادہ کیا اور اپنی طریقت کے لیے انہیں رہنما اصول پایا۔‘‘②

’’علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ جو مدینۃ العلم، طریقت اولیاء کی پہلی سیڑھی ہیں، سب سے پہلے حضور ﷺ نے انہیں اپنے رازوں کا امین بنایا۔‘‘③

اس لیے کہ جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کے پاس سب سے پہلے شریعت لے کر آئے، جب شریعت کے احکام ظاہر ہوگئے اور لوگوں نے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا تو حقیقت اور حکمت نازل کی گئی جو دراصل اعمال شریعت کا مطلوب تھا۔ یہ حقیقت جسے دوسرے الفاظ میں ایمان اور احسان بھی کہا جا سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے شریعت تو تمام صحابہ تک پہنچا دی مگر حقیقت سے بعض صحابہ کو ہی مطلع کیا۔ علم حقیقت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بتمامہ واقف تھے۔ سب سے پہلے لوگوں کو اس علم کی حقیقت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی مطلع کیا۔‘‘④

حضرت علی رضی اللہ عنہ بقول صوفیاء کے

’’ان اصحاب علم میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس علم سے نوازا جس سے اور بہت کم لوگ واقف تھے۔‘‘⑤

---

① ’’تذکرۃ الاولیاء‘‘ مصنف فریدالدین عطار، ص/ ۱۸۵، مطبوعہ: پاکستان۔
② ’’اللمع‘‘ مصنف طوسی، ص/ ۱۷۹۔
③ ’’جمہرۃ الاولیاء‘‘ مصنف منوفی الحسینی، ج/ ۱ ص/ ۱۲۲۔
④ مذکورہ بالاحوالہ ص/ ۱۵۹۔
⑤ ’’الفتوحات المکیہ‘‘ ابن عربی، ج/ ۱ ص/ ۲۶۰۔

یہ علم جبریل اور میکائیل کو بھی حاصل نہیں تھا، اس لیے کہ

''جب حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس علم کی تلقین کی اور انہیں آگاہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے اس علم کے راز دیئے جو جبریل اور نہ ہی میکائیل کے پاس ہیں۔''①

اسی بات کو طوسی وجیہی سے نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا:

''میں نے ابو علی الروذباری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے جنید بغدادی کو سنا، وہ کہہ رہے تھے اللہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، کاش کہ وہ (جہاد) میں مصروف نہ ہوتے تو ہمیں اس علم میں اور بھی حصہ ملتا۔ انہیں علم لدنی عطا کیا گیا۔ یہ وہ علم لدنی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ خاص کیا اور ان کے بارے میں فرمایا ''ہم نے اپنی طرف سے علم دیا ہے۔''②

حضور ﷺ نے انہیں نائب ویسے مقرر کیا تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو بنایا تھا۔ خلت کے مقام پر حضور ﷺ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوسکتا، ہاں اخوت کے معاملے پر حضور ﷺ کے ساتھ شریک ہیں اور حضور ﷺ نے ان کے بارے میں یہ فرما دیا: علی رضی اللہ عنہ میرے لیے ایسے ہیں جیسے ہارون موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے۔''③

صوفیوں کے نزدیک ان کا مقام اور مرتبہ انتہائی بلند ہے۔ شعرانی ایک مشہور صوفی کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے کہتا ہے:

''حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو آسمان پر اٹھا لیا گیا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا گیا، حضرت عیسیٰ کی طرح ان کو بھی دوبارہ زمین پر اتارا جائے گا۔ پھر شعرانی کہتا ہے یہی بات میں نے علی الخواص سے بھی سنی، وہ کہتے ہیں: حضرت نوح علیہ السلام

---

① ''درر الغواص'' مصنف شعرانی، ص ر ۷۳۔

② ''اللمع'' مصنف طوسی، ص ر ۱۷۹۔

③ ''الفتوحات المکیہ'' مصنف ابن عربی، ص ر ۳ ص ر ۳۱۵۔

نے اپنی کشتی میں سے ایک تختے کو اکھاڑا، اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لکھا اور اسے آسمان میں محفوظ کر دیا گیا۔ یہ آسمان میں اس وقت تک محفوظ رہا جب تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی آسمان پر اٹھا لیا گیا۔''①

یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا شان، مقام، مرتبہ صوفیاء کے ہاں ہے۔ ایک مشہور شیعہ محقق جلال الدین رومی کے حوالے سے کچھ اشعار نقل کرتا ہے جس میں جلال الدین رومی کی حضرت علی سے عقیدت ظاہر ہوتی ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں:

عالم کی صورت گری جاری تھی اور علی موجود تھے
زمین وزماں کا نقشہ بنایا جا رہا تھا اور علی موجود تھے
علی نے ہی خیبر کے دروازے کو ایک جھٹکے سے اکھاڑا
موجودات پر نظر دوڑائیے:
ابھی تخلیق عالم نہ ہوا تھا علی موجود تھے
وجود کو بھی عدم تھا
عالم ایک راز کی طرح خفتہ تھا علی موجود تھے
شمس تبریز کے قلب پر جن رازوں کا آشکارا ہوا
وہ علی ہی کے مرہون منت ہے''②

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے بارے میں یہ غلو شیعوں کے خیالات اور ان کے افکار سے ملتا جلتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک تصوف کے تمام سلسلے ہوتے ہیں۔ معصوم شیرازی جو معصوم علی شاہ کے لقب سے مشہور ہے، کہتا ہے:

''تصوف کے تمام سلسلوں کے لیے ضروری ہے وہ ازل سے ابد تک حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ہی ختم ہوں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جتنے بھی تصوف کے سلسلے ہوں گے

① ''طبقات الشعرانی'' ج۲/ص۴۴/۔
② ''غزلیات شمس تبریزی'' مطبوعہ: تہران' منقول از ''الصلة بین التصوف والتشیع'' ص/۸۵۔۸۴۔

وہ سید العالمین، امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ختم ہوں گے۔'' ①

اس لیے کہ

''وہ صوفیوں کے ہاں صحابہ میں سے سب سے زیادہ زاہد تھے۔'' ②

جیسا کہ وہ

''اس طریقت کے امام اور قطب تھے۔'' ③

صوفیوں کے ہاں سب سے پہلے ولی حضرت علی بن طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور انہی سے ولایت کا سلسلہ شروع ہوا، انہی سے ولایت دیگر اولیاء کو منتقل ہوئی، یہ وہی عقیدہ ہے جو شیعوں کا ہے کہ امامت کا آغاز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا، ان سے امامت منتقل ہوئی، فتویٰ اور قطب بھی سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی گدڑی حسن بصری کو پہنائی، آج تک سلسلہ چلا آرہا ہے کہ صوفی اپنے خلفاء اور تصوف کے ورثا کو گدڑی پہناتے ہیں۔ ④

ابن خلدون اس بات کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شیعوں نے گدڑی اور خرقہ کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے اور اکثر مقامات پر یہی لکھا کہ وہ سب سے پہلے اس لباس کو پہننے والے تھے، حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے، زمانہ نبوت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ علیحدہ لباس نہیں پہنتے تھے، ان کی کوئی علیحدہ حالت یا طریق بھی نہیں تھا۔ وہ فقط احکام پیغمبر پر عمل کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زہد اور تقویٰ کے اعتبار سے سب سے بلند منصب پر فائز تھے مگر انہوں نے بھی کوئی ایسی چیز ایجاد نہیں کی جسے ان کی خصوصیت کہا جائے اور جو اِن کے اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان ما بہ الامتیاز ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سارے ہی قابل تقلید ہیں، اس لیے کہ وہ زہد اور مجاہدے والی

---

① ''طرائق الحقائق'' مصنف معصوم علی شاہ' ج/۱ص/۲۵۱.

② ''قوت القلوب'' مصنف ابوطالب مکی' ج/۱ص/۲۶۷.

③ ''آئین جوانمردی'' مقدمہ ہنری کاربن' ص/۸۔ نیز ''فتوحات نامہ'' مصنف عبدالرزاق کاشانی' ص/۲۹' مطبوعہ: تہران ۱۳۶۳ھ۔ نیز ''طبقات الشعرانی'' ج/۲ص/۹۲۔ نیز ''جامع الاصول فی الاولیاء'' مصنف کمشخانوی ص/۷.

④ ''عوارف المعارف'' مصنف سہروردی' ص/۹۸۔ نیز ''الرسالۃ القشیریۃ'' ج/۲ص/۷۴۷۔ نیز ''فوائح الجمال'' مصنف جمال الدین الکبری ص/۲۸۲۔ نیز ''الانوار القدسیہ'' مصنف شعرانی ص/۴۹.

زندگی گزارتے تھے۔ فاطمیوں نے اپنی کتاب میں جو باتیں شامل کیں، ان کا اسلام کی ابتدائی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ شیعوں اور روافظ کی کتب سے ماخوذ ہیں۔"①

خرقہ کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا اور یہ روایت کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسن بصری کو یہ خرقہ پہنایا تھا، یہ سب غلط، باطل اور بے اصل باتیں ہیں۔ اس لیے کہ

''حضرت حسن بصری کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملاقات ثابت نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جس وقت مدینہ منورہ سے کوفہ آئے تو حضرت حسن بصری بہت چھوٹے تھے۔"②

بہر حال، صوفی خرقہ کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کرتے ہیں اور تمام سلسلے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جا کر ہی ختم ہوتے ہیں۔ صوفی حضرت علی رضی اللہ عنہ تک صرف اپنے سلسلوں کو ختم نہیں کرتے بلکہ شیعوں کی طرح یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں:

''نبوت اور رسالت پر ایمان لانے والے آٹھویں شخص علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے بچپن کی حالت میں ہی اسلام قبول کیا اور بچپن میں ہی اللہ کے راستے میں جہاد کیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام اولیاء کا قطب بنایا، ان سے یہ وراثت حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ نے حاصل کی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح حضرت حسن اور حسین بھی فتویٰ کے مقام پر فائز تھے جو ولایت کے اعلیٰ ترین مقامات میں سے ہے۔ قطب بھی اس کے تابع ہوتا ہے۔ جب کوئی امام فتویٰ کے اعلیٰ مقام کو حاصل کرتا ہے تو وہ صدیقیت کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ حضرت حسن کے مقام فتویٰ پر فائز ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ انہوں نے خلافت ظاہرہ کو ترک کر کے خلافت باطنہ قبول کی اور مسلمانوں کی جانیں بچانے کے لیے خلافت ظاہرہ ترک کر دی۔

① "مقدمہ ابن خلدون" ص ۴۷۳/۱۔

② "تہذیب التہذیب" مصنف ابن حجر۔ نیز "التذکرہ" مصنف ذہبی۔ نیز "الرسائل والمسائل" مصنف ابن تیمیہ۔ نیز "التصوف" مصنف ماسینئن۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقام فتویٰ پر فائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے پوری استقامت کے ساتھ اللہ کے راستے میں جان دی۔ حضرت علی کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ کہا کہ وہ مدینۃ العلم کے باب یعنی دروازہ ہیں۔ مدینۃ العلم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ اگر شجاعت اور ولایت کے کوئی مقام ہیں تو حضرت علی اس کے سرخیل ہیں۔ حضرت علی اولیاء کے رہنما ہیں، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر قربانی کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔'' ①

مزید کہتا ہے:

''حضرت علی نے ایک خاص طریقے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور حضرت حسن اور حسین کو بھی اسی کی تلقین کی تھی۔'' ②

مشہور صوفی ابو العباس المرسی جو شاذلی کا شاگرد ہے، کہتا ہے:

''ہمارے طریق کی نسبت مشرق اور مغرب والوں کی طرف نہیں ہے بلکہ یہ حضرت علی کی طرف منسوب ہے اور وہ پہلے قطب تھے۔'' ③

یہ بھی کہتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادگان کے بعد اس طریقت کے امام علی بن الحسن زین العابدین اور پھر ان کے بیٹے محمد بن علی الباقر، پھر ان کے بیٹے جعفر بن محمد صادق ہیں۔'' ④

کلاباذی اپنی کتاب ''التعرف لمذهب اهل التصوف'' کے دوسرے باب میں نقل کرتا ہے:

''علی ابن الحسین زین العابدین وہ ہستی ہیں جنہوں نے صحابہ کرام کے بعد اپنے قول وفعل سے ان کی تعلیمات کو نقل کیا، اسے نشر کیا اور پھر ان کے بیٹے محمد بن علی

---

① ''جمهرة الاولياء'' مصنف المعوفی' ج ۱/ ص ۸۹/۔
② مذکورہ بالا حوالہ' ص/ ۸۹ تا ۱۲۲۔
③ ''طبقات الشعرانی'' ج ۲/ ص ۱۴/۔
④ ''جمهرة الاولياء'' ج ۱/ ص ۱۶۳/۔

الباقر، پھر جعفر بن محمد الصادق ہیں۔''①

آپ ذرا اس ترتیب کو دیکھیں اور پھر شیعوں کے اماموں کی ترتیب دیکھیں، جس طرح ان کے ہاں بارہ اماموں کی ترتیب یہ ہے: علی رضی اللہ عنہ، حسن، حسین، زین العابدین، محمد الباقر، جعفر بن محمد الباقر، موسیٰ بن جعفر الکاظم، علی بن موسیٰ الکاظم وغیرہ ہیں۔ اسی ترتیب کو شعرانی نقل کرتا ہے، وہ انہیں امام بھی کہتا ہے اور ان کی مقررہ تعداد یعنی بارہ کو بھی نقل کرتا ہے، وہ کہتا ہے:

''موسیٰ الکاظم بھی ان میں شامل ہیں' جو بارہ اماموں میں سے ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: موسی بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب۔ ان کی کنیت عبد صالح تھی کیوں کہ وہ عبادت گزار تھے۔ قیام اللیل کے عادی تھے' جب انہیں کسی شخص کے بارے میں اطلاع ملتی کہ ان کی ذات کی وجہ سے اسے تکلیف پہنچی ہے تو فوراً اس کے پاس مال و دولت بھیج کر اسے راضی کر لیتے۔''②

علی بن موسیٰ الرضا کے بارے میں صوفیوں کا قول ہے:

''صوفیوں کے شیخ المشائخ ہیں' معروف الکرخی نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔''③

قشیری ان کے بارے میں کہتا ہے:

''ابو محفوظ معروف بن فیروز الکرخی بڑے مشائخ میں سے تھے۔ مستجاب الدعوات تھے۔ لوگ ان کی قبر پر جا کر شفا حاصل کرتے ہیں اور ان کے بارے میں اہل بغداد کا کہنا ہے کہ ان کی قبر معروف اور مشہور ہے اور جس نیت سے وہاں جایا جائے' حاجت ضرور پوری ہوتی ہے۔ یہ علی بن موسیٰ الرضا کے موالی میں سے تھے۔''④

سلمٰی نے اپنے طبقات میں اور جامی نے نفحاۃ میں لکھا ہے کہ

---

①''التعرف لمذهب اهل التصوف'' الکلاباذی' ص/۳۶.

②''طبقات الشعرانی'' ج/۱ ص/۳۷.

③''تذکرۃ العطار'' ص/۱۵۰' مطبوعہ: پاکستان.

④''الرسالہ القشیریہ'' ج/۱ ص/۶۵' تحقیق ڈاکٹر عبدالحلیم محمود' محمود بن الشریف' مطبوعہ: القاہرہ۔ نیز ''طبقات الشعرانی'' ج/۱ ص/۱۷.

> ''کرخی' علی بن موسیٰ رضا کے دربانوں میں سے تھے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:
> ''معروف بن فیروز اور ایک قول کے مطابق معروف بن علی' جن کا لقب زاہد بھی تھا، اکابر شیوخ اور صوفیاء میں سے ہیں' ان لوگوں میں سے جو تقوے کے اعتبار سے مشہور ہیں۔ یہ سری السقطی کے استاد اور داؤد طائی کے ساتھی تھے۔ مشہور بات یہ ہے کہ انہوں نے علی بن موسیٰ الرضا کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے دربان مقرر ہو گئے۔ ایک روز شیعہ حضرت علی بن موسیٰ کے دروازے پر اکٹھے ہوئے تو ان کی دھکم پیل کی وجہ سے معروف کی پسلیاں ٹوٹ گئیں اور ان کا انتقال ہو گیا۔ بغداد میں ان کو دفن کیا گیا۔ لوگ ان کی قبر کی زیارت کرتے ہیں اور تبرک حاصل کرنے کے لیے بھی ان کی قبر پر لوگوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔''①

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ معروف کرخی' سری سقطی کے استاد اور جنید بغدادی کے استاد ہونے کے ساتھ ساتھ ماموں بھی ہیں۔ اس لیے عام طور پر جب صوفیاء کوئی روایت نقل کرتے ہیں تو اس کی سند یوں ذکر کرتے ہیں ''جنید نے سری سقطی اور انہوں نے معروف کرخی سے' انہوں نے علی بن موسیٰ الرضا' انہوں نے اپنے والد موسیٰ کاظم' انہوں نے اپنے والد محمد باقر' وہ اپنے والد علی زین العابدین' وہ اپنے والد حسین بن علی بن ابی طالب اور وہ اپنے والد علی بن ابی طالب سے نقل کرتے ہیں کہ......''②

مشہور صوفی اور سابق شیخ الاظہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود' علی بن موسیٰ رضا کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''ان کی بہت ساری کرامات مشہور ہیں' جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک روز انہوں نے ایک تندرست وتوانا شخص سے کہا تیار ہو جاؤ' تمہیں وہ معاملہ درپیش آنے والا جس سے کسی کو مفر نہیں۔ چنانچہ تین دن بعد ہی وہ شخص انتقال کر گیا۔ حاکم نے ابو حبیب سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے حضور کو خواب میں دیکھا' وہ اس مقام

---

① ''طبقات الصوفیہ'' مصنف ابو عبدالرحمٰن السلمی 'ترتیب احمد الشرباصی 'مطبوعہ: مطابع الشعب۔ نیز ''نفحات الانس'' مصنف الجامی' ص/۳۹' فارسی ایڈیشن.

② ''طبقات الاولیاء'' مصنف ابن الملقن' المتوفی ۸۰۴ھ' ص/۴۹۳' مطبوعہ: مکتبہ الخانجی قاہرہ' پہلا ایڈیشن ۱۳۹۳ھ.

پر تشریف فرما تھے جہاں حاجی واپس لوٹ کر ٹھہرتے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک ٹوکرا تھا جس میں بہت سی کھجوریں پڑی ہوئی تھیں' حضور ﷺ نے اس کٹورے میں سے مجھے اٹھارہ کھجوریں دیں' بیس دن کے بعد علی رضا بھی ہمارے شہر میں آئے اور انہوں نے بھی اسی مقام پر قیام کیا جہاں میں نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کو قیام کرتے دیکھا تھا۔ لوگ ان سے مصافحہ کرنے کے لیے دوڑ پڑے' میں بھی انہیں ملنے گیا تو میں نے دیکھا وہ اسی مقام پر بیٹھے ہوئے تھے جس پر حضور تشریف فرما ہوئے تھے' ان کے سامنے کھجوروں کا ایک ٹوکرا پڑا تھا' علی بن موسی رضا نے اس ٹوکرے میں سے مٹھی بھر کر مجھے کھجوریں دے دیں' میں نے شمار کیں تو وہ اتنی ہی تھیں جتنی حضور ﷺ نے مجھے دی تھیں، تو میں نے ان سے کہا مجھے تھوڑی سی کھجوریں اور دے دیں، وہ کہنے لگے اگر حضور ﷺ نے تجھے اور دی ہوتیں تو میں بھی تجھے اور دے دیتا۔''①

یہ بات بھی عجائبات میں سے ہے کہ جس ترتیب سے شیعہ اپنے اماموں کی تفصیل بیان کرتے ہیں، اسی ترتیب کے ساتھ صوفیاء اپنی سند کو بیان کرتے ہیں۔ اور یہ سند جا کر شیعہ کے بارہ اماموں پر ختم ہوتی ہے۔

احمد الکبیر الرفاعی لکھتے ہیں:

''میں نے خرقہ تصوف اپنے ماموں شیخ المشائخ سیدنا منصور البطائحی الربانی سے حاصل کیا، انہوں نے یہ خرقہ اپنے ماموں شیخ ابوالمنصور الطیب، انہوں نے اپنے چچازاد بھائی شیخ ابوسعید یحییٰ البخاری الانصاری سے، انہوں نے شیخ ابوترمذی سے، انہوں نے شیخ ابوالقاسم السندوسی الکبیر سے، انہوں نے شیخ ابومحمد دویم البغدادی سے، انہوں نے شیخ امام تاج العارفین ابوالقاسم جنید بغدادی سے، انہوں نے شیخ سری سقطی سے، انہوں نے شیخ معروف کرخی سے، انہوں نے امام زمان حجت اہل عرفان امام ابن الامام علی رضا سے، انہوں نے اپنے والد ملجائے اولیاء باغ ولایت

① ''الرسالۃ القشیریۃ'' ص ۶۵ /.

کے نور، کرامات کے منبع اور مقام ظہور ابوالحسن موسیٰ الکاظم سے، انہوں نے اپنے والد امام جعفر صادق سے، انہوں نے اپنے والد صاحب السر الطاہر امام محمد الباقر سے، انہوں نے اپنے والد امام الائمہ ابومحمد زین العابدین سے، انہوں نے اپنے والد نواسہ رسول شہید کربلا امام حسین سے، انہوں نے اپنے والد امام الائمہ امیر المؤمنین عالی مرتبت ومقام امام ابوالحسن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا۔''①

رفاعی خود ہی ایک طریقے سے اس سند کو بیان کرتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں:

''توبہ کے اس طریق کا ظہور ذاتِ احمد مصطفی سے ہوا۔ ان سے سیدہ بتول عذرا ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک سیدہ نساء اہل جنۃ ام السبطین حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا نے حاصل کیا' ان سے ان کے شوہر عالی مقام جلیل القدر وجلیل العزم شخصیت نے حاصل کیا جن کا مقام بمطابق حدیث وہی ہے جو ہارون کا حضرت موسیٰ کی نسبت سے تھا۔ انہوں نے خلافت کے اس خلعت کو بطریق احسن لیا اور اس کے تمام تقاضے پورے کیے۔ یہاں تک کہ واصل بحق ہوئے۔ تو اس عظیم مقام ومرتبت کی نورانی بارش ختمی مرتبت کے نواسوں حضرت حسن اور حسین پر پڑی، پھر آپ کے بعد نسل در نسل چلتی یہ خلعت بڑھتی رہی، یہاں تک امام آخر زماں تک جا پہنچی۔''②

محمد معصوم شیرازی اس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

''علی بن ابی طالب ولایتِ محمدیہ کو ختم کرنے والے ہیں۔ کمیل بن زیاد النخعی' حسن بصری اور اویس قرنی نے علی بن ابی طالب سے اس ولایت کو حاصل کیا۔ شقیق بلخی نے اس ولایت کو امام کاظم سے حاصل کیا' شیخ ابویزید نے جعفر صادق سے اس ولایت کو حاصل کیا۔ شیخ معروف نے امام رضا سے اور شیخ سری سقطی نے حضرت معروف سے' اور شیخ جنید بغدادی نے شیخ سری سقطی سے حاصل کیا''۔

① ''قلادۃ الجواہر فی ذکر الرفاعی واتباعہ الاکابر'' مصنف محمد ابوالہدیٰ الرفاعی' ص ۳۷۵/۳۔ نیز ''المنہج الموصل الی الطریق الانہج'' مصنف مصطفی الصاد۔

② ''المجالس الرفاعیہ'' مصنف احمد رفاعی' ص ۱۰۷/۱' مطبوعہ: مطبعۃ الارشاد بغداد ۱۹۷۱ء۔

عجیب بات یہ ہے کہ شیعہ اثنا عشریوں کی طرح صوفی بھی حضرت حسن عسکری کا ایک بیٹا مانتے ہیں، حالانکہ تمام اہل سنت مؤرخین حتیٰ کہ بعض شیعہ مؤرخین اور حضرت حسن عسکری کے بہن بھائیوں کی گواہی بھی اس امر پر دال ہے کہ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس حوالے سے ہم مشہور شیعہ مؤرخ الکلینی کی ایک عبارت نقل کریں گے، وہ لکھتا ہے:

''جب حضرت حسن عسکری کی تدفین ہوئی تو بادشاہ سمیت سارے لوگ ان کی آل اولاد کی تلاش میں تھے، ہر جگہ تلاش کی جاتی رہی، اس وقت تک ان کی میراث تقسیم نہیں ہوئی۔ ایک باندی کے بارے میں خیال کیا جا رہا تھا کہ وہ حضرت حسن عسکری سے حاملہ ہے، چنانچہ اسے خاص نگرانی میں رکھا گیا، یہاں تک کہ ظاہر ہو گیا کہ اس کے پیٹ میں کوئی حمل نہیں۔ جب باندی کے بارے میں بھی تصدیق ہو گئی تو حضرت حسن عسکری کی میراث کو ان کی ماں اور بھائی جعفر کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ ان کی والدہ نے قاضی کے سامنے حسن عسکری کی ایک وصیت پیش کی جو تمام تر تحقیق کے بعد ثابت ہو گئی، چنانچہ انہی کو ان کا وارث بنایا گیا۔'' ①

اس واقعے کو بہت سے شیعہ مؤرخین نے نقل کیا ② مثلاً طبرسی نے اپنی کتاب ''اعلام الوریٰ'' ③ اربلی نے اپنی کتاب ''كشف الغمة'' ④ ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب ''جلاء العيون'' ⑤ صاحب الفصول نے اپنی کتاب ''فصول المهمة'' ⑥۔ عباس القمی نے اپنی کتاب ''منتهى الآمال'' ⑦ میں نقل کیا ہے۔

مشہور شیعہ مصنف نوبختی اپنی کتاب ''فرق الشيعه'' میں لکھتا ہے:

''حسن عسکری کا انتقال ہوا تو ان کی کوئی اولاد نہیں تھی، چنانچہ ان کی وراثت ان کے

① ''كتاب الحجة الكافی'' ص/۵۰۵، مطبوعہ: تہران۔
② مذکورہ بالا حوالہ، ص/۳۳۹۔
③ مذکورہ بالا حوالہ، ص/۳۷۸۔۳۷۷۔ ④ ج/۳ ص/۱۹۹۔۱۹۸۔
⑤ امام مہدی کے ذکر والے باب میں۔
⑥ مذکورہ بالا حوالہ میں۔
⑦ مذکورہ بالا حوالہ میں۔

بھائی جعفر اور ان کی والدہ میں تقسیم ہوئی۔''①

لیکن صوفی اس بات کے قائل ہیں کہ حسن عسکری کی اولاد تھی' ان کا ایک بیٹا تھا اور وہی امام مہدی ہے جس کا ظہور ہوگا۔ صوفیوں اور شیعوں کے اس عقیدے میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے بلکہ صوفی مصنّفین انہی الفاظ کے ساتھ پورے واقعے کو نقل کرتے ہیں جیسے شیعہ کرتے ہیں' ملاحظہ ہو:

''حضرت مہدی کا خروج ہوگا جو حسن عسکری کی اولاد میں سے ہیں' ان کی پیدائش ماہ شعبان کے نصف ۲۵۵ھ کو ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ان کا خروج ہوگا' ابھی تک وہ مخفی ہیں۔ اگر حساب کیا جائے تو اس وقت یعنی ۹۵۸ھ کو ان کی عمر ۷۰۶ برس بنتی ہے۔ مجھے شیخ حسن العراقی نے یہی بتایا ہے''۔

شیخ علی الخواص بھی اسی طرح کی بات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شیخ محی الدین نے اپنی کتاب فتوحات کے باب ۳۶۶ میں یہ عبارت لکھی ہے:

''جان لو کہ امام مہدی کا خروج ضروری ہے، اس وقت ان کا خروج ہوگا جب زمین ظلم اور جور سے بھر چکی ہوگی۔ چنانچہ امام اپنے خروج کے ساتھ اس زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔ اس دنیا کے خاتمے میں اگر ایک دن بھی رہ گیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا طویل فرما دیں گے تاکہ امام کا ظہور ہو، یہ خانوادہ رسول میں سے ہوں گے' حضرت فاطمہ کی اولاد میں سے ہوں گے، ان کے دادا حسین بن علی بن ابی طالب اور ان کے والد حسن عسکری بن علی النقی بن محمد التقی بن امام علی الرضا بن امام موسیٰ الکاظم، بن امام جعفر صادق بن امام محمد الباقر بن امام زین العابدین علی بن امام حسین بن امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہوں گے۔''②

صوفیوں کے مشہور فرقہ رفاعیہ کے بانی اپنے شیخ رفاعی کو بارہ اماموں کے بعد تیرہواں امام تسلیم کرتے ہیں۔③

---

① ''فرق الشیعہ'' مصنف نوبختی'' ص ۱۱۹/۔۱۱۸، مطبوعہ: کربلا عراق۔

② ''الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر'' ج ۲/ص ۱۴۳/۔

③ ''المجالس الرفاعیہ'' مقدمہ سید خاشع الراوی الرفاعی' ص ۶/۔

اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صوفیوں کے عقائد اور شیعوں کے عقائد میں کوئی فرق نہیں بلکہ جس طرح شیعہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں اور انہیں حضرت علی کی اولاد ثابت کرتے ہیں، ان کی جانب بہت سی خرافات منسوب کرتے ہیں' اسی طرح صوفی بھی قدم بہ قدم شیعوں کے راستے پر چل رہے ہیں۔

صرف یہی ایک بات اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ تصوف پر بنیادی اثر شیعیت کا ہے۔
ہم اپنی گفتگو کا اختتام مشہور صوفی ابوظفر ظہیر الدین القادری کے اس مقولے پر ختم کریں گے:

''مقام قطبیت بارہ اماموں کو بطریق استقلال حاصل ہوا' اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کے لیے بطریق نیابت یہ مقام ثابت ہوا۔①''②

---

① ''الفتح المبین'' مصنف ظہیر الدین القادری، ص ۱۸۔
② تصوف تاریخ وحقائق: ص ۱۸۱ تا ۲۰۳۔

ولی اور نبی کے درمیان مساوات

شیعوں کی طرح صوفی بھی ولایت اور نبوت کو برابر سمجھتے ہیں بلکہ وہ ولایت کو نبوت اور رسالت پر افضل بھی سمجھتے ہیں۔ یہاں ہم چند عبارات کو نقل کریں گے جس سے ہمیں اپنی بات سمجھانے میں مدد ملے گی۔

لسان الدین خطیب کہتے ہیں:

"ولایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اتنا قریب کرے کہ اتنا قریب نبی بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے تمام معاملات میں اپنا نائب مقرر کرے' تو ولی بہت سے امور میں نبی کے مساوی ہوتا ہے۔ مثلاً ولی بھی علم کسبی طریقے سے حاصل نہیں کرتا، بلکہ اسے علم وہبی طریقے سے حاصل ہوتا ہے۔ ولی سے بھی نبی کی طرح ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو عام لوگوں سے صادر نہیں ہوتے۔"

فضیل بن عیاض منیٰ کے ایک پہاڑ پر کھڑے تھے تو کہنے لگے:

"اگر اللہ کا کوئی ولی اس پہاڑ پر کھڑا ہو اور اس پہاڑ کو چلنے کا حکم دے دے تو یہ پہاڑ چل پڑے گا۔ ان کی یہ بات سنتے ہیں منیٰ کے اس پہاڑ میں حرکت آگئی اور وہ چلنے لگا، فضیل بن عیاض نے کہا ابھی تو میں نے تمہیں چلنے کا نہیں کہا' رک جاؤ۔ چنانچہ وہ پہاڑ رک گیا۔

اسی طرح ولی ان چیزوں کو سن سکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے جنہیں عام طور پر لوگ سن اور دیکھ نہیں سکتے۔ صوفی اور ولی کے درمیان فرق الٰہی خطاب میں ہوتا ہے۔ دونوں کی معراج میں فرق ہوتا ہے۔ اگر چہ اصول یعنی مقامات کے اعتبار سے وہ دونوں اکٹھے ہوتے ہیں لیکن نبی نورِ اصلی کے ذریعے معراج کرتا اور ولی اس نورِ اصلی سے حاصل کردہ نور سے معراج کرتا ہے۔ وہ دونوں اگر چہ ایک ہی مقام پر پہنچتے ہیں لیکن ان کے مرتبہ اور مقام میں فرق ہوتا ہے۔ نبی فنا اور بقا' جمع اور فرق والے

مقام پر کھڑا ہوتا ہے اور ولی اپنے نبی کی روحانیت کے ذریعے سے ان مقامات کو حاصل کرتا ہے اور نبی کے مقام کی وجہ سے وہ ان مقامات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ ہاں' جو محمد ﷺ کی امت کے اولیاء ہیں تو جیسے ان کے نبی ﷺ تمام انبیاء کے مقامات کے جامع ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام انبیاء کے مقامات کا وارث بنایا' ان تک اپنا نور پہنچایا اور ان کی وساطت سے سارے انبیاء کو نبوت' رسالت اور نور ملا۔ پھر اولیاء کرام دیگر انبیاء کے اس اعتبار سے مشابہ اور شریک ہوتے ہیں کہ وہ انبیاء کی طرح حضور ﷺ سے استفادہ کرتے ہیں اور نور حاصل کرتے ہیں۔ اسی بات کی طرف حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ میری امت کے اولیاء دیگر قوموں کے انبیاء کی طرح ہیں۔ یہ اولیاء آدم، ادریس، اسحاق، اسماعیل، یوسف، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کی ولایت کے وارث ہوتے ہیں۔ لیکن سارے انبیاء کرام یہ مقام حضور ﷺ کے ذریعے حاصل کرتے ہیں، سوائے قطب کے، کہ وہ براہ راست اس مقام تک پہنچتا ہے۔''①

مزید کہتے ہیں:

''اولیاء کے چار مقامات ہوتے ہیں' سب سے پہلا مقام نبوت کی خلافت ہے، دوسرا مقام رسالت کی خلافت ہے، تیسرا مقام اولوالعزم انبیاء کی خلافت ہے اور چوتھا مقام منتخب اور چنیدہ انبیائے کرام کی خلافت ہے۔ نبوت کی خلافت علماء کو ملی، رسالت کی خلافت ابدال کو ملی، اولوالعزم پیغمبروں کی خلافت اوتاد کو ملی اور اللہ کے منتخب اور برگزیدہ انبیاء کی خلافت قطب کو ملی۔ بعض اولیاء ایسے ہیں جو انبیاء کے برابر ہوتے ہیں، بعض وہ ہیں جو رُسل کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ بعض اولوالعزم کے قائم مقام اور بعض اللہ کے منتخب اور چنیدہ بندوں کے قائم مقام ہوتے ہیں۔②

اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ ولایت نبوت کا سایہ ہے۔ اور نبوت الوہیت کا سایہ

① ''روضۃ التعریف'' مصنف لسان الدین الخطیب ص ۵۲۰/۵۱۹.

② ''جامع الاصول فی الاولیاء'' مصنف کمشخانوی ص ۵/، مطبعۃ الوھبیۃ' طرابلس لیبیا ۱۳۹۸ھ.

ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام حق کا مظہر اور منبع ہیں۔ اور اولیاء کرام صدق کا مظہر اور منبع ہیں۔ اولیاء کرام کو نبوی اشاروں کے ساتھ ممتاز کیا گیا، انہیں حقیقت کی اطلاع ہوتی ہے، قدسی اسرار، روحانی انوار اور ازلی مشاہدات انہیں حاصل ہوتے ہیں۔''①

اسی طرح کمشخانوی بھی اپنی کتاب ''جامع اصول الاولیاء''② میں یہی بات کہتا ہے۔

ایک اور صوفی اس بات کو مزید وضاحت کے ساتھ کہتا ہے:

''جو خصوصیات نبی کی ہیں وہی خصوصیات ولی کی ہیں۔''③

مزید وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا باندھتے ہوئے ایک حدیث نقل کرتا ہے جس کا اصل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اولیاء کا کلام انبیاء کے کلام کے برابر ہے۔''④

ولی کی نبی پر فضیلت:

ان لوگوں نے صرف انہی بیہودہ عقائد ونظریات اور خرافات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مزید غلو کرتے ہوئے ولایت کو نبوت اور رسالت سے افضل قرار دیا اور یہ بھی کہا کہ اولیاء انبیاء اور رسل سے افضل ہوتے ہیں۔ چنانچہ صوفیوں کا ایک مشہور قول ہے:

''ہم نے ان سمندروں کی غوطہ خوری کی ہے کہ انبیاء بھی جن کے ساحلوں پر کھڑے ہیں۔''⑤

ایک اور صوفی اسی طرح کی ایک بات کہتا ہے:

① ''الفتح المبین'' مصنف ابوظفر ظہیرالدین القادری' ص/ ۵۲' مطبوعہ ''المطبعة الخیریه مصر' پہلا ایڈیشن ۱۳۰۶ھ۔

② مذکورہ بالاحوالہ' ص/ ۰۷

③ ''الفتوحات الالهيه'' مصنف ابن عجيبه الحسنی' ص/ ۲۶۴' مطبوعہ عالم الفکر ۱۹۸۳ء۔

④ ''مذکورہ بالاحوالہ' ص/ ۱۱۶۔

⑤ ''الابریز'' مصنف الدباغ' ص/ ۲۷۶۔ نیز جمهرة الاولیاء' مصنف المنوفی' ج/۱ ص/ ۲۶۶۔ نیز ''طبقات الشعرانی'' ج/ ۲' ص/ ۱۶۔ نیز ''الفتوحات الالهيه'' مصنف ابن عجیبه ص/ ۲۶۱۔ نیز ''الانسان الکامل'' مصنف الجیلی' ج/ ۱ ص/ ۱۲۴۔

''اے انبیاء کرام لقب تو تمہیں مل گئے مگر ہمیں وہ کچھ عطا ہوا جو تمہیں بھی نہ ہوا۔''①

بسطامی سے منقول ہے کہ وہ کہتا ہے:

''اللہ کی قسم میرا جھنڈا محمد کے جھنڈے سے بھی عظیم ہے' میرا جھنڈا نور کا جھنڈا ہے جس کے نیچے جنات اور انسان حتی کہ سب نبی بھی آتے ہیں۔''②

اسی بات کو بعض نے ایک شعر میں بیان کیا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''نبوت کا مقام برزخ کی طرح ہے کہ وہ رسول سے تو بالاتر مگر ولی سے نیچے ہے۔''③

مزید کہتے ہیں:

''ولایت سب سے اونچا آسمان ہے جو اس کی تیرا کی کرتا ہے وہ مطلع ہو جاتا ہے اور جو مطلع ہو جاتا ہے اسے علم حاصل ہو جاتا ہے اور جسے علم حاصل ہو جائے وہ اس علم کی روشنی میں اپنے آپ کو بدل لیتا ہے۔ یہ وہ ولی ہیں جسے لوگ نہیں جانتے، یہ وہ نکرہ ہے جو معرفہ نہیں ہوتا، کسی صورت میں قید نہیں ہوتا' ہر حالت میں وہ غربت والا لباس پہنتا ہے۔ خوشحالی ہو یا تنگدستی' اس کی حالت پر کبھی کوئی فرق نہیں آتا۔ ایک دن اس کی حالت خوشحالی والی ہوتی ہے تو دوسرے دن تنگدستی والی۔ اس کا ظرف اتنا کشادہ ہوتا ہے کہ وہ ان معاملات کو خاطر ہی میں نہیں لاتا۔④

ولایت ہر چیز کا احاطہ کرنے والی ہے' یہ گویا ایک بڑا دائرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں نبوت سے سرفراز فرماتے ہیں جو ولایت کے احکام میں سے ہے اور جسے چاہتے ہیں رسالت پہ سرفراز فرماتے ہیں اور یہ بھی ولایت کے احکام میں سے

---

① ''الانسان الکامل'' ''مصنف الجیلی' ج ۱/ص/ ۱۲۴۔ نیز ''الجواہر والدرر'' ص/ ۲۸۶۔ نیز ''الجواب المستقیم'' مصنف ابن عربی' ص/ ۲۴۷۔

② ''لطائف المنن والاخلاق'' مصنف شعرانی' ج ۱/ص/ ۱۲۵۔ نیز ''شرح شطحیات'' فارسی ایڈیشن' ص/ ۱۳۲' مطبوعہ تہران ۱۹۸۱ء۔

③ ''طبقات الشعرانی'' ج ۱/ص/ ۶۸' مطبوعہ: دار العلم للجمیع۔

④ ''التجلیات'' ص/ ۲۰' مطبوعہ: انڈیا۔

ہے۔ ہر رسول کے لیے ضروری ہے کہ وہ نبی ہو اور ہر نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ولی ہو۔ اسی طرح ہر رسول کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ ولی ہے۔ تو رسالت بھی ولایت ہی کا ایک مقام ہے، فرشتوں میں رسالت دنیا اور آخرت دونوں میں ہوتی ہے، مگر انسان میں رسالت صرف دنیا میں ہوتی ہے، آخرت میں نہیں ہوتی۔ جب انسان آخرت میں جنت یا جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو شریعت والی نبوت تو ختم ہو جائے گی مگر نبوت عامہ چلتی رہے گی۔

اصل میں رسالت احکام خداوندی کا نام ہے، احکام خداوندی کو پہچاننے کا نام ہے۔ رسالت کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص متکلم کے کلام کو سامع تک پہنچائے۔ یہ ایک حالت ہے مقام نہیں ہے۔ جب یہ پیغام پہنچ جائے تو رسول کا کام ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد نئے پیغام کو پہنچانے کے لیے اسے نیا حکم دیا جاتا ہے۔①

بخلاف ولایت کے، وہ کبھی بھی ختم نہیں ہوتی۔ وہ زمانہ اور مکان کے ساتھ محدود نہیں ہوتی اور ہر کسی کے لیے عام ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے لیے نبی اور رسول کا لقب پسند نہیں کیا بلکہ ولی کا لقب پسند کیا اور قرآن پاک میں اسی کا استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہے ﴿وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ تو یہ لفظ یعنی ولی اب بھی باقی ہے اور دنیا اور آخرت میں یہ لفظ چلتا رہے گا۔''②

ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ ولی دو قسم کے علم جانتا ہے۔ شریعت کا علم اور طریقت کا علم، یعنی ظاہر اور باطن کا علم۔ تنزیل اور تاویل کا علم۔ جب کہ رسول رسول ہونے کے اعتبار سے علم ظاہر، شریعت اور اسی علم سے واقف ہوتا ہے جو اس پر اللہ کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے۔

''جب آپ کسی نبی کو دیکھیں کہ وہ شریعت سے ہٹ کر کوئی کلام کر رہا ہے تو وہ اس وقت ولی اور عارف کی حیثیت سے کلام کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے عارف ہونے کی

---

① ''الفتوحات المکیہ'' مصنف ابن عربی، ج ۲/ ص ۲۵۷، ۲۵۶۔

② ''فصوص الحکم'' مصنف ابن عربی، ج ۱/ ص ۱۳۵، مطبوعہ: دار الکتاب العربی بیروت۔

حیثیت سے اس کا مقام زیادہ کامل اور مکمل ہوتا ہے بہ نسبت رسول کے۔''①
اسی طرح ان کے عقائد میں یہ بھی شامل ہے کہ ولی اور رسول اس فرشتے کے ذریعے علم حاصل کرتے ہیں جو ان پر اللہ کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے۔ نبی اور رسول براہ راست اللہ تعالیٰ سے علم حاصل نہیں کرتے۔ جب کہ ولی معرفت اور علم وہاں سے حاصل کرتا ہے جہاں سے یہ فرشتے حاصل کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات سے براہِ راست۔ گویا ''رسول اور نبی جو صاحبِ شریعت ہو' اس کا مرجع بھی ولایت اور علم ہے۔''②

ابن عربی انتہائی واضح اور صریح الفاظ میں کہتا ہے جس میں کسی بھی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں:

''انبیاء اور رسول، خاتم الرسل کے چراغ سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور سارے اولیاء خاتم الاولیاء کے چراغ سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ رسول جو دیکھتے ہیں وہ خاتم الاولیاء کے چراغ سے دیکھتے ہیں' اس لیے کہ رسالت اور نبوت یعنی نبوت ِ تشریعی ختم ہو جائیں گی اور ان کا سلسلہ رک جائے گا۔ جب کہ ولایت کبھی ختم نہیں ہوگی۔ پس جتنے بھی رسول ہیں' ولی ہونے کے اعتبار سے وہ خاتم الاولیاء کے چراغ سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ جب وہ روشنی حاصل کرتے ہیں تو اس کے علاوہ اور اولیاء کیسے حاصل نہیں کرتے؟ اگرچہ خاتم الاولیاء احکام کے اعتبار سے خاتم الرسل کا تابع ہوتا ہے مگر اس وجہ سے اس کے مقام پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور کسی بھی طرح اس کے مقام میں کمی نہیں آتی۔ اگرچہ ایک اعتبار سے وہ خاتم الرسل سے مرتبے میں کم ہو جاتا ہے تو کسی اور مقام پر خاتم الاولیاء خاتم الرسل سے بلند ہو جاتا ہے۔ سمجھانے کے لیے حضور ﷺ نے نبوت کی تشبیہ اینٹوں کی بنی دیوار سے دی' کہ وہ دیوار مکمل ہو چکی تھی' اس میں صرف ایک اینٹ رکھنے کی گنجائش تھی' اور وہ اینٹ حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس تھی۔ مگر یہ حضور ﷺ اس کو دیکھ نہیں رہے تھے، جیسا کہ آپ نے خود کہہ دیا ایک اینٹ کم تھی' جب کہ خاتم الاولیاء کو اس کی رؤیت حاصل

① ''الفص العزیزی'' ص/ ۱۳۵۔ ② مذکورہ بالا حوالہ۔

ہوتی ہے' وہ معاملے کو اس سے بھی زیادہ باریک بینی سے دیکھتا ہے' اسے دیوار میں دو اینٹوں کی جگہ خالی نظر آتی ہے' یہ اینٹیں سونے اور چاندی کی ہوتی ہیں۔ وہ ان اینٹوں کو دیکھتا بھی ہے جو دیوار میں کم ہیں' ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی۔ وہ اپنے آپ کو ان دونوں اینٹوں میں سے ایک کی جگہ پر دیکھ رہا ہوتا ہے۔ ایک اینٹ سے رسالت ختم ہوتی ہے اور دوسری سے ولایت ختم ہوتی ہے۔ ان دو اینٹوں میں سے ایک اینٹ خاتم الرسل اور دوسری اینٹ خاتم الانبیاء ہے۔ اب وہ دیوار مکمل ہوگئی۔ ولی کی جانب سے دو اینٹیں دیکھنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ خاتم الرسل کی شریعت کا تابع ہوتا ہے' ظاہر کے اعتبار سے یہ چاندی والی اینٹ ہے۔

چنانچہ ظاہری احکام میں وہ نبی کے تابع ہوتا ہے۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست بھی علم حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علوم سے بھی مستفید ہوتا ہے۔ یہ باطنی علم ہے اور یہی اس سونے والی اینٹ کی جگہ پر ہوتا ہے۔ یہ ولی اس اصل اور بنیاد سے علم حاصل کر لیتا ہے' جس بنیاد سے اللہ پاک کا مقرر کردہ فرشتہ علم حاصل کر کے رسول تک پہنچاتا ہے۔ اگر آپ کو یہ اشارہ سمجھ آ گیا تو سمجھ لیں کہ آپ نے علم نافع کا بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا ہے۔

ہر نبی آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی تک وہ خاتم الانبیاء کے چراغ سے نور حاصل کرتا ہے۔ خاتم الانبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ آپ اس دنیا میں سب سے آخر میں تشریف لائے لیکن حقیقی اعتبار سے آپ اس سے پہلے بھی موجود تھے' چنانچہ مشہور حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کی درمیانی حالت میں تھے۔'' اسی طرح خاتم الاولیاء بھی ہیں' وہ اس وقت بھی ولی تھے جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ خاتم الاولیاء کے علاوہ دیگر اولیاء بھی اسی وقت ولی بنے جب انہوں نے خدائی اخلاق حاصل کیے۔ خاتم الرسل کی نسبت خاتم الولایت کے ساتھ ویسے ہی ہے جیسے دیگر انبیاء اور رسل کی

طرف خاتم الرسل کی ہے۔ اس لیے کہ وہ ولی رسول اور نبی ہوتا ہے' اور خاتم الاولیاء وہ ولی ہوتا ہے جو اصل مقام سے مشاہد و مراتب کو حاصل کرتا ہے۔"①

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کوئی شخص ابن عربی کی ان یاوہ گوئیوں کا دفاع کیسے کر سکتا ہے؟ کوئی شخص کیسے کہہ سکتا ہے کہ ابن عربی ولی کو نبی پر فوقیت نہیں حالانکہ اس کی یہ عبارات اور باتیں انتہائی واضح ہیں' وہ خاتم الاولیاء کا ایک عہدہ قائم کرتا ہے اور اسے فیوض و برکات کا منبع اور محور قرار دیتا ہے' انبیاء اور رسل کے فیض کو بھی خاتم الاولیاء کے فیض سے مستنبط قرار دیتا ہے' یہ بھی کہتا ہے کہ انبیاء اور رسل بھی خاتم الاولیاء سے مدد حاصل کرتے ہیں۔ اسی کے گھاٹ سے پانی پیتے ہیں' اسی کے چراغ سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بڑی سختی کے ساتھ اپنے رسائل اور کتب میں ابن عربی اور اس کے پیروکاروں کی مذمت کی ہے' اس کے مسلک اور منہج پر سخت رد کیا ہے اور واضح طور پر یہ بیان کیا ہے کہ اس طرح کے عقائد کفریہ ہیں اور اسلام میں ان کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔②

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

"خاتم الاولیاء کا لفظ بے اصل اور فرضی ہے' اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ سب سے پہلے محمد بن علی الحکیم الترمذی نے اس لفظ کو استعمال کیا۔ ابن حموی' ابن عربی اور دمشق کے بعض اور گمراہ لوگ اس لفظ کو اپنے لیے استعمال کرتے رہے۔ ان تمام لوگوں کا دعویٰ یہ تھا کہ بعض وجوہ کے اعتبار سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہیں۔ اس طرح کے اور بھی کئی کفر اور بہتان کی باتیں انہوں نے بکی ہیں۔ ان سب باتوں کا مقصد صرف اور صرف خاتم الاولیاء کا مقام حاصل کرنا ہے۔ ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ خاتم الانبیاء تو نہ بن سکے مگر خاتم الاولیاء تو بن سکتے ہیں۔ اسی سوچ اور فکر میں وہ ہمیشہ غلطاں و پیچاں رہے اور اس غیر حقیقی مقصد اور غیر اسلامی مقام کو حاصل کرنے کے لیے ہزلیات پر آمادہ رہے۔ حالانکہ وہ ایک مغالطے کا شکار تھے'

① "فصوص الحکم" مصنف ابن عربی' ص/ ۶۲ تا ۶۴۔

② "الرسائل والمسائل" مصنف ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ج/ ۴ ص/ ۵۷' مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ' بیروت لبنان۔

خاتم الانبیاء حضور ﷺ کے لیے یہ لفظ اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ اس پر بہت سے ادلہ موجود ہیں جب کہ خاتم الاولیاء کے لیے کوئی دلیل اور ثبوت موجود نہیں ہے۔ اس امت کے اولیاء تو حقیقت میں مہاجرین اور انصار میں سے سابقون الاولون ہیں اور اس امت میں حضور ﷺ کے بعد سب سے عظیم شخصیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ بہترین زمانہ وہ زمانہ ہے جس میں حضور ﷺ مبعوث ہوئے' پھر اس کے بعد والا زمانہ' پھر اس کے بعد والا زمانہ۔ خاتم الاولیاء کی حقیقت میں وہ آخری مومن اور متقی آدمی ہوگا جو قیامت سے پہلے آئے گا لیکن وہ خیر الاولیاء تو نہیں ہوگا اس لیے کہ خیر الاولیاء اور افضل الاولیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ ہذا الترتیب ہیں۔''①

قبل اس کے کہ ہم ابن عربی اور ان جیسے لوگوں کے کچھ اور اقوال نقل کریں' ہم ابن عربی کے ہی چند اشعار کا حوالہ دینا چاہیں گے جس میں ابن عربی اپنے آپ کو خاتم الاولیاء کے مقام پر فائز کرتا ہے اور پھر اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ خاتم الاولیاء کا مقام انبیاء اور رسل سے بھی زیادہ ہے' چنانچہ وہ کہتا ہے:

''میں ہی خاتم الاولیاء ہوں اور اس میں کوئی شک نہیں ہے
مسیح اور ہاشمی میرے ہی وارث ہیں
میں ہی ابوبکر العتیق ہوں' میں ہی ہر جسم اور روح کو تشکیل دیتا ہوں
قرآن میں میرا ہی ذکر فصاحت سے آیا ہے
جو شخص وحی صریح کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کرتا ہے میں اس کی عقل کو باندھ دیتا ہوں
میرے پاس وہ تقویٰ ہے جو مجھے صحیح خبریں دیتا ہے
نیک اور متقی لوگ بھی اس معاملے میں میرا ساتھ دیتے ہیں
وہ ہر واجب اور مستحب میں میری ہی اتباع کرتے ہیں۔''②

① ''فتاویٰ شیخ الاسلام'' ج/ ۱۱ ص/ ۴۴۴۔
② ''الفتوحات المکیہ'' مصنف ابن عربی' ج/ ۴ باب/ ۴۳ ' ص/ ۱۷ ' مطبوعہ: الهيئة المصرية العامة للكتاب ۱۹۷۵ء۔

یہاں ہم حکیم ترمذی کے حوالے سے کچھ باتیں نقل کرنا چاہیں گے۔ ابن عربی نے اپنا فلسفہ حکیم ترمذی سے ہی اخذ کیا ہے۔ گویا حکیم ترمذی فکری اعتبار سے ابن عربی کا استاد ہے۔ حکیم ترمذی بھی اس بات کا قائل ہے کہ نبی علم اور معرفت کی باتیں اللہ کی جانب سے مقرر کردہ فرشتے کے ذریعے حاصل کرتا ہے' لیکن ولی کسی واسطے کے بغیر براہِ راست ذاتِ باری تعالیٰ سے حاصل کرتا ہے۔

حکیم ترمذی سے پوچھا گیا کہ نبوت اور ولایت میں کیا فرق ہے؟ وہ کہتا ہے:

''نبوت اور ولایت کے درمیان فرق یہ ہے کہ نبوت وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ سے وحی کے ذریعے جدا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف سے روح بھی اس میں شامل ہوتی ہے' وحی ختم ہوتی ہے تو اس کے ساتھ وہ روح بھی ختم ہو جاتی ہے' لیکن ولایت اس سے مختلف معاملہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی جانب سے اس کے قلب پر پیغامِ خداوندی نازل ہوتا ہے اور ولی اسے سمجھ لیتا ہے۔ وہ کلام ذاتِ خداوندی سے جدا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ سکینت بھی ہوتی ہے' یہ سکینت ولی کے دل کی سکینت پر نازل ہوتی ہے اور پیغام خداوندی و کلام خداوندی کو جان اور سمجھ لیتا ہے۔①

پھر حکیم ترمذی خاتم الاولیاء کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

''جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس دنیا سے اٹھا لیا تو پوری امت میں چالیس صدیق بنائے گئے جن پر دنیا قائم ہے اور جو حضور کے اہل بیت میں سے ہیں۔ جب بھی ان میں سے کوئی ایک فوت ہوتا ہے' دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ یہاں تک کہ جب چالیس کی تعداد پوری ہو جائے گی اور اس دنیا کے خاتمے کا وقت قریب آ جائے گا تو اللہ تعالیٰ ولی کو بھیجیں گے' ایسا ولی جو اللہ کا منتخب اور برگزیدہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے قرب سے نوازتے ہیں' اس کے پاس وہ سارے اختیارات ہوتے ہیں جو اولیاء کے پاس ہوتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ خاتم الاولیاء کے مقام پر فائز کریں گے۔

وہ قیامت کے دن تمام اولیاء پر اللہ کی طرف سے حجت ہوگا۔ ختم ولایت کی وجہ سے

① ''ختم الولایہ'' فصل ۱۰۷' ص ۳۴۶' ۳۴۷۔

اسے وہ تمام خصوصیات حاصل ہوں گی جو ختم نبوت کی وجہ سے حضور کو حاصل ہوئیں۔ان کا کوئی بھی دشمن ان تک نہیں پہنچ پائے گا اور کسی بھی شخص کے لیے ان کی بات ماننے اور ان کی برکات سے اپنا حصہ لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوگا۔جب قیامت کے دن سارے اولیاء ظاہر ہوں گے اور وہ ولایت اور عبودیت کی صداقت کا تقاضا کریں گے تو وہ خاتم الاولیاء کے پاس اس حقیقت کو پائیں گے۔ خاتم الاولیاء ان پر یعنی تمام اولیاء پر اور ان کے علاوہ تمام موحدین پر اللہ کی طرف سے حجت ہوگا۔قیامت کے دن وہ ان کا شفیع ہوگا' ان کا سردار ہوگا اور تمام اولیاء کی قیادت کرے گا۔جس طرح حضور ﷺ انبیاء کی قیادت کریں گے' اس کے لیے مقامِ شفاعت نصب کیا جائے گا' وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ثناء اور حمد بیان کرے گا۔اور اس طریقے سے بیان کرے گا کہ سارے اولیاء علمی اعتبار سے اس کے فضل اور تفوق کے قائل ہو جائیں گے۔آخرت کے تمام مقامات میں اس کو ہمیشہ اولیت اور فضیلت حاصل رہے گی۔ابتدا میں، ذکر میں، علم' مشیت' لوحِ محفوظ' میثاق' محشر' اللہ کا پڑوس' خطاب' شفاعت' جنت میں دخول' زیارت خداوندی' ہر مقام پر اسے اولیت حاصل ہوگی اور اولیاء میں سے سب سے پہلے اسی کا نام لیا جائے گا۔''①

کسی شخص نے سوال کیا کہ اس کا مقام کیا ہوگا؟ حکیم ترمذی نے بتایا:

''وہ اولیاء کے اعلیٰ ترین منازل پر فائز ہوگا۔کوئی بھی اس کی ہمسری نہیں کر سکے گا۔وہ بادشاہ کے دربار میں وزیروں کی طرح ہوگا اور وہ خزائن سعی سے ہدایا اور تحائف دے گا۔کسی نے سوال کیا کہ خزائن سعی کیا چیز ہیں؟ حکیم ترمذی نے کہا تین قسم کے خزائن ہیں' ایک کا نام خزائن المنن ہے' یہ اولیاء کے لیے ہیں۔ایک ہے خزائن السعی' یہ خاتم الاولیاء کا ہے۔اور ایک ہے خزائن القرب' یہ انبیاء کے لیے ہیں۔خاتم الاولیاء خزائن المنن اور خزائن القرب کے درمیان ہے۔یہ ان دونوں کے درمیان تعلق اور واسطے کا کام کرتا ہے۔انبیاء کے مقام اور ان کے مراتب اس

① ''ختم الولایہ'' فصل ۹٧' ص ۳۴۵-۳۴۳۔

کے سامنے ہوتے ہیں اور یہ ان کے ہدایا اور عطایا سے بھی محظوظ ہوتا رہتا ہے۔''①

حکیم ترمذی یہ بھی کہتا ہے:

''اولیاء میں سے ایک شخص ایسا ہوتا ہے جو سب سے بلند مقام اور مرتبے کا حامل ہوتا ہے۔ اس کی ہر حرکت اور عمل قبضہ خداوندی میں ہوتی ہے۔ وہ خدا کے حکم اور اس کی مرضی سے ہی چلتا پھرتا ہے' بولتا ہے' سنتا ہے' دیکھتا ہے' ہاتھ پاؤں ہلاتا ہے' حرکت کرتا ہے۔ زمین پر اس کا شہرہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی مخلوق کا امام بناتے ہیں۔ اولیاء کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اہل ارض کو امان اس کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور اہل سماں کی نگاہ اس پر ٹکی رہتی ہے۔ وہ جنت کا پھول ہوتا ہے' خدا کا خاص ہوتا ہے اور اس کے راز واسرار کا واقف ہوتا ہے۔ وہ زمین پر خدا کی لاٹھی ہے کہ اس کے ذریعے خدا اپنی مخلوق کی تربیت کرتا ہے۔ وہ اپنے دیدار کے ذریعے مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے' مخلوق اس کے راستے پر چلتی ہے اور اپنے حقوق کو پہچانتی ہے۔ وہ ہدایت کی کنجی اور زمین پر چراغ کی مانند ہوتا ہے۔ وہ اولیاء کے صحیفے کا امین اور ان کا قائد ہوتا ہے۔ قیامت کے دن حضور ﷺ کے سامنے وہ اپنے رب کی تعریف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کے ذریعے معاملات دنیا کو چلاتے ہیں۔ خدا نے اسے اپنی حکمت سے نوازا اور اپنی توحید کے ذریعے اس کی رہنمائی کی۔ اسے نفسانی خواہشات کے اتباع اور گمراہیوں سے پاک کیا۔ اسے صحیفۃ الاولیاء کا امین بنایا اور ہر ولی کے مقام کی پہچان کرائی۔ اس نے ان اولیاء کو ان کے منازل کے بارے میں آگاہی دی۔ یہ نیک لوگوں کا سربراہ' بیماریوں کی شفا اور طبیبوں کا امام ہے۔ اس کا کلام دلوں کو گویا قید کر لیتا ہے اور اس کے دیدار سے نفوس کو شفا ملتی ہے۔ اس کی آمد خواہش نفسانی کا خاتمہ ہے اور اس کا قرب گندگیوں سے پاکی کا ذریعہ ہے۔ یہ وہ بہار ہے جس کا نور ہمیشہ اپنے جوبن پر رہتا ہے۔ وہ غار ہے جس کی طرف ہر بھولا بھٹکا پناہ لیتا ہے۔ یہ وہ

① ''ختم الولایہ'' فصل ۹/۹' ص ۳۶۷/۳۶۷.

دوکان ہے کہ ہر کوئی اپنا حصہ لینے اس کی طرف آتا ہے۔ یہ حق اور باطل کے درمیان حد فاصل ہے۔ یہی صدیق ہے یہی فاروق ہے۔ یہی ولی عارف اور محدث ہے۔ اللہ کی زمین پر یہ ایک وقت میں ایک ہی ہوتا ہے۔''①

متاخرین صوفیا اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اس بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ چنانچہ داؤد قیصری کہتا ہے:

''نبوت ایک بڑے اور مکمل دائرے پر مشتمل ہے۔ اس دائرے کے اندر بہت سے اور دائرے بھی ہیں جو اس سے مختلف اور محیط کے اعتبار سے بھی فرق کے ساتھ ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ ظاہر' باطن کے ذریعے ہی تائید' قوت' قدرت' تصرف اور علوم حاصل کرتا ہے۔ ظاہر' باطن کے بغیر کچھ بھی نہیں اور بذات خود وہ کوئی مقام بھی حاصل نہیں کرسکتا۔ باطن مقام ولایت ہے۔ اور ولایت کا لفظ ولی سے ماخوذ ہے جس کا معنی قریب ہونا ہے۔ ولی کا لفظ حبیب اور دوست کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ تو ظاہر نبوت اور باطن ولایت ہے۔ نبوت کا باطن ولایت ہے اور ولایت بھی عام اور خاص دو قسموں پر ہے' ولایت عامہ تو ہر اس شخص کو حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ ولایت عامہ میں عام لوگ شامل ہیں اور ان کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں'' اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا '' اللہ ایمان والوں کا ولی ہے۔ دوسری قسم ولایت خاصہ کی ہے جس میں صرف سالکین' واصلین شامل ہوتے ہیں۔ ولی وہ فانی چیز ہے جسے ہمیشہ بقا رہے گا۔ اگر چہ فنا اس کو لازم ہے کیوں کہ فنا کے ذریعے ہی انسان حق تعالیٰ سے علیحدہ ہوتا ہے اور فنا ہی انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان فرق ہے۔ لیکن چونکہ یہ حق تعالیٰ کے ساتھ قریب اور ملحق ہوتا ہے اس لیے اسے بقا بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے وہ خدا تعالیٰ کے انتہائی قریب ہوتا ہے اور اسے یہ قرب ہمیشہ حاصل رہتا ہے۔ گویا یہ بہت سے دائرے ہیں' اولیاء کا دائرہ نبوت کے دائرے سے بڑا اور مکمل

① ''نوادر الاصول'' مصنف الترمذی' ص ۱۵۸/۱۵۷۔

ہے اس لیے نبوت تو ختم ہوگئی مگر ولایت ابھی بھی باقی ہے۔ ''وَلِیٌّ'' اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، نبی نہیں ہے۔ جب ولایت اپنے دائرہ کار اور احاطہ کے اعتبار سے نبوت سے بڑی ہوگئی تو یہ انبیاء اور اولیاء دونوں کو شامل ہے۔ انبیاء وہ اولیاء ہیں جو حق پر فنا ہوگئے، حق کو لے کر چلے، جنھوں نے غیب اور اسرار کی باتوں کی خبر دی۔ اس لیے ولایت کے کمال کی کوئی انتہا نہیں ہے اور اولیاء کے مراتب بھی لامتناہی ہیں۔''

اس طرح کی اور بھی باتیں ہیں جنہیں یہ نام نہاد صوفی ذکر کرتے ہیں۔①

ابن عربی کا ایک اور شیعہ شاگرد بھی اسی طرح کی بات کرتا ہے جس طرح داوٗد قیصری نے کی، چنانچہ وہ کہتا ہے:

''درحقیقت ولایت باطن نبوت ہے۔ نبی، رسول اور ولی کے درمیان فرق یہ ہے کہ نبی اور رسول کو مخلوق کے ظاہر میں شریعت کے لحاظ سے تصرف کا اختیار ہے جب کہ ولی کو ان کے باطن اور حقیقت میں تصرف کا اختیار ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نبوت تو منقطع ہوگئی، لیکن ولایت کبھی بھی منقطع نہیں ہوگی۔''②

عزیز الدین بن محمد النسفی المتوفی ۶۷۱ھ اپنی کتاب ''زبدۃ الحقائق'' میں لکھتا ہے:

''صوفیوں کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبوت کا باطن اور ولایت ہے اور ولایت کا باطن علم خداوندی ہے۔''③

اسی طرح النسفی اپنی ایک اور کتاب ''الانسان الکامل''④ میں بھی اس طرح کی باتیں لکھتا ہے۔

النسفی کی ایک اور کتاب ہے ''کشف الحقائق'' اس میں وہ کہتا ہے:

''اے عارف جان لو کہ عارفین تین قسم کے ہوتے ہیں، حکماء، انبیاء اور اولیاء۔ حکیم وہ ہوتا ہے جسے چیزوں کی طبیعت اور ان کے مزاج کا علم ہو۔ نبی وہ ہوتا ہے جسے

---

① ''شرح الفصوص'' مصنف قیصری.

② ''نص النصوص'' مصنف حیدر الآملی، ص/۹۱.

③ ''زبدالحقائق'' مصنف النسفی، فارسی ایڈیشن، ص/۵۹، مطبوعہ: ایران ۱۴۰۵ھ.

④ مذکورہ بالا حوالہ، ص/۱۱۰

چیزوں کی طبیعت کے ساتھ ساتھ اس کے خواص کا بھی علم ہو۔ ولی وہ ہوتا ہے جسے اشیاء کی طبیعت اور خواص کے ساتھ ساتھ حقائق کا بھی علم ہو۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جس کا علم اور قدرت ولی کے برابر ہو۔ اس لیے کہ تجلیات خداوندی دو قسم پر ہیں' تجلی عام اور تجلی خاص۔ تجلی عام تو موجودات میں پائی جاتی ہے اور تجلی خاص سے مراد ولی ہے۔ یہ ولایت خدا کا وصف ہے جس کے بارے میں خدا خود اپنی کتاب میں کہتا ہے:

''اللہ ہی ولی ہے' وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے' وہی ہر چیز پر قادر ہے اور اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔''①

ایک اور مقام پر اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

''معرفت کی تین اقسام ہوتی ہیں' پہلی قسم کسی چیز کی طبیعت کی معرفت' یہ حکماء کا مرتبہ ہے۔ دوسرا کسی چیز کی خاصیت کی معرفت' یہ انبیاء کا مرتبہ ہے۔ تیسرا کسی چیز کی حقیقت کی معرفت' یہ اولیاء کا مرتبہ ہے۔ اور جان لو کہ وحدت نے نبی کو حکیم پر فضیلت دی ہے اور ولی کو نبی پر فضیلت دی ہے۔ ہر نبی حکیم ہوتا ہے اور ہر ولی نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی ولی نہیں ہوتا۔''②

اسی طرح ایک اور مشہور صوفی سید الدین حموی اپنی مثنوی میں کہتا ہے:

''ولایت کی واؤ نبوت کی نون کی نسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اسی قربت کی وجہ سے ولایت نبوت سے افضل ہے''۔

پھر وہ یہ اشعار نقل کرتا ہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''کلمہ ولایت کا پہلا حرف واؤ ہے اور واؤ کا درمیانی حرف الف ہے
اے مرید تو اس نقطے کو سمجھ لے
نبوت کا حرف اولین نون ہے اور نون کے درمیان میں حرف واؤ آتا ہے

① ''کشف الحقائق'' مصنف عزیز الدین النسفی' فارسی ایڈیشن' ص/۵۹ مطبوعہ: ایران ۱۳۵۹ھ۔
② مذکورہ بالا حوالہ' ص/۱۰۲۔

تو یہ بات ثابت ہوئی کہ نبی کا قلب اور ولی کی روح اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے۔''①

تو یہ صوفیوں کے عقائد ہیں جو وہ اولیاء اور ولایت کے بارے میں رکھتے ہیں۔ یہ ہو بہو شیعوں والے عقائد ہیں جنہیں ہم نے پہلے بیان کیا۔ شیعہ بھی ولی کو نبی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ بعض مقامات پر وہ تقیہ سے کام لیتے ہیں چھپاتے بھی ہیں مگر ان کی کتب اصول میں اس طرح کے اقوال ملتے ہیں جس کے مطابق ولی رسول سے بلند ہوتا ہے اور اس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ سے کچھ ہی کم ہوتا ہے' بلکہ بعض دفعہ تو وہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان فرق کو بھی ختم کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ولی ذات خداوندی اور عین خداوندی ہے' چاہے ولی اس ذات کے ساتھ مل جائے' یا وہ ذات ولی کے ساتھ متحد ہو جائے۔ اسی لیے شیعہ اپنی کتابوں میں ایک جملہ نقل کرتے ہیں جو انتہائی قابل غور ہے:

''اگر ولی کی حقیقت سب کو پتہ لگ جائے تو وہ خدا کی طرح اس کی بھی عبادت کرنے لگیں۔②''③

① ''چہل مجلس''، مصنف علاؤالدین سمنانی' ص/ ۴۶۔ ۴۵۔
② ''غیث المواھب العلیہ'' مصنف نفزی الرندی' ج/ ۱ ص/ ۲۳۵' تحقیق ڈاکٹر عبدالحلیم محمود۔
③ تصوف تاریخ وحقائق: ص ۲۳۲ تا ۲۴۴۔

شریعت اور احکام شریعت کا منسوخ اور ختم ہونا

شیعوں کا ایک اور عقیدہ بھی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ شریعت منسوخ ہو چکی ہے اور شریعت کے احکام یعنی انسان جن چیزوں کا مکلف تھا' وہ اب ختم ہو چکی ہیں۔ تمام باطنی فرقے شریعت کی نسخ پر متفق ہیں' اگرچہ بظاہر وہ اس کا اقرار نہیں کرتے مگر ان کے اقوال وعقائد سے اس کی تصدیق ہوتی ہے' جیسا کہ غزالی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ ①

اسی طرح مشہور اسماعیلی امام المعزلدین اللہ نے اپنی کتاب ''ہفتے بھر کی دعائیں'' میں بھی اسی طرح کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ②

ابو یعقوب السجستانی لکھتے ہیں:

''امام شریعت کو ختم کر دیتا ہے۔'' ③

شیعوں کے دیگر فرقے جیسے نصیریہ وغیرہ سے بھی یہی منقول ہے۔

جہاں تک شرعی احکام کے ختم ہونے کی دلیل ہے' تو مشہور اسماعیلی مصنف طاہر بن ابراہیم الحارثی الیمانی کہتا ہے:

''رات کو قیام کرنے والے دراصل اہل باطن ہیں۔ ان کے بلند مرتبے کی وجہ سے ان پر سے احکام شریعت ختم ہو گئے۔'' ④

جعفر بن محمد الباقر کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا:

''جس نے باطن کی معرفت حاصل کر لی' تو اس سے ظاہری احکام ساقط ہو گئے۔'' ⑤

① ''فضائح الباطنیہ'' ص/۴۶' مطبوعہ: مؤسسة دار الکتب الثقافیة' کویت.

② ہماری کتاب ''الاسماعیلیه القدامی تاریخ وعقائد'' باب/۵' کا مطالعہ کیجیے۔ نیز ''زھر المعانی'' مصنف ادریس الاسماعیلی۔

③ ''النصرة'' مصنف سجستانی' ص/۲۰۱' مطبوعہ: دار الثقافہ' بیروت.

④ ''الانوار اللطیفه'' دوسرا باب' ص/۱۰۲.

⑤ ''الهفت الشریف'' مصنف المفضل الجافی' ص/۴۲' تحقیق مصطفی غالب الاسماعیلی' مطبوعہ: دار الاندلس بیروت.

شیعوں کے دیگر فرقوں جیسے خطابیہ اور جناحیہ کا بھی یہی عقیدہ ہے۔①

شیعہ اور صوفی شرعی احکام کے خاتمے کے بارے میں قرآن پاک کی ایک آیت سے استدلال کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ﴾②

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے بوجھ کو ہلکا کرے۔

اسی طرح ایک اور آیت ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا﴾③ ایمان والوں کے لیے کوئی حرج نہیں جو اس سے پہلے وہ کھا چکے ہیں' اگر وہ اب ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا۔''

ان دو آیات کو لے کر شیعوں نے تاویلات کا دروازہ کھول دیا۔ حرام چیزوں کا ارتکاب شروع کر دیا۔ اثنا عشری شیعہ اپنے اماموں کے بارے میں ایک جھوٹی روایت نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں' جسے کلینی نے اپنی کتاب ''الکافی'' میں نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جعفر بن محمد الباقر نے اپنے ایک متبع اور مقلد سے کہا:

''انسان کا نامہ اعمال کسی عمل کے بغیر بھی مکمل ہو جاتا ہے۔''④

بلکہ ''وہ قیامت کے دن انبیاء کرام کے ساتھ ہوں گے۔''⑤

ابن بابویہ القمی نے علی بن موسیٰ الرضا سے نقل کیا ہے، جو شیعوں کے آٹھویں امام ہیں، کہ انہوں نے کہا:

''شیعوں کے اعمال پر سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ میں نے پوچھا جناب وہ کیسے؟ تو انہوں نے کہا اس لیے کہ انہیں تقیہ کا پردہ عطا کیا گیا۔ لوگ اس پردے کی وجہ سے برا بھلا کہتے ہیں' کوئی بھی شیعہ کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے بدلے میں

---

① ''فرق الشیعہ'' مصنف نوبختی۔ نیز ''المقالات والفرق'' سعد بن عبداللہ القمی۔

② سورۃ النساء: ۲۸/۴۔ ③ سورۃ المائدۃ: ۹۳/۵۔

④ ''الروضہ من الکافی'' مصنف الکلینی' ج ۸/ ص ۷۸' مطبوعہ: ایران۔

⑤ ''مقدمۃ البرہان فی تفسیر القرآن'' مصنف ہاشم البحرانی' ص ۲۱/' مطبوعہ: تہران۔

اسے دنیا میں ہی غم عطا کیا جاتا ہے جس سے اس کا وہ گناہ ختم ہوجاتا ہے۔ اگرچہ یہ گناہ بارش کے قطروں، ریت کے ذروں اور درخت کے کانٹوں جتنا ہی کیوں نہ ہو۔''①

ایک اور مشہور شیعہ مفسر علی بن ابراہیم القمی نے جعفر سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

''قیامت کے دن سب سے پہلے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو پکارا جائے گا، اس کے بعد اماموں کو، پھر شیعوں کو۔ چنانچہ اماموں کو ماننے والے اپنے اماموں کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ پھر فاطمہ علیہا السلام کو بلایا جائے گا، پھر ان کی اولاد اور انہیں ماننے والی خواتین کو بلایا جائے گا اور یہ سب لوگ بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوجائیں گے۔''②

مزید مطالعہ کے لیے ہماری کتاب ''الشیعہ واھل بیت'' پڑھیں۔③

مصنف ہی کی ایک اور کتاب "الشیعہ والسنہ" کے نام سے بھی لکھی گئی ہے، وہ بھی اس سلسلے میں انتہائی مفید ہے۔④

شیعوں کی طرح صوفی بھی شریعت کی منسوخی اور احکام کے خاتمے کے قائل ہیں۔

''بعض صوفی ایسے ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلسل عبادت کرنے کے بعد ایک مقام ایسا آجاتا ہے جہاں مزید عبادت کی ضرورت نہیں رہتی اور صوفیوں کے لیے زنا وغیرہ تمام محرمات حلال ہوجاتے ہیں۔''⑤

نیز یہ بھی کہتے ہیں:

''جب تم یقین کے مقام تک پہنچ جاؤ تو عبادت تم سے ساقط ہوجاتی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: تم عبادت کرو یہاں تک کہ تمہیں یقین کا درجہ

---

① "عیون اخبار الرضا" مصنف ابن بابویہ القمی، ج/۲ ص/۲۳۶۔

② "تفسیر القمی" ج/۱ ص/۱۲۸۔

③ مذکورہ بالا حوالہ، ص/۲۳۰

④ مذکورہ بالا حوالہ، ص/۵۲-۵۱۔

⑤ "مقالات الاسلامیین" مصنف الاشعری، ص/۲۸۹، مطبوعہ ہیلمٹ ٹریڈرز، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۰ء۔

حاصل ہو جائے۔''①

ایک مشہور صوفی خود اِن عقائد کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''بعض لوگ ایسے ہیں جن کے دل سے شریعت کا احترام اٹھ گیا ہے۔ چنانچہ اب وہ کم ہی پرواہ کرتے ہیں۔ وہ حلال وحرام میں تمیز نہیں کرتے۔ قابل احترام چیزوں کا احترام نہیں کرتے۔ عبادات کی ادائیگی میں سستی کرتے ہیں اور نماز روزے کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے۔ اس کے بجائے وہ غفلت اور شہوت میں پڑے رہتے ہیں' اور بازاریوں' عورتوں اور بادشاہوں کی صحبت کو پسند کرتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ اب وہ اس مقام کو پہنچ گئے ہیں کہ انہیں عبادت کی ضرورت نہیں رہی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے اسرار ورموز سے انہیں آگاہ کر دیا ہے اور تمام بشری احکام ان سے ہٹا لیے ہیں۔ بہت سے صوفی اس طرح کے قبیح اعمال میں ڈوبے ہوئے ہیں۔''②

طوسی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ انہوں نے حرام چیزوں کو حلال کر دیا ہے' چنانچہ وہ کہتا ہے:

''بعض گمراہ فرقوں نے حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیا' ان کا موقف تھا کہ ہر چیز میں اصل اباحت ہوتی ہے۔ حرمت اس وقت واقع ہوتی ہے جس کسی چیز میں غلو کیا جائے۔ اگر غلو نہ ہو تو ہر چیز مباح ہے۔ اپنے اس غلط مطلب کی تاویل کے لیے وہ قرآن پاک کی اس آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

﴿فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ۝۲۷ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ۙ۝۲۸ وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ۙ۝۲۹ وَّ حَدَآىِٕقَ غُلْبًا ۙ۝۳۰ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۙ۝۳۱ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝۳۲﴾③

کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو اجمالاً اور مطلقاً بیان کیا ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے یہ چیزیں حرام ہیں مگر ان کے لیے جائز ہیں۔ دراصل صوفی شریعت کے بنیادی اصول کو بھلا بیٹھے تھے جس کی وجہ سے وہ اس طرح کی خرافات کہنے لگے۔

① ''اتحاف السادۃ'' مصنف الزبیدی' ج۸/ص۲۷۸/۔

② ''الرسالۃ القشیریۃ'' ج۱/ص۲۲/تا۲۴' تحقیق ڈاکٹر عبدالحلیم محمود۔

③ عبس: ۲۷تا۳۲۔

اپنی جہالت کی وجہ سے وہ احکام شریعت کو سمجھنے سے قاصر تھے' چنانچہ شیطان نے ان گمراہ کن عقائد کی طرف ان کی رہنمائی کی اور انہوں نے تاویل' حیلوں بہانوں اور جھوٹ کا سہارا لیا۔''①

سہروردی کہتا ہے:

''بعض گمراہ لوگوں نے اپنا نام ملامتی رکھا اور صوفیوں والا لباس پہنا تاکہ انہیں بھی صوفی کہا جائے' حالانکہ وہ صوفی نہیں ہیں۔ لباس تو انہوں نے صوفیوں والا پہن لیا مگر ان کا عمل قطعاً اس کے خلاف ہے۔ وہ بھی ہر چیز میں اباحت کے قائل ہیں اور ان کا موقف ہے کہ خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہر چیز مباح ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شریعت کے مکلف عامۃ الناس ہیں' وہ نہیں۔ شریعت کے مکلف وہ لوگ ہیں جو ذہنی اعتبار سے اس مقام پر نہیں ہیں کہ وہ شریعت کے احکام کو سمجھ سکیں۔ ان کے کمتر اور تنگ ذہن شریعت کی باتوں کو نہیں سمجھ پاتے۔ ایسے خیالات رکھنے والے لوگ بلاشبہ ملحد اور زندیق ہیں۔ اس لیے کہ جو بھی شخص کسی بھی بہانے سے شریعت کا رد کرے گا وہ زندیق ہوگا۔ ان صوفیوں کا خیال یہ ہے کہ شریعت بندگی کا حق ہے جب کہ حقیقت بندگی کی حقیقت ہے۔ اور جو شخص حقیقت والا ہوجائے تو اس پر بندگی لازم نہیں رہتی۔ اس لیے کہ اس نے اپنی گردن سے غلامی کا طوق نکال پھینکا ہے۔ یہ لوگ گمراہی کے اعلیٰ درجے پر ہیں اور انہی کا خیال ہے کہ اب اپنی نام نہاد کوششوں اور محنتوں کی وجہ سے انہیں شریعت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو حلول کے قائل ہیں اور ان لوگوں نے ہی عیسائیوں سے بہت ساری اصطلاحات مثلاً لاہوت اور ناسوت اخذ کی ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو خوبصورت عورتوں کی طرف نظر کرنے کو حلال اور جائز سمجھتے ہیں کہ وہ حسن الٰہی کا مظہر ہیں۔''②

انہی کے بارے میں ابن الجوزی کہتے ہیں:

---

① ''اللمع'' مصنف الطوسی' ص ۵۳۹/۵۳۸۔

② ''عوارف المعارف'' مصنف سہروردی' ص ۷۹/۷۸۔

''جان لو کہ بہت سارے صوفیوں نے عورتوں کو دیکھنا بھی چھوڑ دیا اور نکاح کرنے کی بجائے اتنے وقت میں عبادت کو پسند کیا' مگر ان کی صحبت میں کم عمر لڑکے (امرد) آنے جانے لگے' شیطان نے ان صوفیوں کی توجہ عورتوں کی بجائے ان لڑکوں کی طرف کر دی۔ ان صوفیوں کی سات قسمیں ہیں:

پہلی قسم: سب سے گھٹیا لوگ وہ ہیں جنہوں نے صوفیوں کی شکل اختیار کی' یہ لوگ حلول کے قائل ہیں۔ چنانچہ مجھے محمد بن عبدالباقی بن احمد بن سلیمان نے بتایا کہ انہوں نے ابوعلی الحسین بن محمد بن الفضل الکرمانی سے سنا' انہوں نے سہل بن علی الخشاب سے نقل کیا' انہوں نے ابونشر عبداللہ بن السراج سے نقل کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو عقیدہ حلول کے قائل ہیں اور ان کا خیال ہے کہ حق تعالیٰ نے چند لوگوں کو منتخب کیا اور ان لوگوں میں حق تعالیٰ کا حلول ہوا۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خوبصورت عورتوں میں حلول کیا۔ ابوعبداللہ بن حامد نے بعض صوفیوں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم نے حق تعالیٰ کو دنیا میں ہی دیکھ لیا کہ وہ انسانوں کی شکل میں نظر آتا ہے۔ وہ خوبصورت شکلوں میں بلکہ بعض دفعہ سیاہ حبشی کی شکل میں بھی نظر آتا ہے۔

دوسری قسم: وہ لوگ ہیں جو بظاہر صوفی ہیں مگر ان کا اصل مقصد گناہ کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے۔

تیسری قسم: وہ لوگ ہیں جو خوبصورت لڑکوں کی طرف دیکھنے کو حلال سمجھتے ہیں۔ ابوعبدالرحمان السلمی نے ایک کتاب ''سنن الصوفیہ'' کے نام سے لکھی اور اس کے آخر میں لکھا کہ بعض چیزیں صوفیوں کے لیے جائز ہیں اور اس میں ان کے لیے رخصت ہے مثلاً رقص' گانا بجانا اور خوبصورت چہروں کو دیکھنا۔ اس میں انہوں نے حضور ﷺ کی طرف ایک جھوٹی حدیث منسوب کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا خوبصورت چہرے والوں سے خیر طلب کرو۔ نیز حضور ﷺ نے ایک اور مقام پر فرمایا تین چیزوں سے نگاہ تیز ہوتی ہے' سبزے کو دیکھنا' پانی کو دیکھنا اور خوبصورت

چہرے کو دیکھنا۔①

السلمی نے اس کتاب کے آخر میں بہت سے ایسے صوفیوں کے واقعات بھی نقل کیے ہیں جو اس طرح کی خرافات اور گناہ کے مرتکب ہوتے رہے۔ مثلاً ایک امرد لڑکے کا واقعہ نقل کیا' اس نے کہا کہ

فلاں صوفی نے میری بات کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا اے بیٹے خدا تیری شکل میں ظاہر ہوتا ہے اسی وجہ سے میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

ایک اور واقعہ نقل کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:

صوفیوں کی ایک جماعت احمد غزالی کے پاس آئی وہ ایک کمرے میں بیٹھا تھا اور کمرے میں صرف اس کے ساتھ ایک نوخیز لڑکا تھا احمد غزالی اور لڑکے کے درمیان گلاب کا ایک پھول بھی پڑا ہوا تھا' کبھی احمد غزالی اس پھول کو دیکھتا اور کبھی اس نوخیز لڑکے کو۔ جب وہ صوفی آ کر بیٹھ گئے تو ان میں سے ایک کہنے لگا شاید ہمارے آنے سے آپ کی طبیعت مکدر ہوگئی' وہ کہنے لگے ہاں اللہ کی قسم۔ یہ سنتے ہی صوفیوں کی ساری جماعت پر وجد طاری ہو گیا۔ ابوالحسین بن یوسف نے حکایت نقل کی ہے کہ اس نے احمد غزالی کو ایک خط بھیجا جس میں اس نے لکھا ''تمہیں اپنے ترکی غلام سے محبت ہے۔'' احمد غزالی نے وہ رقعہ پڑھا تو اپنے ترکی غلام کو بلایا' اس کی طرف محبت پاش نگاہوں سے دیکھتا رہا' اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیا اور کہا ''یہ اس خط کا جواب ہے۔''

کیا یہ بیہودگی کی انتہا نہیں ہے؟ یہ حرکت کرتے ہوئے اس شخص کو ذرا بھی حیا اور غیرت نہ آئی۔ مجھے تو حاضرین پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ وہ بھی جانوروں کی طرح خاموش بیٹھے خلاف شریعت اس حرکت کو دیکھتے رہے۔ دراصل ان صوفیوں کے دلوں میں اب شریعت تو رہی ہی نہیں۔②

صوفیوں کی شاعری دیکھی جائے' ان کے وہ اشعار جنہیں سن کر وہ رقص شروع کر دیتے ہیں اور ان پر حال طاری ہو جاتا ہے' وہ بھی بے ہودگیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

---

① ''تلبیس ابلیس'' مصنف ابن الجوزی' ص ر ۲۹۶۔۲۹۵' مطبوعہ: دار الوعی العربی' بیروت لبنان۔

② مذکورہ بالا حوالہ' ص ر ۲۹۸۔

چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

''تمہیں وہ وقت یاد ہے جب ہم اکٹھے
صبح تک سماع کے گرد بیٹھے رہے
گانوں کے جام ہمارے درمیان گھوم رہے تھے
اور ہم پہ بغیر پیے ہی بیہوشی طاری ہوگئی
ہم پر سرور طاری ہوگیا
اور لفظ سرور بھی شاید اس موقع پر کم ہے
جب نشے میں مست ساتھیوں نے آواز لگائی
نشے کی آواز تھی حی علی الفلاح
ہمارے پاس ہیجان خیز چیزیں ہی تھیں
کچھ دیر کے سرور کے لیے ہم نے انہیں ہی بہا دیا'' ①

یوسف ابن الحسین نے اپنے مریدین کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

''جو تم مجھے کرتے ہوئے دیکھو تم بھی کر لیا کرو' صرف نوعمر لڑکوں کی صحبت سے بچو اس لیے کہ وہ بہت بڑا فتنہ ہیں۔ سو سے زائد مرتبہ میں نے اپنے رب سے عہد کیا کہ میں آئندہ نوعمر لڑکوں کی صحبت میں نہیں بیٹھوں گا' مگر رخساروں کے حسن نے مجھے چین سے نہ بیٹھنے دیا' مست آنکھیں مجھے اپنے قریب لاتی رہیں' خدا شاہد ہے میں کبھی ان کے پاس گناہ کی نیت سے نہیں گیا۔ پھر شیخ نے یہ اشعار پڑھے:

رخساروں کے پھول اور پتلے پتلے ہونٹ
ہونٹوں کے اندر اولوں جیسے دانت
رخساروں میں پڑے گہرے گڑے
اور سینوں پہ ابھرتے ہوئے انار
یہ سب دیکھ کر میں ہوش وحواس کھو بیٹھا

① ''تلبیس ابلیس'' مصنف ابن الجوزی' ص ر ۲۹۹' مطبوعہ: دار الوعی العربی' بیروت لبنان.

اس لیے میں گانے بجانے کی صحبت میں نہیں بیٹھتا'' ①

یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''انبیاء اور رسول تو اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے تھے' ان کا پیغام تو یہ ہوتا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ جو رسول اللہ کی اطاعت نہیں کرے گا اور لوگوں کو اپنی اطاعت کا حکم دے گا' حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرے گا تو وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اسی طرح وہ سارے لوگ جو دین اور شریعت کے احکام سے نکلتے ہیں' جو خدا اور رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں' عام ہوں یا خاص' ہما شما ہو یا نام نہاد ولی اللہ' جو شخص بھی شریعت کے احکام سے نکلے گا' ان کا اتباع نہیں کرے گا تو وہ گمراہ اور بدبخت آدمی ہے۔ اگر چہ وہ زہد اور تقوے کا دعویٰ کرتا ہو۔'' ②

حافظ ابن حزم الظاہری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''بعض صوفیوں کا دعویٰ ہے کہ اولیاء اللہ انبیاء اور رسول سے بھی افضل ہیں۔ چنانچہ ان کا خیال ہے کہ جو شخص ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو جائے اس پر شریعت کے احکام یعنی نماز روزہ زکوٰۃ وغیرہ ساقط ہو جاتے ہیں اور زنا' شراب' عورتیں وغیرہ اس کے لیے حلال ہو جاتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہیں اور اس سے ہمکلام ہوتے ہیں' ہمارے دل میں جو بھی خیال آتا ہے وہ حق ہوتا ہے۔ ابن شمعون نامی ایک شخص کے بارے میں میں نے سنا کہ وہ کہتا تھا اللہ تعالیٰ کے سو نام ہیں اور یہ سب نام چھتیس حروف کے ذریعے پورے ہوتے ہیں۔ یہ چھتیس حروف حروف تہجی نہیں ہیں' ان میں سے صرف ایک حرف ہی حروف تہجی میں شامل ہے۔ اسی ایک حرف کے ذریعے صوفی حق تعالیٰ تک پہنچتے ہیں۔

ایک اور صوفی کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن وہ ٹانگیں لمبی کر کے بیٹھا ہوا تھا

---

① ''تلبیس ابلیس'' مصنف ابن الجوزی' ص ۳۰۵' مطبوعہ: دار الوعی العربی' بیروت لبنان۔

② ''الرسائل والمسائل'' شیخ الاسلام ابن تیمیہ' ص ۴۵/۴۴۔

کہ اسے آواز آئی ''بادشاہوں کی مجلسوں میں ایسے بیٹھتے ہیں؟'' اس کے بعد اس نے کبھی بھی ٹانگیں لمبی نہیں کیں۔ یعنی وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں بیٹھا رہتا تھا' اس لیے وہ ٹانگیں لمبی نہیں کرتا تھا۔''①

اسی لیے ابوعلی وفا کہتے ہیں:

''جب تو فنا فی اللہ ہوجائے تو پھر جو چاہے' جیسے چاہے کر۔ تیرا علم جہالت نہیں کہلائے گا اور تیری کوئی بھی حرکت گناہ نہیں ہوگی۔''②

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود صوفیوں کا ایک اصول بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''صوفیوں کا ایک اصول ہے' اللہ کی معرفت حاصل کرلو اور پھر جو چاہو کرلو۔''③

صوفیوں کی کتابوں میں بے شمار ایسے واقعات اور حکایات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ صوفی برائیوں کے ارتکاب کو ممنوع نہیں سمجھتے تھے' وہ جی بھر کر برائیوں کا ارتکاب کرتے تھے' واجب اور احکام خداوندی کو ترک کرتے تھے' اس کے باوجود وہ اولیاء اللہ اور مستجاب الدعوۃ کہلاتے تھے' اگر یہی ولایت کی علامت ہے تو پھر ہر فاسق وفاجر ہی ولی اللہ ہے۔

شعرانی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے:

''قطب ربانی' ہیکل صمدانی' عارف باللہ'' وہ اپنے طبقات میں اپنے شیخ علی وحیش کے بارے میں کہتے ہیں: ''میرے شیخ مجذوب اور صاحب حال تھے' وہ شہروں میں گھومتے رہتے' ان کی بہت ساری کرامات اور خارقِ عادت چیزیں لوگوں میں مشہور تھیں۔

شیخ محمد الطنیخی نے مجھے بتایا کہ شیخ وحیش جب ہمارے پاس آتے تو بدکار عورتوں والے سرائے میں ٹھہرتے۔ جو بھی وہاں سے نکلتا' اسے بلا کر کہتے میرے پاس کھڑے ہوجاؤ' تاکہ یہاں سے نکلنے سے پہلے ہی میں اللہ کے ہاں تمہاری شفاعت

① ''الفصل فی الملل والاھواء والنحل'' مصنف حافظ ابن حزم' ج/۴ ص/۲۲۶۔

② ''سیدی احمد الدردیر'' مصنف ڈاکٹر عبدالحلیم محمود' ص/۹۵' مطبوعہ: دار الکتب الحدیثہ القاہرہ۔

③ ''المدرسہ الشاذلیہ الحدیثہ وامامھا ابو الحسن الشاذلی'' ص/۵۳' مطبوعہ: القاہرہ۔

کر سکوں۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ وہ بعض لوگوں کو کمرے میں لے جا کر کئی کئی روز رکھتے اور اس وقت انہیں چھوڑتے جب ان کی شفاعت قبول ہو جاتی۔ ایک دن اس نے ان بدکار عورتوں سے کہا سب اس سرائے سے نکل جاؤ' اس لیے کہ یہ سرائے گرنے والا ہے' صرف ایک عورت نے اس کی بات مانی اور فوراً وہاں سے نکل گئی' اس کے نکلنے کے ساتھ ہی سرائے کی چھت گر گئی اور ساری مر گئیں۔

جب شیخ اپنے شہر میں کسی نئے شیخ کو دیکھتے تو اسے اس کی سواری گدھی سے نیچے اتار کر کہتے کہ اس کا سر پکڑو تا کہ میں اس کے ساتھ کروں۔ اگر وہ شیخ ایسا کرنے سے انکار کر دے تو شیخ وحیش اسے مسمرائز کر کے اسے اس جگہ پر ہی بت بنا دیتے تھے۔ اور اگر وہ شیخ کی بات مان لے تو شہر بھر میں اس کی بدنامی ہو جاتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی شیخ کی اور بہت ساری کرامات ہیں۔''[1]

شعرانی کی اس روایت کے بعد اس طرح کے آدمیوں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے؟ شعرانی جس طرح اس فاجر اور خبیث آدمی کی تعریفیں کر رہا ہے' اسے مجذوب اور صاحب حال بتا رہا ہے' اس کی کرامات اور مستجاب الدعوات ہونے کو ببانگ دہل بیان کر رہا ہے' اسے ولی کامل اور صاحب شفاعت کہہ رہا ہے۔ کیا یہ احکام شریعت کے ساتھ مذاق نہیں ہے؟ کیا یہ احکام خداوندی کا کھلواڑ نہیں؟ اس سے بڑی بھی کوئی بدکاری اور بدبختی کی بات ہو سکتی ہے؟ ایسے شخص سے بڑا بھی کوئی زندیق' ملحد' فاجر اور فاسق ہو سکتا ہے؟ اس طرح کی بیہودگیوں کی مثال تو شیعوں کے ہاں بھی نہیں ملتی۔ شاگرد اپنے استاد سے بھی دو قدم آگے بڑھ گیا' مرید نے مرشد کو بھی مات دے دی۔ طالب علم اپنے مربی کو سکھانے لگا۔ یہ بدبختی کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟

ایک اور شیخ جس کا نام قطب الواصلین عبدالعزیز دباغ ہے' وہ کہتا ہے:

''ایک مرید نے اپنے شیخ سے کہا جناب مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں کہ میں اللہ کا قرب حاصل کر لوں' تو شیخ نے کہا اگر تو اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو خدائی صفات اپنا لے' جب تو خدائی صفات اپنا لے گا تو قیامت کے دن اللہ تجھے اپنے قریب'

[1] ''طبقات الشعرانی'' ج ۲/ ص ۱۵۱/۱۵۰۔

اپنے اولیاء کے درمیان بٹھائے گا۔ تو جہنم میں اس کے دشمنوں کے ساتھ رہنے کے بجائے جنت میں اس کے دوستوں کے ساتھ رہے گا۔ مرید نے کہا جناب میں حق تعالیٰ کی کوئی صفت اپناؤں کہ اس کی صفتیں بے شمار ہیں۔ شیخ کہنے لگا کوئی بھی اپنا لے۔ شاگرد نے پھر کہا جناب آپ ہی بتا دیں' شیخ نے کہا تو حق کہنے والوں کا ساتھی بن جا' ہمیشہ حق کہنا' حق تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ حق اور سچ بات کہتا ہے' تو بھی حق اور سچ کہہ' اللہ تجھ پر اپنی رحمتوں کی بارش کر دے گا' چنانچہ مرید نے شیخ سے پکا وعدہ کرلیا وہ ہمیشہ سچ ہی بولے گا۔ اس کے مرید اپنے راستے پر چل پڑا۔ مرید کے پڑوس میں ہی ایک لڑکی رہتی تھی۔ ایک دن شیطان نے مرید کو بہکایا' وہ لڑکی کے پاس گیا اور اس سے زنا کرلیا۔ حالانکہ لڑکی بھی اس کام کے لیے راضی تھی' مگر راز افشا ہونے کے ڈر سے اس نے اپنے باپ کو بتا دیا اور مرید پر الزام لگا دیا کہ اس نے میرے ساتھ یہ کیا ہے۔ اس کا باپ مرید کو پکڑ کر قاضی کے پاس لے گیا کہ اس نے میری بیٹی کے ساتھ زنا کیا ہے' حاکم نے مرید سے پوچھا تم اس بات کو مانتے ہو؟ تم اس الزام کو تسلیم کرتے ہو؟ مرید پر شیخ کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کا غلبہ تھا' وہ جھوٹ نہ بول سکا' کہنے لگا یہ شخص سچ کہہ رہا ہے اور میں نے زنا کیا ہے۔ قاضی نے جب اس کی بات سنی تو کہا جاؤ اسے پاگل خانے لے جاؤ' اس لیے کہ کوئی عقل مند آدمی تو اس طرح کا اقرار نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اسے پاگل خانے لے جایا گیا جہاں قاضی کے جاننے والے کسی شخص نے اس کی سفارش کی اور اس کی جان چھوٹی۔''①

ایک اور مشہور صوفی جس کا نام شہید التصوف الامام الاجل نجم الملۃ والدین قطب الاسلام والمسلمین' برھان السنۃ' محی الحق نجم الدین الکبریٰ ہے' اپنے فسق و فجور کا خود اعلان کرتے ہوئے کہتا ہے:

''بلادِ مغرب میں جب پہنچا تو ایک لڑکے سے مجھے عشق ہوگیا' اسے دیکھ کر میری ہمت جواب دے جاتی تھی' میں اسے پکڑ کر اپنے گھر لے آیا اور اسے ایک ستون

① ''الابریز'' مصنف الدباغ' ص ۴۳۲' مطبوعہ: مصر.

کے ساتھ باندھ دیا تا کہ میرے علاوہ اسے کوئی بھی نہ دیکھ سکے۔ اس کے اور بھی بہت سارے رقیب تھے' وہ شور نہیں کرتا تھا' زیادہ تر خاموش ہی رہتا تھا' زبان حال سے گفتگو کرتا تھا اور اس کی آنکھوں سے ہی میں اس کی بات کا مطلب سمجھ جاتا۔ جس طرح وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھ سے باتیں کرتا تھا' ایسے ہی میں بھی اس سے باتیں کرتا تھا' ایک وقت آ گیا کہ میں اس کی محبت میں فنا ہو گیا' مجھے لگا کہ میں وہ اور وہ میں بن گیا۔ یہ عشق دل کی گہرائیوں سے تھا' میری روح اس عشق کی گندگیوں سے آلودہ نہیں ہوئی' ایک دن اس کی روح ہوا کے ایک جھونکے کی طرح میرے پاس آئی' اس کا چہرہ گرد آلود تھا اور وہ مجھ سے کہنے لگی شیخ بچاؤ بچاؤ' مجھے بچاؤ۔ میں نے کہا کیا ہوا؟ تو وہ روح کہنے لگی اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں آ کر تمہارے پاؤں چوموں۔ میں نے اسے چھوڑ دیا' اس روح نے آ کر میرے پاؤں چومے اور پھر وہ روح میرے روبرو کھڑی ہوگئی' میں نے اس کے بوسے لیے یہاں تک کہ اس روح کو سکون آ گیا اور میرا دل بھی اطمینان سے بھر گیا۔ ①

پتہ نہیں ان صوفیوں کو کیا ہو گیا کہ یہ دل کی باتیں چھپا ہی نہیں پائے اور سر عام اپنے معاشقوں اور فسق و فجور کی کہانیاں سنانے لگے۔ احکام شریعت سے روگردانی نے ان کی عقل ہی مار دی ہے۔

اب ہم آتے ہیں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی طرف۔ وہ اپنی شخصیت پر سے پردہ اٹھاتے ہیں جس طرح ان کے شاگرد نجم الدین الکبریٰ نے فسق و فجور کی کہانیاں سنائی تھیں' یہ بھی اسی طرح کی کہانیاں سناتے ہوئے اپنے ایک دیوان کی تشریح کرتے ہیں۔ اس دیوان میں وہ تفصیل سے بتاتے ہیں کہ جب وہ مکہ پہنچے تو وہاں کے ایک بڑے شیخ کی بیٹی سے انہیں عشق ہو گیا' اس لڑکی کی تعریف میں ابن عربی آسمان و زمین کے قلابے ملاتے' مزے لے لے کر اس کے حسن و جوانی کی کہانیاں سناتے۔ یہ دیوان اتنا مشہور ہوا کہ ان کے شاگرد اِن سے دیوان مانگنے لگے۔ ②

انہوں نے بہت کوشش کی کہ ان کے دلی جذبات ظاہر نہ ہوں اور ان کا شوق اور دل کی بھڑکتی

① "فوائح الجمال" مصنف نجم الدین الکبریٰ' ص ۶۵/۶۴۔

② "مقدمہ ذخائر الاعلاق" مصنف محمد عبدالرحمن الکروی'' ص (و)' مطبوعہ: مطبعۃ السعادۃ المصر۔

ہوئی آگ لوگوں پر ظاہر نہ ہو۔ تصوف کی آڑ میں انہوں نے انہیں چھپانے کی کوشش کی لیکن پھر بھی وہ الفاظ خود اونچی آواز سے بول رہے تھے' ذرا آپ سنیے:

''سن ۵۹۸ھ کو میں مکہ پہنچا' وہاں مجھے صوفیا اور فضلاء کی جماعت کے درمیان بیٹھنے کا موقع ملا' اولیاء اور صلحاء میں سے مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ سب اپنے اپنے معمولات میں مصروف تھے' ان اولیاء میں سے شیخ العالم امام ابوشجاع زاہر بن رستم بن ابی الرجاء الاصفہانی بھی تھے' شیخ کی ایک کنواری خوبصورت لڑکی تھی کہ عنفوان شباب اس سے ٹپکتا تھا' آنکھیں اسے دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ جاتی تھیں' اس کا نام نظام اور لقب عین الشمس تھا۔ اس کے گرد ہر وقت خواتین عابدات اور بڑی بڑی تہجد گزار عورتیں بیٹھی ہوتی تھیں' پری وش چہرہ' بڑی بڑی آنکھیں' برابر دانت۔ آنکھیں اسے دیکھتے ہوئے نہ تھکیں' بولے تو عرب کا مشہور شاعر قس بن ساعدہ بھی اس کے سامنے گونگا لگے۔ اگر میرے دل میں خوف خدا نہ ہوتا اور مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ ان باتوں کو سن کر لوگ فتنے میں پڑ جائیں گے' تو میں خدا کے تخلیق کردہ اس کے حسن کی اور بھی تشریح کرتا۔ وہ حسن جو تھکی آنکھوں کے لیے ٹھنڈ کا باعث ہے۔ سب علماء اور زہاد کے درمیان گویا چمکتا سورج ہے۔ لڑی میں پروئے موتی اور ہیرے جیسے اس کے دانت' نایابِ زمانہ' والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک' اس کے ایک ایک عضو سے معارف و لطائف ٹپکتے تھے' میں بہت عرصہ اس کی صحبت کے ساتھ ساتھ اس کے والد اور پھوپھی کی صحبت میں بھی رہا۔

اپنی اس کتاب میں ہم نے اس خاتون یکتا و یگانہ کے اوصاف حمیدہ کو انتہائی مناسب الفاظ میں بیان کیا ہے' کہ وہ تھی ہی اسی قابل۔ اس کی خوشبو بھری سانسیں' اس کی پرندوں کی چہچہاہٹ جیسی آواز' اس کی آنکھوں کی اٹھان اور پلکوں کا گرانا...... اپنی اس کتاب میں' میں اسی کی تعریف بیان کروں گا' میری ساری تعریفیں اسی کے گرد گھومیں گی۔''①

① ''ذخائر الاعلاق'' مصنف ابن عربی' ص ۲ / ۱ تا ۴.

ایک لڑکی نے ہی ابن عربی کا دل نہیں لوٹا' ایک اور بھی لڑکی تھی جس کے ساتھ شیخ مذکور نے بیت اللہ میں کعبہ کے پڑوس میں عشق فرمایا۔ ذرا ملاحظہ فرمایئے:

''ایک رات میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا' اچانک میرے دل میں موج ومستی کا خیال آیا' مجھ پر وجد اور حال سا طاری ہونے لگا' لوگوں کو تکلیف دینے کے ڈر سے میں وہاں سے نکل کر ایک طرف ہوگیا' موج ومستی کی کیفیت اتنی بڑھی کہ میرے دل میں اشعار جیسے صفیں باندھ کر آن کھڑے ہوئے' میں نے اپنے آپ کو سناتے ہوئے بلند آواز میں اشعار پڑھنے شروع کر دیئے۔ اشعار یہ تھے:

''کاش میرے اشعار کو پتہ ہوتا
کس غم زدہ دل میں آ رہے ہیں
کاش میرے دل کو پتہ ہوتا
کس راستے پر یہ چل رہے ہیں
پتہ نہیں اب میں کامیاب ہوں
یا ہلاکت کی راہ پر گامزن ہوں
خداوندان عیش وعشرت حیران ہیں
عیش میں مست اور پریشان ہیں

اچانک مجھے اپنے کندھے پر ریشم سے نرم ہاتھ کا احساس ہوا' میں نے مڑ کر دیکھا ایک رومی باندی تھی' اتنی خوبصورت باندی میں نے آج تک نہیں دیکھی' جب وہ بولنے لگی تو اس کے منہ سے گویا موتی جھڑ رہے تھے' اس کے اعضاء کے حاشیے' اس کی آنکھوں کی ساخت' اس کے اشاروں کی پہنچ' اس کے الفاظ کی تک بندی' کیا کہوں ...... اچانک اس کے منہ سے پھول جھڑنے لگے' کہنے لگی سیدی ابھی آپ نے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا میں تو شعر پڑھ رہا تھا'' کاش میرے اشعار کو پتہ ہوتا، کس غم زدہ دل میں آ رہے ہیں'' کہنے لگی آپ تو عارفِ زمانہ ہیں پھر بھی ایسی بات کہتے ہیں۔ آپ سوچ رہے ہیں کہ وہ شعر کس دل کے مالک ہیں' آپ تو صاحب معرفت

ہیں' معرفت کا دل بھی بھلا کسی کی ملکیت ہوتا ہے؟ کیا اسے بھی کبھی عدم آتا ہے؟ آپ جیسا آدمی اس طرح کی بات کیسے کہہ سکتا ہے؟ اچھا بتائیں اس کے بعد آپ نے کیا کہا؟ میں نے کہا ''کاش میرے دل کو پتہ ہوتا، کس راستے پر یہ چل رہے ہیں'' تو وہ کہنے لگی شیخ یہ راستہ ہی تو معرفت سے مانع ہے۔ اس رکاوٹ کو آپ دور کریں گے تو پھر ہی معرفت کا راستہ ملے گا۔ یہ بات آپ نے کیوں کہی؟ اس کے بعد آپ نے کیا کہا؟ میں نے کہا ''پتہ نہیں اب میں کامیاب ہوں' یا ہلاکت کی راہ پر گامزن ہوں'' کہنے لگی شیخ وہ تو کامیاب ہو گئے تم اپنی بتاؤ' تم کامیاب ہو یا ہلاکت کی طرف جا رہے ہو؟ اچھا بتاؤ اس کے بعد کیا ہے؟ میں نے کہا ''خداوندان عیش وعشرت حیران ہیں' عیش میں مست اور پریشان ہیں'' کہنے لگی یا للعجب! دعویٰ معرفت کا کرتے ہو اور دوسرے کے بھید جانتے ہو' جو حق تعالیٰ کی محبت میں مصروف ہو کر کبھی معرفت کے سمندر میں ڈوبے ہوئے شخص کو بھی اردگرد دیکھنے کا موقع ملا؟ ارے یہ محبت یہ معرفت تو عقل کو مبہوت کر دیتی ہے۔ تم کیسے اردگرد دیکھ رہے تھے؟ میں نے کہا خالہ کی بیٹی تیرا نام کیا ہے؟ کہنے لگی قرۃ العین یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک۔ میں نے کہا ہاں ہاں میری آنکھوں کی۔ وہ مجھے سلام کر کے چلی گئی۔ کچھ عرصہ بعد پھر اس سے میری ملاقات ہوئی' میں اس کے ساتھ رہنے لگا اور اس کی قربت میں مجھے معرفت کی وہ باتیں نصیب ہوئیں جو میں نے کبھی سنی اور نہ ہی کبھی دیکھیں تھیں۔''①

پتہ نہیں یہ سب کچھ پڑھنے اور سننے کے بعد ابن عربی کو شیخ المشائخ کیسے قرار دیتے ہیں؟ پھر بھی وہ شیخِ اکبر کہلاتے ہیں۔ جب شیخ خود یہ سب کام کرتے تھے تو ان کے ماننے والے کیوں نہیں کرتے ہوں گے؟ یہ صوفیوں کے اعترافات ہیں جو اپنے بارے میں وہ خود کر رہے ہیں۔ اب ہم ایک اور قصہ بیان کرتے ہیں۔

احمد بن المبارک' عبدالعزیز دباغ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ان کا منشی اپنے بھائی کے ساتھ ایک دن مدرسے کی چھت پر چڑھا' پھر کیا ہوا؟ انہی کی زبانی سنیے:

① ''ذخائر الاعلاق'' مصنف ابن عربی' ص ۸۱-۷۔

''ہم چھت پر چڑھے تو ہم نے بہت ساری عورتیں دیکھیں جو مختلف جگہوں پر کھڑی تھیں، ہم ان کو دیکھ کر ان کے بارے میں باتیں کرنے لگے، کبھی ہنستے، کبھی اونچی اونچی آواز میں باتیں کرتے، ہم میں سے ایک پر اچانک خواہش نفسانی غالب آ گئی، مگر بدقت ہم واپس لوٹے، جب ہم اپنے شیخ کے پاس مجلس میں پہنچے تو ہمیں دیکھ کر شیخ اونچی اونچی آواز سے ہنسنے لگے اور کہا وہ شیخ ہی کیا جسے کشف نہ ہو؟ پھر انہوں نے ہم سے پوچھا، سچ سچ بتاؤ، جھوٹ نہ بولنا، تم کہاں تھے؟ ہم نے انہیں ساری کہانی سنائی، شیخ خود ہی ہمیں وہاں کی ساری باتیں بتانے لگے کہ کتنی لڑکیاں تھیں؟ کہاں کہاں کھڑی تھیں؟ اور پھر انہوں نے ہماری وہ حالت بھی بتادی جب ہم پر خواہش نفسانی غالب آ گئی تھی۔ اتنی تفصیل سے انہوں نے سارے واقعات بتائے گویا وہاں وہ بذات خود موجود تھے۔''①

پاک وہند کے بھی کچھ صوفیا ایسے ہیں جو آج بھی مرجع خلائق اور بڑے بڑے مزاروں کے مالک ہیں، ان کے مزاروں پر ہر سال عرس بھی ہوتا ہے، ایک ایسے ہی شیخ کے بارے میں ہم بتاتے ہیں جن کا عرس پاکستان کے اہم عرسوں میں شمار ہوتا ہے اور شاید پاکستان میں سب سے بڑا ہوتا ہے، یعنی مشہور صوفی مادھو لعل حسین۔ صوفیا نے کتابوں میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ

یہ ولی اللہ مستجاب الدعوات تھا، اس نے رب سے جو مانگا اسے ملا، وہ حافظ قرآن، عالم اور فقیہ تھا۔ ایک دن اپنے شیخ کے پاس بیٹھا تفسیر پڑھ رہا تھا، جب قرآن پاک کی آیت ﴿إِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ﴾ دنیا کی زندگی تو لہو ولعب ہے، پر پہنچا تو اس پر وجد طاری ہو گیا اس نے رقص شروع کر دیا، کہنے لگا جب دنیا کی زندگی لہو ولعب ہے تو میں لہو ولعب میں مصروف کیوں نہ ہو جاؤں؟ کتابیں اٹھا کر کنوئیں میں ڈالی، داڑھی مونچھیں منڈوا دیں، شراب کے جام چڑھانے لگا، سڑکوں اور بازاروں میں رقص کرتا پھرتا تھا، پھر اس نے بدکار عورتوں کے گھروں میں جا کر وقت گزارنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ ایک دن اس کی نظر ایک خوبصورت

① ''الابریز'' مصنف عبدالعزیز الدباغ، ص ۲۷۔

ہندو امرد لڑکے پر پڑی' اسے دیکھتے ہی وہ بے قابو ہو گیا اور اس کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ سولہ برس تک اس کے گھر کا چکر لگاتا رہا' اس ہندو لڑکے کے عشق میں اتنا مبتلا ہوا کہ اس کا نام اپنے نام کا حصہ بنا لیا' پہلے صرف حسین نام تھا' اب مادھو لعل حسین بن گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا مزار مرجع خلائق اور برکات کے نزول کا محور ومرجع بن گیا۔'' ①

دوبارہ شعرانی کی طرف چلتے ہیں جو ایک صاحب کشف کے بارے میں کہتے ہیں:

''جناب شریف'' رمضان کے دنوں میں کھانا کھا لیا کرتے تھے اور کہتے تھے مجھے خدا نے آزاد کر دیا ہے۔'' ②

اسی طرح بایزید بسطامی کے بارے میں منقول ہے کہ

اپنی آستین سے ایک روٹی نکالی اور شہر میں ہی اسے کھانا شروع کر دیا۔ یہ رمضان کے مہینے کا واقعہ ہے۔ ③

شبلی سے یہ بھی منقول ہے کہ کہتے ہیں:

''ہائے افسوس میں نماز پڑھوں' تو رب کے حکم کی نافرمانی کروں' اور اگر نہ پڑھوں تو کافر ہو جاؤں۔ کروں تو کیا کروں؟'' ④

واقعات اور حکایتیں تو بے شمار ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صوفی خود کو شریعت کا مکلف نہیں سمجھتے' اور بھی اس طرح کی بہت ساری باتیں ہیں۔

ابھی اور بھی بہت سارے ایسے عقائد ہیں جن سے واضح طور پر پتہ لگ جاتا ہے کہ صوفیوں اور شیعوں میں کوئی فرق نہیں۔ صوفیوں نے شیعوں سے سارے عقائد لیے اور انہیں اسلام کا جامہ پہنایا۔ شیعوں اور صوفیوں کے الفاظ وعبارات اور اصطلاحات ایک ہی ہیں جیسے شیعہ' صوفی حتی کہ مستشرقین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ آخر میں ہم چند حوالہ جات نقل کرنا چاہیں گے جو خود شیعوں کی کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں۔

---

① ''تذکرہ اولیائے پاک وہند'' مصنف ڈاکٹر ظہور الحسن شارب' ج/۲ ص/۲۵۹۔

② ''طبقات الشعرانی'' ج/۲ ص/۱۵۱۔

③ ''کشف المحجوب'' مصنف الهجویری' عربی ترجمہ ص/۲۶۲۔

④ ''التعرف'' مصنف الکلاباذی' ص/۱۶۳۔

ایران کے مشہور شیعہ محقق ڈاکٹر قاسم غنی لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تصوف دراصل ایرانی تہذیب وثقافت کا پرتو ہے' ان کی باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ قادسیہ' جلولاء' حلوان اور نہاوند میں جب ایرانیوں کو عربوں کے ہاتھوں شکست ہوئی تو ایرانیوں کو اس امر کا شدت سے احساس ہونے لگا کہ عربوں کی طاقت اور قوت کی وجہ سے ان کی شہنشاہیت اور ان کی شان وشوکت ختم ہوگئی۔ اگرچہ عرب ان پر غالب آ گئے تھے مگر وہ ان کی سوچ اور فکر کو نہ بدل سکے۔ عربوں نے کوشش تو کی مگر اس کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام اور شیعیت کا ملا جلا ایک ملغوبہ سامنے آیا جسے تصوف نے اپنا کر اسے اسلام کی جدید شکل قرار دیا۔ اس فکر اور سوچ کا پہلا نام شیعیت اور دوسرا نام تصوف ہے۔ عربوں نے ایرانیوں کو اپنی سوچ پر ڈھالنے کی جو کوشش کی' اس کا الٹ نتیجہ ظاہر ہوا اور عرب مسلمان ایرانی سوچ اور فکر میں ڈھلتے چلے گئے۔''①

شیعہ مصنف ڈاکٹر کامل مصطفی الشیبی نے صوفیوں پر شیعیت کے اثرات کے حوالے سے مستقل ایک کتاب لکھی جس میں وہ کہتا ہے:

''ہمیں اس دور کو یاد کرنا چاہیے جب فارس یعنی ایرانیوں نے سب سے پہلے اپنے مذہب کو سیاست میں داخل کرنے کی کوشش کی' انہوں نے المختار کی حمایت کی' پھر سلطنت عباسیہ میں ابوہاشم کا ساتھ دیا' ایران میں عبداللہ بن معاویہ کی حمایت کی' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسیوں نے اہل بیت کا تحفظ کرتے ہوئے سیاسی اور دینی قوت حاصل کی' انہوں نے حضرت علی کے لیے ولایت ثابت کی' اور پھر یہ ولایت نسل درنسل منتقل ہونے لگی۔ صوفیوں نے شیعوں والے الفاظ اور اصطلاحات کو اپناتے ہوئے اس ولایت کو اپنے رہنماؤں کے لیے ثابت کیا۔''②

① ''تاریخ التصوف فی الاسلام'' مصنف ڈاکٹر قاسم غنی' عربی ترجمہ' صادق نشات' ص/ ۱۴' مطبوعہ: مکتبہ النہضہ المصریہ' ۱۹۷۰ء۔

② ''الصلة بين التصوف والتشيع'' مصنف ڈاکٹر کامل مصطفی الشیبی' ج/۱ ص/ ۲۷۳' مطبوعہ: دارالاندلس بیروت۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اورابن خلدون وغیرہ کی آراء تو ہم پہلے ہی نقل کر چکے ہیں' اس کے علاوہ ہم نے مشہور مستشرق نیکلسن اور گولڈزیہر کے اس بارے میں اقوال بھی نقل کیے ہیں۔①

آخر میں ایک اور مستشرق براؤن کا ایک جملہ نقل کرنا چاہیں گے' جو میرے خیال میں اس پورے موضوع اور کتاب کا خلاصہ ہے۔ براؤن کہتا ہے:

''شیعیت اور تصوف ایرانیوں کے دوہتھیار تھے جس کے ذریعے انہوں نے عربوں کا مقابلہ کیا۔②''③

① ''العقیدہ والشریعہ فی الاسلام'' مصنف گولڈزیہر' ص/۱۳۹۔

② Brown: A Literary History of Persia VOL.1,P410.

③ تصوف تاریخ وحقائق: ص ۳۱۶ تا ۳۳۱۔

اقلیم ہند میں اشاعت اسلام میں صوفیاء کا کردار

فضیلۃ الشیخ غازی عزیر مبارکپوری حفظہ اللہ

اقلیم ہند میں اشاعت اسلام میں صوفیاء کا کردار

عوام اور اہل علم ہر دو طبقات میں ایک غلط فہمی بکثرت یہ پائی جاتی ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت وتوسیع صوفیاء کی مرہون منت ہے لیکن اس فکر کا اصل موجد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ایک سابق استاذ پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ ہے جس نے اپنی کتاب ''(۲۵۷) PREACHING OF ISLAM''(اسلامی تبلیغ) میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ

''برصغیر پاک وہند میں صوفیائے کرام نے اسلام پھیلایا ہے۔''(۱/ ۳۶-۳۵)

پروفیسر آرنلڈ کے اس انکشاف کے بعد کسی مورخ یا محقق نے اس دعویٰ کی حقیقت جاننے کے سرے سے کوئی کوشش نہیں کی بلکہ اس بلا دلیل دعویٰ کو ایک مسلمہ حقیقت سمجھ کر بلاچوں وچرا تسلیم کرلیا گیا چنانچہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مشہور استاذ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ''تاریخ مشائخ چشت ۳/ ۱۵'' وغیرہ میں، مولانا سید ابوالحسن علی الندوی نے ''تاریخ دعوت وعزیمت ۲۷۵-۲۶۲'' میں، وحید احمد مسعود نے ''سوانح خواجہ معین الدین چشتی ۲۵۱-۲۱۷'' میں، شیخ محمد اکرام نے ''آب کوثر'' میں، آئی۔ ایچ۔ قریشی نے

''THE MUSLIM CUMMUNITY OF INDOPAK(۶۴- ۶۵)''

میں، عزیز احمد نے ''STUDIES IN ISLAMIC CULTURE(۱۳۴)'' میں اور رچرڈ میکسویل ایٹن نے ''SUFIS OF BIJPUR (۱۵۵-۱۵۶)'' وغیرہ میں بھی اس افسانہ کو حقیقت کے روپ میں پیش کیا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے خواجہ معین الدین چشتی کو ''اس ملک میں اسلامی سلسلہ کے بانی①'' کے نام سے موسوم کیا ہے اور فرماتے ہیں:

''حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا اسکندر اسلام سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے سر اور مستحکم ومستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سیادت سلطان شہاب الدین محمد غوری

---

① تاریخ دعوت وعزیمت ۳/ ۱۵۔

(م ۶۰۳ھ) کے حصہ میں تھی اور آخری طور پر اس کی روحانی تسخیر اور اخلاقی وایمانی فتح حضرت خواجہ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتی (م ۶۲۷ھ) کے لئے مقدر ہو چکی تھی۔''①

محترم علی میاں مزید فرماتے ہیں:

''اس طرح ہندوستان میں جو کچھ خدا کا نام لیا گیا اور اسلام کا کام کیا گیا وہ سب چشتیوں اور ان کے مخلص و عالی ہمت بانی سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے حسنات اور کارناموں میں شامل کیے جانے کے لائق ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس ملک پر اس سلسلہ کا حق قدیم ہے۔''②

شیخ محمد اکرام کا دعویٰ ہے کہ

''بابا فریدالدین گنج شکر نے کوئی ایسا نظام قائم کیا تھا جس کے ماتحت اشاعت اسلام کا کام ملک کے مختلف حصوں میں انجام پاتا رہا۔''③

آئی ایچ قریشی بیان کرتے ہیں کہ

''برصغیر میں چشتی سلسلہ کے بانی خواجہ معین الدین ہیں۔ ہندوستان میں ان کی آمد اور ان کے ذریعہ سلسلہ چشتیہ کی ترویج کو ہندوستان میں اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ تسلیم کیا گیا ہے۔ عام طور پر یہ مانا جاتا ہے کہ اسلام کی تبلیغ وتوسیع اور مسلمانوں کو اصلاح وتزکیہ کے سلسلہ میں ان کی خدمات کے بہت دوررس اثرات مرتب ہوئے ہیں۔''④

عزیز احمد صاحب فرماتے ہیں:

''بیشتر صوفی سلسلے اور انفرادی طور پر صوفیاء بھی غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل

---

①نفس مصدر ۲۲/۳۔

② تاریخ دعوت وعزیمت ۲۹/۳

③آب کوثر ۲۸۵ ملخصاً۔

④The Muslim Community OF INDO-PAK SUBCONTINENT, PAGE 64-65

کرنے کی کوشش کو اپنی بنیادی اور روحانی ذمہ داری تصور کرتے تھے۔''①

میر خورد نے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ہندوستان میں اسلام کی نشر واشاعت کے سلسلہ میں ان کی مزعومہ عظیم خدمات کے پیش نظر ''نائبہ رسول فی الہند②'' کا خطاب دیا ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ:

''قیامت تک اس ملک میں جو بھی اسلام کی دولت سے مشرف ہوگا نہ صرف اس کا ثواب بلکہ نسلاً بعد نسل ان کی اولاد کا ثواب جاریہ بھی ان کی روح کو ملتا رہے گا۔''③

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بھی اشاعت اسلام میں صوفیاء کی کوششوں کے معترف تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''مسلمانوں میں جو جماعت سب سے زیادہ تبلیغ دین الٰہی میں ذوق وشوق سے سرگرم سعی رہی وہ صوفیائے کرام کی جماعت ہے۔''④

حالانکہ ایسا کہنا نہ صرف خلاف واقعہ ہے بلکہ تاریخ اسلام کے ایک تابناک باب کو عالم گمنامی میں دفن کر دینے کے مترادف ہے۔ کتب تاریخ وسیر ورجال کے غائر مطالعہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمش بن کر ابھرتی ہے کہ ہندوستان میں اسلام صوفیاء کے ذریعہ نہیں بلکہ فقط محدثین کرام اور علمائے حق کے ذریعہ آیا، اور آج جو کچھ ہندوستان میں موجود ہے وہ انہی محدثین عظام کی انتھک کاوشوں اور بے لوث خدمات کا ثمرہ ہے۔

---

①Studies IN ISLAMIC CULTURE IN THE INDIAN ENVIRONMENT,P54

②سیر الاولیاء ۵۵۔

③نفس مصدر۔

④ تصوف اور تعمیر سیرت ۱۰۲۔

برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت اور ابتداء

برصغیر پاک و ہند میں محدثین اور علم حدیث کی اشاعت کے موضوع پر بہت سے علماء و محققین نے زورِ قلم صرف کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں اکثر علماء کی تحقیق ناقص معلومات پر مبنی ہے چنانچہ ان کے نزدیک بلادِ ہند میں علم حدیث کا رواج چھٹی صدی ہجری کے بعد ہوا ہے، پہلے کی پانچ صدیاں اس علم سے خالی بتائی جاتی ہیں اور عام طور پر یہ باور کرایا جاتا ہے کہ پہلی چھ صدیوں تک بلاد ہند میں حدیث کی تعلیم و تدریس، روایت حدیث اور محدثین نیز ان کی تصانیف کا سرے سے کوئی وجود نہیں تھا۔ جن بعض لوگوں نے اس سے قبل محدثین کے وجود کو تسلیم کیا ہے وہ بھی یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اگرچہ فن حدیث ہندوستان میں چھٹی صدی ہجری سے قبل موجود تھا لیکن اس فن میں علمائے وقت کو کوئی قابل لحاظ مقام و مرتبہ حاصل نہ تھا۔ بعض علماء نے تو ہندوستان میں علم حدیث کی آمد کو دسویں صدی ہجری تک پیچھے دھکیل دیا ہے۔

چنانچہ شیخ محمد زاہد کوثری حنفی کے حوالہ سے شیخ محمد ابوزہو مصری اپنی کتاب ''الحدیث والمحدثون'' میں لکھتے ہیں:

> ''ارض ہندو پاک میں اشاعت حدیث:۔ برصغیر پاک و ہند کے رہنے والوں نے حدیث نبوی کے سلسلہ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ دسویں صدی ہجری سے قبل یہ لوگ علوم نظریہ اور فقہی احکام میں منہمک رہتے تھے۔ اسی وقت سے یہ لوگ حدیث نبوی، اس کے علوم کی درس و تدریس، نقد اسانید کو بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔''①

اس ناقص تحقیق سے بلاد ہند کی دینی و علمی تاریخ میں بڑا خلاء محسوس ہوتا ہے۔ دراصل اس غلط فہمی کا بڑا سبب خاطر خواہ تتبع و تحقیق کا فقدان ہے۔ پھر جس طرح کہ فقہاء ماوراء النہر کی تصانیف نے ائمہ احناف کی امہات الکتب کو پیچھے دھکیل دیا تھا اسی طرح اولین دور کے ان محدثین اور علماء کے علمی کارناموں (یعنی تصانیف۔ مدارس اور تلامذہ وغیرہ) کو بھی ہمارے علمائے عجم کے فکری سیلان اور ان

① الحدیث والمحدثون مترجم غلام احمد حریری ۵۸۸۔

کے شیوع ورواج نے اس بری طرح بہاڈالا کہ اس دور کی تاریخ کے صفحات بالکل کورے نظر آتے ہیں۔

پہلی ودوسری صدی ہجری میں علم حدیث کا ہند میں فروغ:

پیش نظر مضمون میں اقالیم ہندوسندھ میں علم حدیث کے فروغ کے لئے کی جانے والی ابتدا چند صدیوں کی شیوع کی خالص عربی تاریخ کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے جو ہندوستان میں علم حدیث کا عہد زریں کہلائے جانے کا مستحق ہے۔

ہماری تحقیق کے مطابق برصغیر چند علاقے پہلی صدی ہجری کی ابتداء ہی میں علم حدیث اور ''اخبرنا'' ''وحدثنا'' کے جانفزا کلمات سے باقاعدہ آشنا ہوگئے تھے۔ صوفیاء کے ورود کی ابتداء تو پانچویں صدی ہجری میں ہوئی ہے۔ پہلی جماعت جس نے اپنے قول وعمل سے باشندگان ہند کو علم حدیث سے روشناس کرایا وہ ان صحابہ کرام پر مشتمل تھی جو عہد عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عہد یزید (یعنی ۱۵ھ تا ۶۴ھ) تک مختلف اوقات ومواقع پر ہندوستان تشریف لائے۔

یہ جماعت ان نفوس قدسیہ پر مشتمل تھی جو برصغیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے اولین مبلغ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کے پہلے داعی، اپنی ذات میں آں صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ وعمل کے آفتاب جہاں تاب کی کرنوں کے آئینہ دار، اپنے اعلیٰ اخلاق، اعمال، عادات، اطوار، کردار اور معاملات وغیرہ کے باعث اپنے مخاطب ہندوستانیوں کو بہت جلد متاثر کرنے والے تھے۔ ان نفوس قدسیہ کی آمد سے ہی اس دیار کفر وضلالت میں کتاب اللہ اور سنت رسول بالخصوص فرائض، احکام، سنن، حلال وحرام اور اس دور کے رواج ومزاج کے مطابق حسب موقع اور حسب ضرورت احادیث وآثار کا چرچا ہوا۔

پھر جب باقاعدہ احادیث کی تدوین کا سلسلہ شروع ہوا تو یہاں انہی حضرات سے احادیث وآثار کی روایت کا سلسلہ بھی چلا۔ خلافت راشدہ کے دوران ہندوستان تشریف لانے والے صحابہ کرام کے متعلق حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''سندھ میں محمد بن قاسم کی فتوحات سے پہلے حضرات عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اطراف کے اکثر علاقے فتح کر لئے تھے۔ وہ شام، مصر،

عراق، یمن اور اوائل ترکستان کے وسیع وعریض اقالیم میں پہنچے اور علاقے ماوراء النہر، اوائل بلاد مغرب وافریقہ اور اوائل بلاد ہند میں بھی داخل ہوئے۔''①

اسی طرح ڈاکٹر این میری شمل ''شہپر جبریل'' Gabriel's Wings میں لکھتی ہیں:

''خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان عسا کر نے سندھ اور گجرات کے بعض حصوں پر قبضہ کر لیا تھا اور بعد کے خلفاء کے عہد تک یہ تسلط برقرار رہا۔''①

چونکہ خلافت راشدہ اور اموی دور خلافت میں سندھ، مکران اور سجستان کی فتوحات فارس کی مہمات میں شامل تھیں اور انہی راستوں سے غازیان اسلام بلاد ہند کی طرف آئے۔

لہٰذا اوپر بلاد ہند سے مراد سندھ، مکران، سجستان اور بلوچستان وغیرہ کے علاقے ہیں جو کہ اقلیم فارس سے متصل ہیں۔

---

① البدایة والنهایه ۹/۸۸۔ معرفة الرجال ۲۳۴.

① شہپر جبریل مترجم ڈاکٹر محمد ریاض ص ۱۴.

ہندوستان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ورودِ مسعود

بعض محققین بیان کرتے ہیں کہ ارض برصغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچیس صحابہ کرام کے ورود مسعود سے بہرہ ور ہوئی ہے جن میں سے بارہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں، پانچ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد میں، تین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دور میں، چار حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور ایک حضرت یزید بن معاویہ کے عہد میں تشریف لائے تھے۔

ان صحابہ کے علاوہ مختلف اوقات میں بلاد عرب سے اقالیم ہند میں متعدد تابعین وتبع تابعین قدم رنجہ فرماتے رہے جن کے شب وروز کا مشغلہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج واشاعت تھا۔ یہ باشندگان ہند کو دین فطرت کے تہذیبی وثقافتی دائرہ میں شامل کرنے اور ان کو ان پاکیزہ اخلاق وکردار اور تعلیم وشائستگی کی ارفع واعلیٰ اقدار سے بہرہ مند کرنے کی سعی کرتے رہے جن کو اسلام میں اساس کی حیثیت حاصل ہے۔ غرض اس مقصد کے لئے بلاد عرب سے ہندوستان تشریف لانے والے تابعین کی تعداد تقریباً سینتیس اور تبع تابعین کی تعداد تقریباً پندرہ بیان کی جاتی ہے۔ ہندوستان تشریف لانے والے تمام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے اصل اعداد وشمار یقینا اس تعداد سے کہیں زیادہ ہوں گے جن کا تذکرہ فی الحال راقم کو مختلف قدیم کتب میں مل سکا ہے۔ یہ مختصر مضمون ان تمام نفوس قدسیہ کے تفصیلی تذکرہ کا متحمل ہرگز نہیں ہوسکتا، اس کے لئے تو کئی ضخیم دفتر درکار ہوں گے، لیکن پھر بھی قارئین کے تجسس کے پیش نظر ذیل میں ارض ہندوستان کو اپنے وجود مسعود سے رونق بخشنے والے معزز صحابہ وتابعین کرام میں سے چند کے مختصر حالات پیش خدمت ہیں:

ا۔ والیٔ بحرین وعمان حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو طائف کا امیر بنایا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پورے عہد خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں آپ رضی اللہ عنہ کو طائف کی امارت پر برقرار رکھا، بعد میں بحرین وعمان کی ولایت کی ذمہ داری آپ رضی اللہ عنہ کو سونپ دی گئی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک عظیم مجاہد تھے۔

علامہ ابن حزم الظاہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اپنے بھائیوں میں بہترین صحابی رسول ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طائف کا امیر مقرر فرمایا تھا۔ انہوں نے ہندوستان کے تین شہروں میں جہاد کیا ہے۔''

حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ سے ان کے بھتیجے یزید بن الحکم بن ابی العاص، ان کے مولیٰ حکم، سعید بن المسیب، موسیٰ بن طلحہ، نافع بن جبیر بن مطعم، ابوالعلاء بن الشخیر اور مطرف بن الشخیر وغیرہ نے حدیث کے روایت کی ہے۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ

''ان سے اہل مدینہ اور اہل بصرہ نے حدیث کی روایت کی ہے۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

''میں نے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے افضل کسی کو نہیں پایا۔ ہم لوگ ان کے مکان پر جا کر ان سے حدیث کی روایت کرتے تھے۔''

حضرت عثمان الثقفی کے تفصیلی حالات کے لئے **تقریب التہذیب لابن حجر** رحمہ اللہ، **تہذیب التہذیب لابن حجر** رحمہ اللہ، **معرفة الثقات فلعجلی** رحمہ اللہ، **الاصابه فی تمییز الصحاب لابن حجر** رحمہ اللہ **اور الاستیعاب فی اسماء الصحابه للقرطبی مالکی** رحمہ اللہ وغیرہ① ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ حضرت حکم بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ:

مشہور مورخ احمد بن یحییٰ البلاذری بیان کرتے ہیں کہ

''عہد فاروقی ۱۵ھ میں والیء بحرین وعمان حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حکم بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ کو گجرات کے شہر بھڑوچ کی مہم پر روانہ کیا تھا۔ چنانچہ یہ مقام اسلام کے زیر نگین آ گیا تھا۔②''

①تقریب التہذیب ۱۰/۳، تہذیب التہذیب ۱۲۸/۷، معرفة الثقات ۱۲۹/۲۔ الاصابه۔ ۴۵۳/۲، الاستیعاب ۹۰/۳.

②فتوح البلدان للبلاذری ص ۴۳۸.

پھر ۲۳۰ھ میں حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی ہی میں مکران کا علاقہ بھی فتح ہوا۔"①

حکم بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ کو امام بخاری رحمہ اللہ، امام ابن حبان رحمہ اللہ اور حافظ ابن عبدالبر وغیرہ نے بصرہ کے علماء محدثین میں شمار کیا ہے لیکن بعض علماء نے ان سے مروی بعض احادیث کو مرسل بتایا ہے چنانچہ عجلی رحمہ اللہ نے انہیں "ثقہ تابعی" لکھا ہے جب کہ ابن سعد، ابو حاتم اور ابن حجر رحمہم اللہ نے ان کے متعلق صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانے کی صراحت کی ہے۔ ان سے حدیث کی روایت کرنے والوں میں معاویہ بن قرۃ کا نام قابل ذکر ہے۔ حضرت حکم بن ابی العاص بن نصر بن عبد بن دھمان الثقفی رضی اللہ عنہ کے تفصیلی ترجمہ کے لئے التاریخ الکبیر للبخاری رحمہ اللہ معرفۃ الثقات للعجلی رحمہ اللہ، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم رحمہ اللہ، تجرید اسماء الصحابۃ للذھبی رحمہ اللہ البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر رحمہ اللہ، فتوح البلدان للبلاذری رحمہ اللہ، الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر رحمہ اللہ اور الاستیعاب فی اسماء الصحابہ للقرطبی مالکی رحمہ اللہ وغیرہ② ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ حضرت مغیرہ بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ:

آپ رضی اللہ عنہ بھی حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ عہد فاروقی میں والیٔ بحرین وعمان حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو سندھ کے شہر دیبل پر لشکر کشی کے لئے روانہ کیا تھا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اس معرکہ میں فتح پائی تھی۔ ملاحظہ ہو فتوح البلدان للبلاذری③ وغیرہ۔

۴۔ حضرت حکم بن عمرو التغلبی رضی اللہ عنہ:

آپ کے متعلق مورخین نے کئی فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ حضرت حکم التغلبی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابی تھے جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت (یعنی ۲۳ھ) میں مکران کا محاصرہ کیا اور وہاں کے راجا کو شکست فاش سے ہمکنار کیا۔ ابو حاجب سوادہ بن العاصم، ابو الشعثاء دلجہ بن القیس، جابر

①البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر ۱۴۱/۶، تاریخ اسلام ۴۸/۳۔

②معرفۃ الثقات للعجلی ۳۱۲/۱۔ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۱۳۰/۳، تجرید اسماء الصحابہ للذھبی ۱۳۵/۱، الاصابہ لابن حجر ۳۴۴/۱، الاستیعاب للقرطبی ۳۱۵/۱۔

③فتوح البلدان للبلاذری ص ۴۳۸۔

بن زید الافروی اور عبداللہ بن الصامت وغیرہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ تفصیلی حالات کے لئے الاصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر رحمہ اللہ اور تاریخ الطبری ① وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

۵۔ حضرت صحار بن عباس العبدی رضی اللہ عنہ:

حضرت صحار نے عہد فاروقی (یعنی ۲۳ھ) میں حضرت حکم بن عمرو الثعلبی رضی اللہ عنہ کی امارت میں مکران کے محاصرہ اور جنگ میں شرکت کی تھی۔ آپ ہی وہ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنہیں حضرت حکم بن عمرو الثعلبی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس فتح مکران کی خوش خبری اور حاصل شدہ مال غنیمت لے کر روانہ کیا تھا۔

محمد بن اسحاق الندیم اپنی ''فہرست'' میں فرماتے ہیں کہ

> ''صحار العبدی'' نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا تین حدیثیں روایت کی ہیں۔ ایام معاویہ میں ان کا شمار خطباء اور نسابین میں ہوا کرتا تھا۔''

آپ سے حدیث کی روایت کرنے والوں میں منصور بن منصور اور ان کے دو صاحبزادے (جعفر بن صحار العبدی اور عبدالرحمن بن صحار العبدی) ہیں۔

تفصیلی حالات کے لئے الفہرست لابن الندیم رحمہ اللہ، الاصابہ لابن حجر رحمہ اللہ اور الاستیعاب للقرطبی مالکی رحمہ اللہ۔ ② وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمیر الاشجعی رضی اللہ عنہ:

حضرت ابن عمیر الاشجعی رضی اللہ عنہ بھی عہد فاروقی یعنی ۲۳ھ میں مکران، فارس اور سجستان کے معرکوں میں شریک تھے اور آپ نے شاندار خدمات انجام دی تھیں۔ سجستان سے متصل علاقۂ سندھ میں بھی آپ کی فوجی سرگرمیوں کی شہادت ملتی ہے۔ ابن الوقدان نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ابن مندہ رحمہ اللہ اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رضی اللہ عنہ کی مروی احادیث کی تخریج کی ہے۔ تفصیلی حالات کے لئے الاصابہ لابن حجر رحمہ اللہ اور الاستیعاب للقرطبی رحمہ اللہ وغیرہ کی طرف رجوع ③ فرمائیں۔

---

① الاصابہ لابن حجر ۲/۷۰۔ ۱۷۱، الاستیعاب للقرطبی مالکی ۲/۱۹۳۔
② حوالہ مذکورہ ۲/۳۴۶
③ حوالہ مذکورہ ۲/۳۵۳۔

۷۔حضرت سہل بن عدی بن مالک بن حرام الخزرجی رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بصرہ اس فرمان کے ساتھ بھیجا تھا کہ وہ آپ کو ہندوستان کے جہاد پر روانہ کریں، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ کو کرمان کی مہم پر روانہ کیا۔کرمان آپ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ تفصیلی حالات کے لئے الاصابہ لابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔①

۸۔حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان الاموی رضی اللہ عنہ:

عہد فاروقی میں حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ کی امارت میں آپ رضی اللہ عنہ نے کرمان کے معرکہ میں جہاد کیا تھا۔ابوالشیخ رحمہ اللہ نے آپ کا تذکرہ اپنی تاریخ میں کیا ہے۔تفصیلی حالات کے لئے الاصابہ لابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ کی طرف مراجعت② مفید ہوگی۔

۹۔حضرت عاصم بن عمرو التمیمی رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سجستان کے معرکہ پر روانہ کیا تھا۔اس مہم پر آپ نے خوب داد شجاعت پیش کی۔محدثین کے نزدیک آپ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پانا اور آں صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث درست نہیں ہے۔مزید ترجمہ کے لئے الاصابہ اور الاستیعاب وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔③

۱۰۔حضرت ربیع بن زیاد الحارثی رضی اللہ عنہ:

امام بخاری رحمہ اللہ، ابن ابی حاتم رحمہ اللہ اور ابن حبان رحمہ اللہ وغیرہ نے آپ کو تابعین میں شمار کیا ہے،لیکن بعض کے نزدیک آپ کو شرف صحابیت حاصل ہے۔ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

عبداللہ بن عامر نے ۲۹ھ میں آپ کو سجستان کی مہم کے لئے امیر مقرر کیا تھا اور علاقہ آپ کی سرکردگی میں فتح ہوا تھا۔عبیداللہ بن ابی بکرہ نے انہیں خراسان و بلخ کا والی مقرر کر کے بھیجا تو یہ علاقہ بھی آپ کے ہاتھوں ہی فتح ہوئے۔سندھ کی قدیم ترین عربی تاریخ ''چچ نامہ'' اور ''**المبرد فی الکامل**''

---

①الاصابہ لابن حجر ۲/۸۸.

② حوالہ مذکورہ.

③ حوالہ مذکورہ ۲/۲۳۸، الاستیعاب ۳/۱۳۵

میں مذکور ہے کہ

''امیر بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ان کو مکران و کرمان کے شہ سواروں کا امیر مقرر فرمایا تھا۔''

آپ سے کوئی مسند حدیث مروی نہیں ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فقط حضرت عمر بن خطاب سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ابن حبیب اور ابن کلبی وغیرہ نے آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ مطرف بن ایشخہ اور حفصہ بنت سیرین نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ تفصیلی ترجمہ کے لئے چچ نامہ، **الاصابہ فی تمییز الصحابہ، الاستیعاب، تقریب التہذیب ، المبرد فی الکامل، الثقات لابن حبان** رحمہ اللہ، **الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم** رحمہ اللہ **اور التاریخ الکبیر** وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔①

١١۔ حضرت عبید اللہ بن معمر بن عثمان التیمی القرشی رضی اللہ عنہ:

آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان نے ٢٩ ھ میں مکران کی مہم پر روانہ فرمایا تھا۔ علامہ قرطبی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''حضرت عبید اللہ بن معمر نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں فتح کابل وغیرہ میں شرکت کی تھی۔ آپ صاحب ثغرہ (گندھا) تھے۔''

لڑکپن میں آپ رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور صحبت نبوی پائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرات عمر، عثمان اور طلحہ رضی اللہ عنہم سے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں عروہ بن الزبیر، ابن سیرین اور آپ کے فرزند عمر بن عبید اللہ بن معمر وغیرہ شامل ہیں۔ ابو عاصم رحمہ اللہ، بغوی رحمہ اللہ اور ابن مندہ رحمہ اللہ وغیرہ نے آپ سے مروی حدیث کی تخریج کی ہے۔ ابن مندہ کا قول ہے کہ:

''علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت عبید اللہ بن معمر رضی اللہ عنہ نے صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پائی تھی یا نہیں۔''

تفصیلی ترجمہ کے لئے **التاریخ الکبیر للبخاری** رحمہ اللہ، **الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم** رحمہ اللہ، **الاصابہ لابن حجر** رحمہ اللہ **اور الاستیعاب للقرطبی** رحمہ اللہ **وغیرہ**② **ملاحظہ فرمائیں۔**

---

① چچ نامہ ٧٣، الاصابہ ١/ ٩٢/ ٤، الاستیعاب ١/ ٥٠٣، تقریب التہذیب ١/ ٢٤٤۔

② الاصابہ ٢/ ٤٣٢، الاستیعاب ٢/ ٤٢٥/ ٤٢٦۔

۱۲۔حضرت مجاشع بن سعود بن ثعلبہ السلمی رضی اللہ عنہ:

آپ نے ۳۱ھ میں قفس اور کرمان کے علاقوں کو فتح کیا۔ جب دشمن کی ہزیمت خوردہ افواج کے مکران میں جمع ہونے کی خبر آپ تک پہنچی تو حضرت مجاشع نے مکران پر حملہ کر کے اسے بھی زیر کیا تھا۔

دولابی نے بیان کیا ہے کہ:

''حضرت مجاشع نے بلاد ہند میں سے کابل وغیرہ کے معرکوں میں حصہ لیا اور ان علاقوں کو زیر کیا تھا۔ آپ وہاں کے مندروں میں داخل ہوئے اور بڑے بت کی آنکھوں میں سے جواہرات نکال لئے۔''

بعض مؤرخین یہ بتاتے ہیں کہ:

''آپ نے وہ جواہرات لئے نہیں تھے بلکہ وہاں کے لوگوں کو یہ تعلیم دینے کے لئے بت کی آنکھوں سے نکالے تھے کہ یہ بت نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی کو نقصان۔''

امام بخاری وغیرہ کا قول ہے کہ

حضرت مجاشع کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت پانے کا شرف حاصل ہے۔

صحیحین میں آپ کی مرویات موجود ہیں۔ ابو ساسان الرقاشی، حصین بن المنذر، یحییٰ بن اسحاق، ابوعثمان النہدی، کلیب بن شہاب اور عبدالملک بن عمیر وغیرہ نے آپ سے احادیث کی روایت کی ہے۔ مزید حالات کے لئے **الاصابہ لابن حجر، الاستیعاب للقرطبی اور تقریب التہذیب لابن حجر** وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔①

۱۳۔عبدالرحمن بن سمرہ بن حبیب العبشمی القرشی رضی اللہ عنہ:

امام بخاری نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ کے متعلق صحبت نبوی پانے کی صراحت کی ہے آپ نے یوم الفتح کو اسلام قبول کیا اور غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک جہاد ہوئے تھے۔

یہ وہ صحابیٔ رسول اللہ ﷺ ہیں جنہوں نے عہد عثمانی میں سجستان، زابلستان، رخج، کابل، داور، سندھ اور مکران کی بعض مہمات میں مجاہدانہ سرگرمیاں دکھائی تھیں۔

① تقریب التہذیب لابن حجر ۲/۲۲۹، الاصابہ ۳/۳۴۲، الاستیعاب ۳/۴۴۹۔

ابن سعد بیان کرتے ہیں:

''عبداللہ بن عامر نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ کو سجستان، خراسان اور کابل وغیرہ کی جنگوں کے لئے امیر مقرر کیا تھا۔ ان مہموں میں آپ کے ساتھ حسن بن ابی الحسن، مہلب بن ابی صفرہ اور قطری ابن الفجاءۃ وغیرہ شریک تھے۔ یہ علاقے آپ کی سرکردگی میں فتح سے ہمکنار ہوئے۔''

آپ سے حدیث روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن عباس، قتاب بن عمیر، حصان بن کاہل، سعید بن المسیب، محمد بن سیرین، حسن بصری، ابولبید اور عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ وغیرہ جیسے نامور تابعین شامل ہیں۔

آپ کے تفصیلی حالات **التاریخ الکبیر للبخاری، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، الاصابہ لابن حجر اور الاستیعاب للقرطبی** وغیرہ میں مذکور ہیں۔①

۱۴۔ حضرت سنان بن سلمہ بن المحبّق الهذلی رضی اللہ عنہ:

حضرت سنان کو نبی ﷺ کی رؤیت کا شرف حاصل ہے، مگر سماع کا نہیں ہے۔ آپ نے حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عباس اور اپنے والد سلمہ بن المحبق سے مرسل احادیث روایت کی ہیں۔ عجلی نے انہیں ''بصرہ کا ثقہ تابعی'' بتایا ہے۔ پہلی بار ۴۲ھ میں بسلسلۂ جہاد بلاد سندھ تشریف لائے۔ پھر جب امیر معاویہ نے انہیں زیاد کے پاس ہندوستان کی فتوحات میں شرکت کے لئے بھیجا تو زیاد نے حضرت سنان بن سلمہ کو ۵۰ھ میں ہندوستان کی مہمات کے لئے امیر بنا کر بھیجا۔ آپ نے سندھ کے علاقہ میں بہت سی فتوحات کیں۔ سلمہ بن جنادہ، معاذ بن سعوہ اور ابوعبدالصمد حبیب نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ حضرت سنان سے قتادہ کی حدیث مدلس ہیں۔

ابن شاہین نے سلمہ بن جنادہ عنہ کی روایت سے ان کی حدیثیں وارد کی ہیں۔ حضرت سنان کا انتقال حجاج کی امارت کے اواخر میں ہوا تھا۔

ترجمہ کی مزید تفصیلات کے لئے **تقریب التہذیب لابن حجر، تہذیب التہذیب لابن حجر، معرفتہ الثقات للعجلی، التحفتہ اللطیفہ للسخاوی، الاصابہ لابن حجر اور الاستیعاب للقرطبی**

① الاصابہ ۲/۳۹۳، الاستیعاب ۲/۳۱۴۔

وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔①

۱۵۔حضرت منذر بن جارود العبدی رضی اللہ عنہ:

ہندوستان کی فتوحات کے سلسلہ میں حضرت منذر کو ''ثغر قندابیل'' یعنی موجودہ ''گندا'' اور بلوچستان کے علاقوں کا امیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔اسی سال آپ نے وفات پائی اور وہیں مدفون ہو کر ارض ہند کو ایک صحابیء رسول کی امین ہونے کا شرف بخشا۔ملاحظہ فرمائیں: **الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر اور الاستیعاب للقرطبی** وغیرہ۔②

۱۶۔حضرت عمرو بن عثمان بن سعد التیمی رضی اللہ عنہ:

آپ سندھ ومکران کی فتوحات کے سلسلہ میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔آپ کے تفصیلی حالات **الاصابہ لابن حجر، اور الاستیعاب للقرطبی مالکی** وغیرہ میں مذکور ہیں۔③

۱۷۔حضرت خریت بن راشد الناجی رضی اللہ عنہ:

آپ کو عبداللہ بن عامر نے سندھ، مکران اور بلاد فارس کو فتوحات وامارت کے لئے مامور کیا تھا۔آپ کے تفصیلی حالات **الاصابہ لابن حجر اور الاستیعاب للقرطبی** وغیرہ میں درج ہیں۔④

۱۸۔حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ:

آپ ۹ھ میں مسلمان ہوئے تھے۔آپ کے متعلق ایک زباں زد روایت یہ ہے کہ آپ جنوبی ہند میں، فتوحات کے پیش نظر نہیں بلکہ تبلیغ اور اشاعت اسلام کی غرض سے تشریف لائے تھے اور وہیں انتقال فرمایا۔مدارس کے نواحی ساحل ''کوڈلم'' پر آج بھی ان کی قبران کے ورود مسعود کی شہادت دینے کے لئے موجود ہے۔بعض لوگ حضرت تمیم الداری کو صحابیٔ رسول اور بعض تابعی بتاتے ہیں۔مولانا قاضی اطہر مبارک پوری صاحب نے حضرت تمیم الداری کو صحابیٔ رسول کی حیثیت سے شمار کیا ہے۔⑤ لیکن کتب

---

①تقریب التہذیب لابن حجر ۱/۳۴۴، الاصابہ لابن حجر ۲/۱۳۰، التحفتہ اللطیفہ للسخاوی ۲/۱۹۵، تہذیب التہذیب لابن حجر ۴/۱۴۱، معرفۃ الثقاف للعجلی، ۱/۴۳۸، الاستیعاب للقرطبی ۲/۸۰۔

②الاصابہ ۳/۴۳۹، الاستیعاب ۳/۴۴۱۔

③ حوالہ مذکورہ ۳/۷، حوالہ مذکورہ ۲/۴۹۱

④الاصابہ ۱/۴۲۳، الاستیعاب ۱/۴۵۳۔۴۵۴۔

⑤ خلافت راشدہ اور ہندوستان ص ۴۷۔

اسماء الصحابہ میں ان بزرگ کا ترجمہ راقم کو کہیں نہ مل سکا۔ البتہ ایک اور مشہور صحابی رسول، جن کا نام بھی حضرت تمیم الداری ہے، کے متعلق متداول کتب میں مذکور ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان کی شہادت کے بعد بیت المقدس میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ جامع ترمذی وغیرہ میں ان کی مرویات موجود ہیں۔

ان کے ترجمہ کے لئے **تقریب التہذیب لابن حجر، الاصابہ لابن حجر اور الاستیعاب للقرطبی** وغیرہ کا مطالعہ مفید ہوگا۔①

واضح رہے کہ سرزمین سندھ و ہند کو شرف قدم بوسی بخشنے والے اصحاب رسول اللہ ﷺ کی اصل تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ پھر جن صحابہ کرام نے مکران، فہرج، حیال پایہ، دیبل، بلوچستان، سندھ، گندا، زابلستان، رخج، کابل، داور، سجستان اور کرمان وغیرہ کی متعدد بار ہونے والی فتوحات میں حصہ لیا ان کے تلامذہ یعنی تابعین اور تبع تابعین کی ایک کثیر تعداد بھی ان کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائی، جن سب کا تذکرہ اس مختصر مضمون میں تو ممکن نہیں، البتہ ان میں سے چند مشہور تابعین کا ذکر خیر ذیل میں پیش خدمت ہے۔

---

①الاصابہ ۱/۱۶۱، الاستیعاب ۱/۱۸۶، تقریب التہذیب ۱/۱۱۳۔

ہندوستان تشریف لانے والے تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم

سعد بن ہشام بن عامر انصاری المدنی رحمہ اللہ:

اس سعید جماعت کے ایک بزرگ مشہور تابعی تھے جو رشتہ میں حضرت انس بن مالک کے چچا زاد بھائی تھے۔ سعد بن ہشام کو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت ہشام بن عامر انصاری وغیرہ جیسے جلیل القدر اصحاب رسول ﷺ سے سماع حدیث کا شرف حاصل تھا۔ جن حضرات نے آپ کے حلقۂ درس حدیث میں شمولیت کی ان میں حسن بصری، حمید بن ہلال، زرارہ بن ابی ادنیٰ اور حمید بن عبدالرحمن وغیرہ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

امام ابن حجر عسقلانی ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"ثقہ تھے اور محدثین کے طبقہ سوم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے ارض ہندوستان میں شہادت پائی تھی۔" ①

ایک روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ

"سعد بن ہشام نے سرزمین ہند میں حضرت عمر کے عہد خلافت میں شہادت پائی تھی۔"

امام ابن حبان بیان کرتے ہیں کہ:

"آں رحمہ اللہ نے ارض مکران میں دوران غزوہ جام شہادت نوش فرمایا تھا۔"

امام بخاری نے بھی اپنی "التاریخ الکبیر" میں سعد بن ہشام کے متعلق لکھا ہے:

"قتل في أرض مكران على أحسن حاله۔"

یعنی وہ اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ مکران میں شہید کئے گئے"۔

تفصیلی ترجمہ کے لئے الثقات لابن حبان، التاریخ الکبیر للبخاری اور تقریب التہذیب

① تقریب التہذیب ۱/ ۲۸۹.

لابن حجر عسقلانی کی جانب مراجعت مفید ہوگی۔

مہلب بن ابی صفرہ رحمہ اللہ:

حضرت امیر معاویہ کے عہد خلافت یعنی ۴۴ھ میں آپ نے سجستان، خراسان اور کابل کے معرکوں میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ العبشمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مجاہدانہ شرکت کی تھی۔ بلاذری کا قول ہے کہ:

''مہلب بن ابی صفرہ نے ۴۴ھ میں ہندوستان کی سرحد پر حملہ کیا اور بنہ اور لاہور تک پہنچا جو ملتان اور کابل کے درمیان ہیں۔''

میاں اخلاق احمد (ایم۔اے) بیان کرتے ہیں کہ:

''حضرت امیر معاویہ کے زمانے میں مہلب بن مغیرہ کی فوجوں نے کابل اور ملتان کے درمیان بعض علاقوں کو فتح کیا اور یہاں کے لوگوں کو اسلام سے روشناس کرایا۔''①

امام ابن حجر عسقلانی بیان فرماتے ہیں:

''ثقات امراء میں سے تھے۔ جنگی تکنیک سے بخوبی واقف تھے۔ لہٰذا آپ کے دشمنوں نے آپ پر کذب کا بہتان لگایا ہے۔ آپ کا تعلق تابعین کے طبقہ دوم سے ہے۔ آپ سے مرسل روایات مروی ہیں۔''②

قطری بن الفجاءۃ رحمہ اللہ:

آپ کو بھی سجستان، خراسان اور کابل کی فتوحات میں حضرت عبدالرحمن بن سمرہ العبشمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کا شرف حاصل ہے۔ ملاحظہ ہو الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر عسقلانی وغیرہ۔③

الحسن بن ابی الحسن البصری رحمہ اللہ:

آپ کا شمار سادات تابعین میں ہوتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ نے بچشم خود دیکھا اور ان کے خطبہ کو سنا تھا۔ اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی آپ نے دیکھا تھا مگر ان سے آپ کا سماع ثابت نہیں ہے۔

---

① دو قدیم صوفی، مرتبہ میاں اخلاق احمد ص ۴۲.

② تقریب التہذیب ۲/۲۸۰.

③ الاصابہ لابن حجر ۱/۹۱.

احادیث کی روایت میں بکثرت ارسال وتدلیس سے کام لیتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ العبشمی کے ساتھ آپ نے سجستان، خراسان اور کابل وغیرہ کی جنگوں میں ۴۴ھ میں بغرض جہاد شرکت کی تھی۔ تفصیلی حالات کے لئے **جامع التحصیل للعلائی، الاصابہ لابن حجر، تہذیب الکمال للمزی، تقریب التہذیب لابن حجر، تعریف اہل التقدیس لابن حجر، معرفۃ الثقات للعجلی، تہذیب التہذیب لابن حجر، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، تاریخ یحییٰ بن معین، التاریخ الکبیر للبخاری، العلل لابن المدینی، ہدی الساری لابن حجر۔ فتح الباری لابن حجر، تذکرۃ الحفاظ للذہبی، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری، سنن الدارقطنی، المستدرک للحاکم، السنن الکبریٰ للبیہقی اور نصب الرایہ للزیلعی** وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔①

حارث بن مرہ العبدی رحمہ اللہ:

تابعین کی اس جماعت کے ایک اور بزرگ حارث بن مرہ العبدی تھے جو حضرت علی کے شاگرد اور معاون خاص بھی تھے۔ آپ کا تعلق قبیلہ عبدالقیس سے تھا۔ ۳۷ھ میں جنگ صفین کے موقع پر حضرت علی کی فوج کے میسرہ پر آپ ہی مقرر تھے۔ ۳۸ھ میں حضرت علی کے حکم سے حدود ہند میں داخل ہوئے اور وہاں اپنی فیاضی، وسعت علم اور شجاعت کی اعلیٰ مثال قائم کی۔

> ایک روایت کے مطابق ''حارث بن مرہ العبدی نے حضرت امیر معاویہ کے عہد خلافت میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ معرکہ قلات میں شہادت پائی۔''

---

① جامع التحصیل للعلائی ص۱۳۵، الاصابہ لابن حجر ۱/۱۹۱، تہذیب الکمال للمزی ۱/۲۵۵...۲۵۹، تقریب التہذیب لابن حجر ۱/۱۶۵، تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۱/۷۱، تعریف اہل التقدیس لابن حجر ص۵۶، معرفۃ الثقات للعجلی ۱/۲۹۳، تہذیب التہذیب لابن حجر ۲/۲۶۳، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۳/۴۰...۴۲، تاریخ یحییٰ بن معین ۴/۲۲۹، التاریخ الکبیر للبخاری ۲/۲۹۰، العلل لابن المدینی ص ۵۳، ۵۱، ہدی الساری لابن حجر ص۳۶۷، فتح الباری لابن حجر ۱/۱۰۹؛ ۲/۲۶۸؛ ۴/۴۱۹؛ ۵/۸۹، ۲۴۱، ۳۰۷؛ ۶/۴۳۷؛ ۹/۲۲۲، ۲۸۳، ۳۰۳؛ ۱۰/۲۷۷؛ ۱۱/۶۹؛ ۱۲/۸۰؛ ۱۳/۶۶، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ۱/۵۳۵، ۵۳۷، ۵۳۸؛ ۴/۴۳۶، ۵۲۰، ۶۸۶؛ ۶/۵۹۱؛ ۷/۱۱۱، ۲۹۷، ۴۸۴؛ ۸/۱۹۹؛ ۹/۱۸۷، نصب الرایہ للزیلعی ۱/۲۰، ۴۸، ۵۱، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۱۷۲، ۲۰۵، ۲۸۲؛ ۲/۹۲، ۱۲۶، ۱۵۹، ۴۱۹، ۴۷۶؛ ۳/۲۲۱، ۳۸۶؛ ۴/۳۹، ۴۸، ۱۶۴، ۱۶۷، ۲۷۰، ۲۱۳، سنن الدارقطنی ۱/۱۰۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۱۶۸؛ ۵/۲۸۸، ۳۱۳؛ ۶/۴۲؛ ۸/۳۵؛ ۱۰/۷۰، ۸۰، المستدرک للحاکم ۱/۱۷۶، ۲۱۵، ۲۷۴؛ ۲/۳۵.

آپ کبار صحابہ سے ملے تھے اور ان سے علم حدیث حاصل کیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ:

''مدرک صحابہ میں سے تھے''۔

تابعین کرام میں سے بعض بزرگ حضرت امیر معاویہ کے عہد خلافت میں اس وقت ہندوستان تشریف لائے تھے جب ۴۴ھ میں مسلمان افواج ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں پر حملہ آور ہوئیں۔ امیر معاویہ کے عہد میں معرکہ ہندوستان کے متعلق امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

"وقد غزا المسلمون الهند فی ایام معاویة سنة ۴۴ھ①۔'' خیر القرون کے ان مسلمانوں کے پیش نظر ہندوستان پر لشکرکشی کا مقصد جہاں اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ تھا وہیں رسول اللہ ﷺ کی فریضہ جہاد فی سبیل اللہ، بالخصوص غزوۂ ہند کے بارے میں وارد مندرجہ ذیل احادیث بھی زبردست محرک تھیں:

''عَنْ ابی هریرة قال: وعدنا رسول الله ﷺ غزوة الهند فان ادرکتها انفق فیها نفسی ومالی، فان اقتل کنت من افضل الشهداء، وان ارجع فانا ابوهریرة المحرر''②

ا۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ہندوستان میں غزوہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر میں اس میں شریک ہوا تو اس میں اپنی جان و مال خرچ کروں گا، اگر مارا گیا تو بہترین شہید ہوں گا اور اگر زندہ واپس آ گیا تو جہنم سے آزاد ابوہریرہ رہوں گا۔''

(نوٹ:۔ حضرت ابوہریرہ کی ایک دوسری روایت میں

''فان اقتل کنت من افضل الشهداء وان ارجع'' الخ کے بجائے ''وان قتلت کنت افضل الشهداء فان رجعت'' الخ کے الفاظ مروی ہیں۔③)

''عن ثوبان مولٰی رسول الله ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: عصابتان من امتی حررهما الله من النار، عصابة تغزو الهند وعصابة تکون مع عیسی بن

① البداية والهاية لابن كثير ۲۲۳/۶۔

② سنن النسائی مع التعلیقات السلفیه ۲/ ۵۶، وکذافی البدایة والنهایة لابن کثیر ۹/ ۹۵، سبحته المرجان از غلام علی آزاد ص ۲۱، خلافت راشدہ اور ہندوستان للقاضی اطہر مبارکپوری ص ۳۶۔

③ حوالہ مذکورہ۔

مریم علیہما السلام ''①

۲۔ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دو گروہوں کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھا ہے، ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ گروہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ رہے گا۔''

حضرت ثوبان سے مروی ایک دوسری حدیث میں ''حورھما'' کے بجائے ''احرزھما'' کے الفاظ وارد ہیں۔ اس کی تخریج امام طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' میں کی ہے مگر طبرانی کی اسناد روایت میں تابعی کا نام ساقط ہے جو بظاہر راشد بن سعد ہے۔ ''اسناد کے بقیہ رجال ثقات ہیں'' جیسا کہ علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد ومنبع الفوائد'' میں تصریح فرمائی ہے②

خلافت راشدہ اور اموی دور حکومت میں اقلم ہند پر جن عسکری کوششوں کی ابتداء ہوئی تھی وہ اگرچہ بہت منظم اور وسیع پیمانہ پر نہ تھیں مگر ان کا سلسلہ برابر جاری رہا حتی کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات (۶۳۲ء) کے تقریباً اسی ۸۰ سال بعد ۹۴-۹۳ھ (بمطابق ۷۱۲ء) میں محمد بن قاسم نے علاقۂ سندھ پر ایک زبردست اور کامیاب حملہ کیا۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ:

''محمد بن قاسم نواحی سیستان سے سندھ میں داخل ہوا۔ دیبل، بہمنو (بہمن آباد) اور مولستان (ملتان) کو فتح کرتا ہوا شہر قنوج تک جا پہنچا۔ واپسی پر اس نے کشمیر کی حدود کو بھی بے سپر کیا تھا۔''

محمد بن قاسم کے اس حملہ آور لشکر میں بے شمار تابعین، تبع تابعین، جلیل القدر محدثین، فضلاء اور اتقیاء شریک ہوئے تھے جن کا تذکرہ ان شاء اللہ تعالیٰ آگے کیا جائے گا۔

انجمن خدام القرآن لاہور اور تنظیم اسلامی پاکستان کے مؤسس و امیر جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے مضمون ''اسلام برصغیر پاک و ہند میں'' میں محمد بن قاسم کے ہندوستان پر حملہ، اس کے پس منظر اور اثرات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''برصغیر پاک و ہند میں خورشید اسلام اولاً عین غرب یعنی مکران اور بلوچستان کے

---

①سنن النسائی مع التعلیقات السلفیہ ۵۶/۲۔

②مجمع الزوائد للهیثمی ۲۸۲/۵۔

افق پر خلافت بنی امیہ کے زمانے میں اس وقت طلوع ہوا جب نبی اکرم ﷺ کے انتقال پر اسّی برس بیت چکے تھے اور دور خلافت راشدہ کو ختم ہوئے بھی نصف صدی کے لگ بھگ عرصہ گزر چکا تھا اور اسلام کے صدر اول کا جوش وخروش کم ہوتے ہوتے تقریباً معدوم کے حکم میں داخل ہو چکا تھا۔ چنانچہ سرزمین ہند پر ''باب الاسلام'' سندھ کے راستے اسلام کا یہ ورود اول بھی کسی مثبت تبلیغی جذبے یا احساس فرض کا مرہون منت نہ تھا بلکہ ایک وقتی اور فوری اشتعال کا نتیجہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت اسلام کی کرنیں موجودہ پاکستان کے بھی صرف نصف جنوبی کو منور کر کے رہ گئیں اور اس مد میں بھی جزر کے آثار فوراً ہی شروع ہو گئے اور برصغیر پاک وہند میں اسلام کی یہ آمد اولین نہایت محدود بھی رہی اور حد درجہ عارضی بھی۔ گویا سرزمین ہند دور نبوی اور عہد خلافت علی منہاج النبوۃ کی برکات سے تو مطلقاً محروم ہی رہی جس میں ایمان اور یقین کا کیف وسرور اور جہاد وقتال کا جوش وخروش باہم شیر وشکر تھے اور جہاد کی اصل غرض وغایت فریضۂ شہادت علی الناس کی ادائیگی کا جذبہ تھا یا حصول مرتبہ شہادت کا ذوق وشوق نہ کہ ملک گیری وکشور کشائی کی ہوس یا مال غنیمت واسباب عیش کی حرص۔ مزید محروی یہ رہی کہ اس خالص عربی الاصل اسلام کے اثرات سے متمتع ہونے کا موقع بھی بہت ہی کم ملا جس میں دین ودنیا کی وحدت و یگانگت ابھی اس حد تک باقی تھی کہ رات کے راہب ہی دن کے شہسوار ہوتے تھے۔''①

ڈاکٹر صاحب کا یہ اقتباس اغلاط کا ایک مجموعہ ہے۔ اس میں کئی تاریخی حقائق اور وقائع کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر

''برصغیر پاک وہند میں خورشید اسلام اولاً اس وقت طلوع ہوا جب نبی اکرم ﷺ کے انتقال پر اسّی برس بیت چکے تھے اور دور خلافت راشدہ عرصہ گزر چکا تھا۔''

---

① ماہنامہ حکمت قرآن لاہور جلد ٦ عدد شمارہ ٢٥ ص ٧ ٣ مجریہ ماہ فروری ١٩٨٧ء۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ خورشید اسلام کی کرنوں نے ۱۵ھ میں ہی ہندوستان کے بعض علاقوں کو منور کرنا شروع کر دیا تھا جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

اقتباس بالا کی دوسری خلاف واقعہ بات یہ ہے کہ

''اسلام کے صدر اول کا جوش وخروش...... داخل ہو چکا تھا۔'' یہ سچ ہے کہ ان مجاہدوں میں صدر اول یعنی صحابہ کرام جیسا جوش وخروش اور اسلامی جذبہ وایثار موجود نہ ہوگا لیکن پھر بھی ان مجاہدین تابعین، تبع تابعین ومحدثین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی جن کے اخلاص وجذبہ وایثار پر اس حد تک شک کرنا کہ ''معدوم کے حکم میں داخل'' سمجھا جانے لگے کسی طرح روا نہیں ہے۔ اقتباس کا اگلا جملہ بھی نہایت قابل اعتراض ہے کیوں کہ سندھ کے راجہ داہر کی مملکت پر محمد بن قاسم کا حملہ صرف ''ایک فوری اشتعال کا نتیجہ'' نہ تھا بلکہ اس کے پس پشت بھی اشاعت وتبلیغ اسلام کا جذبہ، ''غزوۂ ہند'' میں شریک ہو کر ''افضل الشھداء'' اور ''احراز من النار'' والی نبوی بشارتیں کارفرما تھیں۔

لٰہذا اس عظیم اسلامی فتح کے متعلق یہ سوئے ظن رکھنا کہ یہ لشکرکشی محض ''ملک گیری وکشور کشائی کی ہوس یا مال غنیمت واسباب عیش کی حرص'' کے زیر اثر عمل میں آئی تھی ایک بہت بڑی جسارت ہے۔ تاریخ پر گہری بصیرت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ فاتح سندھ محمد بن قاسم کے حملہ نے ''موجودہ پاکستان کے صرف نصف جنوبی'' حصہ کو ہی اسلام کے زیر نگیں نہیں کیا تھا بلکہ سندھ کے علاوہ صوبہ پنجاب کے ایک وسیع علاقے کو بھی فتح کیا تھا۔ پھر ''برصغیر پاک وہند میں اسلام کی یہ آمد'' شمال مغربی علاقوں تک ''محدود'' ضرور رہی ہے لیکن '''عارضی'' ہرگز نہ تھی۔ چنانچہ اہالیان ہند کو ''اس خالص عربی الاصل اسلام کے اثرات'' وفیوض وبرکات سے ''متمتع ہونے کا موقع'' ایک طویل زمانہ تک میسر رہا۔ یہ بھی حق اور واقعہ ہے کہ محمد بن قاسم کے ہندوستان پر حملہ نے اشاعت وتبلیغ اسلام کے کام کو بہت تقویت پہنچائی تھی۔ سندھ وپنجاب کے اکثر شہروں میں دروس قرآن وحدیث کے عظیم مراکز ومدارس قائم ہوئے جن میں مسانید درس پر وہ جلیل القدر تابعین وتبع تابعین جلوہ افروز ہوئے جنھوں نے معرکہ ہند میں محمد بن قاسم کے ساتھ بالفعل شرکت کی تھی۔

چنانچہ مشہور مؤرخ بلاذری اور سندھ کی قدیم ترین عربی تاریخ ''چچ نامہ'' کے مؤلف بیان

کرتے ہیں:

''محمد بن قاسم نے ۹۴-۹۳ھ میں ہندوستان کے دو مشہور علاقوں یعنی سندھ و پنجاب کو فتح کیا اور وہاں موسیٰ بن یعقوب الثقفی کو باقاعدہ درس حدیث پر مقرر فرمایا''۔

ابوشیبہ یوسف بن ابراہیم التمیمی الجوہری رحمہ اللہ:

ایک اور تابعی، جو محمد بن قاسم کے ساتھ ایک فوجی کی حیثیت سے وارد ہند ہوئے، جہاد سندھ میں حصہ لیا اور ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج و تبلیغ کرتے رہے، کا نام ابوشیبہ یوسف بن ابراہیم التمیمی الجوہری تھا۔ آں رحمہ اللہ کو حضرت انس بن مالک سے سماع حدیث کا شرف حاصل تھا۔ ابوشیبہ کے درس حدیث میں عمرو بن سلیمان، قرہ بن عیسیٰ، عبدالرحمن بن حسن، عقبہ بن خالد اور مسلم بن عقبہ جیسے عظیم محدثین اور تبع تابعین نے شرکت کی اور اپنے شیخ سے حدیث کی روایت کی۔ ابوشیبہ کے تفصیلی حالات کے لئے **میزان الاعتدال للذہبی، تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانی** اور **تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری** وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔①

زیاد بن الحواری العبدی رحمہ اللہ:

ایک اور نامور تابعی، جنہوں نے جہاد ہند میں شرکت کی اور معرکہ سندھ میں محمد بن قاسم کے دست و بازو بنے، کا اسم گرامی زیاد بن الحواری العبدی تھا۔ بعض مؤرخین نے ان کا نام زید بن الحواری العبدی اور بعض نے حواری بن زیاد العبدی بھی لکھا ہے۔ محمد بن قاسم نے جس قافلہ کے ہمراہ راجہ داہر کا سر عراق بھیجا تھا اس قافلہ میں زیاد بن الحواری بھی شریک تھے۔ آپ وہ جلیل القدر تابعی ہیں جنہوں نے حضرت انس بن مالک اور عبداللہ بن عمر سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ابوبشر جعفر، اعمش، عبدالملک بن عمیر، سبیعی، محمد بن فضل بن عطیہ، سلام الطویل اور ایوب بن موسیٰ جیسے کبار محدثین نے آپ سے علم حدیث پڑھا تھا۔ امام ابن حبان نے آپ کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے۔ سندھ کے مبلغین حدیث میں آپ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے **الثقات لابن حبان** اور **میزان الاعتدال للذہبی** وغیرہ

①میزان الاعتدال فی نقد الرجال للذہبی ۴/۶۱؛ تقریب التہذیب لابن حجر ۳/۳۷۱؛ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ۴/۳۴۰.

ملاحظہ فرمائیں۔①

زائدہ بن عمیر الطائی الکوفی رحمہ اللہ:

انہی تابعین میں ایک نامور تابعی زائدہ بن عمیر الطائی الکوفی بھی تھے۔

آں رحمہ اللہ کو حضرات عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ اور نعمان بن بشیر جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔ آپ سے حدیث کی روایت کرنے والوں میں محدث ابواسحٰق السبیعی، یونس ابن ابی اسحٰق اور شعبہ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ابن سعد نے آپ کو ''طبقہ ثالثہ'' کے تابعین میں شمار کیا ہے۔ ابن حبان نے آپ کو کتاب ''الثقات'' میں اور عجلی نے ''معرفۃ الثقات'' میں ذکر کیا ہے۔ زائدہ بن عمیر الطائی بھی فتح سندھ کے موقع پر محمد بن قاسم کے ہم رکاب ہو کر ہندوستان تشریف لائے اور ملتان کی طرف پیش قدمی کے وقت اسلامی لشکر میں شریک تھے۔ سندھ کے نومسلموں میں اسلامی احکام کی تعلیم و اشاعت کی ذمہ داری آپ کے سپرد تھی۔ زائدہ بن عمیر کے تفصیلی ترجمہ کے لئے **معرفۃ الثقات للعجلی، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، التاریخ الکبیر للبخاری** اور **الثقات لابن حبان** وغیرہ کا مطالعہ مفید ہوگا۔②

ابوقیس زیاد بن رباح القیسی البصری رحمہ اللہ:

انہی خوش نصیب تابعین میں ایک تابعی ابوقیس زیاد بن رباح القیسی البصری بھی تھے جنہوں نے محمد بن قاسم کے دوش بدوش جہاد سندھ میں شرکت کی اور نہایت دلیری و شجاعت کا مظاہرہ کیا۔

صاحب ''چچ نامہ'' بیان کرتے ہیں:

''محمد بن قاسم نے راجہ داہر کا سر اور جہاد سندھ میں تمام حاصل شدہ مال غنیمت جن دو سپاہیوں کی حفاظت میں عراق بھیجا تھا، ابوقیس اس حفاظتی دستہ کے امیر تھے۔''

ابوقیس نے حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا تھا۔ حسن بصری وغیرہ نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ امام ابن حبان، عجلی اور ابن حجر عسقلانی وغیرہ نے آں رحمہ اللہ کو حدیث کی

---

①میزان الاعتدال للذہبی ۱/۶۲۲۔

②معرفۃ الثقات للعجلی، ۱/۳۶۶، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۳/۶۱۳، التاریخ الکبیر للبخاری ۳/۴۳۱، الثقات لابن حبان ۴/۲۶۵۔

روایت میں ثقہ قرار دیا ہے۔

ابن حجر فرماتے ہیں کہ:

''آپ محدثین کے طبقہ ثالثہ سے تعلق رکھتے تھے۔''

آپ کی مرویات سنن نسائی، صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ میں وارد ہیں۔ جہاد سندھ کے دوران ابوقیس نے تبلیغ اور درس حدیث کا سلسلہ برابر جاری رکھا تھا۔ تفصیلی ترجمہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں معرفة الثقات للعجلی، تقریب التہذیب لابن حجر، تہذیب التہذیب لابن حجر اور التحفة اللطیفه فی تاریخ المدینة الشریفه للسخاوی وغیرہ۔①

پس واضح ہوا کہ اس پاک باز گروہ کا ہر فرد نہیں تو کم از کم بیشتر افراد اپنے عمل و کردار سے علم حدیث کے مبلغ ضرور تھے خواہ انہوں نے باقاعدہ مسند درس نہ سنبھالی ہو۔ ان کی زندگی کے ہر ہر گوشہ میں اتباع رسول اللہ ﷺ اور اس کی اشاعت کا داعیہ موجزن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں سے متاثر ہوکر اہالیان ہند میں سے بہت سے غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے اور اللہ و رسول کے حلقہ اطاعت میں شامل ہوگئے۔

جب ان اعلیٰ صفات بزرگوں کے علم و فضل بے کراں سے اسلام سے نابلد اللہ کی مخلوق جوق در جوق مسلمان ہونے لگی تو اس اہم و مبارک کام کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس دور سعید کے کے دوسرے علمائے حدیث کو یہ شوق و ولولہ پیدا ہوا کہ بلاد عرب سے اقلیم ہند کی طویل اور پر صعوبت مسافت طے کر کے ہندوستان جائیں اور وہاں دین اسلام کی اشاعت میں پوری یکسوئی کے ساتھ منہمک و مصروف ہوسکیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم کے حملہ کے بعد بھی متعدد جلیل القدر تابعین و تبع تابعین سرزمین ہند پر جلوہ افروز ہوتے رہے، مثال کے طور پر:

یزید بن ابو کبشہ الشامی رحمہ اللہ:

جن کے والد کا نام ''حیویل'' تھا، ایک مشہور تابعی تھے۔ آپ حجاج کے زمانہ میں امیر جنگ کے عہدہ پر فائز تھے۔ حجاج بن یوسف کی وفات کے بعد ولید بن عبدالملک نے انہیں بصرہ کے منصب

① معرفة الثقات للعجلی ۱/۴۷۳۔ تقریب التہذیب لابن حجر، ۱/۲۶۷، تہذیب التہذیب لابن حجر ۳/۳۶۶، التحفه اللطیفه للسخاوی ۲/۸۶۔

ولایت پر متعین کر دیا تھا۔ امام بن حجر عسقلانی بیان کرتے ہیں کہ:

''یزید بن کبشہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں سندھ کے والی خراج تھے اور انہی کے عہد خلافت میں آپ نے وفات پائی تھی۔''①

مملکت کے فوجی وانتظامی امور میں سربراہی کے علاوہ آپ وقت کے ایک بلند پایہ محدث بھی تھے۔ آپ نے شرجیل بن اوس اور حضرت ابوالدرداء وغیرہ سے روایت حدیث کی سعادت پائی تھی۔ ابوبشر، حکم بن عتبہ، معاویہ بن قرہ اور ابراہیم ابن عبدالرحمن وغیرہ نے آپ سے احادیث کی ہیں۔ امام بخاری نے اپنی ''صحیح''میں، امام حاکم نے اپنی ''المستدرک علی الصحیحین'' میں اور امام محمد بن حسن نے کتاب ''الآثار'' میں ان کی مرویات کی تخریج کی ہے یزید بن ابو کبشہ حالت سفر میں روزہ رکھا کرتے تھے۔ امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' میں ان کے متعلق ایک روایت یوں وارد کی ہے:

''فکان یزید یصوم فی السفر۔''② مگر، ہشیم عن العوام بن حوشب کی روایت، جس کی تخریج اسماعیلی نے کی ہے، میں یہ الفاظ مروی ہیں:

''وکان یزید بن أبی کبشہ یصوم الدھر''۔

یعنی یزید بن بن أبی کبشہ ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے۔

۹۶ھ میں یزید بن ابو کبشہ بغرض تبلیغ سندھ تشریف لائے لیکن یہاں آنے کے کچھ دن بعد ہی انتقال فرما گئے تھے۔ مزید تفصیلی حالات کے لئے الثقات لابن حبان، التاریخ الکبیر للبخاری اور فتح الباری لابن حجر عسقلانی وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

موسیٰ السیلانی رحمہ اللہ:

اسی دور کے ایک تابعی موسیٰ السیلانی تھے جو سندھ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے حضرت انس بن مالک سے حدیث کی سماعت کی تھی اور سندھ کے علاقہ میں ہی علم حدیث کی نشرواشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ حضرت انس بن مالک سے موسیٰ السیلانی کی ملاقات کا ذکر حافظ ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ میں اس طرح کیا ہے:

---

①صحیح بخاری مع فتح الباری ۱۳۶/۶۔ ②حوالہ مذکورہ۔

ورويناعن شعبة عن موسىٰ السيلاني والى عليه خيراً قال أتيت أنس بن مالك فقلت هل بقي من أصحاب رسول الله ﷺ أحد غيرك قال بقي ناس من الأعراب قد راوه فأما من صحبه فلا إسناده جيد حدث به مسلم بحضرة أبي زرعة①

سعید بن اسلم بن زرعہ الکلابی رحمۃ اللہ علیہ:

ایک اور مشہور تابعی سعید بن اسلم بن زرعہ الکلابی تھے جن کا تعلق قبیلہ بن ربیعہ بن کلاب سے تھا آپ نے اپنے موالی سے حدیث کی روایت کی ہے جو بنی غفار سے تعلق رکھنے والے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے تھے۔ آپ نے باقاعدہ درس حدیث بھی دیا ہے، بکیر بن اشجع وغیرہ نے آپ سے حدیث کی سماعت کی ہے۔ ابن ماکولا وغیرہ کا قول ہے کہ سعید بن اسلم خراسان اور سندھ کے والی تھے۔ بعض کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ آپ مکران کے بھی والی تھے اور وہیں آپ نے شہادت پائی۔ جب تک آپ سرزمین مکران و سندھ پر مقیم رہے درس حدیث کو اپنا اوّلین مقصد بنائے رکھا۔ مزید حالات کے لیے ثقات لابن حبان اور تاریخ الکبیر للبخاری وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

ابن اسید بن اخنس الثقفی رحمۃ اللہ علیہ:

اسی کاروان مبلغین کے ایک اور بزرگ تابعی حضرت ابن اسید بن اخنس الثقفی تھے۔ آپ نے اپنے والد اسید بن اخنس ثقفی، اپنے چچا مغیرہ بن اخنس اور بعض تابعین سے حدیث کی سماعت کی تھی۔ آپ اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں سندھ کے والی مقرر ہوئے تھے۔ آں رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سندھ کے علاقہ میں اشاعت حدیث کی بہت خدمت انجام دی ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابوزید السلیمانی رحمۃ اللہ علیہ:

اشاعت اسلام کے کارواں میں شامل ایک اور بزرگ تابعی عبدالرحمٰن بن ابوزید السلیمانی تھے۔ آپ کا شمار مشاہیر تابعین میں ہوتا ہے۔ آپ نے کبار صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عثمان بن عفان، امیر معاویہ، سعید بن زید، عمرو بن اوس، عمرو بن عصبہ وغیرہ رضی اللہ عنہم اور تابعین

① مقدمہ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح للعراقی ص ۲۵۸۔ ترجمہ کے لئے الاصابہ فی تمییز الصحابہ لابن حجر ۴۳۱/۳ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

میں سے نافع بن جبیر اور عبدالرحمٰن الاعرج وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی ہے۔ آپ کے دروس حدیث سے فیضاب ہونے والے شاگردوں کی ایک طویل فہرست ہے جن میں سے زید بن اسلم، سماک بن فضل، ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن، خالد بن ابوعمران، یزید بن طلق اور آپ کے صاحبزادہ محمد بن عبدالرحمٰن السیلمانی نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ شیخین کے علاوہ دوسرے آئمہ حدیث مثلاً امام ترمذی اور امام نسائی وغیرہ نے آپ کی روایات کی تخریج کی ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''آپ کبار شعراء میں سے تھے''۔

عبدالرحمٰن بن ابوزید سیلمانی اصلاً یمن کے رہنے والے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک غلام کی حیثیت سے مدینہ لائے گئے تھے بعد میں آپ نے ''سلیمان'' نامی مقام پر مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اسی نسبت سے آپ کو سیلمانی کہا جانے لگا۔ ''سلیمان'' سندھ اور گجرات کے علاقہ کاٹھیاوار کے درمیان واقعہ ایک قصبہ ہے جس کا اصل نام ''بھلیمان'' ہے۔ عرب مؤرخین نے ''بھلیمان'' کی تعریف میں اس کو ''سلیمان'' کر دیا ہے۔ بھلیمان کے گردونواح کو عبدالرحمٰن بن ابوزید نے ایک عرصہ دراز تک اپنے دروس حدیث سے فیضاب کیا۔ آں رحمہ اللہ کے ترجمہ کے لیے **ثقافت لابن حبان، فتح الباری لابن حجر، تقریب التہذیب لابن حجر، میزان الاعتدال للذھبی اور تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری** وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔①

اب چند اتباع تابعین کے اسمائے گرامی اور ان کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

۱۔ اس کاروان کے ایک بزرگ اسرائیل بن موسیٰ بصری تھے۔ آپ ہندوستان میں علم حدیث کا درس دینے کی ہی غرض سے تشریف لائے اور ایک عرصہ دراز تک سندھ میں درس حدیث دیتے رہے آپ کو امام حسن بصری، ابوحازم اور ائمہ حدیث کی ایک جماعت سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ حسین الجعفی اور یحییٰ القطان جیسے کبار محدثین نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ صحیح بخاری، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں آپ کی مرویات موجود ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی نے

---

①فتح الباری لابن حجر ۲۶۲/۱۲، تقریب التہذیب لابن حجر، ۴/۱، ۴، میزان الاعتدال للذھبی ۱۵۵/۲، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ۱۱۸/۲۔

آپ کو محدثین کے طبقہ ششم کے ثقات میں شمار کیا ہے اور ''نزیل الہند'' لکھا ہے۔ مگر علامہ ذہبی نے مزید صراحت فرماتے ہوئے آپ کو ''نزیل السند'' لکھا ہے۔ تفصیلی حالات کے لیے **تقریب التھذیب لابن حجر، میزان الاعتدال للذھبی، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری اور فتح الباری لابن حجر عسقلانی** وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔①

۲۔ اس جماعت کے دوسرے بزرگ ابوسلیمان ایوب بن یزید بن قیس بن زرارہ تھے بعض لوگوں نے انہیں ابن ابی یزید بھی لکھا ہے۔ بعض مشہور تابعین سے آپ کو حدیث کی سماعت کا شروع حاصل تھا۔ آپ ایک عظیم المرتبت خطیب، ممتاز محدث اور ادیب تھے، فصاحت و بلاغت میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ حجاج بن یوسف کے دور میں آپ نے ہندوستان کے بہت سے علاقوں اور بالخصوص پنجاب، سندھ اور مکران وغیرہ کی خوب سیاحت کی اور جہاں آپ نے قیام کیا وہاں کے لوگوں کو اپنے اخلاق و اعمال و کردار اور وسعت علم سے متاثر کئے بغیر نہ چھوڑا۔ 84ھ میں حجاج بن یوسف نے آں رحمہ اللہ کو قتل کروا دیا تھا۔ فانا للہ و إنا إلیہ راجعون۔

ابوسلیمان کے تفصیلی ترجمہ کے لیے **میزان الاعتدال للذھبی، ضعفاء المتروکین لابن الجوزی اور ابن خلکان** وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔②

۳۔ اسی قافلہ محدثین کے ایک اور بزرگ جنہوں نے سرزمین ہند کو اپنے ورود سے سرفراز فرمایا ابومحمد رجاء بن السندی تھے۔ امام ابن حجر عسقلانی نے ''تقریب التھذیب'' میں انہیں ابومحمد رجاء ''السندی'' لکھا ہے③''

مگر ''تھذیب التھذیب'' میں انہی بزرگ کا نام ''ابومحمد رجاء بن السندی'' لکھا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے، واللہ اعلم۔ سندھ میں آکر مستقل سکونت اختیار کر لینے کے باعث ہی آپ ''السندی'' کہلائے۔ صحیح بخاری میں آپ کی مرویات موجود ہیں۔ علامہ ابن حجر نے آپ کو طبقہ دہم کے ''صدوق''

---

①تقریب التھذیب لابن حجر ۱/۲۴، میزان الاعتدال للذھبی ۱/۲۰۸، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ۳/۲۴۳، فتح الباری لابن حجر ۱۳/۶۵۔

②میزان الاعتدال للذھبی ۱/۲۹۵، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ۱/۱۳۔

③تقریب التھذیب۔ حجر عسقلانی، ۱/۲۴۸، تاریخ بغداد للخطیب ۱۳/۱۹۱، تأنیب الخطیب للکوثری۔ ۹۲ ص التنکیل بمانی تانیب الخطیب من الاباطیل للمعلمی الیمانی ۱/۲۵۳۔

محدثین میں شمار کیا ہے۔ سرزمین سندھ میں آپ نے حدیث کی جو خدمت انجام دی اس کی تفاصیل کتب میں موجود ہیں۔

۴۔ اس سعید جماعت کے ایک بزرگ عبدالرحمٰن بن ابوزید سلیمانی کے فرزند محمد بن عبدالرحمٰن سلیمانی بھی تھے جنہوں نے اپنے والد کے بعد سندھ کی مسند درس سنبھالی تھی۔ آپ نے اپنے والد عبدالرحمٰن بن ابوزید سلیمانی سے حدیث کی سماعت کی تھی۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں صالح بن عبدالجبار الحضرمی اور محمد بن حارث الحارثی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ محمد بن عبدالرحمٰن سلیمانی اپنے وقت کے ایک نامور محدث تھے، سنن ابن ماجہ اور سنن ابوداؤد میں آپ سے مروی احادیث موجود ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی نے آپ کو محدثین کے طبقہ ہفتم میں شمار کیا ہے بعض ائمہ جرح والتعدیل نے آپ کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

مزید حالات زندگی کے لیے میزان الاعتدال للذہبی، جرح والتعدیل لابن ابی حاتم، مجروحین لابن حبان، کامل فی الضعفاء لابن عدی، "تقریب التہذیب" لابن کشف الحثیث للحلبی، ضعفاء والمتروکین للنسائی، ضعفاء والمتروکین للدارقطنی، ضعفاء الکبیر للعقیلی، ضعفاء الصغیر للبخاری، تاریخ الکبیر للبخاری اور تاریخ الصغیر للبخاری وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔①

۵۔ ہندوستان تشریف لانے والے ایک اور بزرگ محدث ربیع بن صبیح السندی البصری تھے آپ خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں بغرض اشاعت اسلام ہندوستان آئے اور مستقلاً یہیں بس گئے۔ رامھرمزی کا قول ہے کہ

"آپ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدیث کے موضوع پر پہلی مبوب کتاب تصنیف فرمائی تھی"۔

آپ کو امام حسن بصری، مجاہد اور یزید الرقاشی وغیرہ سے سماعت حدیث کا شرف حاصل تھا۔

① میزان الاعتدال للذہبی ۳/۶۱۷، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۳/۳۱۱، المجروحین لابن حبان ۲/۲۴، الکامل فی الضعفاء لابن عدی ۶/۲۱۸۷، تقریب التہذیب لابن حجر ۲/۱۸۲، الکشف الحثیث للجلی ص ۳۸۶، الضعفاء والمترکون للنسائی ترجمہ ۵۲۶، الضعفاء والمتروکون للدار قطنی ترجمہ ۴۵۴، التاریخ الکبیر للبخاری ۱/۱۶۳، التاریخ الصغیر للبخاری ۲/۱۰۹، الضعفاء الصغیر للبخاری ترجمہ ۳۲۹، الضعفاء الکبیر للعقیلی ۴/۱۰۱

آپ سے حدیث کی روایت کرنے والوں میں ابن مہدی، عاصم بن علی، آدم اور علی الجور جیسے کبار محدثین شامل ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے معلقاً اور امام ترمذی و ابن ماجہ نے آپ سے مروی احادیث کو قبول کیا ہے۔ شعبہ کا قول ہے کہ

''آپ سادات المسلمین میں سے تھے''۔

امام ابن حجر عسقلانی نے انہیں محدثین کے طبقہ سابعہ میں شمار کیا ہے۔ اگر چہ ہندوستان میں آپ کی آمد کا مقصد درس و تدریس تھا لیکن آپ نے یہاں غزوہ ہند (فتح اربد) میں باقاعدہ شرکت کی تھی چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کان رجلاً غزاء"۔

آپ نے ۱۶۰ھ میں انتقال فرمایا اور سندھ میں مدفون ہوئے۔ مزید تفصیلات کے لئے **تقریب التہذیب لابن حجر، میزان الاعتدال للذہبی، تاریخ الخلفاء، ابجد العلوم للنواب صدیق حسن خاں اور تحفۃ اللحوذی للمبارکفوری** وغیرہ ملاحظہ فرمائیں①

۶۔ ہندوستان تشریف لانے والے ایک بزرگ ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن السندی الہاشمی بھی ہیں۔ آپ کو قرظی سعید بن ابی سعید، ہشام، حویرث، مقبری، ابن منکدر، اعمش اور محمد بن قیس وغیرہ سے شرف سماعت حدیث حاصل ہے۔ آپ سے حدیث کی روایت کرنے والے محدثین میں بشر بن ولید، محمد بن بکار، ابوربیع الزہرانی اور آپ کے فرزند محمد بن ابو معشر وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی نے آپ کو محدثین کے طبقہ ششم میں شمار کیا ہے۔ آپ سے مروی احادیث کو بجز شیخین کے متعدد ائمہ مثلاً سعید بن منصور اور عبدالرزاق وغیرہ نے قبول کیا ہے۔ سندھ میں ایک عرصہ تک آپ نے علم حدیث کا درس دیا تھا۔ ۱۷۰ھ میں آپ نے وفات پائی تھی۔

مزید تفصیلی ترجمہ کے لیے **تاریخ یحییٰ بن معین، تاریخ الکبیر للبخاری، تاریخ الصغیر للبخاری، ضعفاء الصغیر للبخاری، کُنٰی للمسلم، معرفۃ التاریخ للبستوی، ضعفاء والمتروکین للنسائی، جرح والتعدیل لابن ابی حاتم، کُنٰی للدولابی، کامل فی الضعفاء لابن عدی، ضعفاء الکبیر للعقیلی، مجروحین لابن حبان، ضعفاء والمتروکین للدارقطنی، تاریخ**

① تقریب التہذیب لابن حجر ۱/۲۴۵، میزان الاعتدال للذہبی ۲/۴۱، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ۴/۸۲۔

بغداد للخطیب بغدادی، میزان الاعتدال للذہبی، تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی، (شرح صحیح البخاری) للامام ابن حجر عسقلانی او رتحفۃ الاحوذی (شرح جامع الترمذی) للشیخ عبدالرحمٰن المبارکفوری وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔①

ان کے علاوہ ہمیں بعض ایسے بزرگ بھی نظر آتے ہیں جو اپنے قلوب میں ہندوستان آنے کی شدید تڑپ اور خواہش رکھتے تھے مگر بعض عوارض کے باعث یہاں تشریف نہ لاسکے، مثال کے طور پر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد حباب بن فضالہ الذہلی الیمامی تابعی کا نام نامی پیش پیش ہے۔ آپ کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، آپ سے احمد بن محمد الارزقی المکی وغیرہ کو سماعت حدیث کا شرف حاصل رہا ہے۔ آپ کے ہندوستان تشریف لانے کی شدید خواہش کا تذکرہ امام ذہبی نے ''میزان الاعتدال'' میں انہی کی زبانی یوں قلمبند کیا ہے۔

> ''میں بصرہ آیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ عرض کیا کہ میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں، آپ سے اجازت کا طالب ہوں۔ آں رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کس جگہ جانا چاہتے ہو؟ عرض کیا: ہندوستان پوچھا کہ: کیا تمہارے والدین یا ان میں سے کوئی بحیات ہے؟ میں نے عرض کیا: دونوں بقید حیات ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا، کیا وہ تمہارے گھر سے چلے جانے پر رضامند ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں، بلکہ خفا ہیں میرے والد نے مجھ پر زیادتی کی، وہ امیر کے پاس گئے اور امیر نے مجھے سفر سے روک دیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: تجھے دنیا مطلوب ہے یا آخرت کی بھلائی؟ میں نے عرض کیا دونوں۔ تو انہوں نے فرمایا پس تو گھر لوٹ جا اور اپنے والدین کے ساتھ رہ کر ان کے ساتھ بھلائی کر، اس سے بڑھ کر کوئی اور

---

①تاریخ بن معین ۳/۱۶۰، ۲۰۴، ۲۵۵، التاریخ للبخاری ۴/ ۱۱۴، التاریخ الصغیر للبخاری ۲/ ۱۷۲، ۲۰۵، الضعفاء الصغیر للبخاری ترجمہ ۳۸۰، لمسلم ع ۹۶، المعرفۃ والتاریخ للبسوی ۳/۱۷۱، ۲۰۶، الضعفاء والمتروکین للنسائی ترجمہ ع ۵۹۰، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۴/ ۴۹۳، الکنیٰ للدولابی ۲/ ۲۰۲، الکامل فی الضعفاء ولابن عدی، ۷/۲۵۱۶، الضعفاء الکبیر، ۴/۳۰۸، المجرومین لابن حبان ۳/ ۶۰، الضعفاء والمتروکین للدار قطنی ترجمہ ع ۵۵۰، تاریخ بغداد للخطیب ۱۳/ ۴۳۰، میزان الاعتدال للذہبی ۴/ ۲۴۶، تہذیب التہذیب لابن حجر ۱۰/ ۴۲، تقریب التہذیب لابن حجر ۲/ ۲۹۸۔ فتح الباری لابن حجر ۲/ ۳۱۷، ۳/ ۳۷۵، ۴/ ۱۱۳، ۵/ ۱۹۷، ۲۸۷، ۸/ ۱۶، ۹/ ۴۰۵، ۱۳/ ۵۵، سوالا محمد بن عثمان ص ۱۰۰، تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۱/ ۲۳۴، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ۱/ ۲۷۹، ۳/ ۱۹۴۔

بہتر کام تجھے نہ مل سکے گا۔①

یہ تھا دوسری صدی ہجری تک ہندوستان تشریف لانے والے محدثین عظام میں سے تقریباً چالیس نفوس قدسیہ کا مختصر سا تعارف۔ اس دوران کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگ ہندوستان پر جلوہ افروز ہوئے جن کے حالات، تاریخ، سیر اور رجال کی کتب میں مرقوم اور مزید تحقیق وتتبع کے متقاضی ہیں۔ دوسری صدی ہجری کے بعد بھی بزرگان دین کے ورود مسعود کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا جن کے علوم سے باشندگان ہند مستقل فیضیاب ہوتے رہے پھر جن بزرگوں نے ان دو صدیوں کے دوران ہندوستان کے باشندوں کو علم حدیث سے روشناس کرایا تھا خود ان کے مقامی تلامذہ کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تیار ہو چکا تھا، جو ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلا اور وہاں کے غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کرنے نیز علم حدیث کی ترویج واشاعت میں مصروف عمل ہو گیا اس دوران جگہ جگہ درس حدیث کیلئے بڑے بڑے دینی مراکز اور طالبان حدیث کے بے شمار حلقے قائم ہوئے۔ جا بجا مساجد بھی تعمیر ہوئیں جن کے آثار خستہ حالت میں آج بھی پاک وہند کے متعدد گوشوں میں اپنے شاندار ماضی کی یاد تازہ کرنے کے لئے موجود ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ ہندوستان میں اسلام پہلی صدی ہجری کے اوائل ہی میں داخل ہو گیا تھا اور مسلسل وسعت پذیر تھا۔ اس کی اشاعت ومقبولیت کی وجہ جہاں اسلامی فتوحات ہیں، وہیں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور محدثین عظام نے اسلام کی اشاعت کے لیے اپنے مال اور اپنی زندگیوں کو وقف کر دیا تھا۔ اس اہم مقصد کے حصول کے لیے اپنے اعزاء واقرباء یا وطن عزیز کو خیر باد کہنا ان کے نزدیک کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔

ہندوستان کے شمالی مغربی خطہ میں اسلام کی ترویج واشاعت کے ساتھ ساتھ جنوب مغربی سواحل پر بھی اسلام کے انوار وبرکات کا ترشح اوّلین دور صحابہ سے مسلسل ہوتا رہا ہے۔ عرب تاجروں کے علاوہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی ایک قابل لحاظ تعداد کوچین، کالی کٹ، گوا GOA کوکن، اور دیگر مالاباری علاقوں میں آئی اور علم حدیث کے فروغ کے لیے یہیں بس گئی۔ ان بزرگوں کی مساعی جمیلہ سے گرد ونواح کی بے شمار مخلوق مشرف بہ اسلام ہوئی۔ آج بھی ان علاقوں میں ان بزرگوں کی قبریں،

① میزان الاعتدال للذہبی ۱/ ۴۴۸.

ان کی تعمیر کردہ مساجد و مدارس کے خستہ آثار نظر آتے ہیں چنانچہ مشہور ہے کہ

''مدارس کے نزدیک محمود بندر کے مقام پر دو صحابہ کرام کے مزارات موجود ہیں''۔①

ہندوستان کے ایک مشہور ہندو مؤرخ ڈاکٹر تارا چند اپنے مضمون ''برصغیر میں اشاعت اسلام'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''کولم میں میتا کیوں کے نام کے قبرستان میں علی بن عثمان کی قبر ۱۶۶ھ (۷۸۳ء) کا کتبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی (عیسوی) میں مالابار کے ساحل پر مسلمان آباد ہو گئے تھے''۔②

چونکہ ہندوستان کے ان علاقوں میں عرب مسلمانوں کی آمد بغرض جہاد نہ تھی اس لیے یہاں آنے والے بزرگوں کی تبلیغ و اشاعت اسلام کی رفتار نسبتاً سست رہی ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اسلام کی توسیع و ترویج کا کام تقریباً ابتدائی تین صدیوں تک بحسن و خوبی چلتا رہا جسے بلاشبہ ہندوستان اسلامی تاریخ کا سنہرا دور کہا جا سکتا ہے۔ اس امر کی شہادت بھی ہندو مؤرخ ڈاکٹر تارا چند کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''نویں صدی (عیسوی) کے بعد سے اسلام کا اثر دن بدن بڑھتا چلا گیا۔ مسعودی نے 916ء (یعنی تقریباً 292ھ) میں ہندوستان کا سفر کیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ چولی میں دس ہزار سے زائد مسلمان آباد تھے۔ ان کا ایک سردار تھا جسے پرامہ کہتے ہیں۔ ابوولادت مستر بن الہلہلی بھی چولی کی مسجدوں کا ذکر کرتا ہے''۔③

---

① سہ ماہی فکر و نظر ماہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۰ء۔

② ماہنامہ ضیائے حرم لاہور ج ۱۵ عدد ع ۱۰ ص ۴۹ ماہ جولائی ۱۹۸۵ء۔ بشکریہ ''دعوت'' دہلی۔

③ حوالہ مذکورہ۔

اسلامی فتوحات کے اشاعت اسلام پر اثرات

ہندوستانی اسلامی تاریخ کے اس سنہرے دور کے بعد پھر اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوتا نظر آتا ہے۔ چوتھی صدی ہجری کے دوران شمال مغربی سرحد پر واقع پہاڑی دروں کے راستہ سے سلطان سبکتگین اور سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کی غیر مسلم ریاستوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور ان پر متعدد بار حملے کئے محموع غزنوی کا سترہواں حملہ 393ھ میں سومنات کے مندر پر ہوا جو اس کا سب سے بڑا اور کامیاب حملہ تصور کیا جاتا ہے۔ یہ وہی تاریخی مندر ہے جسے محمود غزنوی کے سترہویں حملے کے بعد ہندوستان کے سیاسی قائدین نے آزادی ہند (1947ء) کے فوراً بعد ہندو رعایا کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی غرض سے از سرنو تعمیر کروایا ہے۔

مشہور اسلامی مؤرخ ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ محمود غزنوی کے اس حملہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"وقد غزا الملك الكبير الجليل محمود صاحب غزة في حدود أربع مأة بلاد الهند فدخل فيها وقتل و سرد دخل السومنات و كسر الند الأعظم الذي بعبدونه ثم رجع سالماً مويدا منصورا ......الخ" ①

محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملوں کے متعلق مؤرخ توقیر پاشا بیان کرتے ہیں:

"......اب سلطان محمود کے حوصلے بہت بلند ہو گئے اور اس نے ہندوستان پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچا۔ اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور ان حملوں کو اس نے جہاد کا نام دیا۔ اس سے مسلمان اس کے ہمدرد و مددگار بن گئے۔ ②

اور......محمود نے جب یہ دیکھا کہ اس کے سپاہیوں کا جوش ختم ہو رہا ہے تو انہیں جوش دلا کر اسلام پر فدا ہونے کو کہا چنانچہ محمود کے سپاہی بڑی بہادری سے لڑے اور

---

① البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۶/۲۲۳۔

② تاریخ مصنفہ توقیر پاشا ص ۱۴۴۔

ہندوؤں کو شکست دی۔①

بعض متعصب اور اسلامی دشمن مؤرخین کا دعویٰ ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر صرف اپنی دولت میں اضافہ کرنے کی غرض سے یکے بعد دیگرے سترہ حملے کئے تھے۔ اسے مسلمانوں یا اشاعت اسلام سے کوئی سروکار نہ تھا۔ افسوس کہ انہی لوگوں کی اتباع میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے سابقہ استاد پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی کتاب "Relition and Politics" مذہب اور سیاست) کے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''محمود نے اپنے معرکوں میں ہندوؤں سے زیادہ مسلمانوں کا خون بہایا تھا۔ اس نے درحقیقت مذہب جو اس دور کی ایک بڑی سماجی طاقت تھا، کا سہارا صرف اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کی غرض سے لیا تھا''۔

اسی طرح جناب یوسف حسین صاحب "Indo Muslim Polity" ہندوستانی مسلم سیاست میں لکھتے ہیں:

''اس کے لیے وہ تمام لوگ میدان جنگ میں تھے جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے خواہ وہ ہندو ہوں یا کہ مسلمان''۔

حالانکہ اس قسم کی تمام باتیں قطعی بے بنیاد، صریح تعصب پر مبنی، لغو اور محتاج دلیل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی نہایت اعلیٰ کردار اور اسلامی اقدار کا حامل تھا۔ ہندوستان پر حملوں کا اصل محرک اس کا جذبہ اور اس خطہ سے کفر وشرک کی ضلالت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا مصمم ارادہ تھا۔ مؤرخ تو قیر پاشا سلطان محمود غزنوی کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''......محمود اعلیٰ درجہ کا منصف مزاج بھی تھا اور ہر ایک کے ساتھ پورا پورا انصاف کرنے کی کوشش کرتا تھا مظلوموں اور عاجزوں کی مدد کرنے کے لئے وہ ہر وقت تیار رہتا تھا اور اپنے افسروں اور حاکموں کی خطاؤں سے درگزر کرتا تھا۔ وہ پکا سنی مسلمان تھا۔ پانچ وقت کی نماز اور رمضان میں روزے رکھنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ وہ رمضان کے مہینے میں زکوٰۃ بھی ادا کرتا تھا یعنی اپنی دولت کا اڑھائی فیصدی حصہ

① تاریخ ہند، مصنفہ توقیر پاشا۔ ص ۱۴۴.

غریبوں میں خیرات کر دیتا تھا مگر وہ تعصب سے کوسوں دور تھا.....محمود حالانکہ ناخواندہ اور بے پڑھا لکھا انسان تھا مگر عالموں اور پڑھے لکھے لوگوں کی بے حد عزت کرتا تھا اس کا دربار اپنے وقت کے عالم اور قابل لوگوں سے بھرا رہتا تھا۔ البیرونی محمود کے دربار کا زبردست عالم تھا۔ یہ مؤرخ فلاسفر، نجومی، طبیب غرض کہ سب کچھ تھا۔ وہ محمود کے ساتھ ہندوستان آیا اور یہاں کے حالات قلمبند کئے۔①''

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مجاہد اسلام سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر ان پے در پے حملوں سے ہندوستان کے ماحول پر زبردست اثر پڑا تھا۔ ایک طرف تو ان غیر مسلم ہندوستانیوں کے لیے بھی اسلام کوئی اجنبی دین نہ رہا جن تک صحابہ کرام، تابعین، اتباع تابعین اور ان کی تلامذہ کی رسائی نہ ہوئی تھی اور دوسری طرف ہندوستان کے شمالی خطوں میں آباد تمام مسلمان اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ آزاد اور محفوظ سمجھنے لگے تھے کیونکہ بقول ایک انگریز مؤرخ اسٹین کونوSten Konow:

''شمالی ہند میں جو مسلمان آباد تھے ان پر ہندو راجاؤں نے ٹیکس لگا رکھا تھا۔''②

سلطان محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملوں کے ان ثمرات کے ساتھ یہ بات بھی اپنی جگہ قطعی درست ہے کہ اس دور کے بعد ہی ہندوستان میں اسلام رفتہ رفتہ اپنی ہیئت و مرکزیت کھونے لگا۔ پہلا مسلم دانشور جس نے اہل اسلام کو ہندوانہ تصوف (دیدانت وغیرہ) سے روشناس کرایا سلطان محمود غزنوی کا ہی ایک درباری عالم ابوریحان البیرونی تھا۔ اس نے ضلع جہلم (پنجاب) کے پنڈتوں سے سنسکرت زبان سیکھی۔ پھر ہندوؤں کی بہت سے اہم کتابوں کا عربی اور فارسی میں ترجمہ کیا۔ انہی تراجم سے ہندوستانی مسلمان پہلی بار اپنشدوں اور یوگ وغیرہ کی تعلیمات سے آشنا ہوئے۔ اس کے علاوہ سلطان محمود کے فوجیوں کے ذریعہ ہی ہندوستان میں یونانی فلسفہ بھی پہنچا جو عباسی خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں یونانی کتب فلسفہ عربی میں مترجم ہونے کے باعث کافی مقبول ہو چکا تھا۔ ان چیزوں کی درآمد سے قبل تک ہندوستان میں مسلمان صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے علوم سے ہی واقف تھے۔ مگر ہندوانہ تصوف اور فلسفہ نے رفتہ رفتہ علوم شریعت کی جگہ لینی شروع کر دی اور بالآخر ہندوستانی مسلمان

① تاریخ ہند، مصنفہ توقیر پاشا، ص ۱۴۹

'②EPIGRAPHIA INDICA BY STEN KONOW''.

ان تمام خرافات میں بُری طرح مبتلا ہو کر رہ گئے۔

محمود غزنوی کے بعد چھٹی صدی ہجری میں سلطان محمد غوری کے حملوں نے بھی ہندوستان میں مسلمانوں کو سیاسی و معاشرتی طور پر کافی تحفظ اور وقار بخشا، یہی وجہ ہے کہ اس دوران مسلمان ہندوستان کے طول و عرض کے ہر ہر گوشہ میں پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کا واضح ثبوت ہندوستان کے مختلف مقامات پر پائی جانے والی اس دور کی قبریں اور مساجد ہیں۔ مثال کے طور پر بہرائچ میں سید سالار کی قبر، بدایوں میں میران ملحم کی قبر، بلگرام میں خواجہ مجد الدین کی قبر، اناؤ (آسیوان) میں گنج شہیداں مانیر Maner میں امام تقی فقیہ کی قبر اور علی گڑھ میں محمود غزنوی کی تعمیر کردہ کالی مسجد وغیرہ۔ آثار قدیمہ کے ماہرین بیان کرتے ہیں کہ:

''یہ تمام قبریں جو یوپی، بہار، بنگال اور سندھ اور پنجاب وغیرہ کے مختلف علاقوں میں پائی جاتی ہیں محمد غوری کے ہندوستان پر حملے سے قبل کی ہیں''۔

ایک ہندو مؤرخ آر ایس ترپاٹھی "The History of Qannouj" (تاریخ قنوج) میں لکھتا ہے:

''جدید مؤرخین نے ثابت کر دکھایا ہے کہ مسلمانوں کی بستیاں قنوج میں ترک کی فتوحات سے قبل بھی موجود تھیں''۔

مسلم سلاطین ہند کے عہد میں اسلام کی کسمپرسی کا عالم:

ہندوستان پر محمد بن قاسم، سبکتگین، محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) اور محمد غوری (م ۶۰۲ھ) کے حملوں کے بعد یعنی 1206ء تا 1526ء دہلی کے تخت پر پہلے کچھ ترکی النسل غلام حکمران رہے، بعد ازاں کچھ افغان خاندان (خلجی اور لودھی وغیرہ) پھر 1526ء تا 1857ء مغل بادشاہوں کا دور حکومت رہا لیکن افسوس کہ ان حکمرانوں میں سے (الا ماشاء اللہ) اکثر نے توسیع و اشاعت اسلام کا مقدس فریضہ کما حقہ انجام نہیں دیا۔ انہیں تو فقط کشور کشائی، اپنے اقتدار اور عیش طلبی سے غرض تھی۔ ورنہ اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو ہندوستان پر حکومت کرنے کی تقریباً آٹھ صدیوں کو جو طویل مہلت عطا کی تھی وہ پورے ہندوستان کو مسلمان بنا لینے کے لئے کسی طرح بھی ناکافی نہ تھی۔ تاریخ کے اسباق بتاتے ہیں کہ جب

یہودیوں کو بخت نصر نے اپنا غلام بنا کر رکھا تو صرف ۸۰ سال کے مختصر عرصہ میں وہ اپنی اور اپنے مذہب کی ہر شناخت فراموش کر چکے تھے۔ تو پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ ہندوستان میں ہندومت آٹھ سو سال بعد بھی نہ صرف زندہ بلکہ تندرست و توانا باقی رہا؟

ہندوستان میں جہاں اسلام کے فروغ کو ویدانتی تصوف وفلسفہ وغیرہ کی یلغار اور ارباب اقتدار کی بے حسی سے نقصان پہنچا وہیں ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ غلام اور افغان خاندانوں کے اکثر درباری اور سپاہی علاقۂ ماوراء النہر سے تعلق رکھتے تھے جہاں پہلے ہی سے ایک طرف دینی مدارس میں حنفی فقہ، اشعری و ماتریدی عقائد، یونانی فلسفہ ومنطق اور ان سب کے معجون مرکب علم کلام کا دور دورہ تھا تو دوسری طرف خانقاہوں میں وحدت الوجود، وحدت الشہود اور حلول وغیرہ کا سکہ رائج تھا۔ لہٰذا غلام وافغان خاندانوں کے ادوار حکمرانی میں ہندوستان میں اشاعت اسلام کی بنیاد قرآن وحدیث کی تدریس وتعلیم کو بدل کر شدید حنفیت اور وجودی تصوف کے ستونوں پر استوار کی گئی تھی۔

اس دور میں علوم اسلام کی کسمپری اور غربت کا عالم بیان کرتے ہوئے مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

> ''ہندوستان میں دینی علوم بالخصوص قرآن وحدیث کی تعلیم وتعلم کی جانب توجہ کم رہی، چنانچہ سندھ اور ملتان وغیرہ سے عربوں کی حکومت کے خاتمہ کے بعد جب غزنوی اور غوری سلاطین برسر اقتدار آئے تو ان کے زمانے میں ایران، خراسان اور ماوراء النہر کے علاقوں سے جو اصحاب علم و درس ہندوستان میں آئے ان کو دینی علوم، تفسیر وحدیث میں زیادہ درخور نہ تھا۔ اس کی وجہ سے یہاں علم حدیث عنقا کی طرح معدوم ہو گیا اور نجوم، فلکیات، ریاضی اور منطق وفلسفہ پر ساری توجہ مرکوز کر دی گئی۔ قرآن مجید اور سنت نبوی کو پڑھنے پڑھانے کی بجائے علوم میں صرف فقہ وتصوف سے سروکار باقی رہ گیا تھا۔ فقہ میں سارا زور فقہ حنفی کے فروغ اور جزئیات پر صرف کیا جاتا تھا۔ علم حدیث کی کمپرسی اور غربت کا یہ حال تھا کہ اس سے صرف اس بناء پر اور اس حد تک سروکار رہ گیا تھا کہ فقہی بحثوں میں کہیں کہیں حدیثوں کا ذکر آجاتا تھا۔ حدیث کی امہات کتب کی بجائے صرف صاغانی کی

''مشارق الانوار'' درس وتدریس میں داخل تھی۔ اگر کسی نے اس کے سواء توجہ دی تو ''مصابیح السنۃ، بغوی'' اور مشکوٰۃ المصابیح'' کو بھی دیکھ لیا۔ محدث بننے کے لئے بس اسی قدر کافی تھا۔'' ①

مولانا سید سلیمان ندویؔ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں ہندوستان میں علم حدیث کے ساتھ بے اعتنائی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس عہد میں اس ملک میں علم حدیث کے ساتھ لوگوں کو جو بے اعتنائی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لئے علماء کی ایک مجلس منعقد ہوئی۔ مناظرہ کے ایک فریق شیخ نظام الدین سلطان الاولیاء تھے اور دوسری طرف تمام علماء تھے۔ شیخ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب میں کوئی حدیث بیان کرتا تھا علماء بڑی جرأت اور بے باکی سے کہتے تھے کہ اس ملک میں حدیث پر فقہی روایت مقدم سمجھی جاتی ہے اور کبھی یہ کہتے کہ چونکہ اس حدیث سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے اور وہ ہمارا مخالف ہے اس لئے ہم اس کو نہیں مانتے۔'' ②

صاحب تاریخ فیروز شاہی مولوی ضیاء الدین برنی نے ''حسرت نامہ'' میں، قاسم فرشتہ نے ''تاریخ فرشتہ'' میں اور میر خورد نے ''سیر الاولیاء'' میں بھی چاشت کے وقت سے زوال شمس تک ہونے والے اس مناظرہ کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ قاسم فرشتہ بیان کرتے ہیں کہ

شیخ موصوف کے جواب میں قاضی وقت نے کہا تھا:

''ترا بہ حدیث چہ کار تو مرد مقلدی روایت از ابوحنیفہ بیار تا بمعرض قبول افتد۔''

یعنی ''تجھے حدیث سے کیا کام، تو تو مقلد ہے پس امام ابوحنیفہ کی کوئی روایت لا تا کہ اس معرض بحث میں مقبول ہو۔''

قاضیء وقت کی یہ بات سن کر شیخ موصوف نے فرمایا:

---

①تذکرۃ المحدثین ۲۰۵/۳-۲۰۶.

②مقالات سید سلیمان ندوی ۶/۲-۷.

''سبحان اللہ من حدیث صحیح مصطفوی نقل می کنم وتو ازیں روایت ابوحنیفہ می خواہی۔''

یعنی ''سبحان اللہ میں رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث نقل کرتا ہوں اور آپ (اس کے مقابلہ میں) امام ابوحنیفہ کی روایت چاہتے ہیں۔''

مولوی ضیاء الدین برنی بیان کرتے ہیں کہ شیخ موصوف کا یہ جواب سن کر علمائے وقت نے یہ کہا:

''درشہر ماعمل بروایت فقہ مقدم ست بر حدیث۔'' یعنی ''ہمارے شہر میں فقہی روایت حدیث پر مقدم ہے۔''

مولانا سید سلیمان ندوی سلطان محمد تغلق، کہ جسے بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی ''خلافت سے جذباتی لگاؤ تھا''① کے عہد کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

''محمد تغلق (م ۷۵۲ھ) جس کے براہ راست تعلقات مصر کی عباسی خلافت سے تھے اور اس کی طرف سے اس کو حکومت کا فرمان اور خلعت اور علم بھی ملا تھا اور خلیفہ عباسی سے اس نے بیعت بھی کی تھی۔ اس کا قاعدہ تھا کہ جب لوگوں سے بیعت لیتا تھا تو مصر کے خلیفہ عباسی کے فرمان کے ساتھ قرآن پاک اور ''مشارق الانوار'' کا نسخہ سامنے رکھ لیتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک ہندوستان میں قرآن پاک کے بعد احادیث میں صرف ''مشارق الانوار'' کا وجود تھا۔ جب شاہی کتب خانہ کا یہ حال تھا تو عام لوگوں کی دسترس کا کیا پوچھنا ہے؟ الغرض شیخ عبدالحق محدث سے پہلے صرف ''مشارق الانوار'' للصاعانی کے نسخے اور کہیں کہیں ''مصابیح'' کے نسخے دستیاب ہوتے تھے اور یہی دو کتابیں یہاں کے علماء کے درس میں تھیں۔''②

یہاں یہ بتانا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ سلطان محمد تغلق شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر کے پوتے شیخ علاء الدین اجودھنی کا مرید تھا۔③ اس کے زمانہ میں تصوف اور صوفیاء کی مقبولیت کا یہ عالم

---

① سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۳۸۰-۳۷۶۔

② مقالات سید سلیمان ندوی ۲/۷۴-۷۵۔

③ سیر الاولیاء ص ۳۰۶۔

تھا کہ صبح الاعشی کی روایت کے مطابق

''صرفف دہلی شہر میں اس وقت دو ہزار خانقاہیں تھیں۔''①

اور یحییٰ سرہندی بیان کرتے ہیں کہ

''سلطان محمد تغلق نے دہلی سے دیوگیر تک ہر منزل پر سرائے کے علاوہ ایک خانقاہ بھی تعمیر کروائی تھی۔②''

مولوی ضیاء الدین برنی سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں علماء کی علم حدیث کے ساتھ بے اعتنائی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

جب شمس الدین ترک ہندوستان آئے اور یہاں کے علماء کی علمی بے سروسامانی اور بدذوقی ملاحظہ کی تو سلطان سے مخاطب ہوکر گویا ہوئے:

''میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں احادیث مصطفی ﷺ کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور فقیہوں کی روایت پر عمل کی دیواریں استوار کی جاتی ہیں۔ تعجب ہے کہ جس شہر میں لوگ حدیث کی موجودگی میں فقہ کی روایت پر عمل کریں وہ شہر تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور اس پر آسمانی مصائب کیوں نہیں ٹوٹ پڑتے۔''③

واضح رہے کہ خلجی دور حکومت خصوصاً سلطان علاء الدین خلجی کا عہد تو چشتی سلسلہ تصوف کا عہد زریں تھا۔ خود سلطان، اس کے اہل خانہ اور امراء تمام خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ اس سرکاری پشت پناہی کے باعث اس زمانہ میں چشتیہ سلسلہ کو ہندوستان میں غیر معمولی فروغ حاصل ہوا تھا جیسا کہ معتبر کتب تاریخ میں مذکور ہے۔

نظام تعلیم میں معقولات، تصوف اور جامد فقہی نظریات کے اس روز افزوں دخل کے باعث کتاب وسنت کے ساتھ شدید بے اعتنائی برتی گئی حتی کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے عہد کا نقشہ مولانا ابوالکلام آزاد نے یوں کھینچا ہے:

---

①اوراق مصور، ص ۴۶۔

②تاریخ مبارک شاھی، ص ۹۸-۹۹۔

③تاریخ فیروز شاھی بحوالہ فقھائے ھند ۳۲۳/۱۔

''ان تمام حالات کو سامنے لاکر غور کرو، اس عہد کی عالم آشوبی کا کیا حال تھا؟ کس طرح ہر طرف سکوت عن الحق کا سناٹا اور قبول باطل و اطاعت ظلم وطغیان کی مردنی چھائی ہوئی تھی اور جابروں کی بیعت اور ظالموں کے جبروت نے کلمہ حق کی گونج سے تمام ہند کو خالی کر دیا تھا۔''①

اسی دور کی نقشہ کشی محی السنۃ مولانا نواب صدیق حسن خاں قنوجی رئیس بھوپال نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

''علم حدیث کا سرے سے کوئی چرچا نہ تھا۔ لوگ نہ خود اس کی جانب مائل تھے اور نہ دوسروں کو اس کے حصول کی ترغیب دیتے تھے۔ وہ اس فن کی کتابوں سے ناواقف اور محدثین کے کارناموں سے نا آشنا تھے۔ بہت تھوڑے لوگ صرف ''مشکوٰۃ'' پڑھ لیتے تھے اور وہ بھی محض حصول برکت کے لئے اس پر عمل کرنا اور اس کو سمجھنا ان کا مقصد نہ ہوتا تھا۔ فقہ میں صرف فقہ حنفی اور علمائے ماوراء النہر کے فتوں اور اجتہادات پر قانع ہو گئے تھے، اور محض فروع و جزئیات میں الجھے رہتے تھے۔ ان کا راس المال فقہ تھی اور وہ بھی تقلیدی رنگ و انداز میں، تحقیق سے معدودے چند لوگوں کو ہی دلچسپی تھی۔''②

مولانا سید عبدالحی الحسنی (م ۱۳۴۱ھ) نے بھی اپنی کتاب ''الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ③'' میں انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ایک مقام پر آں موصوف فرماتے ہیں:

''اس عہد میں منطق و فلسفہ سے شغف اور انہماک بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ہندوستان کے تمام علمی مراکز میں منطق و فلسفہ کی کتابیں درس میں بکثرت داخل ہونے لگیں۔④''

بارہویں صدی ہجری کے وسط سے تو کتب معقولات کے ساتھ اشتغال اس قدر بڑھا کہ دینی

---

①تذکرہ، ص ۸۷۔
②الحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ، ص ۷۰۔ ④ص ۱۳۵-۱۳۸۔
③الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند ص ۲۹۔

مدارس میں بھی علوم شریعت کی تعلیم بس برائے نام ہی رہ گئی تھی۔ نصاب تعلیم کی اسی بے اعتدالی کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی شبلی نعمانی فرماتے ہیں:

''افسوس اور سخت افسوس ہے کہ منطق اور فلسفہ جس سے اسلام کو بہت کم تعلق ہے اس کے لئے تو صغریٰ، کبریٰ، ایسا غوجی، قال اقول، میزان، منطق، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، میبندی، ملاحسن، ملا جلال، میر زاہد، غلام یحییٰ حمد اللہ، قاضی مبارک، صدرا، شمس بازغہ، شرح تجرید۔ یہ تمام دفتر لازمی اور ضروری قرار دیا جائے اور قرآن مجید کے لئے جو مدار اسلام ہے جلالین اور بیضاوی کے اڑھائی پارے کافی سمجھے جائیں۔''①

مولانا مناظر احسن گیلانی نے بھی ان تمام درسی کتاب کی فہرست بیان کی ہے جو اس زمانہ میں عموماً درس نظامی کے نصاب میں مقرر تھیں۔ اس فہرست کے مطابق عموماً چالیس سے کچھ زائد کتب صرف معقولات کی پڑھائی جاتی تھیں۔ جب کہ دینیات کے نام پر متداول کتب صرف یہ تھیں: حدیث میں مشکوٰۃ یا مشارق الانوار، تفسیر میں جلالین و بیضاری (صرف سورہ بقرہ تک) اور فقہ میں ہدایہ و شرح وقایہ②

یہ تھے ہندوستان میں اشاعت اسلام کی تحریک کو نقصان پہنچانے والے چند ابتدائی عوامل، پھر اوائل عہد مغلیہ میں ایران سے سرکاری و غیر سرکاری سطح پر شیعیت کی درآمد کے ساتھ ہندوستان میں گویا مشرکانہ عقائد و خیالات، بدعات و رسومات کا ایک ناپید کنار سیلاب اُمڈ آیا اور مسلمان رفتہ رفتہ اپنی باقی ماندہ اسلامی روایات و اقدار بھی کھونے لگے۔

مغل بادشاہ اکبر کے دور حکومت میں تو ہندوستان میں اسلام پر انتہائی غربت اور شدید بے کسی اور کسمپرسی کی حالت طاری ہو گئی تھی۔ اس کے جاری کردہ ''دین الٰہی'' (دین گمراہی) نے دین محمدی کی کامل بیخ کنی کرنے اور اسے سرزمین ہند سے ملک بدر کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ ابو ریحان البیرونی کے بعد جلال الدین محمد اکبر ہی وہ شہنشاہ گزرا ہے جس نے ہندوؤں کی مقدس کتب مہا بھارت، رامائن اور اسی نوع کی دوسری سنسکرت کتابوں کا اپنی سرکاری زبان یعنی فارسی میں ترجمہ کروایا۔

---

① خطبات شبلی، ص ۲۶۔
② تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت'' ۱/ ۱۸۷-۱۸۸

اکبر کے دور مسعود میں ایک طرف تو سرکاری سطح پر کفروالحاد کا بازار انتہائی گرم تھا اور دوسری طرف علمائے وقت پر اس قدر شدید فقہی جمود طاری تھا کہ کتاب وسنت کی طرف کوئی کان دھرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ مندرجہ ذیل واقعہ ہمارے اس دعوی کا مؤید ہے:

''متھرا کے قاضی عبدالرحیم نے ایک مسجد تعمیر کروانے کی غرض سے کچھ سامان جمع کیا جسے راتوں رات ایک برہمن نے اٹھا کر مندر کی تعمیر میں لگا دیا۔ جب مسلمانوں نے اس برہمن سے باز پرس کی تو وہ شان نبوی میں گستاخی کا مرتکب ہوا۔ جب یہ معاملہ صدر والصدور قاضی عبدالنبی (کہ جنہوں نے سرزمین حجاز میں علم حدیث حاصل کیا تھا اور جو بقول علامہ لکھنوی ''**کان یسلک علی مسلک المحدثین**''① ۔یعنی محدثین کے مسلک سے وابستہ ہوگئے تھے) کی عدالت میں پیش ہوا تو انہوں نے اس برہمن کے قتل کا فیصلہ سنایا۔ قاضی صاحب کے اس فیصلہ پر بہت لے دے ہوئی اور ان کے متعلق یہاں تک کہا گیا کہ:

''**والعحب من مولانا مع کونه من نسل ابی حنیفة کیف ترک مشرب جده**'' یعنی مولانا پر تعجب ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسل ہوتے ہوئے انہوں نے اپنے دادا کے مشرب کو کس طرح ترک کیا؟ اور ''**لاعبرة بقول عیاض فانه مالکی وعبد النبی حنفی کیف عمل بخلاف مذهبه**'' یعنی اس بارے میں قاضی عیاض کے قول کا کوئی اعتبار نہیں کیوں کہ وہ مالکی ہیں اور عبدالنبی حنفی، پس انہوں نے اپنے مسلک کے خلاف کیسے عمل کیا۔''②

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بھی اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''دربار (اکبری) میں یہ سوال اٹھا کہ مذہب حنفی میں شاتم رسول کی سزا موت نہیں ہے اس لئے یہ اقدام اس مذہب کے بھی خلاف ہے جس کا قانون اس ملک میں چلتا ہے۔''③

اکبر کے بعد ایک دوسرے مغل بادشاہ داراشکوہ نے ہندوانہ تصوف سے مسلمانان ہند کو مزید

① طرب الاماثل لکھنوی۔ص ۳۴۷ و کذافی مقالات سید سلیمان ندوی ۲/ ۲۱۔
② حوالہ مذکورہ، ص ۲۴۹-۲۴۸۔
③ تاریخ دعوت وعزیمت ۴/ ۱۰۲۔

قریب کرنے کے لئے بنارس کے ہندو پنڈتوں کی مدد سے ''اُپنشدوں'' کا فارسی ترجمہ کروایا اور اس کا نام ''سرِّ اکبر'' رکھا۔ وہ خود اس کے مقدمہ میں لکھتا ہے کہ

''قرآن کریم میں جس ''کتاب مکنون'' کا ذکر آیا ہے وہ ''اپنشد'' ہی ہیں۔'' اس نے ''یوگ بشِشٹ'' کا فارسی ترجمہ بھی ''منہاج السالکین'' کے نام سے کروایا۔ ان کتابوں میں وحدت الوجود کا فلسفہ پوری شد و مد کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

علامہ اقبال نے اکبر اور دارا شکوہ کے اس الحاد کو اشعار کی صورت میں یوں بیان کیا ہے:

تخم الحادکہ اکبر پرورید
باز اندر فطرت دارا دمید
شمع دل در سینہ ہا روشن نبود
ملت ما از فساد ایمن نہ بود①

''تصوف'' اشاعت اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ:

ایک طرف ہندوستان میں کفر و الحاد کا یہ عالم تھا تو دوسری طرف شیعیت، باطنیت اور تصوف کے خانوادوں نے بھی اسلام کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ یہ تمام صوفیاء وحدت الوجود، وحدت الشہود اور حلول کے علمبردار تھے۔ ان کی مجلسوں میں ''قال اللہ'' و ''قال الرسول'' کے درس کے بجائے فقر و زہد، توکل و مجاہدہ، کشف و کرامات، جذب و مستی، کیف و سرور، وجد و رقص، ذکر و مراقبہ تزکیہ نفس و مشاہدہ حق، وصل ہجر، سکر و صحو، سماع و قوالی، ولایت و قطبیت، اور تصور شیخ، فنا فی اللہ اور فنا فی الشیخ وغیرہ کی گونج سنائی دیتی رہی۔ ان صوفیاء نے کہیں توکل کی غلط تعلیم دی تو کہیں تدبیر و تقدیر کے مسائل میں الجھا کر مسلمانوں کو تقدیر پرشاکر رہنا سکھایا، کبھی مجاہدہ ریاضت کے نام پر ترک دنیا کی تلقین کی تو کبھی رہبانیت کی راہ بتا کر...... حالانکہ فرمانِ رسول ﷺ ہے: ''لا رهبانية في الاسلام''②

اور فرمایا: ''ان الرهبانية لم تكتب علينا۔③''

---

① رموز بے خودی۔ ② مسند احمد ٦/ ٢٢٦.
③ حوالہ مذکورہ.

اور ''انی لم او مر بالرھبانیۃ۔①'' کی کھلے بندوں کے خلاف ورزی کی گئی۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ایمان وعقائد پر بھی زبردست ضرب لگائی یہاں تک کہ اسلام جس کی بنیاد توحید پر تھی اس کو اس قدر کھوکھلا کر دیا کہ دین کی پوری عمارت ہلکے سے دھکے میں سرنگوں ہوجانے کے قابل ہوکر رہ گئی۔ کہیں مرشد کو پیر کی زندگی میں اور مرنے پر اس کی قبر کو سجدہ کرنے کی تعلیم دی گئی تو کہیں مرشد سے پیر کے نام کا کلمہ پڑھوایا گیا، کہیں نذر ونیاز لغیر اللہ کو جائز ہی نہیں بلکہ باعث اجر وثواب بتا کر بہ یک کرشمہ ودکار یعنی مسلمانوں کے دین ومال کی بربادی اور داعیان تصوف کی شکم پرسی کا سامان کیا گیا اور کہیں ''وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ج''②۔ کو حلال وطیب بتایا گیا تو کہیں استغاثہ عن المخلوق کو عین اسلامی حکم قرار دیا گیا۔ الغرض تصوف نے ہر ہر طرح خدا پرست مسلمانوں کو مخلوق پرست انسان بنا کر دائرۂ شرک میں داخل کر دیا۔

یہ تصوف کیا ہے؟ اور اسلام سے اس کا کیا ربط وتعلق ہے؟۔ یہ ایک الگ بحث ہے۔ اس بارے میں راقم گاہے بگاہے اپنے سابقہ مضامین میں ضمناً لکھتا رہا ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں مختصراً اس کو یوں سمجھا جا سکتا:

> ''میرے نزدیک تصوف وجودی مذہب اسلام کے خلاف ہے اور یہ تعلیم غیر مسلم اقوام سے مسلمانوں میں آئی ہے۔''③
>
> اور ''اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوف کا وجود ہی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب وہوا میں پرورش پائی ہے۔''④

صوفیاء پر شیطان نے کس کس طرح غلبہ پایا ہے اس کا مفصل ذکر علامہ ابوالفرج ابن الجوزی حنبلی بغدادی (۵۹۷ھ) نے اپنی مشہور ''تلبیس ابلیس'' میں کیا ہے⑤۔

جس کا اردو ترجمہ راقم کے پرنانا مولانا عبدالحق املوی (اعظم گڈھی) نے ''تجنیس تدلیس'' کے نام سے کیا تھا۔ یہ ترجمہ پہلے مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوا پھر میر محمد کتب خانہ کراچی سے

---

① سنن الدارمی، کتاب النکاح باب، ع ۲.

② سورۃ البقرۃ ۱۷۳.

③ خطوط اقبال، ص ۱۲۷

④ اقبال نامہ ار ص ۷۸، رسالہ معارف ج ۴ ص، ۳۷ بحریہ ماہ اپریل ۱۹۵۴ھ.

⑤ تلبیس ابلیس مع تجنیس تدلس، ص ۲۴۸-۴۸۹.

متعدد بار طبع ہو کر اہل علم طبقہ میں مقبول ہو چکا ہے۔

تصوف کی حشر سامانیوں کے متعلق ایک غیر مسلم مؤرخ کی شہادت:

ایک انگریز مصنف لوتھراپ اسٹاڈرڈ (LOTHRAP-STADERD) ہندوستان میں تصوف کی حشر سامانیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''دیگر تمدنی امور کی طرح مذہب کی حالت بھی بے حد پستی میں تھی۔ تصوف کے توہمات نے اسلامی تعلیم توحید کو بری طرح مات دے دی تھی۔ مساجد ویران پڑی تھیں۔ جاہل عوام ان سے دور بھاگتے تھے۔ تعویذ گنڈے اور مالا کے چکر میں پڑ کر اور بے ہودہ اور نیم دیوانے فقیروں سے بھلائی پہنچانے کی امید میں اعتقاد رکھتے تھے۔ بڑے بڑے گنبد والی قبروں پر زیارت کے لئے جاتے تھے اور ان کی پرستش اللہ تعالیٰ کے پاس سفارش کرنے والے تصور کر کے کرتے تھے۔ ان جاہلوں کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی و برتری کے باعث اس کی بارگاہ میں بلا واسطہ وذریعہ کے کوئی دعا قبول ہی نہیں ہو سکتی قرآن شریف کی تعلیم سے نہ صرف یہی کہ بے اعتنائی برتی جاتی تھی بلکہ اس کی خلاف ورزی کھلے بندوں کی جاتی تھی۔ شراب نوشی اور افیون کا استعمال آزادانہ ہوتا تھا۔ زنا اور فواحش شرمناک حد تک ترقی کر گئے تھے......'' الخ①

واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو دینی تعلیمات سے دور کر کے محو خواب کرنے کے لئے تصوف بہترین نسخہ ثابت ہوا۔ اس کی افیونی تاثیر سے تقریباً پوری قوم بہت جلد گراں خوابی میں مبتلا ہو گئی جس نے نتیجتاً ان کے ذوق عمل کو قطعاً برباد کر کے چھوڑا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، جو خود بھی تصوف سے حد درجہ متاثر بلکہ اس کے مداح ہیں، امر کی شہادت ان الفاظ میں دیتے ہیں:

''ان تمام سلاسل میں وحدت الوجود کو گویا اصول موضوعہ کی حیثیت حاصل تھی اور اس کے زیر اثر کیف وسرور، جذب ومستی اور وجد ورقص کا ذوق وشوق بڑھ رہا تھا اور فنا فی اللہ کو شغل وسلوک کے منتہائے مقصود کی حیثیت حاصل ہو رہی تھی جس کے

---

① نیو ورلڈ آف اسلام، ص ۲۱-۲۰۔

باعث قویٰ مضمحل ہو رہے تھے اور جذبۂ جہاد تو دور رہا جذبۂ عمل بھی سرد پڑتا جا رہا تھا۔"①

یہ تھیں وہ تمام دینی خدمات جو صوفیاء نے ہندوستان میں اپنے ورودِ غیر مسعود غیر مشکور کے بعد انجام دی تھیں۔ جماعت حزب اللہ پاکستان کے مؤسس جناب ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی نے کیا ہی عمدہ اور مبنی بر صداقت بات کہی ہے:

"آج جو دین اسلام کے نام سے اس دنیا (برصغیر) میں پایا جاتا ہے وہ انہیں حضرات کا ایجاد کردہ ہے، قرآن وحدیث کے دین سے بالکل الگ، یکسر ممتاز، دین بندگی کے بجائے دین خدائی۔"②

پروفیسر آرنلڈ وغیرہ سے تو ہمیں شکایت نہیں لیکن نہ معلوم مولانا مودودی اور مولانا علی میاں وغیرھما نے کس طرح ہندوستان میں اشاعت اسلام کی کوششوں کا سہرا صوفیاء کی جماعت کے سر باندھنے کی کوشش کی ہے؟ ان حضرات کی تحریریں پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یا تو ان کے اندر پوشیدہ ان کی آبائی تصوف کی رگ حمیت پھڑک اٹھی تھی یا پھر ان حضرات نے نہ ہندوستانی اسلامی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا تھا اور نہ ہی کبھی تصوف کو سمجھنے کی کوشش کی تھی، واللہ اعلم، بہر حال جو بھی صورت ہو انتہائی افسوسناک ہے۔

① ماہنامہ حکمت قرآن لاہور ج ۶ عدد، ع ۲، ص ۴۲۔
② توحید خالص قسط اول، ص ۱۱۰۔

ہندوستان میں صوفیاء کی آمد اور ان کی مساعی

عموماً بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں تصوف ساتویں صدی ہجری میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے ذریعہ آیا تھا جیسا کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے مندرجہ ذیل اقتباس سے مترشح ہے۔

''تصوف کے خانوادوں میں سے ارض ہند پر سب سے پہلے چشتی سلسلے نے قدم جمائے اور کم و بیش دو صوبوں تک خواجگان چشت ہی کا طوطی بولتا رہا۔ جیسے ہی اس سلسلے میں قدرے ضعف کے آثار پیدا ہوئے وسطی اور جنوبی ہند میں سہروردیہ اور شطاریہ سلسلوں کو فروغ حاصل ہوا اور شمالی مغرب میں خصوصاً موجودہ پاکستان کے وسطی علاقوں میں قادریہ سلسلے نے عروج پایا''۔①

لیکن یہ عام خیال ہندوستان میں تصوف کی آمد کی تاریخ سے لاعلمی پر مبنی ہے کیونکہ ہندوستان میں سب سے پہلے صوفی سید سالار مسعود (م ۴۲۴ھ) تھے جس کا مدفن بھڑائچ میں ہے، ان کے بعد علی ہجویری المعروف بداتا گنج بخش لاہوری (م ۴۶۵ھ) ہندوستان کے مشہور صوفی ہوئے۔ ''کشف المحجوب'' آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ ان دو حضرات کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو سال تک کوئی معروف صوفی ہمیں نظر نہیں آتا۔ پھر پیر مکی سید عزیز الدین (م ۶۱۲ھ) کا دور آتا ہے جن کا مدفن لاہور میں ہے۔

ان کے بعد کہیں خواجہ معین الدین چشتی (م ۶۳۳ھ) کا دور آتا ہے گنج الاسرار، حدیث المعارف، دیوان خواجہ اور انیس الارواح، ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ان کے بعد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (۶۳۴ھ) کا نمبر آتا ہے پھر اس چشمہ تصوف سے سیراب ہو کر بے شمار صوفی آب و گیاہ کی طرح جگہ جگہ اُگ آئے۔

مثال کے طور پر حمید الدین ناگوری (م ۶۵۱ھ، مرشد شہاب الدین سہروردی)، جلال الدین تبریزی (م ۶۴۲ھ، خلیفہ شہاب الدین سہروردی، مدفن: بنگال)، لعل شہباز قلندر (م ۶۵۰ھ، خلیفہ بہاؤالدین زکریا ملتانی، مدفن سیہون)، بہاؤالدین زکریا ملتانی (م ۶۶۶ھ، مدفن: ملتان)، فرید الدین

① ماہنامہ حکمت قرآن ج ۶ عدد، ع ۲، ص ۴۲۔

گنج شکر (م ۶۷۰ھ، صاحب فوائد السالکین ملفوظات بختیار کا کی، مدفن: پاک پتن، ضلع ساہیوال)، صدر الدین عارف (م ۶۸۴ھ، صاحب کنوز الفوائد، مدفن: ملتان)، علاؤ الدین صابر م ۶۹۰ھ، خلیفہ بابا فرید الدین گنج شکر مدفن: کلیر)، شرف الدین بوعلی قلندر (م ۷۲۴ھ، خلیفہ بختیار کا کی، مدفن: پانی پت)، نظام الدین اولیاء (م ۷۲۵ھ مدفن: دہلی)، سید شرف الدین بلبل شاہ (م ۷۲۷ھ، مدفن: سری نگر)، ابوالفتح رکن الدین (م ۷۳۵ھ مرشد جہانیاں جہاں گشت، مدفن: ملتان)، امیر حسن بن علاء سنجری دہلوی المعروف بخواجہ حسن دہلوی (م ۷۳۶ھ)، حمید الدین ابو حاکم ہنکاری (م ۷۳۷ھ مرید شہاب الدین سہروردی و بہاء الدین زکریا ملتانی، مدن: اُچ)۔

برھان الدین غریب (م، ۷۳۸ حلیف خواجہ نظام الدین، صاحب حصول الوصول، ہدایت القلوب، نفائس الانفاس، مدفن: دکن)، ابوالحسن امیر خسرو (م ۱۳۲۵ء مرید نظام الدین اولیاء)، نصر الدین محمود چراغ دہلوی (م ۷۵۷ھ، مرید نظام الدین اولیاء، مدفن: دہلی)، شمس الدین اسماعیل (م ۷۵۷ھ، مدفن: اُچ، ضلع بہاولپور)، سید تاج الدین سمنانی جو ۷۶۰ھ میں کشمیر آئے تھے، سید حسین سمنانی جو ۷۷۳ میں کشمیر آئے، جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت (م ۷۸۵ھ صاحب خزانہ جلالی، سراج الھدایہ، جامع العلوم، مدفن: اُچ)، امیر کبیر سید علی ہمدانی جو ۷۸۵ھ میں کشمیر کے دورہ پر آئے تھے شاہ جلال یمنی (م۷۸۶ھ مدفن: سلہٹ آسام)، سید علی ہمدانی (م۷۹۱ھ مدفن: کشمیر) گیسو دراز (م ۸۲۵ھ خلیفہ چراغ دہلوی، صاحب حواشی کشاف، شرح مشارق، خطائر القدس، شرح فصوص الحکم لابن عربی، اسماء الاسرار، مدفن: گلبرگہ)، شاہ مدار (م ۸۵۰ھ، شاہ مینا لکھنوی (م ۸۷۰ھ)، عبد القدوس گنگوہی (م ۹۴۵ھ صاحب شرح عوارف، محشی فصوص الحکم، رسالہ قدسیہ، غرائب الفوائد، رشد نامہ، مظہر عجائب، مدفن: سہارنپور)، داؤد کرمانی (م ۹۸۲ھ، مولد: ملتان مدفن: ساہیوال)

صفی الدین حقانی (م ۱۰۰۷ھ مرید ابو اسحاق گارزونی، مدفن: اُچ)، خواجہ باقی اللہ دہلوی (م ۱۰۱۲ھ مرید شیخ احمد سرہندی)، میاں میر لاہوری (م ۱۰۲۰ھ مدفن، لاہور)، شاہ حسین (م ۱۵۹۹ھ مدفن: لاہور تعلق از فرقہ ملامیتہ)، خیر الدین شیخ ابو المعالی قادری (م ۱۰۲۴ھ صاحب دیوان غربتی، تحفہ القادری، گلدستہ باغ ارم، رسالہ مونس جان، زعفران زار، مدفن: لاہور)، شیخ احمد

سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ صاحب مکتوبات ربانی و رسالہ در ردّ روافض)، شاہ عبدالحق دہلوی (م ۱۰۵۲ھ)، ابوعبداللہ سعد معز الدین المعروف بہ آدم بنوری سرہندی (م ۱۶۴۳ء خلیفہ مجدد الف ثانی)، شاہ دولہ (م ۱۰۷۵ھ مدفن: گجرات)، محمد سعید سرمد (م ۱۶۵۸ء صوفی شاعر)، شاہ ابوالرضا محمد (م ۱۱۰۰ھ)، شاہ لطیف بھٹائی (۱۱۱۵ھ)، سلطان باہو (م ۱۶۹۰ء پنجاب صوفی شاعر، صاحب ابیات باہو، مدفن: شورکوٹ جھنگ)، شاہ عبدالرحیم دہلوی (م 1131ھ)، محمد غوث گوالیاری (م ۱۱۵۳ھ صاحب رسالہ غوثیہ مدفن لاہور)، سید احمد سلطان سخی سرور (م ۱۱۷۴ھ خلیفہ شاہ مودود چشتی، مدفن شاہکوٹ ڈیرہ غازی خان)، شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ)، بلھے شاہ قصوری (م ۱۷۵۸ء) فرید الدین عطار (م ۱۲۲۹ھ آپ نے ہندوستان کا سفر بھی کیا تھا)، عبدالوہاب سچل سرمست (م ۱۸۲۸ء، سندھ صوفی شاعر صاحب دیوان آشکارا، رہبر نامہ، راز نامہ، قتل نامہ، مرغ نامہ وصیت نامہ)، اسحاق گازرونی سہروردی لاہوری (م ۱۲۸۴ھ)۔

امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۸۹۹ء صاحب جہاد اکبر، مثنوی، تحفۃ العشاق، ارشاد مرشد، وحدت الوجود، فصیلہ ہفت مسئلہ، گلزار معرفت، مرقومات امدادیہ، مکتوبات امدادیہ، درنامہ غضبناک، ضیاء القلوب)، خواجہ غلام فرید (م ۱۹۰۱ء پنجابی صوفی شاعر، مدفن مٹھن کوٹ)، اشرف علی تھانوی (م ۱۹۴۳ء صاحب عرفان حافظ وغیرہ)، شمس الدین نور بخشی جو ۱۴۹۶ء میں کشمیر آئے، میاں شیر محمد شرقپوری نقشبندی (م ۱۹۲۸ء مدفن شیخوپورہ)، وارث علی شاہ (م ۱۹۰۴ء مولد دیوہ شریف ضلع بارہ بنکی)، عبدالرحمٰن بابا (م ۱۷۰۶ء پشتو صوفی شاعر، مدفن ہزار خوانی)، عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی سہروردی (م ۱۵۰۴ء مدفن: لاہور)، صدر الدین پر سچین شاہ (۱۳۲۰ء میں کشمیر آئے تھے)۔

احمد رضا خاں بریلوی، قاسم نانوتوری دیوبندی، شاہ علی حیدر، عبداللہ شطاری، ملا شاہ بدخشی، سلیم چشتی (مدفن آگرہ)، محمد علی رضا، شمس الدین سبزواری ثم ملتانی، صدر الدین اسماعیلی (مدفن: اُچ)، تاج الدین بابا (مدفن ناگپور)، شاہ لطیف بری (مولد جہلم)، فخر الدین زنجانی (پیر سعد الدین حموی مدفن: لاہور)، سید کبیر الدین حسن سہروردی (مدفن: اُچ)، موسیٰ آہنگر سہروردی (مرید بہاء الدین زکریا ملتانی، مدفن لاہور)، شاہ جمال سہروردی، سید شاہ محمد سہروردی (فرزند مخدوم جہانیاں جہاں گشت، مدفن اُچ)، سید راجو قتال بخاری (خلیفہ و برادر مخدوم جہانیاں جہاں گشت، مدفن: اُچ) اور ان کے علاوہ

بہت سے صوفیاء یکے بعد دیگر ہندوستان میں پیدا ہوتے رہے جن کے مزارات حیدر آباد، دکن، گلبرگہ، اورنگ آباد، بریلی، دیوہ، کچھوچھ، بدایوں، ماہریرہ، بمبئی، ردولی، جلال پور، پیروالا، سیہوان، دروازہ، حجرہ شاہ مقیم، بھٹ شاہ اور ٹھٹھہ وغیرہ مقامات پر موجود ہیں مگر یہ ان تمام کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

صوفیاء کی اشاعت اسلام کے ضمن میں مساعی کا ایک معروضی تجزیہ:

مشہور صوفی شیخ فرید الدین گنج شکر کے متعلق مقامی روایات اور گزٹس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ پنجاب کے متعدد قبائل ان کے ذریعہ مشرف باسلام ہوئے تھے۔① اسی طرح بعض دوسرے صوفیاء مثلاً علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ نظام الدین اولیاء، بہاء الدین زکریا ملتانی، جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور امیر خسرو وغیرہ کے ذریعے ہزاروں غیر مسلموں کے تائب اور ان کے معتقد ہونے کے واقعات کتب صوفیہ میں مذکور ہیں۔

صوفیاء کے ذریعہ غیر مسلموں کے اسلام قبول کرنے کی ان حکایات کی صحت کو تسلیم کر لینے کے باوجود بھی اس سلسلہ میں ان کی کسی عملی کوشش اور جدوجہد کے شواہد موجود نہ ہونے کے باعث شیخ محمد اکرام وغیرہ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ:

> ''بابا صاحب (فرید الدین گنج شکر) نے اشاعت مذہب اور تبدیل عقائد کی جو مثالیں یادگار چھوڑی ہیں ان میں اظہار کرامت کو بڑا دخل ہے۔ حضرت بابا صاحب کو جن لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا وہ سادہ اور ضعیف الاعتقاد تھے۔ ان پر کرامات کا بڑا اثر ہوتا تھا چنانچہ بابا صاحب اپنے تصرفات کی بنا پر ان میں شاندار نتائج پیدا کر سکے۔''②

اسی طرح ''خزینۃ الاصفیاء③ ''A history of sufism in india.''④ وغیرہ میں مذکور ہے کہ

> ''جواہر فریدی اور بعض دوسرے صوفی مآخذ میں کرامات کے نتیجہ میں بڑی تعداد

---

①some aspects of religion and politics p.321. Life and times of Fariduddin Ganj-E-Shakar۔ آب کوثر ص ۲۵۱، ;P.107-109; preaching of islam p 231۔

② آب کوثر ص ۲۸۳.

③ ج ا ص ۲۵۹۔ ۲۶۳.

④ vol.1.p.117۔

میں لوگوں کے مشرف باسلام ہونے کا ذکر ہے۔''

پس معلوم ہوا کہ صوفیاء کے تعلق سے جہاں کہیں بھی ① اشاعت اسلام کا ذکر ملتا ہے وہ بطور خوارق وکرامات کے ہی ملتا ہے۔

ایسی کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی جس سے ان حضرات کی اس ضمن میں کسی عملی جدوجہد یا کوششوں کا سراغ مل سکتا ہو۔ وہ مصادر و مآخذ جن کے متعلق یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ ان میں ان صوفیاء کی زندگی کے اس اہم گوشے (یعنی اشاعت اسلام کے سلسلہ میں کی جانے والی ان کی تبلیغی سرگرمیوں) کی مستند اور قابل اعتماد تفصیلات مل سکیں گی، اس بارے میں قطعی خاموش ہیں۔ مثال کے طور پر خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کا مجموعہ ''فوائد الفواد'' جس کا رتبہ استناد عام طور پر صوفیاء و مورخین کے نزدیک مسلم ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی کی شخصیت، ان کے حالات زندگی، ان کی تعلیمات، ان کے اہم کارناموں اور تبلیغ وارشاد کے سلسلہ میں ان کی مساعی کے ذکر سے بالکل خالی ہے۔ اسی طرح حمید قلندر کی ''خیر المجالس''، جمالی کی ''سیر العارفین'' اور محمد بن مبارک علوی کی ''سیر الاولیاء'' وغیرہ بھی اس ضمن میں قطعاً خاموش ہیں۔

ان تمام صوفی مآخذ (جن کی حیثیت گھر کی شہادت کی ہوسکتی تھی) اور دیگر تاریخی شواہد کی اس باب میں مکمل خاموشی کے منطقی اعتبار سے مندرجہ ذیل چند امکانات ہوسکتے ہیں:

اول: یہ کہ ان صوفیاء نے اس سلسلہ میں قطعاً کوئی کوشش ہی نہیں فرمائی ہو۔

دوم: یہ کہ اگر انہوں نے اس جہت میں کوئی کوشش کی بھی تھی تو ان کے جانشینوں اور سوانح نگاروں کی نظر میں اس کام کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ اس کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھا جاتا۔

سوم: یہ کہ اگر صوفیاء نے اس بارے میں کوئی کوشش کی تھی تو انہیں سخت ناکامی کا سامنا ہوا تھا۔

چہارم: یہ کہ اگر صوفیاء نے اس بارے میں کوشش کی تھی تو وہ اس قدر غیر منظم، غیر مسلسل مختصر اور محدود تھی کہ جس پر تبلیغ کا گمان ہی نہ ہوسکتا ہو۔

بہرحال یہ بات تو کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اگر باقاعدہ اشاعت اسلام کا مسئلہ ان صوفیاء کی

---

① خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۲۵۴، ۲۵۸ ـ ۲۶۳؛ خیر المجالس ص ۵۴، ۸۶ ـ ۸۷، ۱۹۱ ـ ۱۹۲، ۲۰۸، ۲۶۹، فوائد الفواد ص ۲۱۰ ـ ۲۲۷؛ آب کوثر ص ۲۸۳

ترجیحات میں شامل ہوتا یا غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کرنا وہ اپنی روحانی ذمہ داری محسوس کرتے تو یہ یقینی امر ہے کہ وہ اس پر ضرور غور و فکر کرتے اور اس کی تکمیل کے لئے کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور اختیار کرتے۔ مگر اس ضمن میں دستیاب تمام تاریخی شواہد کے تنقیدی مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس بن کر ابھرتی ہے کہ ان صوفیاء نے ہندوستان میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں قطعاً کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، ورنہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں بلاشبہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ ہوتا اور تاریخی نہ سہی، صوفی مآخذ ہی اس کے تذکرہ سے قطعاً تہی دامن نہ ہوتے۔

جب تمام سوانح نگار ہندوستان میں ان اساطین تصوف کے متعلق خوارق و کرامات کے ظہور کے زیر اثر بکثرت لوگوں کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے علاوہ قطعاً ایسے واقعات بیان نہیں کرتے جن سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ کچھ غیر مسلم ان بزرگوں کی تعلیمی و تبلیغی سرگرمیوں کے ذریعہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے تو اس بات پر مصر رہنا کہ ''ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کا اصل سہرا صوفیاء کے سر ہے'' محض اندھی عقیدت اور تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی احمقانہ کوشش کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

صوفیاء کے حالات زندگی سے تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں انہوں نے قطعاً کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ ذیل میں ہم ان صوفیاء کے بعض مشہور اصول کے تجزیاتی مطالعہ سے بھی یہ امر ثابت کریں گے۔

پروفیسر احمد نظامی بیان کرتے ہیں:

''صوفیاء نے ہندوستان کے تہذیبی نقشے میں ہر دین اور ہر قبلہ گاہ کی اہمیت کو پہچان لیا تھا۔''①

''صوفیاء مختلف مذاہب کو خدا تک پہنچنے کے مختلف راستے مانتے تھے چنانچہ دوسرے راستوں (مذاہب) کے خلاف تنقید کو ناپسند کرتے تھے۔''②

عزیز احمد صاحب بھی بیان کرتے ہیں کہ:

---

① تاریخ مشائخ چشت ۱/ ۳۸۳

② ''سماجی یک جہتی میں صوفی سنتوں کا رول'' طبع در ماہنامہ دار العلوم دیو بند ص ۳۶ مجری ماہ جنوری ۱۹۸۳ء۔

''صوفیاء کے نزدیک وحدۃ الوجود وحدت الشہود کے نظریات کے پیش نظر کفر ومومن کے امتیازات مٹ جاتے ہیں اور ویدوں کو الہامی کتب کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔''①

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سلسلہ صابریہ کے ایک صوفی عبدالقدوس گنگوہیؒ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''ایں چہ شور وایں چہ غوغا کشادہ، کسے مومن کسے کافر، کسے مطیع کسے عاصی، کسے درراہ کسے بے راہ، کسے مسلم کسے پارسا، کسے ملحد کسے ترسا، ہمہ وریک سلک است۔''②

یعنی ''یہ کیسا شور وغوغا پھیلا ہوا ہے کہ کوئی مومن ہے کوئی کافر، کوئی فرمانبردار ہے کوئی گناہگار، کوئی راہ رو ہے کوئی بے راہ رو، کوئی مسلم ہے کوئی پارسا، کوئی ملحد ہے کوئی خداترس۔ یہ سب دراصل ایک ہی راستہ کے راہی ہیں۔''

اسی طرح منقول ہے کہ:

''اجمیر کے شیخ حمیدالدین چشتی نے ایک مرید کو مریدی سے خارج کر دیا تھا کیونکہ وہ مذہب کی ظاہرداریوں کو اہمیت دیتا تھا اور کسی غیر مسلم کی روح کے اندر جھانکنے سے قاصر تھا۔ ان کے نزدیک اہم بات یہ تھی کہ کسی شخص کی روحانی حالت کیا ہے اور وہ خدا سے کتنا نزدیک ہے نہ کہ یہ بات کہ اس کے ماتھے پر کون سا لیبل لگا ہوا ہے۔''③

پس اگر صوفیاء کے نزدیک تمام مذاہب کا منتہاء، مقصود ومنزل ایک ہی تھی تو پھر منطقی نقطہ نظر سے ان کی نگاہ میں اسلام کی توسیع واشاعت کے لئے کوشش اور جدوجہد کی کوئی حاجت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ شاید اسی باعث ان حضرات نے اس سلسلہ میں کوئی کوشش کرنا قطعاً غیر اہم سمجھا تھا۔

①STUDIES IN ISLAMIC CULTURE IN THE INDIAN ENVIRONMENT P'' 138-139 .

② مکتوبات قدوسیہ ص ۳۰۵۔

③ ''سماجی یک جہتی میں صوفی سنتوں کا رول''۔ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ص ۳۵ مجریہ ماہ جنوری ۱۹۸۳ء۔

چونکہ صوفیاء مختلف مذاہب کو اللہ تک پہنچنے کے مختلف راستے سمجھتے تھے اور ایک دوسرے پر تنقید کو ناپسند کرتے تھے، جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ لہٰذا بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی:

''صوفیاء کا پختہ یقین تھا کہ روحانی فضیلت مسلمانوں کی طرح ہندو بھی حاصل کر سکتے ہیں۔①''

چنانچہ ان حضرات نے یہ اصول وضع کیا کہ انسانوں کے درمیان کسی قسم کی کوئی تفریق نہ کی جائے بلکہ اس امر کی کوشش کی جائے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ہمیشہ شگفتہ نوعیت کے تعلقات قائم رہیں چنانچہ ''نافع السالکین'' میں مذکور ہے:

''حضرت قبلہ من قدس سرہ فرمودند کہ در طریق ما ہست کہ با مسلمان و ہندو صالح باید داشت و ایں بیت شاہد آوردند

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام

با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام'' ②

یعنی ''حضرت قبلہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے طریق میں ایک اصول یہ ہے کہ مسلمان اور ہندو دونوں سے صلح کا تعلق رکھا جائے اور اس کے لئے یہ شعر بطور شہادت پیش کرتے تھے: اے حافظ اگر تو اپنے رب سے وصال کا خواہاں ہے تو ہر خاص و عام کے ساتھ صلح رکھ، مسلمانوں کے ساتھ اللہ اللہ اور برہمن کے ساتھ رام رام کر۔''

اسی طرح سلسلہ چشتیہ کے صوفی شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''تاسعاً آں کہ صلح با ہند و مسلمان سازند و ہر کہ ازیں دو فرقہ اعتقاد بشما نداشتہ باشند ذکر و فکر و مراقبہ و تعلیم او بگویند کہ ذکر بخاصیت خود او را بربقہ اسلام خواہد کشید۔''③

یعنی ''نہم یہ کہ ہندو اور مسلمان دونوں سے صلح رکھی جائے اور ان دونوں فرقوں میں

---

①some aspects of religion and politics p.318

② تاریخ مشائخ چشت ۱/ ۳۸۳ بحوالہ نافع السالکین ص ۱۷۶ و کذافی آب کوثر ص ۱۱۷۔

③ حوالہ مذکورہ ۵/ ۲۱۰۔

سے جو بھی تم سے اعتقاد رکھتا ہو اس کو ذکر و فکر اور مراقبہ کی تعلیم دی جائے کہ ذکر اپنی خاصیت سے اس کو خود دائرۂ اسلام میں کھینچ لائے گا۔''

پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ اپنے ایک مضمون ''سماجی یکجہتی میں صوفی سنتوں کا رول'' کے تحت اس صلح جوئی کا سبب یوں بیان فرماتے ہیں:

''خدا کی محبت کو اپنا آدرش ماننے والوں کو خدا کے اوصاف کا اپنانا ضروری تھا۔ یعنی جس طرح خدا نے سورج پانی اور زمین جیسی تمام نعمتیں ہر ذات، رنگ، نسل اور کردار کے لوگوں کو یکساں طور پر بخشی ہیں اسی طرح انسان کا بھی فرض ہے کہ وہ تمام انسانوں کو برابر سمجھے۔ مذہب یا نسل کی بنیاد پر امتیاز کرنا خدا کی مرضی کے خلاف ہے لہٰذا صوفیوں کے فلسفہ حیات میں اس کیلئے کوئی جگہ نہ تھی۔''①

واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں غیر مسلموں کے ساتھ صوفیاء کی مصالحت پسندی کا یہ اصول ہی دراصل ان کی ہردلعزیزی کا سبب بنا ہے۔ شیخ محمد اکرام اور پروفیسر خلیق احمد نظامی بیان کرتے ہیں کہ

''صوفیاء کی غیر مسلموں کے ساتھ مصالحت والی پالیسی اس قدر بڑھی کہ خود صوفیاء نے بہت سے ہندو رسم و رواج کو اختیار کر لیا تھا۔''②

اس حقیقت کو بہت سے مستشرقین مثلاً ہارٹن (horton) بلوشیت (bochet)، ماسی نون (mass noon) گولڈزیہر (Gold Ziher) اور اولیری (o' Leary) وغیرہ نے بھی تسلیم کیا ہے۔

بعض ہندو طور طریقے جنہیں صوفیاء نے اختیار کر لیا تھا تقاضائے شریعت کے قطعاً منافی بھی تھے مثلاً شرعاً حلال اشیاء کے استعمال کو اپنے لیے حرام سمجھ لینا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ فرماتے ہیں:

''صوفیاء ہندوانہ نظریہ اہنسا کے قائل تھے۔ ہندو بھائیوں کے جذبات کے احترام کے پیش نظر ان کا خیال تھا کہ جو شخص ۴۰ گائیں یا ۱۰۰ بکریاں ذبح کرتا ہے وہ گویا ایک آدمی کو قتل کرتا ہے۔ اور جس نے صرف لذت کی خاطر کسی جانور کی جان

---

① ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ص ۳۵ مجریہ ماہ جنوری ۱۹۸۳ء۔

② some aspects of riligion and politics in india during the 13 century." p.128

لی تو وہ گویا انہدام کعبہ کا مرتکب ہوا۔''①

مشہور صوفی حمید الدین ناگوریؔ کے متعلق مشہور ہے کہ

''وہ اہنسا پر سختی کے ساتھ پابند تھے، صرف سبزیاں کھاتے اور ہرگز یہ پسند نہ کرتے تھے کہ ان کے لئے کسی جاندار کی جان لی جائے۔''②

پروفیسر خلیق احمد نظامیؔ صوفیاء کا منہج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''صوفیاء خدمت خلق کو عبادت کا درجہ دیتے تھے اور دل نوازی مخلوق کے ذریعے خالق کائنات تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ کسی دل کو تسکین وراحت پہنچانا اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ ''دل بدست آورد کہ حج اکبراست'' ان کا لائحہ عمل تھا۔ وہ پوری مخلوق کو اللہ کا کنبہ سمجھتے تھے اور ''الخلق عیال اللہ'' پر سچا ایمان رکھتے تھے۔ ان کے دستور حیات میں قلوب انسانی کو ایک رشتہ الفت میں پرونا سب سے مقدس کام تھا۔''③

قارئین کرام ہی فیصلہ فرمائیں کہ جو طبقہ کسی کی دل نوازی اور کسی کے دل کو راحت وتسکین پہنچانے کی غرض سے اپنی دینی تعلیمات سے دستبردار ہوکر دوسروں کی تعلیمات کو اپنا لائحہ عمل بنالے کیا اس طبقہ کے افراد سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے اصل دین کی ترویج واشاعت کے سلسلہ میں بھی کوئی خاطر خواہ خدمت انجام دے سکے گا؟

حق یہ ہے کہ صوفیاء کی غیر مسلموں کے ساتھ یہ حکمت عملی، ان کے غیر معمولی اثرات ومقبولیت کے ساتھ ان کے مختلف سلاسل تصوف کی توسیع واشاعت کا ذریعہ تو ضرور بنی لیکن اسلام کی تبلیغ وترویج کے سلسلہ میں ان کی مساعی کی کوئی تاریخی شہادت دستیاب نہیں ہے۔

ہندوستان میں جو صوفیاء گزرے ہیں ان میں سے بعض کے متعلق یہ تفصیل بھی کسی صاحب علم

---

① some aspects of riligion and politics in india during the 13 century.'' p.319-318۔ ملخصاً بحوالہ انیس الارواح ۱۳۱۔

② ایضاً ص ۲۳۹۔ ۲۴۰ ملخصاً بحوالہ سرور الصدور۔

③ اوراق مصور ص، ۵۱۔ ۱۲۔

سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ وہ ہندو جوگیوں اور سنتوں سے ان کے علم و تجربات جاننے کی کوشش کرتے، ان سے استفادہ کی خواہش کا برملا اظہار کرتے اور ان کی تحسین فرمایا کرتے تھے چنانچہ منقول ہے کہ

''ایک مرتبہ فریدالدین کی مجلس میں ایک جوگی موجود تھا۔ شیخ نظام االدین نے اس سے پوچھا کہ تم لوگوں کے یہاں اصل چیز کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: ہمارے علم کی رو سے نفس آدمی دو عالم پر مشتمل ہے، عالم علوی اور عالم سفلی پھر اس جوگی نے ان دونوں عالموں کی قدرے تفصیل بیان کی۔ شیخ نے اس کی گفتگو سن کر تحسین آمیز لہجہ میں فرمایا: ''مرا سخن او خوش آمد''۔ یعنی ''مجھے اس کا کلام پسند آیا۔①''

واضح رہے کہ ہمارے بعض علماء اس کائنات کے لئے ''عالم اکبر'' اور خود اپنے نفس کے لئے ''عالم اصغر'' کی جو اصطلاحات استعمال کیا کرتے ہیں وہ انہی صوفیاء کی راہ سے داخل ہونے والا جوگیانہ فلسفہ ہے۔

''خیر المجالس'' میں بھی ایک مقام پر جوگیان سندھ کا تذکرہ بایں الفاظ موجود ہے:

''انفاس شمردہ می زنند۔''

شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی نے بھی اسی فلسفہ کے زیر اثر فرمایا تھا:

''والہذا صوفی آنست کہ نفس او شمردہ باشد''۔②

لیکن افسوس کہ باوجود ربط و تعلق ہونے کے ان صوفیاء میں سے کسی کے متعلق بھی ان ہندو جوگیوں اور سنتوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے یا انہیں دین کی طرف راغب یا مائل کرنے یا تلقین کرنے کا قطعاً کہیں ذکر نہیں ملتا۔ کیا کوئی ذی عقل یہ بات باور کر سکتا ہے کہ یہ صوفیاء جب اپنی مجالس میں ہندو جوگیوں اور سنتوں سے ان کے تجربات، علم و مشاہدہ کے سلسلہ میں تبادلہ خیال کریں تو وہ تمام بحث ''on the record'' محفوظ رہے۔ لیکن جب اپنی مجالس میں موجود انہی جوگیوں کو اسلام کی دعوت دیں تو وہ تمام مباحثہ ''Off The Record'' بن جائیں؟

مختصر یہ کہ تصوف کی ان بھول بھلیوں میں صدیاں بیت گئیں، تمام اقوام عالم بیدار ہوتی رہیں

---

①فوائد الفواد ص ۵۹۔۶۰۔

②خیر المجالس، ص ۵۹۔۶۰۔

لیکن عام ہندوستانی مسلمان تصوف کے افیونی نشہ کے زیر اثر محو استراحت ہی رہا مگر ہندوستان میں صوفیاء کے اس غلبہ سے ہمارا یہ قطعی مقصد نہیں ہے کہ اہل حق موجود نہ رہے ہوں، سرے ہی سے معدوم ہو گئے ہوں، بلکہ ہمارا مقصد فقط یہ ہے کہ تصوف کی آمد سے عوام کا رجحان علوم شریعت کی طرف سے ہٹ کر تصوف اور سلوک کی جانب منتقل ہو گیا تھا۔ اگرچہ اس پر آشوب دور میں بھی علمائے حدیث وقرآن مسلسل پیدا ہوتے رہے لیکن ان کی تعداد بہت کم اور ان کا حلقۂ درس بہت محدود تھا۔ نتیجتاً اشاعت اسلام کا دائرہ جو کبھی وسعت پذیر تھا تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا گیا۔ اس پستی کے دور میں تصوف کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملا لہٰذا ہم پاتے ہیں کہ ہندوستان میں تصوف بہت جلد دین اسلام کے متوازی ایک دوسرے دین کی حیثیت سے کھڑا تھا اور اسلام کے مدمقابل بہت حد تک تندرست وتوانا بھی تھا۔

اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس پرفتن دور میں بھی بعض سعید روحیں ہندوستان کے مختلف گوشوں میں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ ذیل میں ہم انہی سعید روحوں کا تذکرہ کریں گے۔

چھٹی صدی ہجری کے ایک محدث اور ان کی مساعی کا جائزہ:

چھٹی صدی ہجری (یعنی ۵۷۷ھ) میں ایک بزرگ علامہ رضی الدین ابوالفضائل الحسن بن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی القرشی العدوی العمری الصغانی الحنفی رحمہ اللہ بمقام لاہور پیدا ہوئے۔ آپ نے ہندوستان کے علمائے وقت کے علاوہ علمائے یمن وعرب کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ آپ کثیر التصانیف تھے۔ آپ کی مطبوعہ تصانیف میں

مشارق الانوار النبویه من صحاح الاخبار المصطفویه، الاضداد، یفعول، العباب الزاخر واللباب الفاخر اور موضوعات الصغانی، اور غیر مطبوعہ تصانیف میں مجمع البحرین، التکمله الصحاح الجوهری، اسامی شیوخ البخاری، الشوارد فی اللغات، شرح القلادة السمطیة فی توشیح الدریدیة، شرح صحیح البخاری، شرح ابیات المفصل، کتاب فعال علی وزن خدام اوقطام، کتاب التراکیب، کتاب در السحابة فی مواضع وفیات الصحابه، مختصر الوفیات، ماتفردبه بعض ائمه اللغة، فعلان علی وزن سیان، کتاب الافتعال، الانفعال، کتاب الاصفاد، کتاب العروض، کتاب فی اسماء الاسد، کتاب فی اسماء الذئب، کتاب مصباح الدجیٰ، کتاب الشمس المنیره من الصحاح الماثوره، کتاب الضعفاء، کتاب الفرائض، کتاب

فی اسماء العادۃ، کتاب فی تعزیز بیتی الحریری، کتاب ذیل العزیزی، کتاب نظم عدد آی القرآن، کتاب نقعمۃ الصدیان فی علم الحدیث، الدر الملتقط فی تبیین الغلط و نفی اللغط آپ کے کمال علم پر دلیل ہیں۔

آں رحمہ اللہ اپنی کتاب ''مشارق الانوار'' کے دیباچہ میں خود تحریر فرماتے ہیں:

''یہ کتاب صحت اور متانت میں میرے اور اللہ کے مابین حجت ہے۔ وہی خوب جانتا ہے کہ میں نے اس کی تالیف میں کس قدر مشقت اٹھائی ہے۔ اس کتاب کی خوبی اور بزرگی ہر شخص دریافت نہیں کر سکتا، اس کو صرف علماء جانتے ہیں اور علماء میں سے بھی صرف وہی عالم جانتے ہیں جن کو علم حدیث میں بڑا ملکہ اور کمال مہارت حاصل ہے''①

آں رحمہ اللہ ہی ''مشارق الانوار'' کے خطبہ میں اس کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب زمانہ بگڑا اور اہل علم مر کھپ گئے اور کم علم نافہم جن کو صحیح اور ضعیف کے مابین تمیز نہیں عالم اور پیشوا مشہور ہوئے تو میں نے اس کتاب ''مشارق الانوار'' میں اپنی دو تصانیف مصباح الدجی اور الشّمس المنیرہ کی صحیح احادیث جمع کیں اور کتاب **النجم للاقلیشی** رحمہ اللہ و **کتاب الشھاب للقضاعی** رحمہ اللہ سے بھی جو صحیح روایات ملیں وہ اس میں شامل کیں تا کہ صحیح احادیث مختصر کتاب میں یکجا جمع ہو جائیں۔''②

اس کتاب کی اہمیت، جامعیت اور افادیت کا اندازہ علامہ گارزدنی کے اس قول سے بخوبی ہوتا ہے کہ

''مشارق الانوار میں سب احادیث دو ہزار دو سو چھیالیس ہیں۔''

مشارق الانوار کی بہت سی شروح لکھی گئی ہیں جن کی تفصیل دادا مرحوم علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ نے ''مقدمہ تحفۃ الاحوذی③'' میں درج کی ہے۔

علامہ صغانی رحمہ اللہ کی ایک دوسری کتاب ''الدر الملتقط'' کے متعلق علامی کتانی رحمہ اللہ بیان

---

① کمانی مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ص ۱۳۵۔

② نفس مصدر ص ۱۳۵۔

③ حوالہ مذکورہ ۱۳۶۔۱۳۷

کرتے ہیں:

> ''رضی الدین ابوالفضائل حسن بن محمد بن الحسن بن حیدر العددی العمری الصغانی جن کو بعض لوگ الصاغانی رحمہ اللہ بھی کہتے ہیں...... نے اس کتاب میں احادیث موضوعہ جمع کی ہیں اور اس میں ایسی بہت سی احادیث بھی درج کر دی ہیں جو موضوع کے درجہ کو نہیں پہنچتی ہیں۔ وہ محدثین میں سے ابن الجوزی رحمہ اللہ اور فیروز آبادی رحمہ اللہ صاحب سفر السعادہ وغیرہ کی طرح اس بارے میں بہت متشدد تھے۔''①

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی رحمہ اللہ، ابو طاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی، محمد درویش حوت البیروتی رحمہ اللہ، محمد علی الشوکانی رحمہ اللہ، ملا علی القاری رحمہ اللہ، اور محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی حفظ اللہ نے احادیث موضوعہ سے متعلق علامہ صغانی رحمہ اللہ کی تصریحات کو بہت سے مقامات پر قبول کیا ہے۔② آں رحمہ اللہ کا سنہ وفات ۔٦٥٠ھ ہے۔

علامہ صغانی رحمہ اللہ کے تفصیلی ترجمہ کے لئے **الاعلام لخیر الدین زرکلی رحمہ اللہ، بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ للسیوطی رحمہ اللہ، الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیۃ لعبد القادر قرشی رحمہ اللہ، شذرات الذہب، العبر، العقد الثمین لتقی الدین الفاسی رحمہ اللہ، فوات الوفیات، معجم الادباء، النجوم الزاہرہ لابن تغری بردی رحمہ اللہ، تاریخ التراث العربی لفواد سزکین، الرسالہ المستطرفہ للکتانی رحمہ اللہ، تحفۃ الاخیار، ابجد العلوم للنواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری رحمہ اللہ** وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔③

---

①الرسالۃ المسطرفہ ص، ۱۵۱۔

②سفر السعادۃ ص ۱۴۵ ص، کشف الخفاء ۹۲/۲، ۲۸۶، ۲۹۳، ۳۰۰، الفوائد المجموعہ ص ۲۱۷، ۱۴۷، ۳۵۷، سنی المطالب ص ۱۳۰ الاسرار المرفوعہ ص ۲۷۰، المصنوع معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۲۷، ۹۰، ۶۱، ۹۱، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۲۹، ۱۵۰، ۱۵۵، ۱۷۷، ۱۸۲، ۲۰۴، ۳۱۴، ۲۱۸، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۳۷، ۲۴۵، ۲۴۸، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ ۶۵/۱، ۱۶۵۔

③الاعلام للزرکلی ۲۳۳/۲، بغیۃ الوعاۃ ۵۱۹/۱، الجواہر المضیئہ ۲۰۱/۱۔۲۰۲، شذرات الذہب ۲۵۰/۵، العبر ۳۰۵/۵۔ ۲۰۶، العقد الثمین للفارسی ۱۷۶/۴۔۱۷۹، فوات الوفیات للکتبی ۲۶۱/۱۔۲۶۲، معجم الادبا، ۱۸۹/۹۔ ۱۹۱، النجوم الزاہرہ ۲۶/۷، تاریخ التراث العربی لفوأد سزکین ۲۰۱/۱، الرسالۃ المستطرفہ، ص ۱۵۱، مقدمہ تحفۃ الاحوذی، ص، ۱۳۵۔۱۳۷۔

علامہ صغانی رحمہ اللہ سے قبل قاضی سعد الدین خلف بن محمد الکروی الحسنا بازی شیخ نظام الدین محمد بن الحسن المرغینانی رحمہ اللہ اور شیخ مسعود بن شیبہ بن الحسین ابن السندی عماد الدین رحمہ اللہ (صاحب کتاب التعلم ①) وغیرہ کا شمار ہندوستان کے مشاہیر علماء میں ہوتا تھا۔ اول الذکر دو علماء سے علامہ صغانی رحمہ اللہ کو شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔

ساتویں سے دسویں صدی ہجری تک کے بعض علمائے حق اور ان کی علمی خدمات:

علامہ صغانی رحمہ اللہ کے بعد شیخ محمود بن محمد سعد الدین دہلوی (م ۶۷۱ھ، صاحب افاضۃ الانوار فی اضاءۃ اصول المنار ②) ایک مشہور عالم دین تھے۔ ان کے بعد قاضی جلال الدین دہلوی رحمہ اللہ اور علامہ نجم الدین ابوالخیر سعید بن عبداللہ دہلوی رحمہ اللہ (م ۷۴۹ھ) کا دور آتا ہے، پھر شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن عبدالدائم بن موسیٰ برماوی شافعی (۸۳۱ھ، صاحب اللامع الصبیح شرح جامع الصحیح للبخاری رحمہ اللہ)، شیخ فیروز رحمہ اللہ (م ۸۶۰، والد شاہ سعد اللہ رحمہ اللہ)، شیخ سعد اللہ رحمہ اللہ (م ۹۲۸ھ)، جد امجد شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ)، شیخ امان اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (م ۹۵۷ھ)، عبدالاول جونپوری رحمہ اللہ (م ۹۶۸ھ، صاحب فیض الباری شرح صحیح البخاری رحمہ اللہ) شیخ علی مہائمی رحمہ اللہ، شیخ علی المتقی بن حسام الدین جونپوری رحمہ اللہ (م ۹۷۵ھ، صاحب منہج العمال فی سنن الاقوال، الاکمال المنہج العمال، غایۃ المثال فی سنن الاقوال، مستدرک الاقوال لسنن الافعال و کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال)، شیخ ناگوری رحمہ اللہ، شیخ رزق اللہ مشتاق رحمہ اللہ بن شیخ سعد اللہ رحمہ اللہ، شیخ ید اللہ السوہی رحمہ اللہ، شیخ برخوردار السندی رحمہ اللہ، شیخ سیف الدین رحمہ اللہ (م ۹۹۰ء، ابن شیخ سعد اللہ رحمہ اللہ) شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی رحمہ اللہ (م ۹۹۸ھ، استاذ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ، صاحب شرح شرح نخبۃ الفکر) اور شیخ محمد بن طاہر بن علی پٹنی گجراتی حنفی رحمہ اللہ (م ۹۸۶ھ، صاحب مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل و لطائف الاخبار، تذکرۃ الموضوعات، تعلیقات علی جامع الترمذی عن شرحہ الاحوذی، المغنی فی اسماء الرجال، قانون فی ضبط الاخبار الموضوعۃ و الرجال الضعفاء) وغیرہ جیسے کبار علماء و محدثین پیدا ہوئے۔ ان میں سے شیخ علی المتقی بن حسام الدین جونپوری رحمہ اللہ کے

① الجواہر الضئیہ ۱/۲۔
② نفس مصدر ۲/۳۰۸۔

متعلق شیخ ابوالحسن الشافعی رحمہ اللہ کا معروف قول ہے کہ

''علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا تمام علماء پر احسان ہے اور علامہ علی المتقی رحمہ اللہ کا علامہ سیوطی رحمہ اللہ پر احسان ہے۔''

اس عہد کے ایک اور نامور عالم شیخ علی شیخ علی المتقی بن حسام الدین رحمہ اللہ کے تلمیذ شیخ محمد بن طاہر بن علی پٹنی گجراتی تھے جن کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

شیخ محمد بن طاہر پٹنی:

شیخ پٹنی رحمہ اللہ کے متعلق علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ نے ''مقدمہ تحفۃ الاحوذی'' میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''میاں محمد طاہر در پٹن گجرات بودہ ...... بحرمین شریفین رفت ومشائخ آں دیار شریف را دریافت تحصیل وتکمیل علم حدیث نمود بالشیخ علی متقی رحمہ اللہ صحبت داشت ومرید شد در علم حدیث توالیف مفیدہ جمع کردہ ازاں جملہ کتابیست کہ متکفل شرح صحاح است مسمی بمجمع البحار در رسالۂ دیگر مختصر مسمی بمغنی کہ تصحیح اسماء رجال کردہ بے تعرض بہ بیان احوال بغایت مختصر ومفید ودر خطبہائے ایں کتب مدح شیخ علی متقی بسیار کردہ۔''①

یعنی ''میاں محمد طاہر پٹن (گجرات) کے مقام پر تھے...... آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے اور اس دیار شریف کے علماء ومشائخ سے علم حدیث کی تحصیل وتکمیل کی۔ شیخ علی متقی رحمہ اللہ کے ساتھ علمی مصاحبت رکھی اور ان کے مرید ہو گئے۔ آپ نے علوم حدیث پر مفید کتابیں تالیف کی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب ایسی ہے جو صحاح کی شرح کی متکفل ہے۔ اس کتاب کا نام ''مجمع البحار'' ہے۔ اسی طرح ''مغنی'' کے نام سے ایک دوسرا مختصر رسالہ بھی اسماء الرجال کی تصحیح پر بے تعرض بیان احوال رجال تالیف فرمایا۔ یہ رسالہ انتہائی مختصر لیکن مفید ہے۔ ان کتب کے خطبہ میں شیخ علی متقی نے ان تالیفات کی بہت مدح بیان کی ہے۔''

① مقدمہ تحفۃ الاحوذی، ص ۱۸۹۔۱۹۰ بحوالہ ''اخبار الاخیار''۔

شیخ محمد بن طاہر پٹنی گو حنفی المسلک تھے لیکن ان کی تصانیف کے بعض مقامات سے تقلید و جمود کے برعکس تحقیق و اتباع سنت کا رجحان عیاں ہوتا ہے مثلاً مادہ ''بطل'' کے تحت بغیر ولی کے نکاح کرنے والی عورت کے نکاح باطل ہونے کے متعلق لکھتے ہیں:

''قد اضطر فيه الحنفية فتارة يتجاسدون بالطعن في سنده من غير مطعن ''①

یعنی ''اس حدیث کے بارے میں علمائے حنیفہ بڑے مجبور ہوئے ہیں، کبھی بلا وجہ ہی اس حدیث کی سند پر طعن کی جسارت کرتے ہیں حالانکہ یہ سند قطعی طور پر اسباب طعن سے خالی ہے۔''

اسی طرح مادہ ''قطر'' کے تحت ''توضأ وعليه عمامة قطرية'' کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''وفيه ابقاء العمامة حال الوضوء وهو يرد على كثير من الموسوسين ينزعون عمائمهم عند الوضوء وهو من التعمق المنهى عنه وكل خير في الاتباع وكل شر في الابتداع ''②

یعنی ''اس حدیث میں حالت وضو میں پگڑی سر پر رکھے رہنے کا ثبوت موجود ہے اور اس میں بہت سے ایسے لوگوں کی تردید بھی موجود ہے جو وسواس کا شکار ہیں اور وضو کے وقت اپنی پگڑیوں کو اتار دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا تکلف ہے جس سے منع فرمایا گیا ہے۔ تمام خیر اتباع ہی میں مضمر ہے اور تمام شر بدعت میں ہے۔''

جمود اور تقلیدی غلو سے آزاد ہونے کے باوجود آں رحمہ اللہ بعض مقامات پر فقہ حنفی کے وکیل اور بعض مقامات پر اس دور میں شائع متصوفانہ نظریات کے قائل وحامل بھی نظر آتے ہیں لیکن یہاں ان کی تفصیلات کا بیان کرنا طول محض کا باعث ہوگا۔

گیارہویں صدی ہجری کے بعض علماء اور ان کی علمی خدمات:

گیارہویں صدی ہجری میں شیخ علم اللہ بیجاپوری (۱۰۲۴ھ)، قاضی نصیر الدین برہان

①مجمع بحار الانوار ۱/۹۹۔

②نفس مصدر ۳/۱۵۶۔

پوری رحمہ اللہ (م ۱۰۳۱ھ)، شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ (م ۱۰۳۴ھ، صاحب مکتوبات امام ربانی، درلاثانی، مبداو معاد، ردّ روافض)، شاہ عبدالحق بن سیف الدین دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۰۵۲ھ، صاحب اللمعات شرح مشکوٰۃ بزبان فارسی، التبیان فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفۃ النعمان، رحمہ اللہ اخبار الاخیار، مدارج النبوۃ، جذب القلوب)، خواجہ خاوند معین الدین بن خواجہ خاوند محمود المعروف بحضرت الشان ① (۱۰۵۲ھ)، خواجہ حیدر بن خواجہ فیروز کشمیری ② (م ۱۰۵۶ھ)، شیخ عبدالحلیم بن شمس الدین ③ سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ، صاحب حواشی شرح المواقف، تفسیر بیضاوی، مقدمات التوضیح المطول)، شاہ نورالحق بن عبدالحق دہلوی (م ۱۰۷۳ھ، صاحب تیسیر القاری شرح صحیح البخاری رحمہ اللہ بزبان فارسی، لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ بزبان عربی، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ بزبان فارسی، رسالہ اسناد حدیث و اسماء الرجال)، شیخ خازن الرحمت رحمہ اللہ بن شیخ احمد سرہندی، شیخ محمد سعید رحمہ اللہ (محشی مشکوٰۃ) شیخ سلام اللہ رحمہ اللہ (شارح موطا)، شیخ ہاشم، شیخ رضی الدین علی محمد، شیخ ابوالبرکات ولی الدین ④، شیخ ابوالسیادت کمال الدین ⑤، محمد حیدر دہلوی ⑥، محمد حسین خانی نقشبندی (تلمیذ شاہ عبدالحق محدث دہلوی ⑦) شاہ طیب نصر آبادی اور شیخ ابوالرضا محمد ⑧ (م ۱۱۰۰ھ، تا یا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) وغیرہ کا دور آتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جس میں خالص علوم شریعت کو اعلا پیمانہ پر فروغ نہ مل سکا۔ اگر اس دور میں کسی چیز کی تبلیغ و اشاعت بڑے پیمانے پر ہوئی تو وہ یا تو تصوف تھا یا پھر تصوف و شریعت دونوں کا معجون مرکب۔

ذیل میں اس دور کی چند اہم شخصیات کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

---

①مقالات سید سلیمان ندوی ۲/۳۵.
②رسالہ برہان دھلی مجریہ مارچ ۱۹۵۸ء.
③نفس مصدر، ص ۱۶۱ مجریہ ماہ مارچ، ۱۹۵۴ء.
④نفس مصدر، ص ۱۵۷ مجریہ ماہ مارچ ۱۹۵۴ء.
⑤عجالاً نافعہ مع فوائد جامعہ، ص ۳۹.
⑥رسالہ برہان دھلی ۱۵۸ ماہ مارچ ۱۹۵۴ء.
⑦فوائد جامعہ ص ۳۹.
⑧تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دھلوی، ص ۱۶۳.

قاضی نصیر الدین برہانپوی رحمہ اللہ:

قاضی صاحب ایک مشہور فقیہ و محدث تھے، حدیث نبوی پر کسی کے قول کو ترجیح نہ دیتے تھے چنانچہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ علم اللہ بیجاپوری نے کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے قول سے استدلال کیا تو ان کے داماد قاضی نصیر الدین برہانپوری نے ان کے مقابلہ میں حدیث پیش کی۔ مباحثہ چلتا رہا، شیخ علم اللہ نہ مانے تو قاضی صاحب نے زچ ہو کر فرمایا "ھو رجل وانا رجل" یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی ایک انسان تھے اور میں بھی انسان ہوں۔ اصل شے جو ہم سب کے لئے قابل حجت ہے وہ سنت رسول ہے۔ یہ سن کر شیخ علم اللہ نے انتہائی غصہ کے عالم میں تلوار سونت لی اور اپنے داماد کو قتل کرنے کے ارادہ سے ان کے پیچھے دوڑے۔ قاضی صاحب نے بہ مشکل بھاگ کر ان سے جان بچائی''①

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ:

''شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کے متعلق محی السنہ علامہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی ثم بھوپالی رحمہ اللہ ''ابجد العلوم'' میں فرماتے ہیں:

"قد کان من کبراء المحدثین بالھند۔" یعنی ''ہندوستان کے اکابر محدثین میں سے تھے۔''

مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

''حضرت مجدد نے اپنی تعلیم کی بنیاد اتباع سنت پر رکھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ علم حدیث اور شمائل کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول ہوگئی۔''②

اسی طرح انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی پاکستان کے موسس و امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی مدح میں بیان کرتے ہیں:

''حضرت مجدد رحمہ اللہ کی تجدیدی مساعی کا اصل رخ تصحیح عقائد، رد بدعات، التزام شریعت اور اتباع سنت کی جانب تھا۔ اور اس ضمن میں انہوں نے رائج الوقت علمی ونظری اور اخلاقی وعملی ہر نوع کی گمراہیوں اور ضلالتوں پر بھرپور تنقید کی چنانچہ

---

① مآثر رحیمی بحوالہ فقہائے ہند، ج، ۴ حصہ دوم، ص، ۳۵۴، ۳۸۳.

② مقالات سید سلیمان ندوی ۳/ ۳۷.

تردید شیعیت پر بھی نہ صرف یہ ان کے مکاتیب میں بہت زور ہے بلکہ ''ردّ روافض'' کے عنوان سے ایک مستقل رسالہ بھی انہوں نے تحریر فرمایا۔① الخ''

علامہ اقبال بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی شان میں فرماتے ہیں:

''حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار''

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ، جنہیں نواب صدیق حسن خاں بھوپالی رحمہ اللہ وغیرہ نے ہندوستان کے اکابر محدثین میں شمار کیا ہے، اصلاً ایک صوفی منش آدمی تھے۔ فلسفہ ''وحدۃ الوجود'' کے مقابلے میں نظریہ ''وحدۃ الشہود'' کی تدوین وترویج صوفیاء کے نزدیک ان کا بڑا اہم کارنامہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ان کی شدید مقلدانہ روش انہیں شان محدثیت سے بہت فروتر لا کھڑا کرتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ ان کے مکاتیب میں رد بدعات تصحیح عقائد اور رد روافض پر بھی کافی زور نظر آتا ہے لیکن چونکہ اس دور میں تصوف اور شریعت کے مرکب کو ہی اصل اسلام سمجھا جانے لگا تھا لہٰذا مجدد الف ثانی بھی اپنے آپ کو تصوف کی نظریاتی یلغار سے محفوظ نہ رکھ سکے تھے۔ جن لوگوں نے آپ کے مکاتیب اور مبدأ ومعاد کو بغور دیکھا اور پڑھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ان میں متصوفانہ نظریات کی آمیزش کس قدر ہے۔ نظریہ ''وحدۃ الشہود'' کی ترویج واشاعت کے لئے آپ نے جو کام کیا ہے اس کے پیش نظر ہی راقم نے ان کو صوفیاء کی فہرست میں شمار کیا ہے۔ شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کے متبع ومبلغ سنت بلکہ محدث کبیر ہونے کا دھوکہ دراصل ان کے مکاتیب کی ان بعض عبارتوں سے ہوا ہے جن میں مذکور ہے:

''کلام محمد عربی علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار است نہ کلام محی الدین ابن عربی وصدر الدین قونیوی وعبدالرزاق کاشی۔ مارا بہ نص کار است نہ بفص، فتوحات

① ماہنامہ حکمت قرآن لاہور، ج ۶، عدد ۳، ص ۴۴.

مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است۔''①

یعنی ''ہمیں محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد درکار ہے، محی الدین ابن عربی، صدر الدین قونیوی اور عبدالرزاق کاشی وغیرہ کا کلام نہیں۔ ہم کو شرعی نص سے سروکار ہے نہ کہ ''فصوص الحکم'' سے کہ فتوحات مدینہ نے ہمیں ''فتوحات مکیہ'' سے مستغنی کر دیا ہے۔''

اسی طرح خواجہ محمد ہاشم کشمیریؒ، مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب شیخ احمد سرہندی سے خود فریضہ امامت انجام دینے کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے جواب دیا:

''شافعیہ اور مالکیہ رحمہم اللہ کے نزدیک سورہ فاتحہ کے بغیر نماز درست نہیں ہے لہٰذا وہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے ہیں اور صحیح احادیث بھی اس پر دلالت کناں ہیں لیکن ہمارے امام، امام ابوحنیفہ امام کی فاتحہ کو مقتدی کی فاتحہ قرار دیتے ہیں اور امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے اور جمہوری فقہائے حنفیہ بھی اس پر عمل کرتے ہیں مگر احناف سے بعض مرجوحہ روایات فاتحہ خلف الامام کے جواز کے متعلق بھی موجود ہیں تاہم جہاں ہمارا تعلق ہے ہم ممکن حد تک تمام مذاہب فقہیہ میں عملی تطابق کی کوشش کرتے ہیں اس لیے اس معاملے میں ہمارے نزدیک جمع وتطابق کی یہی صورت ہے کہ خود فریضہ امامت انجام دیں۔''②

آگے چل کر خواجہ محمد ہاشم بصراحت فرماتے ہیں کہ:

''وفاتحہ خلف الامام ہمی خواند وآں را مستحسن شمردند''③

یعنی ''آپ فاتحہ خلف الامام پڑھتے تھے اور اسے مستحسن شمار کرتے تھے۔''

لیکن ہمیں ان شہادتوں کو قبول کرنے میں قدرے تأمل ہے جس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ کسی

① مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی دفتر اول ص ۲۰۵، رقم مکتوب، ص ۱۰۰ بنام ملا حسن کاشمیری.
② زبدۃ المقامات ص۔ ۱۹۷، ۱۹۸, ۳۹۰، فقہائے ہند مؤلفہ محمد اسحاق، بھٹی ج ۴ حصہ اول۔ ص ۱۱۱۔ ۱۱۲، تاریخ دعوت وعزیمت ۴/ ۱۷۶ بحوالہ "حضرات القدس" للمولوی بدر الدین سرہندی.
③ زبدۃ المقامات ص ۲۰۹.

صاحب قلم کے مجموعہ مکاتیب کو دنیائے تحقیق میں باعتبار صحت وہ مقام حاصل نہیں ہوتا جو کہ اس کی اپنی کسی مستقل تصنیف کو ہوتا ہے۔ کیونکہ مکاتیب کا وہ مجموعہ اس کا اپنا جمع کردہ نہیں بلکہ کسی دوسرے عقیدت مند کی مساعی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی مجموعہ مکاتیب میں جمع شدہ جملہ مکاتیب کی صحت پر صدفی صد اطمینان نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اسی صاحب قلم کی تحریر ہے۔

اس میں ایک دوسری بڑی خامی یہ ہوتی ہے کہ مکاتب کا وہ دفتر اس صاحب قلم کی تہذیب ونظر ثانی سے محروم رہنے کے باعث ظاہری حسن تحریر سے بھی خالی رہتا ہے، چنانچہ اس کے بعد ترتیب دیئے جانے والے اس مجموعہ کو اس کی فکر کا محور وترجمان قرار دینا سراسر بے انصافی کی بات ہے، بالخصوص اس حالت میں جبکہ خود اس صاحب قلم کی اپنی کسی مستقل تصنیف میں مکاتیب میں پیش کیے گئے مواد کے خلاف مواد موجود ہو۔

جہاں تک فاتحہ خلف الامام کے قائل ہونے کے متعلق خواجہ محمد ہاشم وغیرہ کی شہادت سے شیخ احمد سرہندی کے متبع سنت ہونے کا نتیجہ اخذ کرنے کا سوال ہے تو یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ صرف اس ایک یا دو چار سنت نبوی پر عمل کر لینا ہی متبع ومبلغ سنت یا محدث کبیر کہلانے کے لئے کافی نہیں، پھر کتنے ہی صوفیاء گزرے ہیں جنہوں نے فاتحہ خلف الامام کو جائز سمجھا ہے۔ اگر صرف ایک فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ کو ہی اتباع وتبلیغ سنت یا محدث ہونے کا معیار سمجھا جائے تو شیخ محمد بن احمد بدایونی ثم دہلوی (المعروف بہ نظام الدین ① اولیاء، سلطان المشائخ و سلطان الاولیاء)، شیخ حسین بن احمد بخاری

---

① سید عبدالحی فرماتے ہیں: "انه کان حنفیا ولکنه کان یجوز القرآن بالفاتحة خلف الامام وکان یقرؤها فی نفسه۔" (نزہۃ الخواطر) یعنی ''وہ حنفی تھے مگر فاتحہ خلف الامام کو جائز سمجھتے تھے اور اسے اپنے دل میں پڑھتے تھے۔''۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؔ فرماتے ہیں: ''مشہور بات ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء حدیث ہی سے متاثر ہو کر باوجود سخت حنفی ہونے کے قرأت خلف الامام کرتے تھے''۔

امیٹھی اودھ کے ایک مرکزی بزرگ صوفی شیخ فیاض بدایونیؔ نے ان کے متعلق بھی لکھا ہے:

''بجنسہ یہی بات ہندی تصوف کے دوسرے رکن رکین حضرت مخدوم الملک شاہ شرف الدین یحییٰ منیری رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ بھی حدیث ہی کے زیر اثر فاتحہ امام کے پیچھے پڑھتے تھے۔'' (پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت ۱/۱۳۵) "فوائد الفواد" میں مذکور ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء عالم حنفی مسلک کے خلاف غائبانہ نماز جنازہ کے بھی قائل تھے۔ (فوائد الفواد مترجم، بیسویں مجلس ص ۲۹۱) لیکن حنفیہ کے ان چند فقہی مسائل سے اختلاف کرنا خواجہ موصوف کے متبع سنت یا محدث ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا۔

(المعروف بہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت ①)، شیخ فیاض امیٹھوی، مخدوم الملک شاہ شرف الدین یحییٰ منیری، شاہ عبدالرحیم ② (والد شاہ ولی اللہ دہلوی) اور شیخ عبدالباقی نقشبندی ① وغیرہ تمام صوفیاء کو صوفی نہیں بلکہ متبع و مبلغ سنت بلکہ ''محدث کبیر'' قرار دینا پڑے گا کہ یہ تمام حضرات بھی فاتحہ خلف الامام کو جائز سمجھتے تھے۔

ان صوفیاء کے علاوہ کبار فقہاء و علمائے حنفیہ میں سے امام محمد، احمد بن حفص المعروف ابو حفص کبیر، عبدالرحیم المعروف بشیخ التسلیم، شیخ نظام الدین الہروی، رکن الدین، علی السندی، ابو منصور ماتریدی (نے التفسیر میں) قاضی الدبوسی (الاسرار میں) ابو بکر الرازی (نے شرح مختصر الطحاوی میں) ملا علی قاری (نے مرقاۃ ۳/۱۰۳ میں)، بدر الدین عینی (نے عمدۃ القاری ۶/۱۱ اور البنایہ شرح ہدایہ ۱/۱۲۷ میں) ملا جیون (نے تفسیر احمدی، ص، ۲۷۴ مطبوعہ کریمی بمبئی میں)، ابن ہمام (نے فتح الخطاء شرح الموطا قلمی ورق ص ۴۰ میں)، شاہ ولی اللہ (نے حجۃ اللہ البالغہ ۲/۹ میں)، شاہ عبدالعزیز دہلوی (نے اپنے فتویٰ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱۳۴۷ھ میں)، شاہ اسماعیل شہید (نے تنویر العینین، ص ۲۹ میں)، انور شاہ کشمیری (نے فصل الخطاب مع الکتاب المستطاب، ص ۲۹۸ اور العرف الشذی، ص ۱۴۷ میں)، شیخ احمد جونپوری (ترجمہ در نزہۃ الخواطر ۶/۲۷۲)، شیخ احمد امیٹھوی (نفس مصدر ۴/۳۱۔۳۲)، شیخ محمد رشید جونپوری (نفس مصدر ۵/۳۶۹) شیخ حسن عجمی (مسک الختام ۱/۳۸۱)، مرزا احسن علی لکھنوی (نفس مصدر ۱/۲۱۹)۔

مولانا عبدالحیٰ لکھنوی (نے السعایہ ۲/۳۰۲، غیث الغمام ص ۲۱۵، امام الکلام ص ۲۱۵ اور التعلیق الممجد ص ۹۹، میں) مولانا نور محمد ملتانی (نے تذکرۃ المنہتی فی رد اسکات المعتدی میں) اسی طرح الافادات علی رد الاسکات، التنبیہات علی ھفوات الاسکات اور الایماضات

---

① شیخ عبدالحیٰ وغیرہ نے مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے متعلق لکھا ہے:
''کان یجوز القرأۃ خلف الامام'' (نزہۃ الخواطر ۲/۲۹ وکذا فی الدر المنظوم) فی احوال الشیخ حسین بن احمد المخدوم) ۲/۲۶۶۔۲۶۷) یعنی وہ فاتحہ خلف الامام کو جائز سمجھتے تھے۔''

② شاہ عبدالرحیم کے متعلق ان کے گھر کی شہادت کے طور پر شاہ ولی اللہ کا یہ قول پیش ہے: ''در اقتداء سورہ فاتحہ می خواند ندو در جنازہ نیز۔'' (انفاس العارفین ص ۶۹) یعنی ''امام کی اقتداء میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اور نماز جنازہ میں بھی۔''
ملاحظہ ہو: نزہۃ الخواطر ۵/۱۹۹، تاریخ دعوت و عزیمت ۴/۱۴۶۔

علی اغلاط مصنف الاسکات لملا شعیب کابلی وغیرہ میں بھی فاتحہ خلف الامام کا جواز واستحسان بیان کیا گیا ہے۔ تو کیا ان حضرات کو بھی محض اس سنت کے قائل ہونے کی بناء پر مقلدین کے بجائے متبعین سنت یا محدث قرار دیا جا سکتا ہے؟

اب ذیل میں ہم شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کے فاتحہ خلف الامام کے قائل ہونے کے دعویٰ کی حقیقت اور اس سلسلہ میں پیش کی گئی شہادتوں کا تجزیہ پیش کریں گے:

ہمارا دعویٰ ہے کہ شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے اور نہ ہی اسے مستحسن سمجھتے تھے کیونکہ پیش کردہ شہادت کو بغور دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آں موصوف کو اس بارے میں وارد صحیح احادیث کا اعتراف ہونے کے باوجود ان پر عمل کرنا گوارا نہ تھا، ورنہ کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ وہ مقتدی کے بجائے ہمیشہ امام بننے کو ترجیح دیا کرتے تھے کہ امام بننے کی صورت میں فاتحہ الامام کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی۔ معاف فرمایئے! راقم کے نزدیک تو یہ ترک سنت کا ہی ایک حیلہ ہوا کہ نہ کبھی مقتدی بنیں گے اور نہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنی پڑے گی۔ اگر شیخ موصوف کو اس سنت نبوی سے محبت ہوتی یا آپ اس کی اتباع کے شیدائی ہوتے تو امامت کے بجائے مقتدی بننے کو ہی ترجیح دیتے تا کہ امام کے پیچھے اس سنت رسول پر عمل پیرا ہوسکیں، لیکن یہاں تو معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ پھر شیخ موصوف کا اپنے مقتدیوں میں سے کسی کو اپنے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی تلقین کرنا بھی منقول نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اتباع واحیاء سنت کے مقابلہ میں شیخ موصوف کو حنفیت کی آن کی زیادہ فکر لاحق تھی، واللہ اعلم۔

جہاں تک اس سلسلہ میں پیش کردہ دوسری شہادت کا تعلق ہے۔ تو وہ بھی ہمارے نزدیک نا قابل قبول ہے کیونکہ اول الذکر شہادت میں خواجہ صاحب نے شیخ موصوف کے متعلق فاتحہ خلف الامام سے بچنے کا یہ طریقہ بیان کیا ہے کہ وہ خود امامت فرمایا کرتے تھے جبکہ دوسری شہادت میں شیخ موصوف کا امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا اور اسے مستحسن شمار کرنا بیان کیا گیا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب شیخ موصوف قصداً وعمداً خود امامت فرمایا کرتے تھے تو امام کے پیچھے انہیں فاتحہ پڑھنے کی حاجت کیسے پیش آسکتی ہے؟ یہ تضاد نہیں تو اور کیا ہے؟

اگر بعض مکاتیب کی بنیاد پر دوسرے اور تیسرے درجہ کی ان شہادتوں کو تسلیم کر لیا جائے اور محض اسی ایک یا چند دوسرے مسائل میں سنت نبوی کی اتباع کے باعث شیخ موصوف کو محدث مان بھی لیا

جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ ان کی اپنی خود نوشت اور مستقل تصانیف کے مندرجہ ذیل اقتباسات کی کیا توجیہ پیش کی جا سکتی ہے؟

''اس فقیر کو بھی اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے سے بعض اوقات یہ حالت پیش آئی ہے اور میں نے ملائکہ کو عین سجود کی حالت میں پایا ہے جو وہ حضرت آدم علیہ السلام کو کر رہے تھے کہ اب تک انہوں نے سجدہ سے سر بھی نہیں اٹھایا تھا اور ملائکہ علیین کو جنہیں سجدہ کا حکم نہیں دیا گیا تھا ان سجدہ کرنے والے فرشتوں سے الگ دیکھا کہ وہ اپنے مشہود میں فنا و غرق ہیں اور وہ تمام حالات جن کا آخرت میں وعدہ فرمایا گیا ہے وہ سب اسی آن میں دکھائی دیئے چونکہ اس واقعہ پر ایک مدت گزر گئی ہے اس لئے میں نے احوال آخرت کی تفصیل بیان نہیں کی کیونکہ مجھے اپنے حافظ پر اعتماد نہیں رہا ہے۔''①

ان سطور میں چند قابل غور نکات یہ ہیں:

(۱) ملائکہ کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا مشاہدہ ظاہر ہے کہ صرف وہی شخص کر سکتا ہے کہ جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل موجود ہو، تو کیا یہ مان لیا جائے کہ شیخ موصوف حضرت آدم علیہ السلام سے قبل بھی موجود تھے؟ ایسی صورت میں ان کا بنی آدم نہ ہونا لازم آئے گا۔ اگر وہ بنی آدم ہی تھے تو کیا مان لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے نعوذ باللہ حضرت آدم کو ملائکہ کے سجدہ کرنے والے واقعہ کی کوئی فلم تیار کر رکھی تھی جو بعد میں شیخ موصوف کو دکھائی گئی تھی۔

(۲) اگر نہ شیخ موصوف حضرت آدم علیہ السلام سے قبل موجود تھے اور نہ اللہ عزوجل نے واقعہ مذکورہ کی کوئی فلم تیار کر رکھی تھی تو صرف یہ امکان باقی رہ جاتا ہے کہ ملائکہ تخلیق آدم کے زمانہ سے شیخ احمد سرہندی کے زمانہ تک سجدہ کی حالت ہی میں پڑے رہے ہوں۔ اگر اس بات کو درست مان لیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ حضرت جبریل علیہ السلام حالت سجدہ میں ہونے کے باوجود انبیاء تک وحی الٰہی کیسے لاتے رہے؟ ملک الموت علیہ السلام حالت سجدہ میں تمام ذی روح کی ارواح کس طرح قبض کرتے رہے؟ اور میکائیل علیہ السلام حالت سجدہ میں اپنی ذمہ داری کس طرح انجام دیتے رہے؟ وعلیٰ ہذا

① مبدا و معاد مصنفہ احمد سرہندی ترجمہ مولانا زواری، ص ۱۸۸۔۱۸۹

القیاس۔

(۳) قرآن بتاتا ہے کہ ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ﴾ ① یعنی ''پس سجدہ کیا فرشتوں نے اور سب کے سب نے''، لیکن شیخ سرہندی قرآن کو جھٹلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سب فرشتوں نے سجدہ نہ کیا تھا بلکہ علیین والے فرشتے ساجدین میں شامل نہ تھے، فنعوذ باللہ۔

شیخ موصوف کا صرف یہ اقتباس ہی انہیں وحدت الشہود اور فنا فی اللہ کا علمبردار ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ جو حضرات شیخ احمد سرہندی کو ان کے بعض مکاتیب کی روشنی میں موحد و محدث ثابت کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے دعوت فکر کے طور پر شیخ موصوف کے مکاتیب سے ہی ایک اور اقتباس پیش کرتا ہوں جس سے ان کے محدث ہونے کی حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔ فرماتے ہیں:

''وزمین وزمان را بطفیل او خلق فرمودہ است کما ورد باید دانست کہ خلق محمدی دررنگ خلق سائر افراد انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردے از افراد عالم مناسبت ندارد کہ او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود نشاء عنصری از نور حق جل وعلا مخلوق گشتہ است کما قال علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام خلقت من ② نور اللہ ودیگران را این دولت میسر نشدہ است ③۔''

یعنی ''اور زمین و آسمان کو انہی کے طفیل پیدا فرمایا ہے۔ کما ورد۔ جاننا چاہئے کہ پیدائش محمدی ﷺ تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی کیونکہ آنحضرت ﷺ باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: خلقت من نور اللہ یعنی میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوا ہوں اور دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں آئی۔''

---

① سورۃ الحجر۔ ۳۰، سورہ ص۔ ۷۳۔

② اس حدیث کے بطلان کے لئے راقم کے مضمون ''حقیقت محمدیہ اور نور محمدی کی حقیقت'' مطبوعہ در مجلہ ''محدث'' لاہور، ج ۱۸ عدد ۳۔۶ مجریہ ماہ نومبر ۱۹۸۷ء تا فروری ۱۹۸۸ء نیز ''مجموعہ مقالات عزیزی'' ۱/ ۳۱۰ (مخطوط) کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

③ مکتوبات امام ربانی دفتر سوم حصہ نہم مکتوب ۱۰۰، ص ۷۴۔۷۵۔

شیخ احمد سرہندی کی مقلدانہ شدت کے متعلق ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی یہ شہادت بھی ہدیۂ قارئین ہے:

''بایں ہمہ حضرت مجدد کے یہاں بھی حنفیت میں غلو اسی شدت کے ساتھ موجود ہے جو مسلم انڈیا کی پوری تاریخ کا جز ولاینفک ہے۔''①

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ:

اسی دور کی ایک اور اہم شخصیت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ سرزمین ہند میں علم حدیث نبوی کا پودا لگانے کی خدمت حضرت محدث نے سرانجام دی تھی، چنانچہ مسلک اہل حدیث کے سرخیل نواب صدیق حسن خاں بھوپالی فرماتے ہیں:

''یہ جان لو کہ جب مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کیا اس وقت یہاں علم حدیث موجود نہ تھا بلکہ کبریت احمر کی طرح پردیسی اور عنقاء کی طرح ناپید تھا۔ اکثر مسلمان علوم قرآن وسنت کے ساتھ اعراض وتغافل برتتے اور قدیم زمانہ کے فنون فلسفہ نیز حکمت یونان کو فروغ دیتے تھے، البتہ کچھ فقہ کا درس دینے والے ضرور موجود تھے، چنانچہ اس دور تک آپ ان کو علوم شریفہ سے قطعاً عاری پائیں گے۔ آج بھی ان کا زیور تحقیق کے بجائے تقلید کے طریقہ پر یہی فقہ حنفی ہے، الا ماشاء اللہ تعالیٰ۔
اسی باعث یہ فقہی تقلید ایک نسل کے بعد اگلی نسلوں تک وراثت کے طور پر منتقل ہوتی رہی۔ اور فتاویٰ وروایات کی بہتات ہوگئی، جن پر تقلیدی اعتبار سے محکم نصوص کو چھوڑتے ہوئے عمل کیا جاتا تھا۔ سید البریات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن پردیسی ہوگئی تھی۔ تعلیم فقہ کو حدیث کے اوپر ترجیح دی گئی، اور مجتہدات کی تطبیق سنن کے ساتھ کی جانے لگی اور اس پر ایک زمانہ بیت گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس علم کو فروغ دینے کے لئے شیخ عبدالحق بن سیف الدین الترک الدہلوی م ۱۰۵۲ء وغیرہ کو مفوض کیا گیا۔ آپ وہ پہلے شخص تھے جو اس علاقہ میں آئے اور اپنے مکان کو اچھی طرح مسند درس بنایا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے شیخ نورالحق م ۱۰۷۳ھ اور ان کے

① ماہنامہ حکمت قرآن لاہور، ج، ع ۶، عدد، ع ۲، ص ۴۶۔

کچھ تلامذہ ...... پھر ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے شیخ الاجل، محدث الاکمل، ناطق وحکیم وقت، اس طبقہ کے افق وزعیم شیخ ولی اللہ بن عبد الرحیم الدھلوی م ۱۱۷۶ء کو بھیجا پھر ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو اس علم کی نشر واشاعت کے لئے مقرر فرمایا جن کے ذریعہ دور بھگایا ہوا علم حدیث مرغوب چیز بن کر لوٹا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے علوم سے بہت سے مومنوں کو نفع بخشا شرک وبدعات اور دین میں محدثات الامور کے فتنوں کی تردید میں ان کی مساعی کو مشکور فرمایا۔ پھر ان سے مستفید ہونے والے علماء نے علم سنت کو دوسرے علوم پر ترجیح دینا شروع کیا اور فقہ کو اس کا تابع محکوم بنا دیا۔'' الخ ①

مولانا آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

''حج سے واپسی کے بعد ۵۲ برس تک استقلال ودلجمعی کے ساتھ درس وتدریس کے مشغلہ میں منہمک رہے، اپنے فرزندوں اور دوسرے طلباء کو پڑھاتے۔ علوم وفنون بالخصوص حدیث کی ترویج واشاعت کا کام انجام دیتے رہے۔ انہوں نے تعلیم وتدریس کا نیا انداز اور ایسا نہج اختیار کیا جس کو ممالک عجم کے متقدمین ومتأخرین علماء نے کبھی ہاتھ نہیں لگایا تھا اور ان کا طریقہ درس امتیازی خصوصیات کا حامل تھا اور مدرسہ عام مدرسوں سے ممتاز ومستثنیٰ تھا۔'' ②

مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں:

''اکبر کے آخری عہد میں وہ بزرگ ہستی نمایاں ہوئی جس نے عہد جہانگیری میں اپنی جہانگیری کا سکہ بٹھا دیا اور جس نے دہلی کے شاہی دار السلطنت کو ہمیشہ کے لئے علوم دین کا دار السلطنت بنا دیا۔'' ③

پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ جنہوں نے اپنی عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ ہندوستانی صوفیاء کے حالات پر تحقیق وتألیف میں گزارا ہے، فرماتے ہیں:

---

① الحطة للنواب صدیق حسن خان، ص ۷۰۔
② مآثر الکرام ۲۱۰/۱۔
③ مقالات سید سلیمان ندوی ۲۳/۲۔

''علوم دینی جن پر عرصہ سے مردنی چھائی ہوئی تھی اس کی مسیحائی سے جلا پا گئے۔ کتاب وسنت کی روشنی میں دعوت واصلاح کا ایک نیا دور شروع ہوا۔خود اس نے اپنی زندگی کا واحد مقصد احیاء علوم دین اور ترویج شریعت کو قرار دیا۔''①

پروفیسر موصوف مزید فرماتے ہیں:

''شیخ محدث کا یہ دارالعلوم اس طوفانی دور میں شریعت اسلام اور سنت نبوی کی سب سے بڑی پشت پناہ تھا۔ مذہبی گمراہیوں کے بادل چاروں طرف منڈلائے، مخالف طاقتیں بار بار اس دارالعلوم کے بام و در سے آ کر ٹکرائیں لیکن شیخ محدث کے پائے ثبات میں ذرا بھی جنبش پیدا نہیں ہوئی۔ ان کے عزم واستقلال نے وہ کام انجام دیا جو ان حالات میں ناممکن نظر آتا ہے۔''②

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھی شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی دینی خدمات کے سلسلہ میں ان سب حضرات کے ہم خیال نظر آتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''اور واقعہ یہ ہے کہ یہی حضرت محدث کی اصل خدمت (Contribution) ہے کہ انہوں نے علم حدیث کا پودا سرزمین ہند میں لگایا اور حدیث رسول کی باقاعدہ درس وتدریس کا بھی آغاز کیا اور اس کے متعلق تصنیف وتالیف کا بھی۔''③

یہ سب درست ہے کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے ہندوستان میں کئی صدیوں بعد علم حدیث کی باقاعدہ تعلیم وتدریس اور اس سلسلہ میں تصنیفات کی داغ بیل ڈالی تھی مگر اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آں رحمہ اللہ مجتہد نہیں بلکہ ایک مقلد اور صوفی بزرگ تھے۔''**البیان فی أدلة مذهب الامام ابی حنیفه النعمان**'' آپ کی مقلدانہ ذہنیت کی عکاس اور ''مدارج النبوۃ'' نیز ''اخبار الاخیار'' آپ کے متصوفانہ افکار کی شاہکار تصانیف ہیں۔شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی صوفیانہ تعلیم وتربیت کے متعلق خود تحریر فرماتے ہیں:

---

① حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۴.
② حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۶.
③ ماہنامہ حکمت قرآن لاہور جلد، ع ۶۔عدد ۲، ص ۴۶.

''میں جس وقت حرمین شریفین کی زیارت کے مقصد سے اس دیار (گجرات) میں پہنچا تو یہاں مجھے شیخ وجیہ الدین سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور میں نے ان سے سلسلہ عالیہ قادریہ کے کچھ اشغال داذکار سیکھے۔''①

اور پروفیسر خلیق احمد نظامی جو شاہ عبدالحق صاحب کو ایک محدث سے زیادہ صوفی سمجھتے ہیں لکھتے ہیں:

''تمام کتب احادیث اور سارے علوم دینیہ (حجاز کے) علماء کرام سے حاصل کئے، خصوصاً حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی سے ذکر وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اور ان کی خدمت سے بہت سی نعمتیں حاصل کیں اور حصول انوار و برکات وترقی درجات اور علوم دینی کی نشر و اشاعت میں استقامت کے متعلق بہت سی بشارتیں سننے کے بعد بندہ وطن مالوف کو واپس ہوا۔''②

آپ کے صوفی اور مقلد ہونے کا اعتراف ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بایں الفاظ کیا ہے:

''چنانچہ وہ صوفی بھی تھے اور خواجہ باقی باللہ ہی کے مرید بھی، لیکن اس کے باوجود کہ انہیں بھی وحدت الوجود سے بعد تھا (مگر) وہ اس کی تردید میں اس درجہ سرگرم نظر نہیں آتے۔ اسی طرح وہ حنفی بھی تھے لیکن متشدد نہیں بلکہ فقہ حنفی کا رشتہ حدیث رسول کے ساتھ جوڑنے کی سعی اولاً انہی سے شروع ہوئی۔ الخ③''

لیکن راقم کو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اس رائے سے اختلاف ہے کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کو ''وحدت الوجود'' سے بعد تھا، یا یہ کہ وہ متشدد حنفی نہ تھے۔ شاہ صاحب کے وجودی نظریات پر تو بحث آگے پیش کی جائے گی، فی الحال ''فقہ حنفی کا رشتہ حدیث رسول کے ساتھ جوڑنے کی سعی'' کی ابتداء کے خوشنما الفاظ کی حقیقت جان لیں۔ بقول مولانا عبیداللہ سندھی، شاہ عبدالحق صاحب جن احادیث نبوی کو فقہ حنفی کے خلاف پاتے تھے ان کی تاویل کی راہ اختیار کرتے تھے، آپ کے الفاظ میں:

''اننا قرأنا أولاً الفقه الحنفي أصولاً وفروعاً ثم اشتغلنا بالصحاح الستة من

---

① اخبار الاخیار، ص ۱۵۳.

② حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۱۰.

③ ماہنامہ حکمت قرآن لاہور ج، ع ۶، عدد، ع ۲، ص ۴۶.

كتب الحديث فوجدنا فيها روايات كثيرة تخالف فقهنا الذى قرأناه فرأينا الفقهاء المحدثين من الحنفية مختلفين فى أمر ذلک، طائفة منهم تؤول الأحاديث الصحيحة الى أقوال الفقهاء وآراء امامهم، منهم فى بلادنا الشيخ عبدالحق الدهلوى المحدث بل وعامة أهل بلادنا۔''①

یعنی ''ہم نے پہلے اصولاً وفروعاً فقہ کو پڑھا پھر کتب حدیث میں صحاح ستہ سے اشتغال کیا۔ پس ہم نے اس میں بہت سی روایات کو اپنے فقہ کہ جسے ہم نے پڑھا تھا کے خلاف پایا۔ پس ہم نے حنفیہ میں سے فقہائے محدثین کو بھی اس بارے میں مختلف دیکھا۔ ان میں سے ایک جماعت احادیث صحیحہ کی فقہاء کے اقوال اور اپنے امام کی آراء کے مطابق تاویل کرتی ہے۔''

ان (حنفی فقہائے محدثین) میں سے ہمارے ملک میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں بلکہ ہمارے ملک کی عام اکثریت بھی اسی بات کی قائل ہے۔''

شاہ صاحب کی مقلدیت کی شدت کا اندازہ ان کی مندرجہ ذیل تحریر سے بھی بخوبی ہوسکتا ہے، فرماتے ہیں:

''وایں سخن نافع ومفید است درغرض از شرح ایں کتاب کہ اثبات وتائید مذاہب ائمہ مجتہدین است خصوصاً مذہب حنفی وغرض شیخ ابن ہمام نیز ہمیں است۔''②

یعنی ''اس کتاب (سفر السعادۃ للفیروزآبادی) کی شرح کی غرض کے بارے میں یہ بات نفع بخش اور مفید ہے کہ (اس شرح سے) ائمہ مجتہدین کے مذاہب بالخصوص مذہب حنفی کی تائید واثبات مقصود ہے اور یہی شیخ ابن ہمام کی غرض بھی ہے۔''

کیا اب بھی کوئی شخص یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ شاہ عبدالحق صاحب راہ اعتدال پر تھے؟

اب ذیل میں شاہ صاحب کی تصانیف سے ان کے صوفیانہ عقائد کے شواہد پیش خدمت ہیں، فرماتے ہیں:

---

①الهام الرحمن فى تفسير القرآن، ص ۱۲۹ .

②شرح سفر السعادة، ص ۱۵ .

''حضور کی شان اولیت :۔ اب رہا یہ امر کہ حضور اکرم ﷺ کا اسم صفت ''اول'' کیسے ہے؟ تو یہ اولیت اسی بناء پر ہے کہ آپ کی تخلیق موجودات میں سب سے اول ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے: ''اول ما خلق الله نوری'' اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو وجود بخشا۔

نمبر ۲: یہ کہ آپ مرتبہ نبوت میں بھی اول ہیں چنانچہ حدیث پاک میں ہے: ''کنت نبیا وان آدم لمنجدل فی طینته'' (میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم اپنے خمیر میں ہی تھے۔①

اور ''ہر شے کے جاننے والے: ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (وہی ہر شے کو جاننے والا) کا ارشاد بلاشبہ حضور اکرم ﷺ ہی کے لئے ہے کیوں کہ ﴿فَوْقَ كُلُّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾ (ہر صاحب علم کے اوپر اور زیادہ جاننے والا ہے) کی صفات آپ ہی میں موجود ہیں ''علیه من الصلوات افضلها ومن التحیات أتمها وأکملها۔''②

اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے من گھڑت فضائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نقل است کہ چوں وی متولد شد در نہار رمضان از پستان مادر شیر نمی خورد و در مردم شہرت گروید کہ در خانہ بعضے از اشراف پسری متولد شدہ است کہ در روز رمضان شیر نمی خورد۔''③

یعنی ''روایت ہے کہ آپ پیدائش کے بعد ماہ رمضان میں دن کے وقت اپنی والدہ کا دودھ نہیں پیتے تھے حتی کہ سب میں مشہور ہو گیا کہ بعض اشراف کے گھر میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا۔''

پھر شیخ جیلانی کے لڑکپن کے زمانہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''نقل است کہ از آں حضرت پرسیدند از کجا باز شناختی تو خود را کہ ولی خدائی فرمود کہ وہ سالہ بودم کہ از خانہ بسوی مکتب می برآمد و در راہ فرشتگان می دیدم کہ گرد

---

①خود نوشت مقدمہ مدارج النبوۃ، ص ۲.

②نفس مصدر، ص ۲.

③اخبار الاخیار، ص ۱۶.

اگر د من می رفتند و چوں بمکتب می رسیدم می شنیدم کہ صبیان را می گفتند فراخ کنید جای را بر ولی خدا۔''①

یعنی ''منقول ہے کہ شیخ عبدالقادر سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ ولی ہیں، فرمایا کہ دس سال کی عمر تھی جب میں مدرسہ جاتا تو راستہ میں فرشتوں کو اپنے اردگرد چلتے ہوئے دیکھتا اور جب مدرسہ پہنچ جاتا تو فرشتوں کو یہ بات بچوں سے کہتے ہوئے سنتا کہ اے بچو اللہ کے ولی کے لئے جگہ کشادہ کردو۔''

جب شیخ عبدالقادر جیلانی وعظ فرمانے لگے تو ان کی مجالس وعظ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فرمودہ اند کہ جمیع اولیاء وانبیاء احیاء باجساد واموات بارواح وجن وملائکہ در مجلس او حاضر می شدند وحضرت حبیب رب العالمین ﷺ وآلہ اجمعین نیز از برائے تربیت وتائید بجلی می فردند وخضر علیہ السلام اکثر اوقات از حاضران مجلس شریف می بود واز مشائخ عصر ہر کہ را ملاقات می کرد وصیت می نمود بملازمت مجلس شریف او ومی فرمود من اراد الفلاح فعلیہ بملازمۃ ہذا المجلس۔''②

یعنی ''فرمایا گیا ہے کہ آپ کی مجلس وعظ میں تمام اولیاء وانبیاء جو زندہ تھے وہ اپنے جسموں کے ساتھ اور جو زندہ نہ تھے وہ اپنی روحوں کے ساتھ موجود ہوتے تھے۔ اسی طرح آپ کی تربیت وتائید کے لئے حضور اکرم ﷺ بھی تجلی فرماتے تھے۔ علیٰ ہٰذا اکثر اوقات خضر علیہ السلام بھی آپ کی مجلس میں آتے تھے اور خضر علیہ السلام کی جس ولی سے بھی ملاقات ہوتی وہ اسے آپ کی مجلس میں حاضر باشی کی نصیحت فرماتے۔''

کیا ان جیسی بے شمار ہفوات کی موجودگی میں بھی شاہ عبدالحق دہلوی کو ایک بلند پایہ ''وجودی صوفی'' کے بجائے ''محدث'' قرار دیا جاسکتا ہے؟

بارہویں صدی ہجری کے علماء اور ان کی علمی خدمات:

بارہویں صدی ہجری میں شاہ عبدالرحیم (م ۱۱۳۱ھ) والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایک بلند

① اخبار الاخیار، ص ۱۶۔ ② نفس مصدر، ص ۱۳۔

پایہ صوفی تھے)، علامہ نور الدین ابو الحسن محمد بن عبد الہادی السندی (م ۱۱۳۹ھ، صاحب حواشی علی البیضاوی و مسند احمد و صحیح البخاری و صحیح المسلم و سنن النسائی و سنن ابن ماجہ و جامع الترمذی و فتح القدیر و الجلالین و الاذکار النبویہ و شرح النخبۃ و شرح الھدایہ و کتاب الوجازۃ فی الاجازۃ لکتب الحدیث)، شیخ محمد ابو الطیب السندی (م ۱۱۴۰ھ، صاحب حواشی علی الاصول الستۃ)۔

شیخ نور الدین احمد آبادی (م ۱۱۵۵ھ، صاحب نور القاری شرح صحیح بخاری)، شیخ نظام الدین انصاری سہالوی (م ۱۱۶۱ھ، موجد نصاب تعلیم درس نظامیہ) شیخ محمد حیات بن ابراہیم السندی (م ۱۱۶۳ھ، صاحب اعفاء اللحی، الایقاف علی سبب الاختلاف، تحفۃ الانام فی العمل بحدیث النبی علیہ الصلوٰۃ و السلام، فتح الغفور فی وضع الایدی فی الصلوٰۃ علی الصدور)، سید محمد فاخر زائر الہ آبادی (م ۱۱۶۴ھ، تلمیذ شیخ محمد حیات السندی، صاحب نور السنۃ، قرۃ العینین در اثبات سنیت رفع الیدین)۔

شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ، صاحب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین، حجۃ اللہ البالغہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، فیوض الحرمین) البلاغ المبین، المسویٰ شرح موطا بزبان عربی، المصفی شرح مؤطا بزبان فارسی، عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن، القول الجمیل، ہمعات، اطیب النغم، چہل حدیث، المقالۃ الوصیۃ فی النصیحۃ و الوصیۃ، الجزء اللطیف، الطاف القدس، تفہیمات الٰہیہ، الخیر الکثیر، شرح تراجم ابواب صحیح البخاری، البدر البازغہ، فتح الخبیر بما لا بدمن حفظہ فی علم التفسیر، تأویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء، الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین، انسان العین فی مشائخ الحرمین، فیصلہ وحدت الوجود و الشہود، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ اور انفاس العارفین)۔

شیخ ہاشم بن عبد الغفور السندی (صاحب فاکہۃ البستان و ترتیب صحیح البخاری علی ترتیب الصحابہ) شیخ محمد افضل سیالکوٹی (استاذ شاہ ولی اللہ دہلوی) شیخ محمد معین الدین السندی (م ۱۱۸۰ھ، تلمیذ شاہ ولی اللہ، صاحب درسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب)، شیخ عبد اللطیف

القرشی السندی (م ۱۱۸۹ھ، صاحب ذبابات الدراسات عن المذاهب الاربعة المتناسبات)، شیخ غلام علی آزاد بلگرامی (۱۱۹۴ھ، صاحب سبحة المرجان فی آثار هندوستان، الید البیضاء، مآثر الکرام فی تذکرة علماء بلگرام، ضوء الدراری شرح صحیح البخاری)

شیخ شمس الدین مرزا مظہر جان جاناں (تلمیذ شیخ محمد حیات سندھی، صاحب کلمات طیبات ومکتوبات مظہر جان جاناں) اور شیخ شہاب الدین دولت آبادی (صاحب بحر مواج تفسیر قرآن کریم بزبان فارسی) وغیرہ جیسے جلیل القدر علماء گزرے ہیں۔

اس بارہویں صدی ہجری میں جو علماء گزرے ہیں ان میں سے اکثر سابقہ دور کی طرح تصوف وشریعت ہی کے مرکب (یعنی تھوڑی توحید اور تھوڑا شرک) کے علمبردار تھے، اس پوری صدی میں تنہا شیخ محمد حیات بن ابراہیم السندی کی ذات گرامی ایسی نظر آتی ہے:

''جو نہ صرف تصوف کے اثرات سے بہت دور تھی بلکہ مقلدانہ روش بھی ان کا شعار نہ تھا۔''①

شیخ محمد حیات سندھی کے بعد آپ کے نامور تلامذہ نے بھی اپنے استاذ کا ہی طریقہ اختیار کیا چنانچہ آپ کے ایک شاگرد مرزا مظہر جان جاناں باوجود حنفی ہونے کے اگر کسی مسئلہ میں امام کے قول کو صحیح حدیث کے خلاف پاتے تھے تو امام کے قول کو بلا کسی تاویل کے ترک کر دیتے تھے اور حدیث نبوی کو چھوڑ کر فقہی روایات پر عمل کرنے والوں پر انتہائی حیرت کرتے اور افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے:

''بڑے تعجب کی بات ہے کہ صحیح اور غیر منسوخ احادیث پر تو عمل نہ کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے معصوم عن الخطا رسول سے چند ثقہ راویوں کے واسطہ سے مروی ہیں لیکن اس کے برعکس ان فقہی روایات کو معمول بہا ٹھہرایا جائے جو غیر امام غیر معصوم سے قضاۃ اور ارباب فتویٰ نے متعدد ایسے واسطوں سے نقل کی ہیں جن کا عدل وضبط بھی معلوم نہیں ہے۔''②

مرزا مظہر جان جاناں کے متعلق نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں کہ:

---

① اتحاف النبلاء المتقین، ص ۴۳، ابجد العلوم، ص ۸۴۹۔

② نزهة الخواطر ۵۲/۶۔

''وھو یقوی قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام۔①''

یعنی ''وہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے مسلک کو قوی سمجھتے تھے۔''

شیخ محمد حیات سندھی کے دوسرے مشہور شاگرد محمد فاخر زائرؔ الہ آبادی تھے۔ آپ اپنے وقت کے ایک مشہور محدث وفقیہ، اتباع سنت کے پیکر اور عمل بالحدیث کے داعی تھے۔

آپ نے اپنے مسلک کا اظہار ان اشعار میں کیا ہے:

ما اہل حدیثیم وغارانہ شناسیم
صد شکر کہ در مذہب ما حیلہ وفن نیست
زائرؔ از کشکول اہل رائے نتواں لقمہ خورد
برسر خوان رسول اللہ مہمانیم ما
ازا حادیث رسول آوردہ ام اسرار دیں
نیست غیراز گوہر شہوار درد کان ما

شیخ محمد زائرؔ کے متعلق نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں:

''دے رحمہ اللہ تعالیٰ امام ائمہ متبعین سرزمین ہند وشیخ الشیوخ اکابر علمائے ارجمند۔''②

یعنی ''وہ رحمہ اللہ سرزمین ہند میں ائمہ متبعین سنت کے امام اور اکابر علمائے مشاہیر میں شیخ الشیوخ کا درجہ رکھتے تھے۔''

اور سید عبدالحی الحسنی لکھتے ہیں:

''واتفق الناس علی الثناء علیہ والمدح لشمائلہ و صار مشاراً الیہ فی ھذا الباب و کان لا یتقید بمذھب و لا یقلد فی شیء من أمور دینیۃ بل کان یعمل بنصوص الکتاب والسنۃ ویجتھد برأیہ وھو أھل لذلک۔③''

یعنی ''تمام لوگ ان کی ثناء اور ان کے شمائل کی مدح پر متفق تھے اس باب میں وہ مرجع تصور کئے جاتے تھے۔ وہ کسی فقہی مسلک کے پابند نہ تھے اور نہ دینی امور میں

---

①ابجد العلوم، ص ۹۰۰، تقصار جیود الاحرار، ص ۱۱۳، مسک النحتام ۱/۲۱۹۔۱۲۸۔
②تقصار جیود الاحرار، ص ۱۱۵۔
③نزھۃ الخواطر، ۶/۲۱۴۔

کسی کی تقلید کرتے تھے بلکہ کتاب وسنت کی نصوص پر عمل کرتے اور خود اجتہاد کرتے تھے اووہ اس کے اہل بھی تھے۔''

جہاں تک اس صدی کے علماء میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد شاہ عبدالرحیم دہلوی کو شمار کرنے کا تعلق ہے تو جاننا چاہئے کہ وہ اپنے وقت کے ایک مشہور صوفی تھے۔ ان کی متصوفانہ ہفوات کے مطالعہ کے لئے ان کے گھر کی شہادت ہی یعنی ''انفاس العارفین'' کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔ آگے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ضمن میں ان ہفوات کی چند مثالیں پیش کی جائیں گی۔ لیکن باوجود صوفی ہونے کے آپ فاتحہ خلف الامام اور نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ قرأت کے قائل تھے۔①

علامہ نور الدین ابوالحسن بن عبدالہادی السندی رحمہ اللہ:

آپ کے متعلق بھی بعض علماء مثلاً شیخ محمد عابد سندھی نے ''تراجم الشیوخ'' میں، سید رشد اللہ شاہ سندھی نے ''مسلک الانصاف'' میں اور علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی نے ''التعلیق المنصور علی فتح الغفور'' میں لکھا ہے کہ:

''کان الشیخ عاملا بالحدیث لا یعدل عنه الی مذهب۔'' یعنی ''شیخ ابوالحسن حدیث پر عمل پیرا تھے، حدیث کے علاوہ کسی مذہب کو قابل اعتناء نہ سمجھتے تھے۔''

آپ کے متعلق مشہور ہے کہ حالت نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے اور قبل الرکوع وبعد الرکوع رفع یدین کرنے کی پاداش میں قاضی وقت نے آپ کو قید وبند کی صعوبتیں بھی دی تھیں لیکن آپ کے عزم واستقلال میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

شیخ محمد معین الدین سندھی رحمہ اللہ:

اس صدی میں شیخ محمد معین الدین کی شخصیت بھی بہت اہمیت کی حامل ہے۔ آپ شاہ ولی اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ آپ نے بھی اپنی تصانیف میں اتباع سنت پر کافی زور دیا ہے لیکن چونکہ اس صدی کے ایک اور عبقری یعنی شاہ ولی اللہ کا تذکرہ ابھی باقی ہے اس لئے بنظر اختصار ہم تفصیل سے گریز کرتے ہیں۔

① انفاس العارفین، ص ۶۹۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ:

جہاں تک شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تعلق ہے تو وہ بیک وقت شاہ عبدالرحیم کی طرح اپنے وقت کے ایک بڑے صوفی اور عالم دونوں تھے۔ جن لوگوں کو ان کی متصوفانہ کتب تک رسائی نہیں ہوئی ہے وہ ان حضرات کے متعلق بہت خوش فہم نظر آتے ہیں، چنانچہ محی السنہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی رئیس بھوپال فرماتے ہیں:

''پھر (شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کے فرزند کے بعد) اللہ تعالیٰ نے شیخ الاجل، محدث اکمل، ناطق وحکیم وقت، اس طبقہ کے افق وزعیم شیخ ولی اللہ بن عبدالرحیم الدہلوی م ۱۱۷۶ھ کو بھیجا۔'' الخ①

اور شارح ترمذی مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری شاہ ولی اللہ کے متعلق ''مقدمہ تحفۃ الاحوذی'' میں فرماتے ہیں:

''شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ہندوستان میں علم حدیث کا پودا لگایا بعد میں اس پودے نے توانائی اختیار کی اور آس پاس کے بہت سے شہروں اور علاقوں میں اس کی شاخیں پھیل گئیں۔ ان کے علم سے فیض یاب ہو کر ایک ایسی عظیم جماعت تیار ہوئی جو علوم دین اور سنت نبویہ کی اشاعت کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اور ان کی کوششوں سے ایک بڑا طبقہ پیدا ہو گیا جو علوم حدیث اور اس کی تبلیغ واشاعت کے لئے جدوجہد کرنے لگا۔'' الخ②

اسی طرح بعض لوگوں نے شاہ ولی اللہ دہلوی کی ذات کو ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے طویل عمل کا اصل نقطۂ آغاز'' بتایا ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ تمام حضرات یہ بتانا بھول گئے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے تصوف کی جو خدمت انجام دی اس کی شاخیں ہندوستان میں کہاں کہاں پھیلیں اور ان سے فیض حاصل کرنے والے کس دین ومذہب کی تبلیغ واشاعت کے لئے کمر بستہ ہوئے؟ اگر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو بحیثیت ایک صوفی کے دیکھا جائے تو آپ ''وحدت الوجود'' اور ''وحدت الشہود'' دونوں نظریات کے

① الحطۃ، ص ۷۰.
② مقدمہ تحفۃ الاحوذی، ص ۲۶.

حامل نظر آتے ہیں۔ الدر الثمین، الانتباہ فی سلاسل، اولیاء اللہ، فیوض الحرمین، تفهیمات الٰهیه، فیصله وحدت الوجود و الشهود اور انفاس العارفین تصوف پر آپ کی گراں مایہ تصانیف تصور کی جاتی ہیں۔ صرف ''انفاس العارفین'' کہ جس میں شاہ ولی اللہ نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم کی بزرگی کی الم غلم حکایات کو ملفوظات کی شکل میں بلا تبصرہ و تنقید جمع فرمایا ہے، ہی آپ کو صوفیاء کی اگلی صف میں لا کھڑا کرنے کے لئے کافی ہے۔ واضح رہے کہ ''انفاس والعارفین'' شاہ ولی اللہ صاحب کی آخری تصنیف تھی اور بقول علامہ عبید اللہ سندھی صاحب ''یہ شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور تصوف کی روح ہے۔''①

ذیل میں شاہ ولی اللہ صاحب کے متصوفامہ افکار کی ایک جھلک ان کی ہی مختلف تصانیف کے چند اقتباسات کی شکل میں پیش خدمت ہے، فرماتے ہیں:

۱۔ ''وأعطاني المصمة من المؤاخذة دنيا وآخرة فكل ماتجرى عليّ من الشدائد فانما هو من مقتضيات الطبيعة لامن باب المؤاخذة۔''②

یعنی ''اور اس کے ساتھ مجھے دنیا و آخرت کے مواخذہ سے عصمت عطا فرمائی (بری کر دیا) لہٰذا جو سختیاں بھی مجھ پر گزریں وہ مواخذہ کی وجہ سے نہیں بلکہ مقتضیات طبیعت سے ہیں۔''

۲۔ ''رأیت وأنا أطوف بالبیت العتیق لنفسی نوراعظیما یغشی الأقالیم ویبهر أهلهاوفطنت أن القطبیةاعنی الارشادیةانمایصح بمثل هذاالنور الذی یبهر ویغلب ولا یغلب وان من شیء الایأتی علیه ولا یؤتی فتدبر۔''③

یعنی ''میں جس وقت خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو میں نے اپنی ذات کے لئے ایک نور عظیم دیکھا کہ جس نے شہروں کو گھیر لیا اور شہر والوں کو روشن کر دیا۔ سو میں نے سمجھ لیا کہ قطبیت یعنی ارشادیت اسی نور سے ثابت ہوتی ہے جو منور ہے اور سب پر غالب ہے، کسی سے مغلوب نہیں اور ہر ایک شے اس کے پاس آتی ہے اور یہ کسی کے پاس نہیں جاتا ہے، پس تو غور و فکر کر۔''

① شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، ص ۲۱۵

② فیوض الحرمین، ص ۱۹۱۔ ③ نفس مصدر، ص ۱۸۹۔

۳۔''فکذلک الانسان قد یکون فی حیاته الدنیا مشغولاً بشهوة الطعام والشراب والغلمة وغیرها من مقتضیات الطبیعة والرسم لکنه قریب الماخذ من الملائکة السافل قوی الانجذاب الیهم فاذا مات انقطعت العلاقات ورجع الی مزاجه فلحق بالملائکة وصار منهم وألهم کإلهامهم وسعی فیما یسعون فیه۔''①

یعنی ''بالکل اسی طرح انسان (ولی) کا حال ہے کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کھانے پینے اور شہوات نفسانی اور اسی طرح کے دیگر طبعی تقاضوں کو پورا کرنے اور زندگی کے مختلف مراسم ومعاملات میں مصروف رہتا ہے لیکن اس کا قریبی تعلق ملائکہ سافل سے ہوتا ہے اور انہی کی جانب اس کو زیادہ میلان اور کشش ہوتی ہے۔ لہٰذا جب وہ مرجاتا ہے تو اس کے تمام جسمانی علاقے وتعلق ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ اپنی اصل طبیعت کی طرف عود کر آتا ہے اور پھر ملائکہ میں مل کر انہی کا ہوتا جاتا ہے اور انہی کے سے الہامات اس کو بھی ہونے لگتے ہیں اور ان کے جیسے کا وہ بھی کرنے لگتا ہے۔''

۴۔''الحدیث الخامس عشر:۔ أخبرنی والدی أنه کان مریضا فرأی النبی ﷺ فی النوم، نقال: کیف حالک یا بنیّ؟ ثم بشره بالشفاء وأعطاه شعرتین من شعور لحیته فتعافی من المرض فی الحال وبقیت الشعرتان عنده فی الیقظة فأعطانی احداهما فهی عندی۔''②

یعنی ''پندرہویں حدیث: میں نے جناب والد سے سنا کہ وہ بیمار ہوئے تو خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا: بیٹا تیرا کیا حال ہے؟ پھر شفاء کی بشارت دی اور اپنی ریش مبارک میں سے دو موئے مبارک عنایت کئے۔ اسی وقت وہ شفایاب ہوگئے اور حالت بیداری میں بھی وہ دونوں موئے مبارک ان کے پاس باقی رہے۔ پس ان میں سے ایک موئے مبارک انہوں نے مجھے دیا جو میرے پاس موجود ہے۔''

---

① حجۃ اللّٰہ البالغۃ، ص ۷۴۔
② الدر الثمین، ص ۷۰۶۔

۵۔ می فرمودند روزے در حجرہ تنہا نشستہ بودم جوانی متمثل شد و گفت اگر خواہی الحال از دار دنیا انتقال کنی داگر خواہی بعد زمان، گفتم بعض کمالات ہنوز ماحول ست وغیرہ محصول، گفت پس موت تو متاً خراست آگاہ بازگشت بر پشت اد جواہر مرصع دیدم بشکل استدارہ وایں قصہ اختصار کردہ شد۔''①

یعنی'' (والد محترم شاہ عبدالرحیم نے) فرمایا: ایک دن میں تنہا اپنے حجرہ میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اگر تم چاہو تو ابھی اس دنیا سے دار الآخرت کی طرف منتقل ہو سکتے ہو، اور اگر چاہو تو کچھ عرصہ کے بعد۔ میں نے جواب دیا: ابھی کچھ کمالات اور منازل حاصل کرنا باقی ہیں، اور میں ان کی امید میں ہوں۔ کہنے لگا: اچھا تمہاری مرضی کے مطابق تمہاری موت مؤخر کردی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ شخص واپس ہوا تو میں نے اس کی پشت پر جڑے ہوئے زیورات دیکھے۔ یہ قصہ مختصر بیان کیا گیا ہے۔''

۶۔ ''می فرمودند وقتی از اوقات فناء کلی وغیبت تامہ دست دار دیدم کہ حق سبحانہ وتعالیٰ بملائکہ امر فرمود بندۂ مرا کہ فلانست بجوئید در زمین جستند نیافتند، در آسمانہا تفحص کردند نیافتند، در بہشت تجسس نمودند نیافتند پس حق سبحانہ خطاب کرد کہ ہر کہ در من گم شد در زمین نتواں یافت ونہ در آسماں ونہ در بہشت۔''②

یعنی'' والد گرامی فرماتے تھے کہ اوقات عزیز میں سے ایک وقت فنائے کلی اور غیبت تامہ میسر ہوئی تو دیکھا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے فلاں بندہ کو ڈھونڈ لاؤ۔ انہوں نے تمام روئے زمین پر تلاش کیا مگر نہ پایا، آسمانوں کو چھان مارا مگر نہ پایا، بہشت میں بھی تلاش کیا مگر نہ پایا تو حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرشتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: جو بھی مجھ میں فنا ہوا وہ نہ آسمان میں ملے گا، نہ زمین پر پایا جائے گا اور نہ ہی بہشت میں۔''

۷۔ ''می فرمودند یکباری حضرت پیغامبر ﷺ در واقعہ دیدم چوں کمال ظہور الٰہیہ درآں مظہر اتم مشاہدہ کردم بسجدہ افتادم آں حضرت انگشت بدنداں گرفتند وبایں صورت منع فرمودند بار ہا بخاطری

① انفاس العارفین، ص ۴۸.
② حوالہ مذکورہ، ص ۲۶.

آمد کہ در منع بایں صورت چہ نکتہ باشد بعد ازاں معلوم شد کہ آدمی را سجدہ کردن بر دو گونہ است یکے باعتقاد معبودیۃ، وآں کفر ست، و دیگر بمشاہدۂ ظہور صفات الٰہیہ در وی دآں ممنوع است بجہت مشابہتہ بکفر پس فرق را دریں در سجدہ بایں وضع منع فرمودند کہ دوں تصریح ست۔''①

یعنی ''والد گرامی نے فرمایا: ایک مرتبہ حضرت پیغمبر ﷺ کو بچشم حقیقت دیکھا۔ جب اس مظہر اتم میں صفات الٰہیہ کا کمال ظہور مشاہدہ کیا تو سجدہ میں گر گیا۔ آں حضرت ﷺ نے اظہار تعجب کے طور پر انگلی منہ میں دبالی اور اس شکل سے منع فرمایا۔ بارہا دل میں آیا کہ اس صورت سے منع کرنے میں کیا نکتہ پنہاں تھا؟ بعد میں معلوم ہوا کہ انسان کو دو طرح سے سجدہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک اس صورت میں کہ اس کے معبود ہونے کا اعتقاد دل میں ہو اور یہ کفر ہے۔ دوسرا اس صورت میں کہ اس میں صفات الٰہیہ کے ظہور کا مشاہدہ کر کے سجدہ کیا جائے اور یہ مشابہت کفر کی وجہ سے ممنوع ہے۔ لہٰذا اس باریک فرق کی بناء پر اس وضع سے آپ نے منع فرمایا۔''

۸۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے تایا ابوالرضا محمد کے متعلق ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''ونیز استماع افتاد کہ مردی از خادمان حضرت ایشان بفعلی منکر مرتکب بود حضرت ایشان در مجالس متعددہ اور ابر شناعت فعل ادبرمز وایماء تنبیہ کردندوی متنبہ نشد وازاں فعل ممتنع نگشت بعد ازاں حضرت ایشاں اور ادر خلوتی طبلید ندد گفتند ترا بارہا بتعریض متنبہ ساختم متنبہ نشدی گمان می بری کہ افعال ترانمی دانم، بخدا اگر موری ورزیر ترین زمین باش و درخاطر ادصد خطرہ خطور کند من نو ددنہ خطرہ را میدانم وحق سبحانہ بتمام مائۃ عالم ست پس آں شخص توبہ کرد۔''②

یعنی ''سننے میں آیا ہے کہ آپ کا ایک خادم کسی بری عادت میں مبتلا تھا۔ آپ نے کئی بار اسے اشاروں کنایوں میں تنبیہ فرمائی۔ مگر وہ پھر بھی نہ چونکا اور نہ ہی اس عادت

①انفاس العارفین، ص ۴۲۔
②نفس مصدر، ص ۹۴۔۹۵۔

بد سے باز آیا۔ بالآخر حضرت شیخ نے اسے تنہائی میں بلا کر کہا تجھے بارہا اشاروں کنایوں سے سمجھایا مگر تو نے کوئی پرواہ نہ کی، شاید تو سمجھتا ہے کہ ہم تیرے کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔ قسم بخدا اگر زمین کے نچلے طبقے میں رہنے والی کسی چیونٹی کے دل میں بھی سو خیالات آئیں تو ان میں سے ننانوے خیالات کو میں جانتا ہوں اور حق سبحانہ وتعالیٰ سو کے سو خیالات سے باخبر ہے۔ یہ سن کر خادم نے اپنی برائی سے توبہ کر لی۔''

۹۔ ایک مقام پر شاہ ولی اللہ صاحب ''وحدت الوجود'' اور ''وحدۃ الشہود'' کی صحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فالمذهب الاول يسمى بوحدة الوجود والثاني بوحدة الشهود وقد وقع عندنا ان المكشوفين صحيحان جمعياً لكن القول بأن وحدة الشهود على هذا المعنى لم يقل به الشيخ العربي سهو بل الشيخ وأتباعه بل الحكماء أيضاً يقولون بها۔''①

یعنی ''پہلے مذہب کا نام وحدت الوجود ہے اور دوسرے کا نام وحدت الشہود۔ ہمارے نزدیک دونوں مکاشفے صحیح ہیں لیکن یہ کہنا کہ شیخ عربی نے وحدت شہودی اس معنی سے نہیں کہے یہ سہو ہے بلکہ شیخ اور اتباع شیخ بلکہ حکماء نے بھی یہی کہا ہے۔''

۱۰۔ شاہ صاحب صوفی سلسلہ چشتیہ کے ساتھ اپنے آباء واجداد کی قدیم نسبت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کاتب الحروف کہتا ہے کہ ہمارے اسلاف کا روحانی دستور یہ چلا آرہا تھا کہ ہر صدی میں طریقۂ چشتیہ کی نسبت کے حامل رہے ہیں اور اکثر وبیشتر ہر جانے والا آنے والے کی بشارت دیتا رہا ہے اور یہ قصہ اسی طرح چلتا رہا ہے۔''②

کیا اب بھی شاہ ولی اللہ صاحب کے ایک بلند پایہ صوفی ہونے میں کوئی شبہ باقی رہ جاتا ہے؟ مگر اس کے ساتھ ہی علم حدیث اور تفسیر پر بھی آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں چنانچہ

---

①فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود، ص۷.

②انفاس العارفین، ص۳۷.

انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے کام کو دو حصوں میں تقسیم سمجھا جائے۔ پہلا حصہ وہ ہے جو تجدید و احیائے دین سے متعلق ہے اور بلاشبہ قابل قدر ہے مگر آپ کے کام کا دوسرا حصہ جو تصوف سے متعلق ہے بلاشبہ قرآن وسنت میں اس کی کوئی گنجائش کم از کم اس کوتاہ نظر کو نظر نہیں آتی۔ واللہ اعلم۔

نہ معلوم ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کے اس قول میں کس درجہ صداقت ہے:

''اگر ان صوفیاء میں سے کسی نے کبھی قرآن وحدیث کا نام لیا ہے تو وہ بھی صرف اپنے دین اتحاد کی مخصوص اصطلاحات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے۔''① واللہ اعلم۔

تیرہویں صدی ہجری کے علماء اور ان کی علمی خدمات:

بارہویں صدی کے بعد آنے والے دور میں شیخ محمد باقر آگاہ (م ۱۲۲۰ھ)، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ، تلمیذ شاہ ولی اللہ، صاحب تفسیر مظهری، منار الاحکام، ایسف المسلول، **مالابدمنہ، ارشاد الطالبین**)، عبد العلی بن ملا نظام الدین لکھنوی (م ۱۲۲۵ھ، صاحب **فواتح الرحموت بشرح مسلم النبوت**)، شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۲۳۰ھ، صاحب **تفسیر موضح القرآن**)۔ شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۲۳۵ھ، صاحب **علامات قیامت، راہ نجات، دفع الباطل و معاون موضح القرآن**) ابو اسحاق محدث لہراوی اعظمی (م ۱۲۳۴ھ، صاحب **نور العینین فی اثبات رفع الیدین**)، احمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۸ھ،) شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۲۳۹ھ، صاحب **بستان المحدثین، عجالہ نافعہ، تحفہ اثنا عشریۃ، تفسیر عزیزی، فتاوی عزیزی، حواشی بر شرح عقائد، عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس، سر الشهادتین، شرح میزان المنطق، حواشی بدیع المیزان، میزان البلاغہ**)۔

عبد العزیز فرہادی ہندی (م ۱۲۴۱ھ، صاحب کوثر النبی)، عبد الرحیم غزنوی (۱۲۴۲ھ)، شاہ عبد الحی بڈھانوی (۱۲۴۳ھ)، شاہ اسمٰعیل شہید بن عبد الغنی دہلوی (م ۱۳۴۶ھ، تلمیذ شاہ عبد العزیز دہلوی، صاحب تقویۃ الایمان، اصول فقہ، عظمت صحابہ واہل بیت، **تنویر العینین فی اثبات رفع الدین**، منصب امامت، صراط مستقیم، عبقات)، سید احمد شہید (م ۱۲۴۶ھ)، فرحت حسین (م ۱۲۴۷ھ)، محمد عابد السندی (م ۱۲۵۷ھ، صاحب **حصر الشارد، طوالع الانوار علی الدر المختار**،

① توحید خالص قسط اول (گھر کے چراغ)۔ ص ۱۴۶۔

تراجم الشیوخ، المواهب اللطیفه، شرح مسند ابی حنیفه)①، ملا اخوند شیر محمد (م ۱۲۵۷ھ)، محمد علی رامپوری (م ۱۲۵۸ھ)، شاہ عبدالخالق دہلوی (۱۲۶۱ھ)، شاہ محمد اسحق ابن بنت شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۶۲ھ)، شیخ اسماعیل مراد آبادی (استاذ بشیر الدین قنوجی)، ادحد الدین بلگرامی (استاذ بشیر الدین قنوجی)، محمد حسن بریلوی (استاذ بشیر الدین قنوجی)، ولایت علی صادق پوری (م ۱۲۶۹ھ)، خرم علی بلہوری (م ۱۲۷۰ھ، مترجم و محشی مشارق الانوار النبویه من صحاح الاخبار المصطفویه)، نور الاسلام بن سلام اللہ (استاذ بشیر الدین قنوجی)، محمد علی رامپوری (استاذ بشیر الدین قنوجی)، مفتی شرف الدین (استاذ بشیر الدین قنوجی)، شاہ نور علی (م ۱۲۷۲ھ،) احمد علی چریا کوٹی (م ۱۲۷۲ھ)، قاضی محمد بشیر الدین قنوجی (م ۱۲۷۳ھ، استاذ سید امیر حسن، صاحب مذیب ماثور، تبصرة الناقد، صیانة الناس)، عنایت علی عظیم آبادی (م ۱۲۷۳ھ)، ابو عبدالرحمن شرف الحق محمد اشرف ڈیانوی (تلمیذ بشیر الدین قنوجی)، سخاوت علی جونپوری (م ۱۲۷۳ھ)، سید احمد حسن عرشی (م ۱۲۷۷ھ) قاضی عبید اللہ مدراسی (م ۱۲۸۰ھ، صاحب جزء من تفسیر فیض الکریم)۔ محمد یعقوب اخوالشیخ محمد اسحاق الدہلوی (م ۱۲۸۲ھ)، مفتی صدر الدین خاں آزردہ (م ۱۲۸۵ھ، تلمیذ شاہ عبدالعزیز دہلوی) عبدالحق محدث بنارسی (م ۱۲۸۶ھ)، فضل الحق خیر آبادی (م ۱۸۶۱ء، مدفن انڈمان)، نواب مصطفی خان شیفتہ (م ۱۲۸۶ھ)، کرامت علی جونپوری (م ۱۲۹۰ھ)۔

فضل امام (استاذ مفتی صدر الدین خان آزردہ)، مرزا حسن علی محدث لکھنوی (تلمیذ شاہ عبدالعزیز)، محمد رحیم الدین بخاری، (تلمیذ شاہ عبدالعزیز و شاہ عبدالقادر دہلوی)، نواب قطب الدین (تلمیذ شاہ محمد اسحٰق، صاحب مظاہر حق)، ابو سعید عبدالغنی مجددی دہلوی (تلمیذ شاہ محمد اسحٰق)، محمد ناصر حازمی (تلمیذ شاہ محمد اسحٰق)، فضل الرحمن مراد آبادی (تلمیذ شاہ محمد اسحٰق)، سید امیر حسن سہسوانی (م ۱۲۹۱ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب براہین اثنا عشر)، غلام رسول (م ۱۲۹۱ھ)۔ الف علی بہاری (م ۱۲۹۶ھ)، لطف علی بن رجب علی راجگیری بہاری (م ۱۲۹۶ھ، استاذ علامہ شمس الحق عظیم آبادی)، احمد علی سہارنپوری (م ۱۲۹۷ھ، صاحب حل صحیح البخاری)، محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ، صاحب

---

① مولانا محمد عابد سندھی نے ''شرح مسند ابی حنیفہ'' (ج ۱، ص ۳۸۰، مخطوط) میں سری نماز میں سورہ فاتحہ کی قرأت کو ''اعدل الاقوال'' قرار دیا ہے۔

تحذیر الناس، میلہ خداشناس، اجوبہ اربعین، تصفیۃ العقائد، ھدیۃ الشیعۃ، انوار قاسمی)، سید عبداللہ غزنوی (م ۱۲۹۸ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب حمائل غزنویہ)، عبدالقیوم بن بنت شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۹۹ھ، تلمیذ شاہ محمد اسحاق دہلوی)، شاہ محمد عاشق پھلتی، شاہ نور اللہ بڈھانوی، شیخ جمال الدین، شاہ محمد امین کشمیری، شیخ محمد عیسیٰ، شیخ حسن جان، شاہ عبدالجلیل علی گڑھی (استاذ سید امیر حسن سہسوانی)، عبدالحلیم انصاری لکھنوی (استاذ و والد شیخ ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی) محمد بن عبداللہ غزنوی (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)۔

شاہ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین دہلوی، حسن علی ہاشمی لکھنوی اور عبدالحی دہلوی (تلمیذ شاہ عبدالعزیز دہلوی) وغیرہ وسعت علم، تقوی و ورع، فضل و زہد اور تحقیق و اتقان میں اپنے زمانہ کے امام تھے۔ ان میں سے اکثر علماء کے دلوں میں تقلیدی رجحان موجود ہونے کے باوجود علم حدیث، اس کی اتباع، ترویج، اشاعت اور تدریس کی محبت رچی بسی تھی مگر ان تمام حضرات میں سب سے زیادہ ممتاز شاہ ولی اللہ کے فرزند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی شخصیت تھی۔ ذیل میں اسی صدی کے بعض مشاہیر کا مختصر تعارف و تذکرہ پیش خدمت ہے:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ:

مرزا مظہر جان جاناں کہ جن کا مختصر تعارف اوپر گزر چکا ہے قاضی ثناء اللہ صاحب کو ''علم الہدیٰ'' اور شاہ عبدالعزیز دہلوی ''بیہقی وقت'' کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اگرچہ آپ حنفی المسلک تھے مگر دلائل کی بنیاد پر حنفی نقطہ نظر سے بلا تامل دست کش ہو جایا کرتے تھے۔ آپ کی مشہور تفسیر ''مظہری'' کے بعض مقامات پر ایسی مثالیں موجود ہیں مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں:

> ''اگر رسول اللہ ﷺ کی کوئی مرفوع اور تعارض و نسخ سے محفوظ حدیث مل جائے اور امام ابوحنیفہ کا فتوی اس کے خلاف ہو لیکن دوسرے ائمہ میں سے کسی ایک امام کا رجحان اس حدیث کے موافق ہو تو ایسی صورت میں اپنے مسلک پر اڑے نہیں رہنا چاہئے بلکہ حدیث کی اتباع کرنا واجب ہے تا کہ قرآن کے اس ارشاد کے انطباق سے بچا جائے کہ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں نے بعض لوگوں کو اپنا رب

بنالیا ہے۔①''

اسی طرح مسئلہ تحریم الضب کے بارے میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''امام ابوحنیفہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ الضب حشرات الارض میں سے ہے تو یہ قول صحیح وصریح نص کے خلاف ہے۔ صاحب الہدایہ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے میں نے اسے کہیں نہیں دیکھا۔''②

آپ نے اپنے آخری ایام میں اپنی نماز جنازہ کے لئے بطور خاص یہ وصیت فرمائی تھی کہ:

''بعد تکبیر اولیٰ سورہ فاتحہ ہم خوانند۔''③

یعنی ''میرے جنازہ کی نماز میں تکبیر اولیٰ کے بعد سورہ فاتحہ بھی پڑھی جائے۔''

ان تمام خوبیوں کے باوجود قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی اس عہد کی عام روش کے مطابق صوفیانہ عقائد اور نظریات کے حامل تھے مگر اس کی تفصیل بیان کرنا طول محض کا باعث ہوگا۔

ابو اسحاق محدث لہراوی اعظمی رحمہ اللہ:

آپ شیخ محمد فاخر زائر الہ آبادی کے خاص شاگرد تھے۔ حق گوئی و بیباکی میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ عمر کا ایک بڑا حصہ آپ نے اتباع سنت اور حدیث کی دعوت وترویج میں گزارا تھا۔ آں رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''نور العینین فی اثبات رفع الیدین'' کے ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''لما اتبعت رسول اللہ ﷺ لم ابال نعمان والسفیان والزھری۔''④

یعنی ''جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کر لی تو مجھے امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری اور امام زہری کے اقوال کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے۔''

آں رحمہ اللہ کے صرف اسی ایک قول سے سنت کے ساتھ ان کی محبت ولگاؤ کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

---

① تفسیر مظہری ۲/ ۶۴۔

② حوالہ مذکورہ ۳/ ۳۴۔

③ وصیت نامہ مطبوع در مجموعہ وصایا اربعہ، ص ۱۴۶۔

④ تراجم علمائے حدیث، ص ۳۱، تذکرہ علماء مبارک پور، ص ۹۵۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ:

علامہ مبارک پوری شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ذکرِ خیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان سب میں شیخ الاجل، مسند وقت، فقیہ، مفسر و محدث شاہ عبدالعزیز کو علوم حدیث وقرآن کی نسبت سے امتیازی مقام حاصل تھا۔ سترہ سال کی عمر میں اپنے والد کے انتقال کے بعد انہوں نے تدریس، افتاء، ارشاد وہدایت کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ لوگوں نے دین وعلوم شرعیہ کی مشکلات کے حل کے لئے انہیں مرجع بنا لیا تھا۔'' الخ①

لیکن مولانا ابوالکلام آزاد بجا طور فرماتے ہیں کہ:

''شاہ عبدالعزیز کو شہرت وقبولیت کی عالمگیر سند ملی، بنگال سے لے کر بخارا وسمرقند تک ان کی عظمت واستاذی کا سکہ چلنے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مقبولیت عام کی راہوں سے بے پرواہ ہوکر کام نہ کر سکے اور شاہراہ عام پر چلتے رہنے کے سوا چارۂ کار نہ دیکھا۔ اوائل میں ان کا قلم بے اختیار اپنے والد کے مسلک پر چلنے لگا تھا۔ پھر رک گئے اور احتیاط کے ساتھ قدم اٹھانے لگے اور تفسیر میں بہ ضمن تفسیر ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾②

تقلید مذاہب کے باب میں کیا واشگاف لکھ گئے ہیں لیکن پھر جب مولوی عبدالرحمن لکھنوی نے استفسار کیا تو گول مول لکھ گئے۔ قرأۃ فاتحہ خلف امام کے بارے میں ان کا فتوی موجود ہے، لیکن جب شور وہنگامہ ہوا تو اس پر اصرار چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ ③ کے خواب والے معاملے میں صاف صاف لکھ گئے ہیں کہ میں نے پوچھا مذاہب اربعہ میں کون سا مذہب پسندیدہ ہے؟ فرمایا کوئی نہیں ۔

مصلحت دیدمن آں ست کہ یاراں ہمہ کار

---

①مقدمہ تحفۃ الاحوذی، ص ۲۷.

②سورہ البقرۃ۔ ۱۲۵ .

③ فتاوی عزیزی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس خواب کے الفاظ یوں مذکور ہیں: ''عرض نمود کہ از مذاہب فقہاء کدام یک مختار و پسند جناب است؟ فرمودند کہ ہیچ مذہب پسند ما نیست۔'' (فتاوی عزیزی، ص ۸۰).

بہ گزارند وخم طرہ یارے گیرند

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہو یا نہ فرمایا ہو لیکن یہ خود شاہ صاحب کی ذہنی معنویت کی صدا ضرور تھی مگر جب لوگ اس پر پریشان خاطر ہوئے تو اس کی تاویلیں کرنے لگے۔ تفسیر ''وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ① '' پر جو فتنہ اٹھا تھا اس سے اندازہ کرنا چاہئے کہ وقت کی حقیقت فراموشیوں کا کیا حال تھا۔ اگر اپنے والد کے مسلک پر رہتے تو قبولیت عوام سے دستبردار ہونا پڑتا۔ افسوس یہی قبولیت عوام ہمیشہ علماء کے لئے سب سے بڑا فتنہ رہی۔

والد مرحوم فرماتے تھے:

جب شاہ ولی اللہ کا انتقال ہوا اور شاہ عبدالعزیز مسند درس وارشاد پر بیٹھے تو مولانا فخر الدین نے ان کے سر پر دستار فضیلت باندھی تھی جب پگڑی باندھ چکے تو کانوں میں کہا: ''تمہارے والد بزرگوار کے دامن پر ایک دھبہ لگ چکا ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ اسے صاف کر دو۔ دھبے سے مقصود شاہ صاحب کا مجتہدانہ مسلک اور تقلید مذاہب سے انکار تھا۔ اس وقت تک وہابیت وغیرہ کے تلقب تو پیدا نہیں ہوئے تھے، نہ کوئی خاص جماعت اس مسلک کی ملک میں موجود تھی اس لئے عامۂ علماء مختلف طریقوں سے اسے تعبیر کرتے تھے۔ عام طور پر اعتزال کا تلقب اختیار کر لیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ ولی اللہ اعتزال کی طرف میلان رکھتے تھے حالانکہ کجا معتزلہ واعتزال اور کجا مشرب اصحاب سلف وحدیث **بینهما مفادز تنقطع فيها اعناق المطی**۔ بہرحال شاہ عبدالعزیز سے یہ درخواست کی گئی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے پوری کر دی۔'' ②

''تفسیر عزیزی'' کے بعض مقامات پر تقلید شخصی کے رد میں شاہ عبدالعزیز کے جو متعدد اقوال ملتے ہیں (جن کی تفصیل ''اکمل البیان'' ③ میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے)۔ وہ سب اقوال آں رحمہ اللہ کے اوائل دور کی حالت یعنی جب تک کہ ان پر شاہ ولی اللہ صاحب کی تربیت کے اثرات غالب تھے، کے

① سورۃ البقرۃ۔ ۱۷۳۔
② نقش آزاد، ص ۳۱۸۔ ۳۱۹۔
③ اکمل البیان، ص ۱۳۔ ۱۶۔

ترجمان ہیں۔ بعد میں آپ نے اس معاملہ میں کافی نرمی اختیار کر لی تھی۔ لہٰذا آں رحمہ اللہ کے ان اقوال سے زیادہ خوش فہم ہونے کی ضرورت نہیں ہے، واللہ اعلم۔

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ:

ولی اللٰہی خاندان میں ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے برعکس شاہ ولی اللہ دہلوی کے حفید شاہ اسماعیل شہید نے انتہائی جرأت وہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اشاعت توحید، رد بدعات، ترویج سنت اور عمل بالحدیث کے متعلق جو اشارات شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے دور میں کئے تھے ان کو عملاً رائج کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''دعوت واصلاح امت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن کر دیئے تھے اب اس سلطان وقت اور اسکندر عزم کی بدولت شاہجہاں آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ مچ گیا اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے۔ جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی وہ اب سر بازار کی جارہی اور ہورہی تھیں۔''①

لیکن باوصف اس کے یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ شاہ اسماعیل شہید بھی اپنے آباء واجداد کی طرح نظریہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے انتہائی دلدادہ تھے چنانچہ اس نظریہ کے اثبات کے لئے آں رحمہ اللہ نے ''عبقات'' جیسی کتاب لکھی اور اپنے مرشد واستاذ سید احمد شہید کی املاء پر ''صراط مستقیم'' نامی کتاب ترتیب دی جو اکتساب مقام الوہیت کے عملی طریقوں سے معمور ہے۔ آپ کی مشہور کتاب ''تقویۃ الایمان'' بھی جو توحید کے مضامین پر مشتمل ہے، وحدۃ الوجود کے نظریہ سے پاک نہ رہ سکی چنانچہ آں رحمہ اللہ ''تقویہ'' کے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''**یاعبدالقادر شیئاً للہ**'' (یعنی اے عبدالقادر اللہ کے نام پر کچھ دو۔)

تو کہنا صحیح نہیں ہے مگر یوں کہنا صحیح ودرست ہے کہ اے اللہ عبدالقادر کے واسطے سے عطا فرما۔''

---

① تذکرہ، ص ۲۴۵۔

شاہ محمد اسحٰق دہلوی رحمہ اللہ:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بعد ان کے جانشین شاہ محمد اسحٰق دہلوی مہاجر مکی کی شخصیت ایک نابغۂ روزگار بن کرا بھری۔ آں رحمہ اللہ کے متعلق علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں:

''ان سب میں شاہ محمد اسحٰق دہلوی آفاقی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ انہوں نے مسند درس سنبھالی۔ ان کے زمانہ میں ریاست حدیث ان پر ختم تھی۔ ان کے علم سے مستفید ہوکر شاگردوں کی ایک بڑی جماعت خارج ہوئی۔''①

شیخ عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ:

اس دور کے ایک اور عبقری عبداللہ بن محمد بن محمد شریف الغزنوی تھے جن کے متعلق محی السنۃ نواب صدیق حسن فرماتے ہیں:

''چرخ اگر ہزار چرخ زند مشکل کہ چنیں ذات جامع کمالات برروئے ظہور آرد ہم محدث بود وہم محدث۔''②

آسمان اگر ہزار بار بھی گردش کرے تو مشکل ہے کہ اب ایسی جامع کمالات ہستی معرض وجود میں آئے وہ محدث ومحدث دونوں تھے۔

آں رحمہ اللہ کے متعلق مولانا سید عبدالحی الحسنی بیان کرتے ہیں:

''الشیخ الامام العالم المحدث عبداللہ بن محمد بن محمد شریف الغزنوی الشیخ محمد اعظم الزاھد المجاھد، الساعی لمرضاۃ اللہ المؤثر لرضوانہ علی نفسہ وأھلہ ومالہ وأطانہ، صاحب المقامات الشھرۃ والمعارف العظیمۃ الکبیرۃ۔''③

حضرت عبداللہ بن محمد بن محمد شریف غزنوی شیخ تھے، امام تھے، عالم تھے، زاہد تھے، مجاہد تھے، رضائے الٰہی کے حصول میں کوشاں تھے۔ اللہ کی رضا کے لئے اپنی

---

①مقدمہ تحفۃ الاحوذی، ص ۲۷۔۲۸۔
②تقصار من تذکار جیوو الاحرار، ص ۱۹۲۔
③نزھتہ الخواطر، ۳۰۲/۷۔

جان، اپنا گھر بار، اپنا مال، اپنا وطن غرض سب کچھ لٹا دینے والے تھے۔ علماء سوء کے خلاف آپ کے معرکے مشہور ہیں۔

اور شارح سنن ابوداؤد علامہ شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں:

''انه كان في جميع احواله مستغرقاً في ذكر الله عزوجل حتى ان لحمه وعظامه وأعصابه و أشعاره وجميع بدنه كان متوجها الى الله تعالى فنًى في ذكره عزوجل۔''①

''ترجمہ: وہ ہر وقت اور حال میں اللہ عزوجل کے ذکر میں ڈوبے رہتے تھے حتی کہ ان کا گوشت، ان کی ہڈیاں، ان کے پٹھے، ان کے بال اور تمام بدن اللہ عزوجل کی طرف متوجہ تھا، اللہ کے ذکر میں فنا ہو گئے تھے۔''

ذکر و اوراد میں آں رحمہ اللہ کی محویت واستغراق کی طرح درس حدیث میں بھی آپ کے انتہائی انہماک کا اندازہ علامہ اقبال کے ان جملوں سے بخوبی ہوسکتا ہے جو انہوں نے محمد دین فوق کے نام ان کے بیٹے کی تعزیت کے سلسلہ میں اپنے مکتوب میں لکھے تھے، فرماتے ہیں:

''مولوی عبداللہ غزنوی درس دے رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل (وفات) کی خبر ملی۔ ایک منٹ تأمل کیا پھر طلباء کو مخاطب کر کے کہا: برضائے او راضی ہستیم بیائید کہ کار خود کنیم۔ (یعنی ہم اس کی رضا پر راضی ہیں۔ آؤ ہم اپنا کام کریں) یہ کہہ کر پھر درس میں مشغول ہو گئے۔''②

آں رحمہ اللہ کے ان تمام اوصاف حمیدہ کو تسلیم کرنے کے باوجود راقم یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ ہمارے بعض علماء اہل حدیث نے ان سے عقیدت ومحبت کے غلو کے باعث یہ لکھ دیا ہے کہ:

''آپ کو اللہ عزوجل سے براہ راست ہم کلامی کا شرف حاصل تھا۔''

فانا للہ وانا الیہ راجعون

---

①مقدمہ غاية المقصود في حل سنن ابی داؤد.

②انوار اقبال ص ۱۷۱۔ ۲۷ وکذا فی فقہائے ہند تیرہویں صدی ہجری ۲/ ۱۸۰.

چودہویں صدی ہجری کے علماء اور ان کی علمی خدمات:

تیرہویں صدی کے بعد محمد یعقوب نانوتوی (م ۱۳۰۰ھ)، محمد مظہر نانوتوی (م ۱۳۰۲ھ، استاذ حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی)، سید عبدالباری سہسوانی (م ۱۳۰۳ھ)، ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ، صاحب الآثار المرفوعه فی الاخبار الموضوعه، الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل، الاجوبة الفاضله، التعلیق الممجد علی مؤطا الامام محمد، عمدة الرعایه علی شرح الوقایه، ظفر الامانی فی شرح مختصر الجرجانی، تحفة الاخیار فی احیاء سنة سید الابرار، السعایه فی کشف مافی شرح الوقایه، الفوائد البهیه فی تراجم الحنفیه)، نور محمد ملتانی (تلمیذ ابوالحسنات لکھنوی، صاحب تذکرة المنتهی فی رد اسکات المعتدی)، محمد حسن سنبھلی (م ۱۳۰۵ھ، صاحب تنسیق النظام فی ترتیب مسند الامام ابی حنیفة النعمان)، احمد بن سید امیر حسن (م ۱۳۰۶ھ)، امیر احمد بن سید امیر حسن (م ۱۳۰۶)، حامد حسین بن محمد الحسینی لکھنوی (م ۱۳۰۶ھ، صاحب استقصاء الافحام فی الرد علی منتهی الکلام) محی السنہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی رئیس بھوپال (م ۱۳۰۷ھ صاحب فتح البیان فی مقاصد القرآن، ترجمان القرآن بلطائف البیان، اکسیر فی اصول التفسیر، بلوغ المرام من ادلة الاحکام کی شروح مسک الختام، فتح العلام، الروض البسام، عون الباری لحل ادلة البخاری، السراج الوهاج فی شرح مختصر الصحیح لمسلم بن الحجاج، اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقهاء المحدثین، الحطة فی ذکر الصحاح السته، ابجد العلوم، ملک السعادة فی افراد الله تعالیٰ بالعبادة، الدین الخالص، تقصار من تذکار جیود الاحرار، النصح السدید بوجوب التوحید، التفکیک عن انحاء الشرک، اخلاص توحید، اخلاد الفوائد الی التوحید بالعبادة، دعائیة الایمان الیٰ توحید الرحمٰن، الانفکاک عن اسم الاشراک، اللواء المعقور لتوحید الرب المعبود، منهاج العبید الی معراج التوحید، استویٰ علی العرش، بشارة الفساق، عاقبة المتقین، روز مره اسلام، ارکان اربعه، توبه عن الذنوب، حاوی الارواح تذکیر الناسی، تکفیر الذنوب، صله ارحام، ایقاظ الرقود الی یوم الموعود وغیرہ)

رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ، صاحب ازالة الاوهام، معیار الحق، معدل اعوجاج

المیزان، واضح الاحادیث)، حسام الدین مئوی (م ۱۳۱۰ھ)، عبید اللہ مالیر کوٹلوی (م ۱۳۱۰ھ، صاحب تحفۃ الہند)، حافظ محمد بن بارک لکھوی (م ۱۳۱۱ھ، صاحب تفسیر محمدی، احوال الآخرت، زینت اسلام)، رحیم بخش لاہوری (م ۱۳۱۲ھ)، صاحب سلسلہ کتب اسلام) محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی (م ۱۳۱۲ھ)، مفتی محمد سعید خاں مدارسی (م ۱۳۱۲ھ، صاحب تکملہ تفسیر فیض الکریم)، بدیع الزماں حیدر آبادی (م ۱۳۱۲ھ، مترجم جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ)، فضل اللہ بن نعمت اللہ لکھنوی (م ۱۳۱۲ھ، استاذ شمس الحق عظیم آبادی)، عبدالاول غزنوی (م ۱۳۱۳ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، مترجم مشکوٰۃ المصابیح وریاض الصالحین)، خواجہ الطاف حسین حالیؔ (م ۱۹۱۴ھ، صاحب مسدس)، فضل الرحمن گنج مراد آبادی (م ۱۳۱۳ھ، تلمیذ شاہ محمد اسحاق دہلوی)، ابوعبدالرحمن محمد فرید آبادی (م ۱۳۱۵ھ، تلمیذ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی ومیاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب الحواشی الجدیدۃ علی سنن المجتبیٰ للنسائی)، شاہ علی حبیب پھلواروی (م ۱۳۱۵ھ)۔ عبدالسلام کیفی ندوی (م ۱۹۱۸ء، صاحب سیرت عمر بن عبدالعزیز، اسوۂ صحابہ، شعر الہند)

فیض اللہ مئوی (م ۱۳۱۶ھ استاذ علامہ مبارکپوری)، محمد بن ابراہیم آروی (م ۱۳۱۹ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، نواب محسن الملک مہدی علی خاں (م ۱۹۰۷ء، صاحب آیات بینات، مدفن علی گڑھ)، عبدالجبار بن نور احمد ڈیانوی (م ۱۳۱۹ھ)، قاضی محمد مچھلی شہری (م ۱۳۲۰ھ، تلمیذ شیخ عبدالحق بنارسی، سخاوت علی جونپوری، نواب مصطفی خاں شیفتہ وغیرہ، صاحب فتوح العلام شرح بلوغ المرام)، عبداللہ صادق پوری (م ۱۳۲۰ھ، استاذ علامہ مبارکپوری)، شیخ اجل ومحدث دوراں سید محمد نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ، صاحب معیار حق فی الرد علی تنویر الحق، الایمان یزید وینقص، قراءۃ خلف الامام، اثبات رفع الیدین، توثیق تقویۃ الایمان حرمت نذر لغیر اللہ، تردید بدعات حسنات وسیئات، افضل البضاعۃ فی حقیقۃ الشفاعۃ، وافعاء البلویٰ فی رد تقلید، عمل اہل حرمین حجت شرعی نہیں، رسالہ در مسئلہ نماز جمعہ فی القریۃ وفتاوی نذیریہ)

محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۱ھ صاحب تبصرۃ الناقد)، محمد سعید بنارسی (م ۱۳۲۲ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی وشمس الحق عظیم آبادی وحافظ عبدالمنان وزیر آبادی، وعبداللہ غازی پوری صاحب ہدایۃ المرتاب بجواب کشف الحجاب، واوثق العریٰ باقامۃ الجمعۃ فی القریٰ)، ظہیر احمد نیموی

(م ۱۳۲۲ھ، صاحب آثار السنن، تعلیق الحسن)، شاہ عین الحق پھلواروی (م ۱۳۲۲ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، سلامت اللہ جیراج پوری (م ۱۳۲۳ھ، استاذ علامہ مبارک پوری)، حافظ عبداللہ غازی پوری (م ۱۳۲۳ھ، تلمیذ محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب البحر المواج شرح مقدمہ صحیح مسلم بن الحجاج)، رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ، صاحب الکوکب الدری تعلیقات علی الترمذی، هداية المعتدی، گاؤں میں جمعہ کے احکام، سبیل الرشاد، مسئلہ غیب دانی، فتاوی میلاد شریف، هداية الشيعه، امداد السلوک، زبدۃ المناسک، فتاوی رشیدیہ)، ابوالحسن سیالکوٹی (م ۱۳۲۵ھ، صاحب فیض الستار ترجمہ کتاب الآثار، تلخیص الصحاح ترجمۃ الاکمال فی اسماء الرجال و فیض الباری شرح صحیح بخاری)، محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب الحق الصریح فی اثبات حیاۃ المسیح، القول المحقق المحکم فی زیارۃ الحبیب الاکرم، القول المحمود فنی رد جواز السود، برهان العجاب، فرضیۃ فاتحہ خلف الامام)، محمد اشرف عظیم آبادی (م ۱۳۲۶ھ، اخو المحدث العظیم آبادی)، فاروق چریاکوٹی (م ۱۳۲۷ھ، استاذ علامہ مبارک پوری)، شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی (م ۱۳۲۷ھ، صاحب تعلیقات علی المجتبیٰ، التحفۃ المرضیۃ فی حل بعض المشکلات الحدیثیۃ)، شمس الحق عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، بشیر الدین قنوجی و حسین بن محسن الیمانی وغیرہم، صاحب فضل الباری شرح ثلاثیات البخاری، النجم الوهاج شرح مقدمہ صحیح مسلم بن الحجاج، غایۃ المقصود و شرح سنن ابو داؤد، تعلیقات علی النسائی، جوابات الزامات الدار قطنی علی الصحیحین، التعلیقات علی اسعاف المبطا بر جال المؤطا، دفع الالتباس عن بعض الناس، الکلام المبین فی الجهر بالتامین و الرد علی القول المتین، هداية اللوذعی بنکات الترمذی، التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی، عون المعبود شرح سنن ابو داؤد)

محمود الحسن اسیر مالٹا (م ۱۳۳۹ھ، صاحب ایضاح الادلة، مختصر المعانی، تقاریر شیخ الهند)، عبدالحمید سوہدروی (م ۱۳۳۰ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی و حافظ عبدالمنان وزیر آبادی و شمس الحق عظیم آبادی وغیرہ) عبدالرحیم مبارک پوری (م ۱۳۳۰ھ، استاذ علامہ مبارک پوری)، ڈپٹی حافظ نذیر احمد دہلوی (م ۱۳۳۰ھ، صاحب تسہیل القرآن، حقوق الفرائض)، محمد عبدالاحد (م

۱۳۳۰ھ، مصحح تحفة الهند)، سید عبدالکبیر بہاری (م ۱۳۳۱ھ)، سید عبدالجبار غزنوی (م ۱۳۳۱ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، شبلی نعمانی (م ۱۳۳۲ھ، صاحب سیرۃ النبی، سیرۃ النعمان، الغزالی، الفاروق، المامون، سوانح مولانا روم، پرانے چراغ، خطبات شبلی، الکلام و علم الکلام)، شاہ عین الحق پھلواروی (م ۱۳۳۳ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)۔ خدابخش میراج گنجی (م ۱۳۳۳ھ، استاذ علامہ مبارک پوری)، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی (م ۱۳۳۴ھ، تلمیذ مولانا عبدالجبار محدث، میاں محمد نذیر حسین دہلوی وغیرہ)، محمد تلطف عظیم آبادی (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی وبشیر الدین وحسین بن محسن الیمانی وغیرہ)، ابوعبداللہ ادریس بن ابی الطیب ڈیانوی (تلمیذ عبداللہ غازی پوری، میاں محمد نذیر حسین دہلوی، شمس الحق عظیم آبادی وغیرہ)، سید محمد عبدالحفیظ (ابن الاخ وزوج بنت البنت سید میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، ابوتراب رشداللہ شاہ الراشدی (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب درج الدرر فی وضع الایدی علی الصدر)، قدرت اللہ شاہ الراشدی (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، عبدالحلیم شرر (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، مترجم الاتقان فی علوم القرآن، کتاب التوحید وغیرہ)۔

ابوسعید محمد حسین (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب منح الباری فی ترجیح صحیح البخاری)، عبدالحق املوی اعظم گڑھی (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب تجنیس تدلیس ترجمہ تلبیس ابلیس لابن الجوزی)، قاضی احتشام الدین (تلمیذ میاں محمد نذیر دہلوی، صاحب اختیار الحق)، شہود الحق (تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب بحر زخار بجواب انتصار الحق)۔ برہان الدین ہوشیار پوری (استاذ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی)، عظمت اللہ (استاذ عبدالعزیز رحیم آبادی)، یحییٰ بہاری (استاذ عبدالعزیز رحیم آبادی)، محمود عالم (استاذ عبدالعزیز رحیم آبادی)، عبدالسلام (م ۱۳۳۵ھ)، احمد اللہ امرتسری (م ۱۳۳۶ھ)، عبدالعزیز رحیم آبادی (م ۱۳۳۶ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب حسن البیان فیمانی سیرۃ الانسان۔ سواء الطرق، ہدایۃ المعتدی فی قراءۃ المقتدی، رسالہ الوضوء، رمی الجمرہ، روئداد مناظرہ مرشد آباد)، عبداللہ محدث غازی پوری (م ۱۳۳ھ، استاذ علامہ مبارک پوری)، رفیع الدین شکرانوی (م ۱۳۳۷ھ، تلمیذ

میاں محمد نذیر حسین دہلوی، عبدالمنان بقا (م ۱۳۳۷ھ)، مفتی عبداللطیف سنبھلی (م ۱۳۳۷ھ)، محمد حسین لاہوری (م ۱۳۳۸ھ)، ابویحییٰ محمد بن کفایت اللہ شاہجہاں پوری (م ۱۳۳۸ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب تکملہ حواشی جدیدہ علی سنن المجتبیٰ للنسائی) وحید الزماں حیدر آبادی (م ۱۳۳۸ھ، تلمیذ مفتی عنایت اللہ، سلامت اللہ کان پوری، عبدالحی لکھنوی، محمد بشیر الدین قنوجی، عبدالحق بنارسی، لطف اللہ علی گڑھی، میاں محمد حسین دہلوی، حسین بن محسن الیمانی، فضل الرحمن گنج مراد آبادی وغیرہ، صاحب تفسیر وحیدی، تبویب القرآن، لغات الحدیث، تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری، تسہیل القاری، العلم ترجمہ صحیح مسلم، جائزۃ الشعوذی، معطا ترجمہ مؤطا، زہر الربی ترجمہ سنن المجتبیٰ للنسائی، الہدی المحمود، رفع العجاجہ، کشف الغطاء، اشراق الابصار ترجمہ سنن ابوداود، تصحیح کنز العمال وغیرہ)۔

محمد حسین بٹالوی (م ۱۳۳۸ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب فتح الباری فی ترجیح البخاری)، ابوالوزیر احمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۸ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب احسن التفاسیر، احسن الفوائد، تلخیص الانظار فیمابنی علیہ انتصار بجواب انتصار الحق، حاشیہ بلوغ المرام، تنقیح الرواۃ بتخریج احادیث المشکوٰۃ)، امیر احمد سہسوانی (م ۱۳۳۹ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، محمد علی جوناگڑھی (م ۱۳۴۰ھ، صاحب اربعین محمدی، ارشاد محمدی، انعام محمدی، اشعار محمدی، امام محمدی، ایمان محمدی، برہان محمدی، تعویذ محمدی، تحفہ محمدی، تعلیم محمدی، توحید محمدی، تفسیر محمدی، ثعبان محمد، نصیحت محمدی، نکاح محمدی، نور محمدی، وضوء محمدی، قطبغہ محمدی، وظائف محمدی، ہدایت محمدی، حیات محمدی، حجت محمدی، خطبہ محمدی، خطبات محمدی، خطاب محمدی، درود محمدی، دلائل محمدی، دین محمدی، ذمہ محمدی، ایمان محمدی، رکوع محمدی، زیارت محمدی، سراج محمدی، سلام محمدی، سیرت محمدی، سیف محمدی، شمع محمدی، صدائے محمدی، صلوٰۃ محمدی، صیام محمدی، صراط محمدی، صمصام محمدی، ضرب محمدی، طریق محمدی، ظفر محمدی، عقیدۂ محمدی، عقائد محمدی، عصائے محمدی، غنیّۃ محمدی، فرمان محمدی، فیصلہ محمدی اور فضائل محمدی وغیرہ)۔

محمد عبدالسلام مبارک پوری (م ۱۳۴۲ھ، صاحب سیرۃ البخاری)، عبدالرحیم غزنوی (م ۱۳۴۲ھ)، عبدالقادر لکھنوی (م ۱۳۴۲ھ) عبدالحی الحسنی (م ۱۳۴۲ھ، صاحب نزھتہ الخواطر

وبهجة المسامع والنواظر)، ابوعبداللہ محمد بن جمال الدین بھوجیانی امرتسری (م ۱۳۴۳ھ)، عبدالباری فرنگی محلی (م ۱۳۴۴ھ)، خلیل احمد سہارنپوری (م ۱۳۴۶ھ، صاحب بذل المجهود فی حل سنن ابی داؤد)۔ سید ابوالحبیب (م ۱۳۴۶ھ، تلمیذ عبداللہ غازی پوری)، شوکت علی (م ۱۳۴۶ھ)، قاضی محمد سلیمان منصور پوری (م ۱۳۴۸ھ، صاحب غایت المرام، رحمت للعالمین، الجمال والکمال تفسیر سورہ یوسف، تاریخ المشاہیر، شرح اسماء حسنیٰ، خطبات سلیمانی، سبیل الرشاد، المسح علی الجوربین)، غلام نبی ربانی سوہدروی (م ۱۳۴۸ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، احمد اللہ پرتاپ گڑھی (م ۱۳۴۸ھ، تلمیذ بشیر سہسوانی، شمس الحق عظیم آبادی، صاحب برهان العجاب فی فرضية قرائة خلف الامام، احمد اللہ محدث دہلوی (م ۱۳۴۸ھ)، اکبر شاہ خاں نجیب آبادی (م ۱۹۳۸ء)، صاحب تاریخ اسلام)، محمد علی جوہر (م ۱۳۴۹ھ)، نواب سلطان جہاں بیگم بھوپالی (م ۱۳۴۹ھ)، عبدالواحد غزنوی (م ۱۳۴۹ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، عبدالرحمن ولایتی (م ۱۳۴۹ھ)، محمد اقبال سیالکوٹی (م ۱۹۳۸ء، صاحب رموز بے خودی، خطوط اقبال، اقبال نامہ، بال جبریل، بانگ درا وغیرہ)، عبدالوہاب دہلوی (م ۱۳۵۱ھ)، عبدالحامد بدایونی (م ۱۳۵۱ھ)، عبدالغفور غزنوی (م ۱۳۵۲ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی)، عبدالجبار عمر پوری (م ۱۳۵۲ھ)، مناظر احسن گیلانی (صاحب تدوین قرآن، تدوین حدیث، تذکرہ شاہ ولی اللہ، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، مقالات احسانی، النبی الخاتم، مقدمہ تدوین فقہ، تفسیر سورہ کہف، ابوذر غفاری وغیرہ)، انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ، صاحب كشف الستر، فصل الخطاب، نيل الفرقدين، فيض الباری شرح صحيح البخاری، العرف الشذی، گنجینہ اسرار، خاتم النبیین)۔

محمد عبدالرحمن مبارک پوری (م ۱۳۵۲ھ، تلمیذ عبداللہ محدث غازی پوری، میاں محمد نذیر حسین دہلوی، فیض اللہ مئوی، حسام الدین مئوی، عبدالرحیم مبارک پوری وغیرہ، صاحب تحفة الاحوذی شرح جامع الترمذی، ابكار المنن فی تنقيد آثار السنن، شفاء العلل، المقالة الحسنیٰ فی سنية المصافحة باليد اليمنى، تحقيق الكلام فی وجوب القراء ة خلف الامام، خير الماعون فی منع الفرار من الطاعون، كتاب الجنائز، نور الابصار، ضياء الابصار، تنوير الابصار، القول السديد فيما يتعلق بتكبيرات العيد، الدر المكنون فی تائيد خير الماعون، الوشاح الابريزی فی حكم

الدواء الانکلیزی، ارشاد الهائم الی منع خصاء البهائم، الکلمة الحسنیٰ فی تائید المقالة الحسنیٰ، مسائل عشر، مرتب فتاویٰ نذیریہ وفتاوی عبداللہ محدث غازی پوری)، عبدالغفور غزنوی (م ۱۳۵۲ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب حمائل غزنوی)، عبدالقادر قصوری (م ۱۳۶۱ھ)، ابوالمکارم محمد علی ہنوتی (م ۱۳۵۳ھ، صاحب المذهب المختار فی الرد علی جامع الآثار) محمد بن یوسف سواتی (م۱۳۶۱ھ)۔

اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ، صاحب تفسیر بیان القرآن، بہشتی زیور، مناجات مقبول، امداد الفتاوی، تربیت السالک، نشر الطیب، فتاوی اشرفیہ، تسہیل المواعظ، مقالات صوفیہ، عرفان حافظ وغیرہ)، عبدالحفیظ اعظم گڈھی (م ۱۳۶۳ھ)، محمد عبدالباقی لکھنؤی (م ۱۳۶۴ھ)، عبدالتواب ملتانی (م ۱۳۶۶ھ، صاحب **تعلیقات علی مصنف ابن ابی شیبه، حواشی علی مسند عمر بن عبدالعزیز وقیام اللیل للمروزی وحاشیه علی ابی الحسن السندی علی صحیح مسلم**، اردو ترجمہ صحیح بخاری وبلوغ المرام)، ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری (م ۱۳۶۷ھ، تلمیذ میاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن، بیان القرآن علی علم البیان، تفسیر ثنائی، فقہ اور فقیہ، اجتہاد وتقلید، اربعین ثنائیہ، حجیت حدیث، اتباع رسول، شمع توحید، حق پرکاش بجواب ستیاتھ پرکاش مسیحیت اور اسلام، مقدس رسول بجواب رنگیلا رسول، رسالہ دید اور گوشت خوری، رسائل در ردّ قادنیت، ہفت روزہ اخبار اہل حدیث وغیرہ)، عبیداللہ سندھی (م ۱۹۴۴ء، صاحب شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ وغیرہ، مدفن خانپور)، حبیب الرحمٰن خاں شیروانی (م ۱۳۶۹ھ)، فیض الحسن سہارنپوری (استاذ شیخ جماعت علی شاہ) قاضی عبدالرحمٰن محدث پانی پتی (استاذ جماعت علی شاہ)، ابوالقاسم سیف بنارسی (م ۱۳۶۹ھ، صاحب **حل مشکلات البخاری بجواب الجروح البخاری لد کتور عمر کریم، الامر المبرم، ماء حمیم، صراط مستقیم، الریح العقیم، العرجون القدیم**)، شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹ھ، صاحب فتح الملہم بشرح صحیح مسلم، تفسیر عثمانی، اعجاز القرآن، حیات شیخ الہند، العقل والنقل، مسئلہ تقدیر، فضل الباری شرح صحیح البخاری)، نذیر احمد املوی اعظم گڈھی (م ۱۳۶۹ھ)، جماعت علی شاہ (م ۱۳۷۰ھ)، کفایت اللہ دہلوی (م ۱۳۷۲ھ، صاحب تعلیم الاسلام)، مولانا عطاء اللہ لکھوی (م ۱۳۷۲ھ)۔

سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ، صاحب تاریخ ارض القرآن، حیات مالک، خطبات

مدراس، سیرت عائشہ، مقالات سید سلیمان ندوی، عربوں کی جہاز رانی، برید فرہنگ، اہل سنت والجماعت، رحمت عالم، سیرت النبی، نقوش سلیمانی، حیات شبلی، اسلام کے سیاسی نظام کی تدوین)، میر محمد ابراہیم سیالکوٹی (م ۱۳۷۵ھ، تلمیذ حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی ومیاں محمد نذیر حسین دہلوی، صاحب شہادۃ القرآن، سلم الوصول الی اسرار سراء الرسول، تاریخ اہل حدیث، تفسیر سورہ فاتحہ، نزول ملائکہ والروح الی الارض، آئینہ قادیانی، اعجاز القرآن، تاریخ نبوی، اخلاق محمدی، عصمت انبیاء، تائید القرآن، تعلیم القرآن، احکام المرام، سیرت مصطفی وغیرہ)، عبدالسلام ندوی (م ۱۳۷۶ھ)، ابوالکلام آزاد (۱۳۷۸ھ، صاحب ترجمان القرآن، ام الکتاب تفسیر سورہ فاتحہ، شہادت حسین، ولادت نبوی، اصحاب کہف، رسول رحمت، قرآن کا قانون عروج وزوال، غبار خاطر، آزادی ہند، نقش آزاد، مقالات ابوالکلام، مکاتیب ابوالکلام وغیرہ)، احمد سعید دہلوی (م ۱۳۷۸ھ، صاحب تفسیر کشف الرحمٰن، وعظ سعید، معجزات رسول، صلوٰۃ وسلام)۔

عبدالمجید سوہدروی (م ۱۳۷۹ھ، صاحب عمدۃ الاحکام، انتخاب الصحیحین)، اسلم جیراج پوری (م ۱۹۵۶ء، صاحب تاریخ القرآن، حیات حافظ، حیات جامی، الوراثۃ فی الاسلام، تاریخ الامت)، ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی (م ۱۳۸۱ھ، صاحب تکملہ تنقیح الرواۃ، شرح ابن ماجہ، حاشیہ نصب الرایۃ)، عبدالجبار محدث کھنڈیلوی (م ۱۳۸۲ھ، تلمیذ علامہ مبارکپوری، صاحب اختلاف خاتمہ، ازالۃ الحیرۃ عن فقاہت ابی ہریرۃ، مقاصد الامامہ، اتمام الحجۃ، مقدمہ صحیح بخاری، حاشیہ صحیح بخاری)، سید محمد داؤد راز (م ۱۳۸۳ھ)، سید محمد داؤد غزنوی (۱۳۸۳ھ)، حافظ عبداللہ امرتسری روپڑی (م ۱۳۸۴ھ، تلمیذ شمس الحق عظیم آبادی ومیاں محمد نذیر حسین دہلوی وبشیر سہسوانی وغیرہ، صاحب تخریج آیات الجامع الصحیح للبخاری، شرح مشکوٰۃ المصابیح، شرح سنن ابن ماجہ ومسند احمد، مودودیت اور حدیث نبویہ، اہل حدیث کی تعریف، اہل سنت کی تعریف)

مسعود عالم ندوی، (م ۱۳۸۵ھ، صاحب ہندوستان کی پہلی اسلامی تاریخ، محمد بن عبدالوہاب ایک بدنام مصلح)، ابویحییٰ امام خاں نوشہروی (م ۱۳۸۵ھ، صاحب تراجم علمائے اہل حدیث ہند)، عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی (م ۱۳۸۶ھ، صاحب طلیعۃ التنکیل، مقام ابراہیم، الانوار

الکاشفه، اغاثة العلماء من طعن صاحب الوراثه، تعلیق علی التاریخ الکبیر، خطاالامام البخاری فی تاریخه، تصحیح تذکرة الحفاظ للذهبی، تصحیح الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، تصحیح موضح اوهام للخطیب البغدادی، المعانی الکبیر لابن قتیبه، الفوائد المجموعه للشوکانی، الاکمال لابن ماکولا، الانساب للسمعانی، السنن الکبری للبیهقی مسندابی عوانه، کفایه فی علم الروایة للخطیب البغدادی، صفة الصفوة لابن الجوزی، المنتظم لابن الجوزی وغیرہ)، محمد اسماعیل سلفی (م ۱۳۸۷ھ، صاحب حجیت حدیث وغیرہ)، ظفر احمد تھانوی عثمانی (م ۱۳۹۴ھ، صاحب اعلاء السنن انهاء السکن)، عبدالسلام بستوی (م ۱۳۹۴ھ) سید ابوبکر غزنوی (م ۱۳۹۵ھ) عبدالماجد دریا آبادی (م ۱۳۹۸ھ، صاحب تفسیر ماجدی، نورانی جہیز، تصوف اور اسلام، بشریت انبیاء، معاصرین، آپ بیتی)، مفتی محمد شفیع (صاحب معارف القرآن، فتاویٰ دارالعلوم، جواہر الفقہ، کشکول، مقام صحابہ، علامات قیامت، نزول مسیح، ضبط ولادت وغیرہ)، عبدالشکور لکھنوی (صاحب علم الفقہ، فتنہ ابن سبا، تاریخ مذہب شیعہ، خلفائے راشدین)، ابوالمحاسن قائم بن صالح السندی (صاحب فوز الکرام بماثبت فی وضع الیدین تحت السرة او فوقها تحت الصدر عن الشفیع المظلل بالغمام)، حمید الدین فراہی (صاحب مجموعہ تفسیر فراہی، اقسام القرآن، ذبیح کون ہے؟ مقدمہ نظام القرآن، اصول التاویل، احکام الاصول، حاشیہ شرح مؤطا، استاذ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب تدبر قرآن)، حفظ الرحمن سیوہاروی (صاحب قصص القرآن، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، البلاغ المبین، اسلام کا اقتصادی نظام)، حسین احمد مدنی (صاحب حلیۃ المسلمین، الشہاب الثاقب، نقش حیات، سلاسل طیبہ، ڈاڑھی کی شرعی حیثیت، عقائد علمائے دیوبند، حسام الحرمین)۔

محمد ادریس کاندھلوی (صاحب حیات الصحابہ، سیرۃ المصطفیٰ، شرح مشکوٰۃ المصابیح)، محمد یوسف کامل پوری (صاحب تکملة الحاشیه علی تخریج الزیلعی)، سرسید احمد خاں (صاحب تفسیر احمدی، آثار الصنادید، مکاتیب سرسید)، سرراس مسعود، یوسف بنوری (صاحب معارف السنن)، عبدالرزاق ملیح آبادی (صاحب ترجمہ ابوسیلہ لابن تیمیہ)، امیر علی (تلمیذ عبدالحی لکھنوی صاحب التذنیب)، فضل اللہ حیدر آبادی (صاحب فضل اللہ الصمد فی توضیح الادب المفرد للبخاری)، عبدالعزیز پنجابی (صاحب تعلیق علی نصب الرایه للزیلعی، اطراف البخاری)، اکرم بن عبدالرحمن السندی (صاحب

امعان النظر بشرح نخبة الفکر)، ولی اللہ فرخ آبادی (صاحب المطر الثحاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج بلسان الفارسی)، محمود حسن ٹونکی (صاحب معجم المصنفین)، محمد بن قاسم حیدر آبادی (صاحب القول المستحسن فی فخر الحسن)، عبدالحق الہ آبادی (صاحب تقریر شرح المناسک لعلی القاری)، محمد بدر عالم میرٹھی (صاحب تعلیقات علی فیض البری للعلامه انور شار کشمیری، ترجمان السنه، جواهر الحکم)، بحر العلوم لکھنوی (صاحب تنویر المنار)۔

ولی اللہ لکھنوی (صاحب شرح مسلم الثبوت)، حیدر علی فیض آبادی (صاحب منتهی الکلام)، ملا جیون (صاحب تفسیر احمدی)، اللہ داد جونپوری (محشی هدایه)، مہدی حسن شاہجہاں پوری (صاحب شرح کتاب الآثار لمحمدبن الحسن الشیبانی)، فخر الحسن گنگوہی (محشی سنن ابی داؤد)، مرزا حیرت دہلوی (صاحب حل صحیح البخاری)، سراج احمد سرہندی (شارح ترمذی)، عبدالحق حقانی (صاحب تفسیر حقانی)، حکیم محمد اشرف سندھو (صاحب مقیاس حقیقت بجواب مقیاس حنفیت، پیغام جیلانی، مقام اہل حدیث، رکعات قیام رمضان من اقوال اصحاب النعمان، فرقہ ناجیہ، البشری بسعادة الدارین فی سوانح سید نذیر حسین، بریلوی عقائد واعمال، بریلویت کا پس منظر، تصور شیخ کا پس منظر، عقیدہ حیات النبی، اکمل البیان فی شرح حدیث نجد قرن الشیطان، اکابر علماء دیوبند کا مذہب، فرقہ وجودیہ کی اصلیت اور پہچان وغیرہ)۔

اسد علی اسلام آبادی، سید شاہجہاں، شیخ نذیر فریدی اعظمی، حافظ شاہ محمد نعیم عطاء، ابو اسماعیل یوسف حسین خان پوری ہزاروی، احمد علی سہارنپوری، محمد بن بارک اللہ پنجابی، محمد اویس نگرامی، عبدالسلام قدوائی ندوی، عبدالمجید سالک، فضل الحق خیر آبادی، آزاد سبحانی، محمد اسحاق سندیلوی، حمید اللہ حیدر آبادی، جعفر حسین، احمد حسن امروہوی، حسین علی میانوالی، یوسف کاندھلوی، محمد الیاس میواتی (بانی تبلیغی جماعت)، نور الحسن کاندھلوی، امام علی الحق سیالکوٹی، ملا کمال کشمیری، قطب الدین سہالوی، کریم الدین عثمانی، غلام حیدر بن شیخ ہدایت اللہ عظیم آبادی، ابوعبید اللہ غلام حسن سیالکوٹی، فضل الرحمن مراد آبادی، فضل الرحمن بن حاجی عبدالسمیع مبارک پوری، لطف اللہ علی گڑھی، حفیظ اللہ علی گڑھی، غلام علی قصوری، علامہ سنبھلی (صاحب احیاء السنن) قاضی بدر الدولہ مدراسی، (صاحب تفسیر فیض الکریم)، عبداللہ الہ آبادی، محمد سعید مغل پوری، نور اللہ بن شہباز الہندی، عبدالقدوس گنگوہی، محب اللہ الہ آبادی، امان اللہ

پانی پتی، ڈاکٹر محمد رفیع الدین، احسان اللہ شاہ ابن ابی تراب رشد اللہ شاہ الراشدی، محمد خلیل بن محمد سلیم خیر پوری، حافظ فتحی جہلمی، بہاء الدین خاں جلال آبادی، قطب الدین ہالیجوی، نور عیسیٰ خیلی، عبد الکریم نواب شاہی، ابو اسحٰق نیک محمد مراتسری (خلیفہ عبد الجبار غزنوی)، بشیر احمد ملتانی، عطاء اللہ لکھوی، حافظ گوندلوی، عبد القادر حصاری، عنایت اللہ وزیر آبادی، ابو محمد عبد الستار، محمد یوسف کلکتوی، عبد الشکور شکراوی، عبد الجلیل سامرودی سورتی، شفیع محمد المنکیو سکرندی، عاشق الٰہی میرٹھی، سعید احمد اکبر آبادی، حکیم محمد صادق سیالکوٹی، عبد القہار، محمد یونس دہلوی۔

حکیم عبد السمیع شفا اثری (صاحب ترجمہ صاحب تحفۃ الاحوذی، علم غیب، اہل بیت رسول)، سید تقریظ احمد سہسوانی، سید ابو الاعلیٰ مودودی (صاحب تفہیم القرآن، پردہ، خلافت وملوکیت، الجہاد فی الاسلام، رسالہ دینیات، ہندوستان کی سیاسی کشمکش، رسائل ومسائل، خطبات، سیرت سرور دو عالم وغیرہ)، محمد زکریا کاندھلوی (صاحب اوجز المسالک فی شرح مؤطا امام مالک، تاریخ مشائخ چشت، مکتوبات تصوف، صحبت با اولیاء، انعام الباری شرح اشعار البخاری، شمائل ترمذی، تبلیغی نصاب، فضائل حج وغیرہ)، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (صاحب التعلیقات السلفیة علی سنن النسائی) اور علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید (صاحب الشیعة واهل البیت، الشیعة والسنة، الشیعة والقرآن، الشیعة والتشیع، البریلویة، القادیانیه، البهائیه، الاسماعیلیه، البابیه، التصوف، بین الشیعة واهل السنة) وغیرہ جیسے مشاہیر علماء پیدا ہوئے لیکن ان میں سے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، میاں سید نذیر حسین دہلوی، شیخ حسین بن محسن الیمانی، عبد اللہ محدث غازی پوری، شمس الحق عظیم آبادی اور عبد الرحمن مبارکپوری رحمہم اللہ کو جو مقام حاصل ہوا وہ کسی دوسرے کے حصہ میں نہ آیا۔

ذیل میں ہم اس صدی کے چند مشاہیر کا تذکرہ کریں گے:

عبد الجبار غزنوی رحمہ اللہ:

ابنائے غزنویہ میں عبد الجبار غزنوی تقویٰ وطہارت زہد وورع اور علم وفضل میں سب سے فائق تھے۔ ان کے زبان وبیان کی تاثیر کا عالم شبلی نعمانی کے ان کلمات سے بخوبی ہوسکتا ہے:

”جس وقت وہ شخص اپنی زبان سے اللہ کا نام لیتا تھا تو بے اختیار جی چاہتا تھا کہ سر

ان کے قدموں پر رکھ دیجئے۔''①

حافظ عبدالمنان وزیرآبادی رحمہ اللہ:

آپ کے متعلق سید عبدالحی لکھتے ہیں:

''أخذ عنده خلق لا یحصون بحد و عد۔''②

یعنی ''ان سے بے حد وحساب مخلوق نے علم حاصل کیا۔''

مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، حافظ محمد گوندلوی مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد علی لکھوی اور مولانا عبدالمجید سوہدروی آپ کے مشہور تلامذہ گزرے ہیں۔ کسی شاعر نے آپ کے متعلق کیا خوب کہا ہے ؎

وہ ساقی کوثر سنت وزیر آباد میں لایا
اٹھا کر فیض دہلی سے یہاں پنجاب میں لایا
وہ نابینا تھا لیکن بیناؤں کا رہبر تھا
عصا توحید کا رکھتا تھا ضیائے سنت سے انور تھا

ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ:

مولانا عبدالحی لکھنوی اگرچہ حنفی المسلک تھے لیکن متعدد فقہی مسائل میں آں رحمہ اللہ نے اپنے فقہاء کی آراء سے جرأتمندانہ اختلاف کرتے ہوئے سنت کو ترجیح دی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض علماء حنفیہ کو ان کا یہ محققانہ طرز بالکل نہ بھایا تو انہوں نے آں رحمہ اللہ پر یہ حکم لگا دیا:

''اِلا اَن لہ بعض آراء شاذۃ لا تقبل فی المذھب''

یعنی ''ان کی بعض آراء شاذ ہیں جو مذہب حنفیہ میں قابل قبول نہیں ہیں۔''

افسوس کہ جب فاضل لکھنوی کے شاگرد ظہیر احسن نیموی نے اپنے استاذ کی محققانہ روش ترک کر کے مقلدانہ طرز کو اختیار کیا تو انہی متعصب علماء نے ان کی ''مساعی'' کو سراہتے ہوئے مولانا عبدالحی کا ''کفارہ'' قرار دیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔③

① پرانے چراغ ۲/۲۷۶۔ ② ثقافت ہند، ص ۱۴۲۔
③ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مجلہ ''برہان'' دہلی، ص ۵۵ مجریہ ماہ جولائی ۱۹۵۱ء۔

شیخ الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ:

جب شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے جانے لگے تو اپنا جانشین ایک ایسے شخص کو بنایا جو اپنے زمانہ کا منفرد، اپنے وقت کا قطب، مرجع آفاق بالاتفاق، استاذ عرب وعجم اور تیرہویں صدی ہجری کا مجدد اعظم تھا یعنی شیخ اجل میاں سید محمد نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ۔

شاہ محمد اسحٰق دہلوی کی مسند درس وافتاء پر آپ بارہ سال تک مختلف علوم وفنون کی تمام متداولہ کتب کا درس دیتے رہے پھر آپ پر قرآن وحدیث کے درس وتدریس کی محبت غالب آ گئی چنانچہ آپ نے ان علوم شریفہ کے علاوہ باقی دوسرے تمام علوم سے کنارہ کشی اختیار کر لی مگر فقہ سے یک گونہ اشتغال باقی رہا۔ آخر عمر تک آں رحمہ اللہ ان علوم کے درس وتدریس میں مصروف رہے۔

۱۲۷۰ھ تا ۱۳۳۰ھ تک تقریباً باسٹھ سال آپ کا یہ فیض جاری رہا۔ علوم حدیث پر آپ کی نظر قدر وسیع تھی کہ لوگ آپ کو ''بیہقی وقت'' پکارا کرتے تھے۔ ڈاکٹر محمد تقی الدین الہلالی المراکشی (سابق استاذ حدیث الجامعۃ الاسلامیہ، المدینۃ المنورۃ) فرماتے ہیں کہ:

''آپ اپنے وقت کے امام بخاری تھے۔''①

بعض سوانح نگاروں نے آپ کے تلامذہ کی تعداد پانچ صد نام بنام لکھی ہے لیکن آپ کے ایک نامور شاگرد علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے آپ کے تلامذہ سے محققین کاملین کی تعداد ایک ہزار تک اور باقی تلامذہ کی تعداد کئی ہزار تک بیان کی ہے۔②

آپ کے تلامذہ میں ہندوستان کے علاوہ حجاز، مصر، شام، یمن، بلخ، بدخشاں، سمرقند، نجد اور بخارا وغیرہ کے طلباء بھی شامل تھے۔ آپ کی درس گاہ سے فیضیاب ہونے والے یہ ہزارہا جویان علم ودانش اقطاع عالم میں پھیل کر دین کی اشاعت وخدمت میں مصروف ہوئے اور ناقابل فراموش علمی خدمات انجام دیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی آپ کی درس گاہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علمائے اہل حدیث کی تدریسی وتصنیفی خدمت قدر کے قابل ہے۔ پچھلے عہد میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے قلم اور مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی تدریس

---

① مجلہ صوت الجامعہ بنارس، مجریہ ماہ فروری ۱۹۷۴ء۔
② مقدمہ غایۃ المقصود ص ۱۳۔

سے بڑا فیض پہنچا۔ بھوپال ایک زمانہ علمائے اہل حدیث کا مرکز رہا۔ قنوج، سہسوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل علم اس ادارہ میں کر رہے تھے۔ شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے اور دہلی میں مولانا سید نذیر حسین صاحب کی مسند درس بچھی تھی اور جوق در جوق طالبین حدیث مشرق ومغرب سے ان کی درس گاہ کا رخ کر رہے تھے۔''①

مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی آپ کے چند مشہور تلامذہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''السید عارف باللہ مولانا عبداللہ غزنوی، آپ کے صاحب زادہ عالی السید مولانا عبدالجبار غزنوی، شیخ پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی، مولانا حافظ عبداللہ مبارکپوری، صاحب عون المعبود مولانا شمس الحق عظیم آبادی ڈیانوی، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا شاہ عین الحق پھلواروی، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی، مولانا محمد سعید بنارسی، مولانا امیر حسن، مولانا امیر احمد اور مولانا بشیر ساکنین سہسوان۔''②

شیخ الکل رحمہ اللہ اپنی حدیثی خدمات کے متعلق بجا طور پر فرمایا کرتے تھے کہ:

''میں نے صحاح ستہ کو گلستاں و بوستاں کر دیا ہے۔''

مولوی سید امیر علی حنفی شیخ الکل رحمہ اللہ سے اپنی سند بیان کرتے ہوئے کس درجہ احترام واکرام کو ملحوظ رکھا کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''إن إسنادی اتصل إلی الشیخ الامام المصنف رحمہ اللہ عن شیخنا الإمام شرف الأنام الزاهد العابد العالم الربانی الذی ما أحسبنی رأیت مثله بعینی هاتین مولانا سید نذیر حسین الدهلوی۔''③

یعنی ''میری سند شیخ امام مصنف (یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی) تک ہمارے شیخ امام،

---

① تراجم علمائے حدیث ہند ۱/۳۶.

② ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ص ۲۰۷.

③ التذنیب، ص ۳۴.

شرف الانام، زاہد و عابد، عالم ربانی کہ ان جیسا میری ان دونوں آنکھوں نے کسی کو نہیں دیکھا مولانا سید نذیر حسین دہلوی کے واسطہ سے پہنچتی ہے۔''

شیخ الکل رحمہ اللہ کی عظمت کا بخوبی اندازہ ایک مشہور صوفی خواجہ غلام فرید کے مندرجہ ذیل قول سے بھی لگایا جا سکتا ہے، منقول ہے:

''حضرت خواجہ محمد بخش نے عرض کیا کہ حضور لوگ مولوی نذیر حسین کو غیر مقلد اور وہابی کہتے ہیں، وہ کیسے آدمی تھے؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ وہ تو ایک صحابی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کسی شخص کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ دنیا میں اس کی مانند کوئی نہ ہو۔ چنانچہ آج کل کے زمانے میں علم حدیث میں ان کی کوئی نظیر نہیں نیز وہ اس قدر بے نفس ہیں کہ اہل اسلام کے کسی فرقے کو برا نہیں کہتے اگر چہ لوگ ان کو منہ پر برا بھلا کہتے ہیں لیکن وہ کسی کو برا نہیں کہتے۔''①

نواب صدیق حسن خاں قنوجی رحمہ اللہ:

اس صدی کی ایک اور اہم شخصیت یعنی محی السنہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی ثم بھوپالی کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کے تاثرات آپ نے اوپر ملاحظہ فرمائے۔ سابقہ صفحات میں آپ کی بلند پایہ علمی تصانیف کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے۔ علامہ شمس الحق عظیم آبادی آں رحمہ اللہ کے لئے بجا طور پر ''بحرًا زخارًا لا ساحل له'' فرمایا کرتے تھے۔

مولوی امام خاں نوشہروی فرماتے ہیں:

''السید نواب صدیق حسن خاں صاحب قنوجی مرحوم کی دستار فضیلت جس وقت طرۂ شاہانہ سے مزین ہوئی تو ریاست بھوپال ایک سرے سے منبع علم و مرجع علماء ہو گئی۔ حضرت والا جاہ علیہ الرحمہ نے ایک محفل علم سجائی۔ مولانا قاضی بشیر الدین صاحب قنوجی مرحوم، مولانا قاضی محمد مچھلی شہری، مولانا سلامت اللہ جے راج پوری، شیخ حسین عرب یمنی، مولانا محمد بشیر سہسوانی بھوپال میں تشریف فرما ہیں۔ متعدد و مدارس علم و فن قائم ہوئے، طلباء کھچے چلے آرہے ہیں۔ ریاست کے تمام مسلمان

① ارشادات فریدی مترجم مقبوس، نمبر ۸۵، ص ۷۹۶۔

اس خدمت کی دینی برکتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ گویا کہ علم وفن کے اعتبار سے بھوپال کی قسمت ہی جاگ اٹھی۔''①

اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی فرماتے ہیں:

''نواب صاحب اصولاً شاہ ولی اللہ صاحب کے فقہی نقطۂ نظر کی بنیاد پر ۱۲۷۸ھ میں بلوغ المرام کی فارسی شرح مسک الختام، ۱۲۹۴ھ میں تجرید صحیح بخاری للشرحی کی شرح عون الباری، ۱۲۹۹ھ میں تلخیص صحیح مسلم للمنذری کی شرح السراج الوھاج تالیف فرمائیں۔ علاوہ ازیں اصحاب تحقیق کے لئے اگر ایک طرف ہزاروں کے صرفہ سے ۱۲۹۷ھ میں نیل الاوطار، ۱۳۰۰ھ میں ۵۰ ہزار روپے خرچ کر کے فتح الباری شرح صحیح بخاری بولاق مصر سے شائع کرائیں تو دوسری طرف صحاح ستہ بشمول مؤطا امام مالک کے اردو تراجم وشروح لکھوا کر شائع کرنے کا بھی اہتمام کیا تاکہ عوام براہ راست علوم وسنت کے انوار سے متمتع ہو سکیں۔''②

اہل عرب میں سے علامہ محمد منیر الدمشقی③، علامہ عبدالعزیز الخولی اور ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب وغیرہ نے بھی علامہ نواب صدیق حسن خاں کی علمی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ہے لیکن ان کا تذکرہ طول محض کا باعث ہوگا۔

علامہ سید حسین بن محسن یمنی رحمہ اللہ:

اس صدی کی ایک اور اہم شخصیت علامہ سید حسین بن محسن یمنی کے متعلق مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی صاحب کے تأثرات ملاحظہ فرمائیں:

''شیخ حسین بن محسن کا وجود اور ان کا درس حدیث ایک نعمت خداوندی تھا جس سے ہندوستان اس وقت بلاد مغرب ویمن کا ہمسر بنا ہوا تھا اور اس نے ان جلیل القدر

① ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ص ۲۶.
② پندرہ روزہ ''ترجمان'' دہلی مجریہ مارچ ۱۹۶۸ء.
③ انموذج، ص ۳۸۸ بحوالہ پندرہ روزہ ''ترجمان'' دہلی مجریہ مارچ ۱۹۶۸ء.

شیوخ حدیث کی یاد تازہ کر دی تھی جو اپنے خداداد حافظہ، علو سند اور کتب حدیث ورجال پر عبور کامل کی بنا پر خود ایک زندہ کتب خانہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ شیخ حسین بہ یک واسطہ علامہ محمد بن علی الشوکانی صاحب نیل الاوطار کے شاگرد تھے اور ان کی سند حدیث بہت عالی اور قلیل الوسائط سمجھی جاتی تھی۔ یمن کے جلیل القدر اساتذہ، حدیث کے تلمذ وصحبت، غیر معمولی حافظہ جو اہل عرب کی خصوصیت چلی آرہی تھی۔ سالہا سال تک درس وتدریس کے مشغلے اور طویل مداولت اور ان یمنی خصوصیات کی بنا پر جن کی ایمان وحکمت کی شہادت احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ حدیث کا فن گویا ان کے رگ وریشہ میں سرایت کر گیا تھا۔ اور ان کے دفتر ان کے سینہ میں سما گئے تھے۔ وہ ہندوستان آئے تو علماء وفضلاء (جن میں بہت سے درس وصاحب تصنیف بھی تھے) نے پروانہ وار ہجوم کیا اور فن حدیث کی تکمیل کی اور ان سے سند لی۔

تلامذہ میں نواب صدیق حسن خاں، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا شمس الحق عظیم آبادی، مولانا عبداللہ غازی پوری، مولانا عبدالعزیز آبادی، مولانا سلامت اللہ جے راج پوری، نواب وقار نواز جنگ، مولانا وحید الزماں حیدر آبادی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔"①

مولانا علی میاں مزید فرماتے ہیں:

"میرے استاذ حدیث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی رحمہ اللہ شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء جو شیخ صاحب کے شاگرد تھے، فرماتے تھے کہ "فتح الباری" جس کی تیرہ ضخیم جلدیں ہیں اور ایک مقدمہ کی علیحدہ جلد ہے شیخ صاحب کو تقریباً حفظ تھی۔"②

علامہ عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ:

اس دور کے ایک اور عبقری علامہ عبداللہ محدث غازی پوری کے متعلق سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

---

① حیات عبدالحی، ص ۶۳ (طبع دہلی)۔
② نفس مصدر، ص ۷۹۔۸۰ (طبع کراچی)۔

''اس درس گاہ (مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی درس گاہ) کے تیسرے نامور مولانا عبداللہ محدث غازی پوری ہیں جنہوں نے درس وتدریس کے ذریعہ خدمت کی اور کہا جا سکتا ہے کہ مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب کے بعد درس کا اتنا بڑا حلقہ اور شاگردوں کا مجمع ان کے سوا کسی اور میں نہیں ملا۔''①

علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ:

اس صدی کے ایک اور مشہور محدث علامہ شمس الحق ڈیانوی (عظیم آبادی) کے متعلق مولانا سید عبدالحی الحسنیٰ فرماتے ہیں:

''ثم رجع إلى بلده وعكف على التدريس والتصنيف والتذكير وبذل جهده في نصرة السنة والطريقة السلفية وإشاعة كتب الحديث۔''②

یعنی ''پھر آپ واپس اپنے وطن لوٹے۔ درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تذکیر ووعظ میں مصروف ہوئے اور اپنی ساری توجہ سنت کی حمایت اور کتب حدیث کی اشاعت کی طرف مبذول کر دی۔''

آپ کے تلامذہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا ابوالقاسم سیفؔ بنارسی فرماتے ہیں:

''آپ کے درس میں عرب وفارسی کے طلباء بھی دیکھے گئے ہیں اور بہت لوگوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔''③

مولانا ابوالحسنات عبدالشکور ندوی آپ کی علمی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا ڈیانوی وہ مایہ ناز ہستی ہے جس پر اس آخری دور میں ہندوستان جس قدر چاہے فخر کر سکتا ہے۔ تمام عمر خدمت علم حدیث میں بسر کر گئے۔ حدیث کے لئے آپ کے ہاں اکثر مدنی، یمنی اور نجدی عرب طلباء آتے تھے۔ مرحوم نے فن حدیث میں سنن ابی داؤد کی وہ بہترین شرح لکھی جس کو پڑھ کر عرب وعجم کی زبان

---

① تراجم علمائے حدیث ہند۔ ۱/ ۳۷.

② نزهة الخواطر ۸/ ۱۷۹.

③ اہل حدیث امرتسر مجریہ ۲۹/ اپریل ۱۹۲۳ء، ص ۱۱.

سے بے ساختہ صدائے تحسین و آفرین بلند ہوئی۔ التعلیق المغنی علی الدار قطنی بھی مرحوم کی عمدہ تصنیف ہے۔"①

مولانا خلیل احمد سہارنپوری حنفی نے آپ کی شرح "غایۃ المقصود" کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"یہ شرح ابوداؤد کے پوشیدہ خزانوں کو کھولنے والی اور تمام جواہرات سے بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف پر اپنا کرم و فضل فرمائے انہوں نے شرح کا حق ادا کر دیا ہے۔"②

علامہ محمد منیر دمشقی (م ۱۳۶۹ھ) آپ کی مشہور کتاب "عون المعبود" کے متعلق فرماتے ہیں:

"کل من جاء بعدہ من شیوخ الھند وغیرہ استمدوا من شرحه"۔③

یعنی "مصنف کے بعد ہند و بیرون ہند کے علماء نے آپ کی اس شرح سے استفادہ کیا ہے۔"

آپ کے حالات زندگی اور دینی و علمی خدمات کی تفصیل کے لئے "حیاۃ المحدث شمس الحق وأعماله" تالیف محمد عزیر سلفی کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔

علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ:

اسی دور کے ایک اور مشہور محدث مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری تھے جن کی تصانیف واساتذہ کا تذکرہ مختصراً اوپر گزر چکا ہے۔ آپ کے تبحر علمی کا تذکرہ کرتے ہوئے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے سابق استاذ حدیث ڈاکٹر محمد تقی الدین المراکشی جنہیں علامہ مبارک پوری سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا اپنے مضمون "ہندوستان میں اہل حدیث" قسط نمبر ۳ (مترجم آزاد رحمانی) میں فرماتے ہیں:

"میں اپنے رب کو شاہد بنا کر کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم مبارکپوری رحمہ اللہ اگر تیسری صدی ہجری کی شخصیت ہوتے تو آپ کی تمام وہ حدیثیں

① ہندوستان کی قدیم درس گاہیں، ص ۴۷۔

② بذل المجھود شرح سنن ابی داؤد ۱/۱۱۔

③ النموذج من الاعمال الخیریۃ، ص ۶۲۷۔

جنہیں آپ نبی کریم ﷺ سے یا آپ کے اصحاب سے روایت کرتے۔ صحیح ترین احادیث ہوتیں اور ہر وہ چیز جسے آپ روایت کرتے حجت بنتیں اور اس بات میں کسی دو آدمی کا بھی اختلاف نہ ہوتا۔'' ①

علامہ مبارکپوری کے مشہور تلامذہ میں مولانا عبدالسلام مبارکپوری (صاحب سیرۃ البخاری)، مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری مدظلہ (صاحب مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح)، مولانا عبدالجبار محدث کھنڈیلوی، مولانا امین احسن اصلاحی (صاحب تدبر قرآن)، شیخ عبداللہ نجدی قویعی ثم المصری، وعبدالقادر تقی الدین الہلالی المراکشی، حکیم مولوی عبدالسمیع شفا اثری مبارک پوری (صاحب ترجمہ علامہ مبارکپوری) اور والد محترم مولانا محمد امین اثری رحمانی مبارکپوری (صاحب تحفۂ حدیث، کتاب روزہ) زید مجدہ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

آں رحمہ اللہ کے تفصیلی حالات زندگی کے لئے تذکرہ علمائے حال، تراجم علمائے اہل حدیث، مقدمہ تحفہ الاحوذی، معجم المؤلفین للشیخ محمد رضا کحالہ، نزھۃ الخواطر، تذکرہ علماء مبارکپوری پور للقاضی اطہر مبارک پوری، حیات عبدالحی لابی الحسن علی الندوی، ماہنامہ صوت الجامعہ بنارس، مقدمہ مختارات الاحادیث والحکم النبویہ عبدالوہاب عبداللطیف مصری، مجلہ الحج مکرمہ اور علامہ مبارک پوری کی علمی خدمات پر مولوی عبدالکبیر عبدالقوی حفظہ اللہ کی غیر مطبوعہ بحث وغیرہ کی طرف مراجعت مفید ہوگی۔ ②

یہ ہے ہندوستان میں چودہ سو سالہ محدثین کرام اور علمائے حق کی اشاعت اسلام کے سلسلہ میں کی گئی جانفشانیوں کی ایک مختصر سی تاریخی جھلک۔ واضح رہے کہ زیر نظر کتابچہ میں مذکور اِن علماء اور خدام دین کے علاوہ بے شمار اصحاب علم وقلم اور بھی گزرے ہیں مگر یہاں ان کے اسمائے گرامی طوالت محض سے بچنے کی غرض سے ترک کر دیئے گئے ہیں۔

---

① مجلہ ''صوت الجامعہ'' بنارس مجریہ ماہ رجب ۱۳۹۴ھ۔
② تذکرہ علمائے حال، ص ۴۳، نزھۃ الخواطر ۸/۲۴۲، مقدمہ مختارات الاحادیث والحکم النبویہ للشیخ عبدالوھاب، ص ۳، تذکرہ علمائے مبارکپور، ص ۱۴۵-۱۵۶، مجلہ صوت الجامعہ بنارس مجریہ ماہ فروری، مئی و اگست ۱۹۷۴ء۔

ہندوستان میں محدثین کی خدمات کے ثمرات

بزبان سید سلیمان ندوی

ایک مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے ہمعصر مولانا مناظر احسن گیلانی کی ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ہندوستان میں علمائے حدیث کی انہی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا تھا:

''صحاح ستہ کی تعلیم ہی کا یہ اثر ہے کہ شاہ صاحب کے عہد سے آج تک بحمد اللہ اس ملک میں بدعات کا زور گھٹ رہا ہے اور سنت کا شوق بڑھ رہا ہے اور اب فقہاء بلکہ صوفیاء بھی ہر عربی عبارت کے ٹکڑے کو حدیث کا رتبہ نہیں دیتے اور نہ اقوال تابعین ومرسلات ومنقطعات کو حدیث مرفوع ومتصل کا ہم پایہ سمجھا جاتا ہے۔'' الخ①

مختصر یہ کہ یہ ان تمام علمائے کرام کی شب وروز مساعی جمیلہ کا ہی نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں آج بھی اسلام نہ صرف اپنی اصل ہیئت میں باقی ہے بلکہ تصوف اور تقلید جامد کے طوفانی سیلاب کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہے۔

عالم اسلام کا ہندوستانی علماء کی علمی خدمات پر خراج تحسین:

عالم اسلام کے متعدد اہل دانش وبینش نے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی اشاعت اسلام بالخصوص علم حدیث کی خدمات کے سلسلہ میں ہندوستان کے علماء حدیث کے مقتدیٰ ہونے کا اعتراف برملا کیا ہے چنانچہ استاذ محمد ابوزہو مصری علامہ زاہد کوثری حنفی کے حوالہ سے ''ارض ہندو پاک میں اشاعت حدیث'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

''ایسے آڑے وقت میں جب کہ لوگ حدیث کے لئے کمر بستہ نہ تھے اور ہمتیں پست ہوگئی تھی، اہالیان ارض پاک وہند نے حدیث نبوی اور اس کے علوم کی جو خدمات جلیلہ انجام دی تھیں انہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ برصغیر کے علماء ایسے تھے جنہوں نے صحاح ستہ کی نہایت مفید شرحیں لکھیں اور ان پر قیمتی حواشی تحریر کئے۔

---

① ماہنامہ معارف اعظم گڑھ مجریہ دسمبر ۱۹۴۴ء۔

احادیث احکام سے متعلق علماء نے ضخیم کتب تصنیف کیں، نقد رجال، علل حدیث کے ذکر و بیان اور شرح الآثار کے ضمن میں ان کے احسانات ناقابل فراموش ہیں۔ اسی طرح مختلف علوم الحدیث اور ان کے متعلقات کے بارے میں بھی ان کی تصانیف کچھ کم قابل قدر نہیں۔''①

اسی طرح علامہ سید رشید رضا مصری (م ۱۳۵۴ھ) بھی ہندوستان کے علماء حدیث کو ان کی مساعی جمیلہ پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

''ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث فی هذا العصر یقضی علیها بالزوال من أمصار الشرق فقد ضعفت فی مصر و الشام و العراق و الحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتی بلغت منتهی الضعف فی أوائل هذا القرن الرابع عشر۔''②

یعنی ''اگر اس زمانہ میں ہمارے ہندوستانی اہل علم بھائیوں کی علم حدیث کی طرف خصوصی توجہ اور خدمات نہ ہوتیں تو مشرق کے علاقوں سے علم حدیث مفقود ہو چکا ہوتا۔ مصر، شام، عراق اور حجاز میں (علماء کے عدم التفات کے باعث) دسویں صدی ہجری سے ہی علم حدیث کمزور پڑ چکا تھا اور اب چودہویں صدی ہجری کے اوائل تک ضعف کا یہی حال ہے۔''

ایک اور مصری محقق علامہ عبدالعزیز الخولی فرماتے ہیں:

''ولا يوجد فی الشعوب الاسلامية علی كثرتها و اختلاف أجناسها من وفی الحديث قسطه من العناية فی هذا العصر مثل إخواننا مسلمی الهند أولئک الذين وجد بينهم حفاظ للسنة دارسون لها علی ما كانت تدرس فی القرن الثالث حريةً فی الفهم ونظراً الاسانيد۔''③

یعنی ''شعوب اسلامیہ کی کثرت اور اجناس مختلف ہونے کے باوجود ان میں کوئی بھی

①تاریخ حدیث و محدثین، اردو ترجمہ الحدیث والمحدثون لابی زھو، مترجم غلام احمد حریری، ص ۵۸۸۔۵۸۹، مقالات محمد زاہد الکوثری، ص ۷۱۔
②مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ۔
③مفتاح السنۃ، ص ۱۶۹۔

ایسا نہیں ملتا جس نے اس زمانہ میں ہمارے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کے مثل تعلق بالحدیث کا تقاضا پورا کیا ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن میں سنت کے حفاظ پائے جاتے ہیں اور جو اس کا درس تیسری صدی ہجری کی طرح ہی حریت فکر اور اسانید پر پوری بصیرت کے ساتھ دیتے ہیں۔''

آں موصوف ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

''وفی الهند الآن طائفة کبیرة تهتدی بالسنة فی کل أمور الدین ولا تقلد أحداً من الفقهاء ولا المتکلمین وهی طائفة المحدثین۔''

یعنی ''ہندوستان میں اب بھی ایسی جماعت موجود ہے جو تمام امور دین میں صرف سنت سے رہنمائی حاصل کرتی ہے اور فقہاء و متکلمین میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتی۔ یہ محدثین کی جماعت ہے۔''

پھر آں موصوف نے اس جماعت کے اعلام میں شاہ ولی اللہ اور نواب صدیق حسن خاں وغیرہ کو شمار کیا ہے۔

علامہ محمد منیر دمشقی اس طائفہ مبارکہ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وهی نهضة عظیمة أثرت علی باقی البلاد الإسلامیة فاقتدی بها غالب البلاد الإسلامیة فی طبع کتب الحدیث والتفسیر۔''①

یعنی ''یہ عظیم تحریک دوسرے بلاد اسلامیہ پر مؤثر ہوئی تو اکثر بلاد اسلامیہ نے کتب احادیث و تفسیر کی طباعت میں ان کی اقتداء کی۔''

دمشق یونیورسٹی کے استاذ ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب ''سنن الترمذی'' کی شروح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وقد شرح سنن الترمذی عدد من العلماء من أجمع هذه الشروح عارضة الأحوذی للامام محمد بن عبداللہ (ابن العربی) المعافری و تحفة الأحوذی شرح جامع الترمذی للامام محمد بن عبدالرحمن المبارکفوری

① أنموذج من الأعمال الخيرية، ص ۴۶۸۔

الهندى۔''①

یعنی ''بہت سے اہل علم نے سنن ترمذی کی شروح لکھی ہیں۔ سب سے جامع شروح میں سے امام ابن العربی کی عارضۃ الاحوذی اور امام محمد عبدالرحمن مبارک پوری ہندی کی تحفۃ الاحوذی ہے۔''

دیکھئے مصنف موصوف نے کس قدر شرح صدر سے ایک ہندوستانی مصنف کو ''امام'' کے لقب سے یاد کر کے علماء ہند کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ اسی طرح آں موصوف سنن النسائی کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''ومن أجود طبعاته المحققة سنن النساى بالتعليقات السلفية بتحقيق فضيلة الأستاذ محمد عطاء الله الفوجيانى الأمرتسرى طبع المكتبة السلفية بلاهور فى باكستان۔''②

یعنی ''سنن النسائی کی محقق اور عمدہ طبع وہ ہے جو فضیلۃ الاستاذ محمد عطاء اللہ (حنیف) بھوجیانی امرتسری کی تعلیقات وتحقیقات کے ساتھ پاکستان میں مکتبہ سلفیہ لاہور سے شائع ہوئی ہے۔''

اس سے قبل ڈاکٹر موصوف نے ''سنن ابی داؤد'' کی شرح ''عون المعبود'' کا ذکر بھی بطور خاص کیا ہے۔③

حاصل کلام یہ کہ

اقلیم ہند میں اشاعت اسلام کا سہرا فقط محدثین اور علمائے حق کے سر ہے، صوفیاء کا اس میں قطعاً کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ اشاعت اسلام کے لئے جدوجہد بنیادی طور پر ان کے لائحہ عمل کا جزو نہ تھی بلکہ انہوں نے تصوف کو اسلام کے روبرو ایک متوازی دین بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔ الحمدللہ اس معاملہ میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے استاذ ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی اصلاحی صاحب بھی ہم سے متفق نظر آتے ہیں کہ صوفیاء کرام نے برصغیر میں اشاعت اسلام کے لئے سرے سے کوئی کاوش نہیں کی، چنانچہ

①لمحات فی المکتبۃ البحث والمصادر، ص ۱۷۴۔
②نفس مصدر، ص ۱۷۳۔
③لمحات فی المکتبہ والبحث والمصادر، ص ۱۷۲۔

اپنے ایک مضمون ''اسلام کی توسیع واشاعت میں صوفیاء کرام کا حصہ'' میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''یہ حقیقت ہے کہ اشاعت دین کے لئے سعی کرنا تصوف کے بنیادی مقاصد میں کبھی شامل نہیں رہا۔''①

ڈاکٹر ظلی صاحب کی اس پر حقیقت شہادت سے ہمارا یہ موقف مزید مؤکد ہوجاتا ہے کہ برصغیر میں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں صوفیاء کرام کے غیر معمولی کردار کا جو تأثر انتہائی مؤثر اور دلآویز انداز میں پیش کیا گیا اور چہار سو شائع ہے وہ محض ایک مغربی مستشرق عالم کی ذہنی اُپج ہے، کوئی متوازن تاریخی حقیقت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

① ہفت روزہ ''آئین'' لاہور (ماہنامہ ایڈیشن) مجریہ ماہ دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۴۵

مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف کی اشاعت کے اسباب

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف کی اشاعت کے اسباب

اسلامی تصوف، قرآن و حدیث (سنت نبوی) سے ماخوذ ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں۔(۱) توحید خالص (۲) تبلیغ دین (۳) اتباع شریعت (۴) خدمت خلق (۵) جہاد۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف بھی راہ پا گیا اور یہ تصوف چونکہ عجمی یا غیر اسلامی تھا اس لیے اس کے اجزائے ترکیبی اسلامی تصوف کی ضد تھے یعنی (۱) شرک (حلول و اتحاد و انسان پرستی و تجسم و تناسخ ارواح) (۲) رہبانیت (۳) تخریب دین (۴) اباحت مطلقہ (۵) نفاق و مداہنت ①۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہ اور امام ابن القیم رحمہما اللہ سے لے کر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ صاحب تک، ملت اسلامیہ کے تمام مجددین اور اولیائے امت نے اپنی پوری قوت کے ساتھ اس غیر اسلامی تصوف کے خلاف علم جہاد بلند کیا، اور مسلمانوں کو اس کے مفاسد سے آگاہ کر کے بلا خوف لومۃ لائم اپنا فرض منصبی انجام دیا۔

بہر کیف جس طرح بعض مسلمانوں کی گمراہی سے اسلام پر کوئی حرف نہیں آ سکتا اسی طرح بعض صوفیوں کی گمراہی سے اسلامی تصوف مورد طعن نہیں بن سکتا آئندہ سطور میں ہم یہ دکھا دیں گے کہ مسلمانوں میں غیر اسلامی یا عجمی تصوف کی اشاعت کے اسباب کیا تھے، واضح ہو کہ یہ بحث بہت تفصیل طلب ہے مگر اس کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اس لیے ہم اجمال پر اکتفا کریں گے۔

پہلی بحث:

واضح ہو کہ ابتدائے اسلام سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے وسط تک مسلمانوں میں کوئی فرقہ نہ تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مسلمانوں کو حزب اللہ قرار دیا گیا ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾②

---

① ترجمان حقیقت اکبر الہ آبادی مرحوم نے اس شعر میں انہی مفاسد کی طرف اشارہ کیا ہے۔

② سورہ مجادلہ: ۲۲۔

''یہ لوگ (جن کی صفات اوپر بیان ہو چکی ہیں) اللہ کی پارٹی یا جماعت یا فوج ہیں اور آگاہ ہو جاؤ کہ یقیناً اللہ ہی کی جماعت فلاح پائے گی''۔

ظاہر ہے کہ اگر کسی فوج یا جماعت میں تفرقہ پیدا ہو جائے تو اس کا خاتمہ یا مغلوب ہو کر غلام ہو جانا اور اپنی ہستی سے محروم ہو جانا یقینی ہے۔ اس لیے از روئے عقل و نقل، مسلمانوں میں کوئی فرقہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا تھا اور اسی لیے اللہ نے قرآن حکیم میں بار بار مسلمانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ دیکھو! اپنے اندر فرقہ بندی، گروہ بندی، تشتت، افتراق یا پارٹی بازی کو راہ نہ دینا، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ بخوف طوالت صرف چند آیتوں پر اکتفا کرتا ہوں:۔

(الف) ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا﴾ ①

''اے مسلمانو! تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھام لو اور مختلف فرقوں میں منقسم مت ہو''

(ب) ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ ②

اور اے مسلمانو! ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) کی طرح مت ہو جانا جو مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور جنہوں نے اللہ کی طرف سے واضح دلیلیں آ جانے کے بعد بھی آپس میں اختلاف کیا (اور اس اختلاف کی وجہ سے ان میں عقائد کی خرابیاں پیدا ہو گئیں)

(ج) ﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ ③

جن لوگوں (مسلمانوں) نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی فرقوں میں منقسم ہو گئے تم کو ان سے کوئی علاقہ یا سروکار نہیں ہے''

(د) ﴿وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا﴾ ④

اے مسلمانو! آپس میں نزاع (جھگڑا) مت کرو کیونکہ نزاع سے تفرقہ پیدا ہو گا اور فرقہ بندی سے تمہارے اندر بزدلی پیدا ہو گی اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہو۔''

---

① آل عمران: ۱۰۳۔ ② آل عمران: ۱۰۵۔

③ سورہ انعام: ۱۰۶۔ ④ سورہ انفال: ۴۶۔

اس آخری آیت سے فرقہ بندی کی مضرت کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن کا نازل کرنے والا مسلمانوں کو ایک متحد الخیال اور متحد المقصد فوج کے افراد قرار دیتا ہے، جن کے حق میں اختلاف سم قاتل سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ اسی لیے انہیں متنبہ کرتا ہے کہ دیکھنا! کہیں آپس میں نزاع کو راہ نہ دینا اور فرقوں میں منقسم نہ ہو جانا، کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری جماعت کے اندر مختلف الخیال گروہ (فرقے) پیدا ہو جائیں گے اور فرقہ بندی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم آپس میں لڑو گے اور آپس کی لڑائی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھ جائے گا بالفاظِ دیگر تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تمہارے اندر بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ اس تنبیہ کے بعد آخری نصیحت یہ فرمائی کہ دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدم رہو!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تجربہ کار سپہ سالار اپنی فوج کے نوجوانوں کو نصیحت کر رہا ہے۔ فی الجملہ اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ قرآن حکیم مسلمانوں کو اللہ کی فوج قرار دیتا ہے اور اس کی مزید تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

﴿ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٩﴾ ﴾①

''یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں اور آگاہ ہو جاؤ کہ شیطان کے گروہ کے لوگ گھاٹے میں رہیں گے۔②

یہ حقیقت ہے کہ قرآن کی رو سے (اللہ کی نگاہ میں) مسلمان قوم یا ملت اسلامیہ، اللہ کی فوج ہے اس آیت سے بھی ثابت ہوتی ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ③ ﴾

''بلا شبہ اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔''

چونکہ مسلمان اللہ کی فوج ہیں اسی لیے ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لیے تیاری سے غافل نہ ہوں:

---

① سورہ مجادلہ: ۱۹۔

② قرآن کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صرف دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے: (۱) حزب اللہ (اللہ کی جماعت) (۲) حزب الشیطان (شیطان کی جماعت) ان دو کے علاوہ جس قدر بھی جماعتیں ہیں وہ فرقہ بندی ہے۔

③ سورہ صف: ۴۔

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ﴾ ①

اے مسلمانو! دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیاری کرو جس قدر تم سے ممکن ہو سکے یعنی مادی قوت فراہم کرو اور گھوڑے باندھو (یعنی پلٹن اور رسالے تیار کرو)''

اس سلسلے میں قول فیصل یہ ہے کہ اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے یعنی جس طرح دنیاوی حکومتوں میں یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک شخص فوج میں بھرتی ہوتا ہے تو اسی وقت اپنی زندگی اور مرضی افسر فوج کے حوالے کر دیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایک شخص جب کلمہ پڑھ لیتا ہے تو حزب اللہ میں داخل ہو جاتا ہے اور اسے اپنی جان یا مال پر کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ②﴾

''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے عوض میں خرید لیا ہے (اب ان کا کام صرف یہ ہے کہ) وہ اللہ کی راہ میں لڑیں گے (جس کا نتیجہ لازمی طور سے یہ ہوگا کہ) وہ قتل کریں گے اور قتل ہو جائیں گے۔''

قرآن مجید میں اس نوعیت کی آیتیں بہت سی ہیں۔ ایضاح مقصد کے لیے اتنی ہی آیتیں کافی ہیں۔ قرآن حکیم نے مسلمانوں کی امتیازی صفت یہ بیان کی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ③﴾

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں (ان کی شناخت یہ ہے کہ) وہ کافروں پر سخت ہیں (مگر) آپس میں رحیم ہیں۔''

اس آیت سے ثابت ہوا کہ فرقہ بندی، اسلام کی ضد ہے کیونکہ فرقہ بندی کا لازمی نتیجہ آپس میں نزاع ہے بلاشبہ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو ''خدائی فوجدار'' قرار دیا ہے یعنی ان کا کام ہے کہ وہ دنیا سے برائی کو مٹائیں اور نیکی کی اشاعت کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ:

---

①سورہ انفال: ۶۰۔ ②سورہ توبہ: ۱۱۱۔
③سورہ فتح: ۲۹۔

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ①﴾

اے مسلمانو! تم دنیا میں بہترین جماعت ہو جو انسانوں کو نیکی کا حکم دو گے اور برائیوں سے منع کرو گے''۔

ظاہر ہے کہ اگر مسلمان خود مختلف فرقوں میں منقسم ہو جائیں گے تو نہ ان میں اتحاد باقی رہے گا نہ دوسروں کی اصلاح کا جذبہ باقی رہے گا اور نہ اس کے لیے وقت مل سکے گا' جو جماعت آپس میں لڑنے لگتی ہے وہ خود محتاجِ اصلاح ہو جاتی ہے۔

قصّہ کوتاہ قرآن کی ان صریح آیتوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ فرقہ بندی اسلام کی ضد ہے اور منشاء ایزدی کی عملاً تردید ہے۔

یہ آیتیں صدر اوّل کے مسلمانوں کے سامنے تھیں اور حضور انور ﷺ نے ۲۳ سال کی مدت میں ان کے اندر وحدت افکار و کردار پیدا کر دی تھی۔ تمام مسلمانوں کے سامنے ایک ہی مقصد تھا اور ایک ہی نصب العین تھا یعنی اعلاءِ کلمۃ الحق۔ اللہ کے کلمے (قرآن) کو دنیا میں بلند کرنا اُن کا جینا مرنا سب اللہ ہی کے لیے تھا۔②

اللہ سے بڑھ کر فطرت انسانی کا عالم اور کون ہو سکتا ہے؟ انسان کی یہ فطرت ہے کہ اگر وہ کسی شخصیت کو اپنا مقصود بنا لے اور اس کے لیے اپنی زندگی بسر کرنے لگے تو رفتہ رفتہ وہ خدا پرستی سے بیگانہ ہو جاتا ہے کیونکہ جب غیر اللہ مطمحِ نظر اور مقصود حیات بن گیا تو اللہ خود بخود نگاہ اور دل اور دماغ سب سے اوجھل ہو جائے گا اور شخصیت پرستی چونکہ شرک عظیم ہے اس لیے مسلمان، مسلمان نہیں رہ سکتا، مشرک ہو جائے گا۔ ویسا ہی مشرک جیسا کہ عیسیٰ یا کرشن یا لات و ہبل کا پرستار۔

اس لیے قرآن نے شخصیت پرستی کا خاتمہ کر دیا اور تاریخ مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ قرآن سے بڑھ کر کسی الہامی یا آسمانی کتاب نے شخصیت پرستی کی تردید نہیں کی

---

①سورہ آل عمران: ۱۱۰۔

② ''قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ'' (۶۔۱۶۲)'' آپ کہہ دیجیے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لیے ہے۔ جو ساری کائنات کا رب ہے''۔

ہے۔ کسی انسان کی پرستش کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ اس انسان میں الوہیت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اسی عقیدے نے رفتہ رفتہ تجسم یا حلول یا اوتار کے عقیدے کی شکل اختیار کرلی۔ دنیا میں جن جن انسانوں کی پرستش کی گئی ہے۔ پہلے ان میں الوہیت تسلیم کی گئی پھر ان کی پرستش شروع کی گئی اسی لیے قرآن نے شخصیت پرستی کا جس خوبی سے سدباب کیا ہے وہ مذاہب عالم کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔

(ا) مسلمانوں کو حکم دیا کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت سے پہلے آپ کی بشریت اور عبدیت کا اقرار کریں۔

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اس کلمہ شہادت میں عبدہٗ پہلے ہے رسول، بعد میں ہے۔

(ب) ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ①﴾

''اے رسول آپ اعلان کر دیجیے کہ میں تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں

(ج) ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ﴾ ②

''اور محمد (ﷺ) نہیں ہیں مگر رسول۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو (اے مسلمانو!) تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے یعنی اسلام چھوڑ دو گے؟''

اس نص صریح سے ثابت ہوا کہ اسلام کی روح خدا پرستی ہے، شخصیت پرستی نہیں ہے خواہ وہ شخصیت رسول ہی کیوں نہ ہو۔ اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اسلام میں کوئی شخصیت رسول ﷺ سے ارفع نہیں ہے لیکن اللہ نے اپنے دین اسلام کو رسول ﷺ کی شخصیت سے بھی وابستہ نہیں کیا۔ تا بدیگراں چہ رسد؟

اسلام کی تاریخ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ فخر حاصل تھا کہ سب سے پہلے انہوں نے مسلمانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ اسلام شخصیت پرستی کا نام نہیں ہے بلکہ خدا پرستی کا نام ہے یعنی مسلمان کا مقصود و مطلوب صرف اللہ ہے جو حی لا یموت ہے۔

جب سالم بن عبید کے ذریعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حادثۂ رحلت سرور عالم ﷺ کی خبر پہنچی تو

① سورہ کہف: ۱۱۰۔ ② آل عمران: ۱۴۴۔

آں جناب ﷺ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر کاشانۂ نبوت میں تشریف لائے۔ آں حضرت ﷺ کے جسد اطہر کے قریب کھڑے ہو کر رُخ روشن سے چادر ہٹائی۔ پیشانی مبارک پر بوسہ دیا۔ گریہ کناں آپ ﷺ کو مخاطب کر کے یوں گویا ہوئے۔

''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں۔ آپ ﷺ زندگی میں بھی پاک اور صاف رہے اور اب موت کے بعد بھی پاک اور صاف ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اللہ آپ کو ہرگز دو موتیں نہیں دے گا۔ وہ موت جو اللہ نے آپ کے لیے مقدر کر دی تھی وہ تو آپ کو آ ہی گئی''۔

یہ کہہ کر مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ یہاں عجیب کہرام مچا ہوا تھا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے کہ حضور انور ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھایا اور کہا بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے تو آں جناب رضی اللہ عنہ نے تقریر شروع کی۔ حمد وثنا کے بعد فرمایا۔

الا من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبداللہ فان اللہ حی لا یموت، قال اللہ تعالیٰ ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ. وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ الخ﴾

''جو شخص حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ بلا شبہ آنحضرت ﷺ وفات پا گئے لیکن جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ بے شک زندہ ہے جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

''محمد (ﷺ) نہیں ہیں مگر اللہ کے ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں پس اگر ان کو موت آجائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل، پیچھے کو لوٹ جاؤ گے؟ (اسلام ترک کر دو گے؟) اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ شکر کرنے والوں کو عنقریب جزا دے گا''۔

یہ تقریر سن کر حاضرین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ لیکن ساتھ ہی انہیں ایسا معلوم ہوا کہ یہ

آخری آیت گویا انہیں معلوم نہ تھی۔ اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تلاوت کی تو ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور یہ آیت اس قدر مؤثر ثابت ہوئی کہ ہر شخص اس کی تلاوت کر رہا تھا۔

خلاصۂ کلام ایں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما نے زبانی تعلیم اور اپنے طرز عمل سے یہ بنیادی حقیقت مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں کر دی تھی کہ فرقہ بندی اسلام کی ضد ہے اور مسلمانوں کی حیات اجتماعی کے حق میں سمِّ قاتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلافت شیخین رضی اللہ عنہما میں کوئی فرقہ موجود نہ تھا اور اس وحدت فکر و عمل ہی کا یہ ثمرہ تھا کہ مسلمانوں نے خلافت شیخین رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں عدیم المثال کامیابی حاصل کی جس کی تفصیل تاریخ اسلام کے صفحات سے واضح ہو سکتی ہے۔ یہ کامیابی اس قدر حیرت انگیز ہے کہ آج تک بہت سے غیر مسلم مؤرخین کے لیے ایک عقدہ لاینحل بنی ہوئی ہے۔ اقبال نے اسی عقدے کو اس شعر میں حل کیا ہے ؂

وحدتِ افکار و کردار آفریں
تا شوی اندر جہاں صاحب نگیں

دوسری بحث:

مسلمانوں کے ہاتھوں یہود کو جو ذلت نصیب ہوئی، اس کی خلش ان کے دل سے کبھی محو نہ ہو سکی۔ چنانچہ مسلمانوں کی طاقت کو ضعف پہنچانے اور اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لیے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں یمن کے ایک یہودی عبد اللہ بن سبا نے مدینہ میں آکر منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا۔

کسی یہودی کے لیے مسلک نفاق اختیار کرنا کوئی نئی یا دشوار بات نہیں تھی خود حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عبد اللہ بن ابی نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ جب تک زندہ رہا فتنہ پردازی میں مشغول رہا لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں، دین حق میں کسی قسم کے باطل کی آمیزش نہ کر سکا۔

چونکہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن سبا کوئی تاریخی شخصیت نہیں ہے اس لیے اس کی فتنہ پردازی کی داستان قلمبند کرنے سے پہلے چند تاریخی شواہد پیش کرنا ضروری ہیں تاکہ اس کی شخصیت متحقق ہو جائے۔

۱۔ مہدی توحیدی پور (پیرو مذہب شیعہ) نفحات الانس (جامی رحمہ اللہ) کے مقدمے میں ص/ ۲۹ پر لکھتا ہے:

''اوّلین کسیکہ نسبت الوہیت بحضرت امیر داد، عبد اللہ بن سبا بود کہ در زمانِ آنحضرت زندگی می کرد''

ترجمہ: ''پہلا شخص جس نے حضرتِ امیر کو الوہیت سے نسبت دی عبد اللہ بن سبا تھا جس نے آنحضرت کے زمانے میں زندگی بسر کی''

۲۔ ڈاکٹر کلین (KLEIN) الابانہ عن اصول الدیانۃ کے انگریزی ترجمے کے مقدمے میں ص/ ۸۱۷ پر لکھتا ہے:

''عبد اللہ ابن سبا یہودی نومسلم نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو ان سے یہ کہہ کر مخاطب ہوا اَنْتَ اَنْتَ اس جملے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ تو خدا ہے۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جلاوطن کر دیا کیونکہ ان کی رائے میں یہ جملہ کفر صریح تھا۔ لیکن عبد اللہ ابن سبا کے پیروؤں کے دلوں میں یہ عقیدہ جا گزیں ہو چکا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ نیز یہ ان کے اندر الوہیت کا ایک جزء الوہیت بصورتِ تناسخ ارواح، ان کے جانشینوں میں درجہ بدرجہ منتقل ہوتا رہا''۔

۳۔ سر ولیم میوٗر (MUIR) اپنی تصنیف ''الخلافت۔ اس کا عروج، انحطاط اور زوال'' میں ص/ ۲۱۶ پر لکھتا ہے:

''۳۲ھ میں جبکہ ابن عامر، بصرے کا گورنر تھا، عبد اللہ ابن سبا نے جسے عام طور سے ابن سوداء کہتے تھے، بصرے میں آکر اسلام قبول کیا۔ لیکن بہت جلد یہ حقیقت آشکار ہوگئی کی وہ دراصل حکومت وقت کے خلاف شدید باغیانہ خیالات رکھتا تھا بلکہ اس کی ذات مجسم بغاوت تھی، چنانچہ انہی باغیانہ خیالات کی وجہ سے اسے بصرہ، کوفہ، اور دمشق سے پے در پے جلاوطن کیا گیا۔ انجام کار مصر میں اسے گوشہ

عافیت میسر آ گیا اور یہاں بیٹھ کر اس نے عجیب وغریب بلکہ ہوشربا اور سراسر اسلام کی خلاف عقائد کی اشاعت شروع کی۔ مثلاً

(الف) حضرت عیسیٰ کی طرح آنحضرت ﷺ بھی دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔

(ب) فی الحال حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے وصی، وارث یا جانشین ہیں۔

(ج) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (نعوذ باللہ منہ) غاصب ہیں۔

اس لیے جب تک ان کی حکومت کا قلع قمع نہیں کیا جائے گا اس وقت تک صداقت اور عدالت کا قیام ناممکن ہے۔ مصر میں ان عقائد کو بہت جلد قبولیت حاصل ہوگئی۔

۴۔ پروفیسر نکلسن اپنی تصنیف ''عربوں کی ادبی تاریخ'' میں ص ر ۲۱۵ پر لکھتا ہے:

''عبداللہ ابن سبا (جس کا صحیح تلفظ سباع ہے) یمن کے شہر صنعاء کا باشندہ تھا اور دراصل یہودی تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلام لایا اور بظاہر ایک گشتی مبلغ بن گیا۔ طبری کہتا ہے کہ اس نے مختلف شہروں کا سفر کیا اور اس کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا۔ انجام کار اس نے مصر میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں اس نے مسلمانوں کو ''رجعت'' کی تعلیم دینا شروع کی۔ یعنی اس نے مسلمانوں سے کہا کہ یہ بات صداقت سے کس قدر بعید ہے کہ ایک مسلمان اس بات پر تو ایمان رکھتا ہے کہ مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے لیکن آنحضرت (ﷺ) کی رجعت کا انکار کرتا ہے۔ حالانکہ خدا نے قرآن مجید (۲۸۔۸۵) میں اعلان فرمایا کہ

''وہ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے''۔

علاوہ ازیں ایک ہزار انبیاء ایسے گذرے ہیں جن میں ہر نبی کا ایک وصی تھا۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ خاتم الاوصیاء ہیں۔ ابن سباع (نقل کفر کفر نہ باشد) خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو (نعوذ باللہ) غاصب قرار دیتا تھا اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں سازشوں کا جال بچھا دیا اور اسلامی سلطنت کے مختلف صوبوں میں جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف تھے۔ ان سے خفیہ مراسلت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ دیکھو طبری (۱، ۲۹۴۲)۔

۵۔ڈاکٹر جے این ہالسٹرا اپنی تصنیف، ''شیعان ہند'' میں ص/ ۱۵ پر لکھتا ہے:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں عبداللہ بن سباع نے سب سے پہلے پروپیگنڈہ شروع کیا۔ وہ صنعاء کا یہودی تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلام لایا اور مختلف شہروں میں جا کر ان عقائد کی تبلیغ کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔اس نے یہ بھی کہا تھا کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم (نعوذ باللہ) غاصب ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر جو الوہیت تھی وہ ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات میں منتقل ہوگئی جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ناخوش تھے۔انہوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا''۔

۶۔ پروفیسر پی کے ہٹی اپنی تصنیف ''عربوں کی تاریخ'' مطبوعہ لندن طبع چہارم ۱۹۴۹ء میں ص/ ۲۴۸ پر لکھتا ہے:

''عبداللہ بن سباع، جس کی شخصیت ایک معمہ ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمان ہوا اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعظیم میں اس درجہ مبالغہ کیا کہ وہ پریشان ہوگئے۔ یہ شخص غالی فرقے (غُلاۃ) کا بانی تھا''۔

۷۔ پروفیسر عباس اقبال، معلم دارالمعلمین عالی، طہران، اپنی تالیف ''خاندانِ نوبختی'' کے ص/ ۲۵۷ پر لکھتا ہے:

سبائیہ: اولین فرقہ غلاۃ، طرفداران عبداللہ بن سباء کی پیش از ہر کس باظہار طعنِ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ پرداختہ و معتقد بحیات جاوید و رجعت حضرت علی رضی اللہ عنہ و الوہیت او بودہ اندر امیر المومنین علی، عبداللہ بن سباء را بقتل رساند۔ فرقہ نصیریہ از باز ماندگان سبائیہ بودہ اند''

لفظی ترجمہ یہ ہے:

''سبائیہ غالی فرقوں میں سے سب سے پہلا فرقہ ہے۔ یہ لوگ عبداللہ ابن سباء کے طرفدار تھے جنہوں نے سب سے پہلے (حضرات) ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم پر طعن کا

اظہار کیا، اور یہ لوگ حضرت علی کی حیاتِ جاوید اور رجعت (دوبارہ دنیا میں واپسی) اور الوہیت کے معتقد تھے۔ امیر المؤمنین علی نے عبداللہ ابن سبا کو قتل کر دیا۔ فرقہ نصیریہ کے افراد، اسی فرقہ سبائیہ کے باقی ماندہ افراد میں سے تھے۔''

۸۔ امام محمد بن عبدالکریم شہرستانی اپنی مشہور تالیف ''الملل والنحل'' میں کہتے ہیں:

''و من ذلک سبائیه۔ اصحاب عبداللہ بن سباء کہ با امام المتقین حیدر گفت توئی کہ توئی بکنایۃ آں شقاوت پیشہ می گفت کہ تو خدائی اول کسے بود کہ بفرضیت امامت علی رضی اللہ عنہ قایل شد واصنافِ غلاۃ ازیں مخذول متشعب گشتند۔ ورائے خامد بداں ذاہب شد کہ امام المتقین علی رضی اللہ عنہ مقتول نگشتہ و درآں حضرت جزوے از جزائے الٰہی موجود است تعالیٰ اللہ عما یقولون رعد صوتِ اوست و برق، تازیانہ اوست''①

لفظی ترجمہ یہ ہے:

اور ان فرقوں میں سے ایک فرقہ سبائیہ ہے۔ یہ عبداللہ بن سبا کے اصحاب ہیں جس نے حضرت علی سے کہا تھا کہ تو، تو ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو خدا ہے۔ عبداللہ ابن سباء پہلا شخص تھا جو امامت علی رضی اللہ عنہ کی فرضیت کا قائل ہوا اور غلاۃ کے مختلف فرقے اسی مخذول شخص کی تعلیمات سے پیدا ہوئے اس کی رائے میں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ مقتول نہیں ہوئے۔

(۲) اور ان میں الوہیت کے اجزاء میں سے ایک جز موجود تھا (اللہ کی شان ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں بہت بلند ہے) رعد اِن کی آواز ہے اور برق ان کا تازیانہ ہے''

مجھے یقین ہے کہ ان شواہد کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی شخص کو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامّل نہ ہوگا۔ کہ عبداللہ ابن سباء تاریخ اسلام میں پہلا شخص ہے جس نے مسلمانوں میں فتنہ وفساد کا بیج بویا۔

باز آمدم برسر مطلب:

عبداللہ ابن سباء نے جن عقائد کی تلقین کی ان کا اجمالی تذکرہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے۔

① ترجمہ از فضل الدین صدر ترکہ آصفہانی، بخش اول ص ر ۱۸۸۔

ان کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہوسکتی ہے کہ اس نے ایک تیر سے دو شکار کیے:

(۱) اسلام کے بنیادی عقائد میں غیر اسلامی اور مشرکانہ عقائد داخل کر دیئے۔

(۲) مسلمانوں کی وحدت ملی اور یک جہتی و یک رنگی اور یک نگاہی کو پارہ پارہ کر دیا۔

بالفاظ دیگر وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو گیا۔ یعنی اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بنا کر مسلمانوں میں انسان پرستی کا عقیدہ راسخ کر دیا اور تفرقہ پیدا کر کے مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آرا کر دیا۔

اس شخص کی منافقانہ روش اور فتنہ انگیزی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرایا لیکن جو خفیہ جماعت اس نے پیدا کر دی تھی اور جس قسم کے غیر اسلامی عقائد اس جماعت میں راسخ کر دیئے تھے ان دونوں باتوں کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ بلکہ اس کی وفات کے بعد اس کی جماعت کو ایران میں قبول عام کی سند حاصل ہو گئی۔ کیونکہ یہودیوں کی طرح ایرانی بھی عرب مسلمانوں سے شدید نفرت کا جذبہ دل میں پوشیدہ رکھتے تھے اور جن عقائد کی ابن سباء نے تبلیغ کی تھی وہ ان کے لیے قابل قبول تھے۔ خصوصاً حلول کا عقیدہ جو اِن میں پہلے ہی سے موجود تھا۔

تیسری بحث:

حضرت جعفر (شیعوں کے چھٹے امام) نے ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد اِن کے متبعین میں دو گروہ پیدا ہو گئے۔

۱۔ جس نے ان کے چھوٹے بیٹے حضرت موسیٰ کاظم کو ان کا جانشین تسلیم کیا وہ آگے چل کر امامیہ اثنا عشریہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

۲۔ جنہوں نے ان کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کو ان کا جانشین تسلیم کیا وہ آگے چل کر اسماعیلیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ہمیں اس وقت اسی دوسرے گروہ کی مختصر داستان لکھنی مقصود ہے۔

یہ فرقہ اگرچہ شیعیت ہی کی ایک شاخ ہے مگر جن لوگوں نے اس فرقے کی رہنمائی کی انہوں نے اسے ایک تخریبی تحریک بنا دیا اور آگے چل کر یہ تحریک اپنے معتقدات اور اعمال کے لحاظ سے شیعیت سے بھی کوسوں دور ہو گئی۔

تاریخ اسلام میں اس تحریک کو ملاحدہ، باطینہ، تعلیمیہ اور قرامطہ کے رسوائے عالم لقب سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ ہم ذیل میں اس کی مختصر داستان قلمبند کرتے ہیں کیونکہ یہی فرقہ دنیائے اسلام میں غیر اسلامی تصوف کا بانی ہے۔

واضح ہو کہ اس فرقے نے شروع سے عبد اللہ ابن سباء کے غالی عقائد (عقیدہ الوہیت علی ورجعت وتناسخ ارواح وحلول) ہی اختیار کر لیے تھے۔ پروفیسر براؤن ''ایران کی ادبی تاریخ جلد اول ص ر ۳۱۱ پر لکھتا ہے:

''جو عقائد غلاۃ شیعہ میں مشترک ہیں وہ حسب ذیل چار عقائد ہیں:

ا۔تشبیہ (خدا کا انسانی شکل میں ظہور)

۲۔مشیت ایزدی میں تبدیلی (بدأ)

۳۔امام کی واپسی (رجعت)

۴۔تناسخ (ایک امام کی روح کا دوسرے یعنی جانشین کی شخصیت میں حلول کرنا)

ظاہر ہے کہ یہ سب عقائد، قرآن کے سراسر خلاف ہیں۔ اسی لیے مسٹر اسٹینلی لین پول اپنی تصنیف داستانِ قاہرہ مطبوعہ لندن ۱۹۰۶ء ص ر ۱۱۳ پر لکھتا ہے:

''اپنی باطنی روح کے اعتبار سے فاطمیین مصر کا مذہب محمڈنزم نہیں ہے''

ڈاکٹر اولیسّری نے بھی اپنی تصنیف ''تاریخ خلفائے بنی فاطمہ مصر'' میں ص ر ۱۲ پر لکھا ہے:

''اسماعیلیہ فرقے میں شروع ہی سے غلاۃ شیعہ کی خصوصیات پیدا ہو گئی تھیں یعنی (۱) تاویل (۲) تجسم (۳) حلول (۴) تناسخ روحِ امام بقالب دیگر۔''

اب ہم براؤن کی تاریخ جلد اول سے اس تحریک کی داستان قلمبند کرتے ہیں:

مہدی کے عہد حکومت میں المقنّع نے خروج کیا۔ ابن خلکان نے اپنی مشہور تالیف وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ المقنّع کا اصلی نام عطاء تھا اس نے جادو اور طلسمات میں مہارت حاصل کی اور خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اس نے اپنے پیروؤں سے کہا کہ سب سے پہلے خدا نے آدم میں حلول کیا (یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے اسے سجدہ کیا) الغرض خدا اسی طرح تمام انبیاء میں حلول کرتا کرتا ابو مسلم خراسانی کے جسم میں

داخل ہوا اور اس کی وفات کے بعد اب خدا نے میرے اندر حلول کیا①

چونکہ یہ شخص نہایت کریہہ المنظر اور کانا تھا۔ قصیر القامت اور ہکلا تھا اور اپنے بدنما چہرے پر سنہرا نقاب ڈالے رہتا تھا۔ اسی لئے اسے **المقنّع** کہتے ہیں۔ یہ شخص ۱۶۹ھ میں قتل کیا گیا۔

۲۔ مامون کے عہد میں بابک خرّمی نے خروج کیا۔ یہ شخص بھی الوہیت کا مدعی تھا۔ بقول طبری اس شخص نے بیس سال تک ایران میں شدید ہنگامہ برپا کر رکھا۔ انجام کار افشین نے ۲۲۳ھ میں اسے قتل کیا۔ **المقنّع** اور بابک نے خدائی کا دعویٰ کر کے ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کیا اور بقول مسعودی (کتاب التبنیہ) بابک نے پانچ لاکھ کے قریب مسلمانوں کو قتل کیا۔ ان دونوں کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عبداللہ ابن میمون القداح کی تخریبی سرگرمیوں کے لیے زمین ہموار کی۔

۳۔ ہٹی اور براؤن دونوں نے لکھا ہے:

"کہ فرقہ اسماعیلیہ کی سیاسی تنظیم اور مذہبی عقائد کی تدوین کا سہرا عبداللہ ابن میمون القداح کے سر ہے"۔ الفہرست میں مرقوم ہے② کہ یہ شخص اہواز کا باشندہ تھا۔ اس نے پہلے بصرہ میں قیام کیا۔ پھر سلامیہ (شام) کو اپنا مرکز بنایا اور یہاں سے تمام دنیائے اسلام میں اپنے دعاۃ کو اسماعیلی مذہب کی تبلیغ کے لیے روانہ کیا۔ اس نے ۲۶۱ھ بمطابق ۸۷۵ء میں وفات پائی۔

۴۔ حمدان قرمط: یہ شخص القداح کا سب سے بڑا حامی تھا۔ اس کا نام حمدان بن اشعث تھا یہ دراصل ایک عراقی کاشتکار تھا۔ چونکہ اس کی ٹانگیں بہت چھوٹی تھیں اس لیے اسے قرمط کہتے تھے۔ اس نے اسماعیلی مذہب کو باطنی تحریک میں تبدیل کر دیا۔ اور اسی لیے اسماعیلی باطنی فرقہ اس کے نام سے موسوم ہو گیا یعنی قرامطہ، قرامطہ نے الجنابی کی سربراہی میں ایک آزاد ریاست قائم کر لی اور اس کے بیٹے ابو طاہر نے ۹۳۰ء میں مکہ پر حملہ کر کے حجر اسود اکھیڑ لیا اور اپنے ساتھ لے گئے③ بقول براؤن انہوں نے سو سال تک سلطنت عباسیہ کے باشندوں کو خوفزدہ رکھا④

---

① اس کے دعویٰ سے ایرانی ذہنیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔
② براؤن جلد اول ص ر ۳۹۶ و ہٹی ص ر ۴۴۳۔
③ یہاں قرامطہ کے مظالم کی داستان بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ بطور نمونہ صرف ایک کارنامہ درج کر دیا ہے۔
④ براؤن جلد اول ص ر ۴۰۱۔

القداح کے عقائد:

اس نے اپنی تحریک کو اسماعیلی فرقے کے ساتویں امام اسماعیل سے منسوب کیا۔ اس لیے اس تحریک کا نام اسماعیلی تحریک ہوا۔ مگر اس تحریک کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا گیا مثلاً سبعی، باطنی، تعلیمی، فاطمی، قرمطی، اور حشیشی لیکن مورخوں نے اس تحریک کو ملاحدہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔

القداح کے عقائد حسب ذیل ہیں:

(الف) اس مذہب میں سات کا عدد بہت مقدس ہے اس کے بعد بارہ کا عدد مثلاً سبعہ سیارہ اور دوازدہ بروج۔ ہفتے کے سات دن اور سال کے بارہ مہینے۔

(ب) اصول ہفت گانہ: خدا، عقل کلّی، نفس کلّی، انسان، مادہ، زمان، مکان

(ج) سات صاحب شریعت نبی یا رسول: آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام، آنحضرت ﷺ اور محمد التام (کامل) ابن اسماعیل ابن جعفر۔

(د) ہر رسول کے ساتھ جس کا لقب ناطق ہے ایک معاون بھی ہے۔ جس کا لقب صامت ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے۔ آدم کے ساتھ شیث۔ نوح کے ساتھ سام۔ ابراہیم کے ساتھ سماعیل۔ موسیٰ کے ساتھ ہارون۔ عیسیٰ کے ساتھ پطرس۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ اور محمد بن اسماعیل کے ساتھ القداح۔

(ہ) القداح نے اپنے عقائد کی تبلیغ کے لیے مبلغین تیار کیے ان کا لقب داعی تھا۔ دعاۃ کا طریق کار یہ تھا کہ وہ جس شہر میں جاتے وہاں کوئی پیشہ مثلاً تجارت یا طبابت اختیار کر لیتے سب سے پہلے وہ لوگوں کے دلوں میں اپنے متقی، مقدس اور متورع ہونے کا نقش جماتے تھے۔ جب لوگ ان کی بزرگی کے قائل ہو جاتے تھے تو وہ ان کے قلوب میں فلسفیانہ سوالات کے ذریعہ سے شکوک وساوس اور اضطراب پیدا کرتے تھے مثلاً:

۱۔ خدا نے یہ دنیا چھ دن میں کیوں پیدا کی جبکہ وہ ایک ساعت میں پیدا کر سکتا تھا۔

۲۔ صراط مستقیم کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

۳۔ عذاب دوزخ کی حقیقت کیا ہے؟ دوزخیوں کی کھال کس طرح بدلی جائے گی؟

۴۔ رمیٔ جمار کی حقیقت کیا ہے؟

۵۔ دوزخ کے دروازے سات کیوں ہیں؟ جنت کے دروازے آٹھ کیوں ہیں؟

۶۔ آسمان سات کیوں ہیں؟ سورہ فاتحہ کی آیات سات کیوں ہیں؟

۷۔ کراماً کاتبین ہمیں نظر کیوں نہیں آتے؟

۸۔ حاملین عرش آٹھ کیوں ہیں؟①

۹۔ ابلیس کی کیا حقیقت ہے؟

۱۰۔ یاجوج ماجوج اور ہاروت و ماروت سے کیا مراد ہے؟

۱۱۔ تمام حیوانات میں انسان ہی دو ٹانگوں پر کیوں کھڑے ہو کر چلتا ہے؟

۱۲۔ ہاتھوں میں دس انگلیاں کیوں ہیں؟

۱۳۔ چار انگلیوں میں تین تین پورے کیوں ہیں؟ انگوٹھے میں صرف دو کیوں ہیں؟

۱۴۔ صرف چہرے میں سات مخارج کیوں ہیں؟ آٹھ یا نو کیوں نہیں؟ جبکہ بقیہ تمام جسم میں صرف دو ہیں؟

یہ سوالات تبلیغ کی ابتداء میں کیے جاتے تھے جبکہ سننے والا مضطرب ہو جاتا تھا تو اس کے دماغ میں فلسفیانہ قسم کے شکوک وشبہات پیدا کیے جاتے تھے۔

اور جب وہ مبہوت ہو جاتا تھا۔ تو داعی سے کہتا تھا کہ تمہارے علماء کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہیں ہے۔ لیکن اگر تم میرا مذہب اختیار کر لو تو میں تمہیں اسلام کی حقیقت سے آگاہ کر دوں گا۔ اس کی شرط یہ ہے کہ تم اپنی دولت یا کمائی میں سے ہماری تحریک کی مالی امداد کے لیے ایک رقم معین کر دو اور وعدہ کرو کہ جو تعلیم ہم تمہیں دیں گے تم اسے مخفی رکھو گے۔

اگر سامع اس شرط پر راضی ہو گیا تو اسے اس خفیہ جماعت کے پہلے درجے میں داخل کر لیا جاتا تھا۔ القداح نے ۹ درجے مقرر کیے تھے۔ آخری درجے میں پہنچ کر طالب حق کو اسلام سے بیگانہ کر دیا جاتا تھا۔

مقریزی اور نویری لکھتے ہیں کہ ''آخری درجے تک پہنچنے کے بعد طالب کے لیے اباحت مطلقہ کا دروازہ کھل جاتا تھا اور حقائق کے لحاظ سے وہ شخص فلسفہ مشائین کا پیرو بن جاتا تھا''②

---

① سورۃ الحاقۃ: ۱۷۔

② دیکھو تاریخ خلافت بنی فاطمہ مولفہ اولیری ص ۲۸، ۲۹

براؤن لکھتا ہے ① کہ

آخری درجے تک پہنچ کر مرید مذہب اسلام سے بیگانہ ہو جاتا تھا اور فلسفی بن جاتا تھا۔ بقول نویری وہ مانوی یا مجوسی یا فلسفیانہ عقائد اختیار کر لیتا تھا بلکہ اس کا مذہب مختلف عقائد وافکار کا مجموعہ بن جاتا تھا۔

القداح اور قرمط دونوں نے اپنے متبعین کو جنہیں دعاۃ کا منصب دیا۔ یہ نصیحت کی تھی کہ جس شخص کو تبلیغ کرو پہلے اس کے عقائد سے واقفیت حاصل کرو۔ پھر اپنے آپ کو اس کا ہم خیال ظاہر کرو تا کہ وہ تم سے بدظن نہ ہو جائے۔ جب وہ تم پر اعتماد کرے تو اس کے عقائد کو آہستہ آہستہ متزلزل کرنا شروع کرو، اس لئے ان دُعاۃ نے ہر جگہ اس حربے کو استعمال کیا اور کامیابی حاصل کی ②

چوتھی بحث:

جس زمانے میں قرامطہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں مسلمانوں میں تصوف کا آغاز ہو چکا تھا اور مختلف سلسلے قائم ہو چکے تھے۔ قرامطہ نے صوفیوں کے حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کیا۔ یعنی تصوف کے لباس میں صوفیوں کو گمراہ کرنا شروع کیا۔ اور اسلامی تصوف میں غیر اسلامی عقائد کی آمیزش کر کے ایران میں اس غیر اسلامی تصوف کی بنیاد رکھ دی۔ جو رفتہ رفتہ تمام مسلمانوں میں شائع ہو گیا اور اسلامی تصوف کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو گیا کہ اسلامی اور غیر اسلامی تصوف میں امتیاز کرنا عوام کے لیے ناممکن ہو گیا۔ کیونکہ جاہل عوام ہر زمانے میں اور ہر ملک میں دین اسلام کی حقیقت سے بیگانہ رہے ہیں۔ یعنی غیر اللہ کو دستگیر مشکل کشا اور حاجت روا مانتے رہے ہیں اور آج بھی مانتے ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ایران کے اکثر باشندوں نے اسلام کو صدق دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ قرامطہ نے جو غیر اسلامی عقائد جن کی وضاحت قبل ازیں کی جا چکی ہے، تصوف کے لباس میں ایرانیوں کے سامنے پیش کیے مثلاً حلول، اتحاد، تجسم، تناسخ وغیرہ وہ سب ایسے تھے جو قبل اسلام ایران کے مختلف طبقوں میں مروّج تھے اس لیے ان لوگوں نے ان عقائد کو بخوشی قبول کر لیا۔

① دیکھو براؤن جلد اول ص ر ۴۱۵۔
② دیکھو ڈاکٹر اولیری کی تالیف تاریخ خلافت بنی فاطمہ ص ر ۳۰، ۳۱۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اس مضمون سے چند اقتباسات ہدیہ ناظرین کر دیے جائیں جو ایک غیر مسلم اے۔ای کرمسکی KRYMSKY نے تصوف کے ارتقاء پر لکھا تھا اور جسے حال ہی میں اسلامک کواٹرلی کے مدیر نے مجلّہ مذکور کی جلد ششم برائے سال ۱۹۶۱ء میں درج کیا ہے۔

''صوفی جماعت کے افراد اپنے آپ کو ''سنت کا سچا محافظ'' کہتے تھے۔① لیکن ایران میں یہ لقب ان لوگوں نے بھی اختیار کر لیا تھا جن کے عقائد اسلام سے اس قدر بعید تھے کہ آنحضرت (ﷺ) ان کو جہنمی قرار دے دیتے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ جب ۸۶۴ء میں عبداللہ ابن میمون القداح نے اسماعیلی فرقے کی اصلاح کی اور ان کو منظم کیا تو اس جماعت کے پوشیدہ طریق پر تبلیغ کرنے والوں کو یہ نصیحت کی کہ جب وہ مسلمانوں سے ملیں تو اپنے آپ کو صوفی ظاہر کریں تا کہ کسی کو ان پر شبہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ان جدید اسماعیلیوں نے ایران اور دوسرے ملکوں میں تصوف کو عوام میں بڑی حد تک مقبول بنا دیا۔ لیکن اس خدمت کے معاوضے میں انہوں نے تصوف میں ایسے غیر اسلامی رجحانات اور عقائد داخل کر دیئے جن کا اظہار چوتھی صدی ہجری سے ہونا شروع ہو گیا''②

یہی مصنف اسی رسالے کے ص/۸۷ کے حاشیے میں لکھتا ہے:

''اسماعیلی دعاۃ نے جو پندرہویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوستان میں آئے، صوفیوں کا طریقہ اختیار کیا اور ہندوؤں سے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وشنو کے دسویں اوتار تھے۔ چنانچہ پیر صدر الدین نے اسی حکمت عملی سے کام لے کر بہت سے ہندوؤں کو اپنے مذہب کا پیرو بنایا''

بخوف طوالت نہ تو میں قرامطہ کی تاریخ اس کتاب میں درج کر سکتا ہوں اور نہ اس فتنہ وفساد کی تفصیل بیان کر سکتا ہوں جو اس فرقے کے مبلغین نے دنیائے اسلام میں پھیلایا۔ میرا مطلب اس

① دیکھو رسالہ قشیریہ ۱۲.

② مجلہ اسلامک کوارٹرلی جلد/۶ شمارہ ۳، ۴ بابت جولائی واکتوبر ۱۹۶۱ء ص/۱۰۵.

داستان سے صرف اس قدر ہے کہ میں ناظرین کو یہ بتا دوں کہ مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف، جسے اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے، کس طرح شائع ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ ایضاح مقصد کے لیے بالکل کافی ہے اس فرقے کے افراد نے تصوف کے پردے میں اپنے عقائد کی جس طرح تبلیغ کی اور جس حکمت عملی سے کام لے کر تصوف کو سراسر غیر اسلامی بنا دیا۔ اس کی مثالیں بیکتاشی سلسلے اور نوربخشی سلسلے کے صوفیوں کے عقائد سے بخوبی مل سکتی ہیں:

بیکتاشی فرقہ:

صوفیوں کے اس فرقے کی تاریخ ڈاکٹر جے کے برج (BIRGE) نے اپنی کتاب ''درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ'' میں مفصل طور پر لکھی ہے۔ بخوف طوالت صرف چند اقتباسات پر اکتفا کرتا ہوں:

> ''اس سلسلے کا بانی حاجی بیکتاش ولی تھا جو ۶۸۰ھ بمطابق ۱۲۸۱ء میں خراسان (اسماعیلی دعاۃ کے مرکز) سے اناطولیا میں آیا تھا اس نے ۷۳۸ھ بمطابق ۱۳۳۷ء میں وفات پائی (ص/۳۵) ترکوں میں اس کے سلسلے کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس سلسلے کے عقائد حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ حقیقت واحدہ ہے۔

(۲) محمد ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ دونوں اللہ کے مظاہر خاص ہیں۔

(۳) اللہ، محمد ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ تینوں میں عینیت کا علاقہ ہے۔

(۴) محمد ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ درحقیقت ایک ہیں یا ایک شخص کے دو نام ہیں۔[1]

ان چار عقیدوں سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے کے صوفیوں کو اسلام سے کتنا تعلق تھا؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس سلسلے کے صوفیوں کے جو عقائد ہیں اس کا اندازہ ''خطبۃ البیان'' سے ہو سکتا ہے جو اس سلسلے میں بہت معتبر کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں:

(۱) میرے پاس مفاتیح الغیب ہیں جن کو محمد ﷺ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ نیز عزرائیل (ملک الموت) میرا تابع فرمان ہے۔

---

[1] ص/۱۳۲ و ص/۱۳۳۔

(۲) میں لوح محفوظ ہوں۔ میں حجۃ اللہ ہوں۔ میں حجۃ الانبیاء ہوں۔

(۳) میں قسیم النار و الجنت ہوں۔ میں اللہ کا دل ہوں میں نوحِ اول ہوں۔

(۴) میں ذوالقرنین ہوں۔ میں عالم ما کان و ما یکون ہوں۔ میں منشیء السحاب ہوں۔ میں مطر الانہار ہوں میں قیوم السماء ہوں۔①

یہ کتاب ۱۹۳۷ء میں لندن سے شائع ہوئی ہے۔ مزید معلومات کے لیے ناظرین بطور خود اس کتاب کا مطالعہ کرلیں۔

نوربخشی سلسلہ:

اس سلسلے کا تذکرہ پروفیسر محب الحسن نے اپنی تالیف ''کشمیر زیر نگیں سلاطین'' میں (صفحات ۲۸۳ تا ۲۸۷) کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

''نوربخشیہ فرقے کا بانی سید محمد بن عبد اللہ تھا جو ۷۹۵ھ بمطابق ۱۳۹۳ء میں قائین (کوہستان) میں پیدا ہوا تھا جوانی میں خواجہ اسحاق خطلانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خواجہ صاحب امیر کبیر سید علی ہمدانی کے خلیفہ تھے خواجہ اسحاق نے سید محمد کو نوربخش لقب عطا کیا۔ نوربخش نے دعویٰ کیا کہ مجھے امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے روحانی فیض حاصل ہوا ہے۔ اس کی تعلیمات میں شیعہ عقائد کا رنگ نمایاں ہے۔
اس سلسلے کے افراد خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرتے تھے لیکن نوربخش نے امام مہدی المنتظر ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ اس لیے شیعہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔
کشمیر میں اس سلسلے کو شمس الدین نے شائع کیا یہ شخص اپنے وطن شولغان (ایران) سے چل کر پہلے ملتان آیا ۱۵۰۲ء میں کشمیر پہنچا۔ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بلتستان میں نوربخشی عقائد کی تبلیغ کی۔ پھر کشمیر واپس آیا اور کشمیر کے چک حکمران خاندان کو شیعہ مسلک کا پیرو بنایا''

ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرامطہ نے تصوف کے لباس میں اپنے مسلک کی تبلیغ

---
① ص ۱۴۲/ و ص ۱۴۳/.

کی اور تصوف میں ایسے عقائد داخل کر دیئے جو قرآنی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

جیسا کہ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں، قرامطہ نے ہمیشہ اس اصول پر عمل کیا کہ ''جیسا دیس ویسا بھیس'' چنانچہ جب ان کے دُعاۃ ہندوستان میں آئے تو انہوں نے ہندو صوفیوں اور جوگیوں اور پیروں کے طور طریقے اختیار کیے اور ہندوؤں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وشنو کے دسویں اوتار کے روپ میں پیش کیا۔ عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لیے انہوں نے اپنے ناموں سے پہلے ''پیر'' کے لقب کا اضافہ کیا۔

پیر صدر الدین نے گجرات میں اور پیر شمس الدین نے ملتان میں تصوف کے پردے میں اپنے عقائد کی تبلیغ کی۔ اس بات کی تصدیق ڈاکٹر جے۔ این ہالسٹر کی تالیف ''شیعانِ ہند'' سے بھی بخوبی ہو سکتی ہے مصنف مذکور لکھتا ہے:

> ''اگرچہ صوفیوں اور شیعوں میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے مگر اسماعیلیہ فرقے نے اس اختلاف کو بہت کم کر دیا۔ چنانچہ اسماعیلی پیروں نے صوفیاء کے طریقے اختیار کر لیے''۔ ص/ ۲۸
>
> ''فتح شاہ کے عہد حکومت میں، ۱۴۹۶ء میں شمس الدین اسماعیلی داعی کشمیر میں آیا اور اس کے ساتھ چک قبیلے کے افراد بھی واپس آ گئے جن کو فتنہ انگیزی کی پاداش میں ملک بدر کر دیا گیا تھا۔ یہ لوگ ابتدا میں آفتاب پرست تھے۔ اور روشنائیہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے بادشاہ نے شمس الدین کو تبلیغ کی اجازت دی اور اس نے چک قبیلے کے افراد کو نور بخشی سلسلے میں داخل کر لیا''۔ ص/ ۱۴۶
>
> ''نور بخشی سلسلے کے عقائد احوطہ نامی کتاب میں مندرج ہیں جو کفر اور الحاد کا مرکب ہیں نہ وہ عقائد شیعوں کے ہیں نہ سنیوں کے۔ یہ لوگ خلفائے ثلاثہ پر طعن کرتے ہیں اس لئے سنّی نہیں ہو سکتے اور نور بخش کو مہدئ موعود یقین کرتے ہیں اس لیے شیعہ نہیں ہو سکتے''۔ (ص/ ۱۴۷)

قرامطہ کا یہی طریقہ کار تھا کہ جس طرح ہو سکے خصوصاً تصوف کے پردے میں مسلمانوں کے اندر الحاد اور بے دینی کی اشاعت کی جائے اور اس مقصد میں وہ کامیاب ہو گئے۔ یعنی انہوں نے تصوف

کے پردے میں مسلمانوں کے دلوں میں غیر اسلامی عقائد جاگزین کر دیئے۔ مؤلف مذکور اسی کتاب کے ص ر ۳۴۳ پر لکھتا ہے:

''اسماعیلی سیدوں کا ایک قافلہ قاہرہ سے چل کر سبزوار آیا۔ پیر شمس الدین ① سبزواری یہیں سے ملتان آیا تھا اور اس نے صوفیوں کے لباس میں اسماعیلیت کی تبلیغ کی۔ بعض لوگوں نے شمس الدین سبزواری کو غلطی سے شمس تبریز سمجھ لیا ہے جو جلال الدین رومی کا مُرشد تھا۔②

پیر شمس الدین جو اسماعیلیہ نزاریہ فرقے کا داعی تھا۔ ۱۲۹۶ء میں کشمیر آیا اور تقیہ کر کے اپنے آپ کو یہاں کے باشندوں کے رنگ میں رنگین کر لیا۔ چنانچہ ایک دن جبکہ ہندو دسہرے کی خوشی میں گربا رقص کر رہے تھے پیر صاحب بھی اس رقص میں شریک ہو گئے اور ۲۸ ''گربا'' گیت تصنیف فرمائے۔ رفتہ رفتہ ہندو اِن سے مانوس ہو گئے اور انہوں نے بہت سے ہندوؤں کو امام الزماں حضرت قاسم شاہ نزاری کا پیرو بنا دیا''۔ ص ر ۳۵۳

کشمیر سے پیر شمس الدین اُچ میں آیا جو ملتان سے اسّی میل دور ہے روایت ہے کہ یہاں اس نے ایک امیر آدمی کے مردہ بیٹے کو زندہ کر دیا جس کی وجہ سے عوام میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوگئی۔ چنانچہ اس نے پیری مریدی کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس کے مرید شمسی کہلاتے ہیں اس نے ۷۵۷ھ، ۱۳۵۷ء میں وفات پائی'' (ص ر ۳۵۵)

''پیر صدر الدین اسماعیلی نزاری فرقے کا داعی بھی پیروں کے لباس میں ہندوستان آیا تھا اس نے ۱۴۳۰ء میں تبلیغ کا آغاز کیا اور قرامطہ کے اصول تبلیغ کے مطابق اس نے اپنا ہندوانی نام سہدیو رکھا اور پنجاب کے لوہانہ راجپوتوں کو اپنے مذہب میں داخل کیا اس نے کہا کہ وشنو کا دسواں اوتار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صورت میں

① یہ دوسرا پیر شمس الدین ہے۔ پہلا شمس الدین نور بخشی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا مزار ملتان میں ہے۔
② یہ تیسرا پیر شمس الدین ہے جس کا مزار اُچ میں ہے۔

ظاہر ہو چکا ہے اس کے پیروں صوفیوں کی زبان میں محمد اور علی کی تعریف میں بھجن گا یا کرتے تھے اس نے اپنے مریدوں کے لیے وشم اوتار نامی کتاب لکھی، جو آج بھی اسماعیلی نزاری خوجوں کی نہایت مقدس مذہبی کتاب ہے ① پیر صدر الدین نے اُچ میں وفات پائی۔ اس کے مزار پر ہر سال عُرس منعقد ہوتا ہے جو ترندا گورتیج میں واقع ہے۔ یہ قصبہ اُچ سے ۱۵ میل کے فاصلے پر ریاست بہاولپور میں واقع ہے۔''

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ قرامطہ نے صوفیوں اور پیروں کے لباس میں غیر اسلامی عقائد کی تبلیغ کی اور اس طرح غیر اسلامی تصوف عالم وجود میں آ گیا۔ جس میں تمام غیر اسلامی عقائد مثلاً تثلیث، تجسم، کفارہ، حلول، الوہیت علی رضی اللہ عنہ، رجعت، بدا، اتحاد، تناسخ ارواح اور قدامت مادہ وغیرہ داخل ہیں۔ عوام بے چارے یہ سمجھے کہ یہی اصلی تصوف ہے جو قرامطہ صوفیوں کے لباس میں پیش کر رہے ہیں۔ انا للہ!

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ایک طرف قرامطہ نے صوفیوں کے لباس میں مسلمانوں کو غیر اسلامی تصوف سے مانوس کر دیا۔ دوسری طرف مسلمان صوفیوں کی تصانیف میں نہایت چابک دستی کے ساتھ اپنے عقائد داخل کر دیئے۔ عربی میں اس کو تدسیس کہتے ہیں۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر ص ۷/ میں لکھا ہے کہ:

> ''باطنیہ، ملاحدہ اور زنادقہ نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، پھر امام غزالی کی تصانیف میں اپنی طرف سے تدسیس کی۔ نیز اس فرقہ باطنیہ نے ایک کتاب جس میں اپنے عقائد کی تبلیغ کی تھی۔ میری زندگی میں میری طرف منسوب کر دی اور میری انتہائی کوشش کے باوجود یہ کتاب تین سال تک متداول رہی''۔

اس اقتباس سے ناظرین اس فرقہ کی دلیری، عیاری اور معاندانہ سرگرمیوں کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اگر استقصاء کیا جائے تو اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے، مگر میں چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں:

① ص ۳۵۶/ ، ص ۳۵۶/ ، جیسے مسلمانوں کی نگاہ میں قرآن مجید۔

اس فرقے نے بہت سی روایات وضع کر کے مسلمانوں میں شائع کر دیں۔اس فرقے کے صوفیوں نے اپنی مجلسوں میں ان وضعی روایات کو مسلسل بیان کیا اور سامعین نے ان مقدس حضرات پر اعتماد کر کے انہیں قبول کر لیا۔ مثلاً:

''بیکتاشی سلسلے میں یہ روایت بہت مقبول ہے کہ جب جنگ احد میں آنحضرت ﷺ زخمی ہو گئے اور جسم سے خون بہنے لگا تو جبریل نے آ کر آپ سے کہا کہ 'نادِ علیاً'' والی دعا پڑھو یعنی علی رضی اللہ عنہ کو پکارو۔ جب آپ نے یہ دعا پڑھی تو علی رضی اللہ عنہ فوراً آپ کی مدد کے لیے آئے اور کفار کو قتل کر کے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو قتل ہونے سے بچالیا''①

ارباب علم جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ احد میں اس قسم کی کوئی دعا نہیں پڑھی۔ یہ دعا تاریخ یا سیرت یا مغازی کی کسی مستند کتاب میں مرقوم نہیں ہے۔

علاوہ ازیں جب جنگ احد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ از اول تا آخر حضور انور ﷺ کے ساتھ رہے تو انہیں پکارنے کی ضرورت کیسے پیش آسکتی تھی؟

یہی روایت اہل سنت کی کتابوں میں راہ پا گئی کیوں کہ عقیدت میں غلو، انسان کو تحقیق اور درایت دونوں سے بیگانہ کر دیتا ہے۔

چنانچہ سید مظفر علی شاہ صاحب چشتی اپنی تالیف موسومہ جواہر غیبی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۷ء میں ص ر ۱۴۱ پر لکھتے ہیں:

''در غزوۂ تبوک چوں لشکر اسلام شکستہ شد حضرت سید عالم ﷺ درمیان کشتگان پنہاں شدند جبریل ایں کلمات آوردند''

''نادِ علیاً مظهر العجائب تجده عوناً لک فی النّوائب کُلّ هَمٍّ و غمٍ سینجلی بنبوّتِک یامحمدو بولایتک یاعلی یاعلی یاعلی''②

---

① دیکھو درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ مصنفہ ڈاکٹر برج ص ر ۱۳۸ مطبوعہ ہارٹ فرڈ۔ یو۔ ایس۔ اے ۱۹۳۷ء۔

② (اے محمد ﷺ!) علی کو پکار جو عجائبات کا ظاہر کرنے والا ہے تو اسے مصیبتوں میں اپنا معین پائے گا تمام پریشانیاں اور غم تیری نبوت اور علی کی ولایت کے وسیلے سے عنقریب دور ہو جائیں گے۔ (اس دعا کا پڑھنے والا اگر علی رضی اللہ عنہ کو محمد ﷺ سے افضل سمجھ لے تو اس کا کیا قصور ہے۔

اللہ مصنف مرحوم کی علمی اور تاریخی لغزشوں کو معاف فرمائے! انہوں اس روایت کو زیر کتاب بناتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ غزوہ تبوک میں تو سرے سے قتال ہی نہیں ہوا اور اسی لیے مورخین اسے غزوہ نہیں کہتے۔ دراصل یہ وہی روایت ہے جو بیکتاشی سلسلے کے صوفیوں میں متداول ہے اور انہی کی کتابوں سے سید صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کر لی ہے۔ خدا معلوم جنگ احد کے بجائے انہوں نے غزوہ تبوک کہاں سے نقل کر لیا اور کیسے لکھ دیا؟

معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سیرۃ النبی ﷺ یا تاریخ اسلام کا قطعاً مطالعہ نہیں کیا تھا۔

مجھے اس روایت کو نقل کر کے یہ دکھانا مقصود ہے کہ قرامطہ نے جو نظامِ عقائد مدون کیا تھا وہ قرآن کی ضد ہے۔ چنانچہ اس روایت سے ان کا مقصد قرآن کی اس آیت کی تردید تھا۔

﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ﴾①

"اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس مصیبت کو دور کرنے والا نہیں ہے۔"

قرآن کی رو سے اللہ کے علاوہ کوئی شخص دستگیر یا مشکل کشا، یا حاجت روا، یا کارساز نہیں ہے۔ چونکہ قرامطہ براہ راست مسلمانوں کو شرک کی تعلیم نہیں دے سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے صوفیوں کا روپ دھارا اور اپنے ظاہری تقدس، وضع قطع، لباس، گفتگو اور طرز عمل سے مسلمانوں کو دھوکا دیا اور یہ مشرکانہ تعلیم بآسانی ان کی محبوب شخصیّت کے نام کے پردے میں' ان کے دماغوں میں جاگزیں کر دی اور داد طلب امر یہ ہے کہ یہ کام ایسی عمدگی سے انجام دیا کہ عوام دھوکہ کھا گئے اور مرورِ ایام سے یہ روایات مسلمان صوفیوں کے صوفیانہ لٹریچر کا جز ولاینفک بن گئیں۔ اب ان روایات کو صوفیانہ لٹریچر سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا۔

اسلامی تصوف کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صوفی کو سب سے پہلے یہ تلقین کی جاتی ہے کہ:

الف۔ اللہ کے سوا کسی شخص میں خواہ وہ نبی ہو یا رسول، غوث ہو یا قطب، کوئی قدرت نہیں ہے۔

ب۔ غیر اللہ سے استمداد درکنار، اس کی طرف متوجہ ہونا بھی سالک کے لیے مضر ہے۔ ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ اس کو تبتّل کہتے ہیں۔

①سورہ یونس: ۱۰۷۔

ج ۔ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ ۔ جب تک اللہ قوت عطا نہ کرے، کسی شخص میں فعل کی کوئی قوت پیدا نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ سرآمد موحدین رئیس المتقین حضرت محی الدین عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ اپنی تصنیف فتوح الغیب میں مقالہ سوم میں فرماتے ہیں:

''لاَفَاعِلَ فِي الْحَقِيقَةِ اِلاَّ الله

''یعنی در حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا اس کائنات میں کوئی فاعل نہیں ہے۔''

سارا قرآن از اوّل تا آخر اس حکم سے معمور ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو صرف دو تین آیتیں درج کرتا ہوں۔

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ①﴾

اور اللہ کو چھوڑ کر کسی کو مت پکارو کیونکہ من دون اللہ جو بھی ہے (خواہ رسول ہوں یا ولی) وہ نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔

﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾②

اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو مت پکار (کیونکہ) اللہ کے سوا (اس کائنات میں) دوسرا الٰہ (نافع یا ضار) موجود نہیں ہے۔

﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ③﴾

پس اللہ کے ساتھ دوسرے الٰہ کو مت پکار۔ اگر ایسا کرے گا تو بلاشبہ تُو عذاب پانے والوں میں سے ہوجائے گا۔

قرامطہ کا مقصد مسلمانوں کو توحید سے منحرف کر کے مشرکین کی صف میں داخل کرنا تھا اسی لیے ان کے روحانی اور دینی پیشوا عبد اللہ ابن سباء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بنایا۔ اور اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرا دیا مگر وہ مرتے مرتے شرک کا بیج اسلام کی زمین میں بو گیا۔ قرامطہ اسی بیج کا درخت تھے جس کے اثمارِ تلخ سے ہم چودھویں صدی میں ''مستفید'' ہو رہے ہیں۔

---

①سورہ یونس:١٠٦۔ ②سورہ قصص:٨٨۔

③سورہ شعراء:٢١٣۔

اسلام کی امتیازی صفت یہ تھی کہ یہ دین انسان پرستی کی لعنت سے پاک تھا۔ عبداللہ ابن سباء اور اس کے جانشینوں القداح اور حمدون قرمط نے انتہائی چابک دستی کے ساتھ اسلام کو اسی امتیازی صفت سے محروم کر دیا۔ ہندوؤں کے یہاں رام اور کرشن خدا کے اوتار ہیں وہ بوقت مصیبت رام کو پکارتے ہیں اور یہ بوقت مصیبت علی کو پکارتے ہیں۔ خدا وہاں بھی معطل ہے۔ یہاں بھی، انہی قرامطہ کی تقلید میں اکثر مسلمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا سمجھتے ہیں اور ہر مشکل کے وقت خدا کے بجائے انہی کو پکارتے ہیں اور جو مسلمان انہیں اس فعل سے منع کرتا ہے اسے ''وہابی'' کہتے ہیں۔

قرامطہ نے صوفی بن کر مسلمانوں کو جس حد تک گمراہ کیا، عمل صالح اور جد و جہد سے بیگانہ بنایا' اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ''نادِ علیاً'' سے دنیائے جہان کی تاثیر منسوب کر دی۔ میں اپنے دل پر جبر کر کے بلکہ پتھر کی سل رکھ کر جواہر غیبی سے ان کلمات کے خواص نقل کرتا ہوں:

''خواص ایں کلمات بسیار است'':

۱۔ اگر مسحور ہفت بار بر آب چاہ بخواند و از اں غسل کند، سحر باطل شود۔

۲۔ اگر اول ساعتِ جمعہ چہل و ہشت بار بخواند با ہر کہ سخن راند، محب او شود۔

۳۔ اگر از دشمن خوف باشد ہر روز ہفتاد بار بخواند، دشمن مقہور شود۔

۴۔ برائے اخلاصِ محبوس ہر روز شصت بار بخواند۔

۵۔ برائے حصولِ دولت ہر بامداد صد بار بخواند۔

۶۔ برائے رویت آنحضرت صلعم ہر شب سہ ہزار بار بخواند۔

۷۔ برائے کشفِ کنوز و اسرار غیب چہل روز، ہر روز شصت و ہفت بار خواند۔

۸۔ برائے تحصیل علوم ہر روز ہفتاد بار خواند۔

۹۔ برائے بغض و عداوتِ میان دو شخص بست بار بخواند۔

۱۰۔ برائے تحصیل مرادات ہر روز بست و چہار بار بخواند ①

بخوف طوالت صرف انہیں خواص پر اکتفا کرتا ہوں۔ کتاب میں اس قدر خواص اور بھی مرقوم

---

① ص ۱/۶۴۱ و ص ۲/۶۴۲۔

ہیں ان خواص پر تنقید کے بجائے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کے تصوف نے مسلمانوں کو قوت عمل سے محروم کر دیا۔ یہ سوال خارج از بحث ہے کہ ان کلمات میں ہی تاثیر کہاں سے ثابت ہے کیونکہ اس قسم کے اسرار ورموز فہم انسانی سے بالاتر ہیں۔

ایک بات اور عرض کروں۔ اس روایت کے واضع نے کمال دانائی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھا دیا اور واضع کا اصلی مقصد یہی تھا کہ مرکز توجہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہٹ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہو جائے نہ اللہ سے تعلق باقی رہے نہ رسول اللہ سے۔

یہ ایک روایت ہے اُن صد ہا روایات لا یعنی میں سے جنہوں نے مسلمانوں کے عقائد میں شرک کی آمیزش کر دی اور قرامطہ نے یہ کارنامہ تصوف کا لبادہ اوڑھ کر انجام دیا۔ عوام جب ان کی مجلسوں میں جاتے تھے تو یہ لوگ پہلے ان کو اپنے ظاہری تقدس سے مسحور کرتے تھے پھر ان کے عقائد کو غیر اسلامی تصوف کے سانچے میں ڈھال دیتے تھے۔

نظر ان کی رہی مجلس میں بس حشو و زوائد پر
گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر ①

اگر تصوف اسی بات کا نام ہے کہ مسلمان خدا پرستی کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہو جائے تو ایسے تصوف سے ہر سچا مسلمان ہزار بار اللہ کی پناہ طلب کرے گا۔

قرامطہ نے فصوص الحکم، فتوحات مکیہ، مثنوی مولانا روم احیاء العلوم اور دوسری مشہور کتابوں میں اپنی طرف سے عبارتیں اور اشعار داخل کر دیئے بلکہ بہت سی کتابیں خود لکھ کر بعض بزرگوں کے نام سے منسوب کر دی۔ مثلاً ایک دیوان حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب کر دیا۔ بہت سی رباعیات مختلف صوفیوں سے منسوب کر دیں۔ مثلاً یہ مشہور رباعی خواجہ معین الدین اجمیری سے منسوب کر دی۔

شاہ است حسین رضی اللہ عنہ بادشاہ ہست حسین رضی اللہ عنہ
دین است حسین رضی اللہ عنہ دیں پناہ ہست حسین رضی اللہ عنہ

① اکبر الٰہ آبادی کا شعر ہے: ''نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر، گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر'' میں نے اپنے مطلب کو واضح کرنے کے لیے اس میں تصرف کر دیا ہے۔

سر دادند او دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؓ

قرامطہ نے بہت سی غزلیں مولانا روم کے دیوان میں شامل کر دیں جس کا نام دیوان شمس تبریز ہے۔ایک غزل کے چند اشعار ذیل میں درج کرتا ہوں:

شا ہے کہ ولی بود و وصی بود علی بود
سلطانِ سخا وکرم وجود علی بود
ہم اول و ہم آخر وہم ظاہر وباطن
ہم موعد وہم وعدہ موعود علی بود
گویند ملک ساجد ومسجود بُد آدم
از من بشنو ساجد ومسجود علی بود
ہم آدم وہم شیث وہم ایوب وہم ادریس
ہم یوسف وہم یونس وہم ہود علی بود
جبریل کہ آمد زبر خالق بیچوں
در پیش محمد ﷺ شد ومقصود علی بود
ایں کفر نباشد سخن کفر نہ ایں است
تا ہست علی باشد وتا بود علی بود

مرشد رومی ہرگز یہ غزل نہیں لکھ سکتے تھے کیونکہ دوسرے شعر کا پہلا شعر مصرع بفحوائے نص قرآنی ''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ'' اللہ تعالیٰ کی صفات پر شاہد ہے اور کوئی مسلمان اس نص کو غیر اللہ کی ذات پر منطبق کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا یا خدا کا اوتار سمجھتا ہے۔ اور عبداللہ ابن سباء کی اور اس کے متبعین القداح اور قرمط کی تعلیم کا سنگ بنیاد ہی الوہیت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ہے لہٰذا یہ غزل انہی کے پیرو لکھ سکتے ہیں۔ چند اشعار اور بھی درج کرتا ہوں:

اول و آخر توئی ظاہر و باطن توئی
مفخر عالم توئی شاہ سلام علیک

با حیدر خود حیدرم بیروں زحیدر کافرم
حق را بحقّ من عرف از شاہ مرداں یافتم
اے رہنمائے موماں ، اللہ مولانا علیؓ
اے عیب پوش و غیب دان اللہ مولانا علیؓ
قاضی و شیخ و محتسب دارد بدل بغض علیؓ
ہر سہ شد نداز دیں بری اللہ مولانا علیؓ

مرشد رومی یہ اشعار ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے کیونکہ عیب پوش اور غیب دان یہ اللہ کی صفات ہیں نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی۔

دیوان شمس تبریز پر جلال ہمائی نے جو مقدمہ لکھا ہے اس میں ان اشعار کو الحاقی قرار دیا ہے۔①

خواجہ اجمیری رحمہ اللہ یا مرشد رومی رحمہ اللہ کی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا حقیقت ہے! قرامطہ اور ان کے ہم خیالوں نے تو اس قدر جسارت کی کہ اپنے مزعوماتِ باطلہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیئے۔ منجملہ ان کی یہ حدیث ہے جو ترمذی میں بھی موجود ہے۔ **انا مدینۃ العلم یا انا دار الحکمۃ و علی بابھا**

شیخ الاسلام آیۃ من آیات اللہ مجاہد اعظم حضرت سیدی و شیخی و مولوی سیّد حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ العزیز مکتوب نمبر ۵۷ میں ص ر ۱۷۹ و ص ر ۱۸۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

"یہ روایت نہ تو صحیحین میں ہے اور نہ روایت کا ذکر کرنے والے اس کی تصحیح فرماتے ہیں"۔ ترمذی نے بھی روایت کرنے کے بعد کلام کیا ہے کہ بعض علماء نے یہ حدیث شریک تابعی سے روایت کی ہے مگر علمائے حدیث اس کو ثقات میں سے نہیں پہچانتے سوائے شریک کے۔ علامہ ابن جوزی نے موضوعات میں اس کے جملہ طریق پر یقین کے ساتھ باطل ہونے کا حکم دیا ہے۔ ایک جماعت محدثین کی اس کے موضوع ہونے کی قائل ہے۔ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین صاف فرماتے

① دیکھو مقدمہ ص ر ۶۷ دیوان شمس تبریز مطبوعہ طہران ۱۳۳۵ء شمسی۔

ہیں کہ اس روایت کی سرے سے کوئی اصل ہی نہیں ہے۔ طاہر پٹنی نے بھی اس کی صحت کا انکار کیا ہے۔ امام العصر (مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ) بھی روایت کی صحت کو تسلیم نہیں فرماتے''۔①

صوفیہ کے اشعار میں تدسیس اور الحاق کی وبا اس قدر عام ہو چکی تھی کہ جب مولانا جامی رحمہ اللہ بغداد آئے ان دنوں وہاں روافض کا ہجوم تھا انہوں نے مولانا کی کتاب ''سلسلة الذهب'' پر چند اعتراضات کیے تھے ایک رافضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں چند مبالغہ آمیز اشعار لکھ کر مولانا سے منسوب کر دیئے۔

ایک دن جامع مسجد بغداد میں مجلس مناظرہ قائم ہوئی جس کا مقصد یہ تھا کہ روافض اپنے اعتراضات پیش کریں گے مگر پہلے ان اشعار پر اعتراض ہوا جو ایک رافضی نے مولانا سے منسوب کر دیئے تھے سنی علماء نے ان اشعار پر اعتراض کیا۔②

مجھے اس واقعہ سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ اسماعیلیہ قرامطہ اور روافض کا یہ محبوب مشغلہ تھا کہ وہ صوفی شعراء کے کلام میں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں ایسے مبالغہ آمیز اشعار جن سے الوہیت علی پر استدلال ہو سکے، اپنی طرف سے شامل کر دیا کرتے تھے۔

اگر یہ سوال ہو کہ انہیں اس کی جرأت کیسے ہوتی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صوفی سلسلے اور تمام صوفی افراد بلا استثناء احدے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہایت مکرّم، محترم اور لائق توقیر سمجھتے ہیں اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ سلاسل اربعہ میں سے تین سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا صوفی شعراء نے جہاں خلفائے ثلاثہ کی منقبت میں زور قلم صرف کیا ہے وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں بھی اپنی عقیدت کا مظاہرہ کیا ہے اس لیے روافض اور قرامطہ کو مبالغہ آمیز اشعار شامل کلام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آسکتی تھی فرض کیجیے مولانا جامی نے اکیس شعر کی ایک نظم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھی تو اگر کوئی شخص دو تین ایسے شعر جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بنا دیا گیا ہو۔ اس نظم میں چپکے سے

---

① حاشیہ از مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی مرتب مکتوبات شیخ الاسلام، ماخوذ از مکتوبات شیخ الاسلام حصہ اوّل۔ اردو بک اسٹال لاہور۔

② اس داستان کے تفصیل کے لیے دیکھو حیات جامی مؤلفہ ڈاکٹر علی اصغر مطبوعہ طہران ص ر ۸۳

شامل کر دے (اور اسی کو تدسیس کہتے ہیں) تو کیا دشواری لاحق ہو سکتی ہے؟

قرامطہ نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے جہاں اور ہتھکنڈے استعمال کیے وہاں یہ حربہ بھی استعمال کیا کہ اپنی مجلسوں میں مسلسل اس گمراہ کن عقیدے کی تبلیغ کی کہ ''شریعت اور طریقت دو جداگانہ چیزیں ہیں اور جب ایک شخص طریقت کے دائرے میں قدم رکھتا ہے تو اس کے لیے شریعت کی پابندی لازمی نہیں رہتی۔ جی چاہے پابندی کرے جی چاہے نہ کرے''۔

ملوکیت نے دین اور دنیا میں تفریق تو پہلے ہی سے قائم کر دی تھی اور اس غیر اسلامی تعلیم نے مسلمانوں کی اجتماعی اخلاقی اور دینی زندگی کو تباہ کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر اس غیر اسلامی تصوف نے پوری کر دی کیونکہ شریعت اور طریقت کی تفریق سے اباحت مطلقہ کا دروازہ کھل گیا اور مسلمانوں کی روحانی زندگی ختم ہو کر رہ گئی۔

قرامطہ کو اس تفریق کی ضرورت اس لیے بھی پیش آئی کہ اگرچہ انہوں نے مصلحتاً تصوف کا لبادہ اوڑھ لیا تھا مگر دل تو بدستور غیر اسلامی تھا۔ اس لیے انہوں نے اس ''نکتہ معرفتہ'' کو شد و مد کے ساتھ پیش کیا تھا کہ کوئی شخص ان پر عدم پابندی شرع کا الزام عائد نہ کر سکے۔ علاوہ بریں ان جعلی صوفیوں کے حاشیہ نشینوں نے عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کیا کہ نماز پنجگانہ تو عوام کے لیے ہے یہ حضرات تو ہر وقت نماز میں مشغول رہتے ہیں۔

اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ مسلمانوں میں قلندری اور ملامتی درویشوں کی جماعتیں پیدا ہو گئیں ان دونوں جماعتوں کے افراد، پابندی شریعت سے آزاد رہتے تھے بلکہ اس آزادی سے فخر محسوس کرتے تھے اور تحقیر شریعت کو اپنے لیے طغرائے امتیاز بناتے تھے۔

قلندروں کی جماعت نے سیاحت اور صحرانوردی کو اپنا شعار بنا لیا، کیونکہ اس طرح سیر و تفریح کے مواقع بھی میسّر آ سکتے تھے اور جد و جہد کے بغیر زندگی بسر ہو سکتی تھی یعنی جس شہر میں پہنچے وہاں کے مسلمانوں پر اپنے تقدس (ترک دنیا) کا سکہ جما کر اعلیٰ درجے کی ضیافت کا انتظام کر لیا۔ رفتہ رفتہ ان کے اخلاق بالکل تباہ ہو گئے۔ بخوفِ طوالت تفصیل سے اجتناب کرتا ہوں۔

رہے ملامتی فرقے کے لوگ تو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضعف پہنچایا

کیونکہ دین کی بنیاد ہی منہدم کردی انہوں نے ہر اس فعل کا ارتکاب کیا، جس کی شریعت نے ممانعت فرمائی ہے۔قرامطہ نے ان کو یہ نکتہ عجیبہ جسے ابلیسی ذہانت کا شاہکار کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔سمجھایا کہ:

۱۔تصوف کا مقصود ہے نفس امارہ کو مغلوب کرنا۔

۲۔اس کے مغلوب کرنے کا ایک طریقہ اس کی تذلیل بھی ہے۔

۳۔اس لیے ایسے کام کرو جن کی وجہ سے لوگ تمہیں برا کہیں۔

۴۔جب لوگ تمہیں برا سمجھیں گے، گالیاں دیں گے، دین اسلام سے خارج کر دیں گے تمہارا سوشل بائیکاٹ کر دیں گے۔تو یقیناً نفس امارہ، نفس مطمئنہ میں تبدیل ہو جائے گا۔

چونکہ اتباع شریعت نفس پر گراں ہے اس لیے یہ ''ملامتی طریقہ'' بہت جلد مقبول ہو گیا اور آج بھی ہندو پاکستان کے مختلف شہروں میں آپ کو ایسے لوگ مل سکتے ہیں جو:

۱۔اعلانیہ شریعت اور طریقت میں تفریق کرتے ہیں اور ''پیر'' ہونے کے باوجود نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں نہ اتباع شریعت کرتے ہیں۔وجہ کیا ہے؟ صرف یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ اب ہم روحانیت کے اس مقام پر فائز ہیں جہاں یہ رسوم ظاہری بے کار ہو جاتی ہیں اور اپنے زعم باطل کی تائید میں یہ آیت پیش کر دیتے ہیں:

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾

یعنی اپنے رب کی اس وقت تک عبادت کر جب تک تجھ میں یقین کی کیفیت پیدا نہ ہو

اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے اندر یقین پیدا ہو چکا ہے اس لیے اب ہمیں عبادت کی ضرورت نہیں ہے حالانکہ افضل الرسل خیر البشر سرکار دو عالم ﷺ آخر وقت تک نماز پڑھتے رہے!

۲۔جو درویشی کے پردے میں منہیات کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اسی لیے تو شراب پیتے ہیں کہ لوگ ہمیں برا سمجھیں اور اس طرح ہمارا نفس مردہ ہو جائے جو مقصود اسلام ہے۔

یہ ''بے شرع'' اور ''خلاف شرع'' صوفی جو دراصل ملاحدہ اور زنادقہ کی جماعت کے دو افراد ہیں پانچویں صدی سے دنیائے اسلام میں اپنی فتنہ پردازی اور شرارت انگیزی میں مصروف ہیں۔میں صرف ایک شخص کا ذکر کروں گا جس کا نام مادھو لال حسین ہے۔یہ شخص اکبر کے عہد میں لاہور میں

رہتا تھا ایک طرف اپنے اشعار میں خالص توحید اور عشق الٰہی کا درس دیتا تھا۔ دوسری طرف ایک کھتری بچہ مادھو کے عشق میں گرفتار تھا اور بلا تامل خلاف شرع امور کا ارتکاب کرتا تھا۔

ملامتی فرقے کے درویش لاہور کے علاوہ دلی میں بھی تھے۔ اس لیے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''جو صوفی شریعت اور طریقت میں فرق کرے وہ صوفی نہیں ہے بلکہ فرقۂ باطنیہ سے تعلق رکھتا ہے''۔

میرا خیال ہے کہ میں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں کافی سے زیادہ شواہد پیش کر دیئے ہیں کہ بلاشبہ:

۱۔ مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف بھی پیدا ہوا جسے ہم ایرانی یا عجمی تصوف بھی کہہ سکتے ہیں اور اس تصوف کو اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیادی تعلیمات اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں جیسا کہ مہدی توحیدی پور نے نفحات الانس کے عنوان میں لکھا ہے:

''زیر اصول طریقت تصوف در بسیارے موارد با قوانین دین مبین اسلام معارض است''

اور اس میں کیا شک ہے کہ ایرانی تصوف، اکثر موارد میں دین مبین اسلام کے قوانین کی ضد ہے۔ اسلام خدا پرستی سکھاتا ہے اور یہ غیر اسلامی یا ایرانی تصوف انسان پرستی کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔

۲۔ اس غیر اسلامی تصوف کا بیج قرامطہ نے بویا انہوں نے اپنے مقاصد مشئومہ اور عقائد مذعومہ کی تبلیغ کے لیے تصوف کو آلۂ کار بنایا اور صوفیوں کے لباس میں بے شمار مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔

بطورِ تائید مزید، مقدمہ شرح گلشن راز نوشتۂ آقائے کیوان سمیعی (شیعہ اثنا عشری) سے چند اقتباسات کا اردو ترجمہ ذیل میں درج کرتا ہوں:

''صوفیوں میں حلول و اتحاد کے غیر اسلامی عقائد کی اشاعت کا ظاہری سبب یہ ہے کہ مسلمانوں میں فرق ضالہ کے پیروؤں نے اپنے مقاصد پلید کی اشاعت کے لیے، اپنے آپ کو صوفیوں کے لباس میں ظاہر کیا۔ ان لوگوں کی صورت تو صوفیانہ تھی مگر سیرت صوفیانہ نہ تھی۔ ان لوگوں نے غلط عقائد صوفیوں میں شائع کر دیئے اور

چونکہ عامۃ الناس ان میں اور سچے صوفیوں میں فرق نہ کر سکے (اور کر بھی کیسے سکتے تھے) اس لیے فرق مذکورہ کے معتقدات کو صوفیوں کے معتقدات سے مخلوط اور منسوب کر دیا۔

چنانچہ شمس الدین محمد سخاوی اپنی تصنیف "الضوء اللامع" میں دربارۂ فضل اللہ استر آبادی (جو باطنی بھی تھا اور مذہب اتحاد کا بھی معتقد تھا اور فرقۂ حروفیہ کا بانی بھی تھا) لکھتا ہے:

''وے بلباسِ درویشاں در آمد خود را از اں طائفہ معرّفی کرد'' وہ درویشوں کے لباس میں ظاہر ہوا اور اپنے آپ کو اسی گروہ سے وابستہ کر کے ایک صوفی کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس کے باوجود تعطیل احکام شرعی و اباحتِ محرّمات و ترک مفترضات کا حکم دیا۔①''

پروفیسر ای جے ڈبلو گب اپنی تاریخ شعر ترکان عثمانی کے صفحہ/ ۳۳۸ پر لکھتا ہے:

''تاریخ اسلام میں بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ دعاۃ مذہب بدع وضلال نے اشتباہ کاری اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے عوام کے حسنِ ظن کو مدّنظر رکھ کر، باطل عقائد رکھنے والے صوفیہ سے استفادہ کیا ہے اور اپنے آپ کو انہی سے وابستہ ظاہر کیا ہے''

چنانچہ نظام الملک طوسی کا قاتل جو دراصل فرقہ اسماعیلیہ سے تعلق رکھتا تھا، صوفیہ کے لباس میں ظاہر ہوا تھا (اس نے صوفی بن کر طوسی کا قُرب حاصل کیا اور موقع پا کر اسے قتل کر دیا) اسی طرح باطنیہ فرقے کے دو آدمی، صوفی بن کر شاہ عباس صفوی کے پاس آئے تھے اور اسے مذہب امامیہ سے منحرف کرنے کی کوشش کی تھی۔

فرقہ اسماعیلیہ میں وہ طائفہ جو حشاشین کے نام سے بدنام ہے اس کے افراد بھی ہمیشہ صوفیوں ہی کے لباس میں ظاہر ہوتے تھے اور جب صوفیہ کے عقائد بیان کرتے تھے تو اپنے عقائد بھی شامل کر دیتے تھے اور اس طرح عقیدۂ شخصی، عقیدۂ صوفیہ بن جاتا تھا چنانچہ متاخرین ان کے ایسے اقوال کی تاویل کرتے تھے۔ مثلاً شیخ عزیز نسفی اس بات کا قائل ہے کہ مرد عارف کی روح اس کی وفات کے بعد

① الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع جلد/ ۶ صفحہ ۱۷۴۔

کاملین کے بدن میں داخل ہو جاتی ہے۔

اگر چہ یہ عقیدہ بالکل عقیدۂ تناسخ کا ہم معنی ہے مگر ایک صوفی سے منسوب ہے اس لیے ملّا ہادی سبز واری نے اپنی تصنیف اسرار الحکم جلد اوّل ص ر ۲۴۸ میں شیخ مذکور کے اس قول کی تاویل کی ہے اور اس کے غیر اسلامی عقیدے کا نام ''تناسخ مجازی'' رکھ کر شیخ مذکور کی برأت کی کوشش کی ہے حالانکہ یہ عقیدہ صریحاً ''تناسخ اروح'' کا عقیدہ ہے جو کفر ہے'' ۔①

یہ ایک شیعہ عالم کی عبارت ہے جس پر کسی تبصرے یا حاشیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور میرے مدعا کو بخوبی ثابت کرتی ہے۔

اس کے بعد علامہ ابن خلدون کی شہادت پیش کرتا ہوں وہ اپنے تاریخ کے شہرۂ آفاق مقدمے میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''صوفیائے متقدمین کے روابط ان غلاۃ اسماعیلی شیعوں سے استوار ہو گئے جو حلول اور الوہیت ائمہ کے قائل تھے۔ ابتدائی دور کے اسماعیلیہ ان عقائد سے آگاہ نہ تھے۔ بہر حال اسماعیلیہ اور صوفیہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے عقائد سے متاثر ہوئے اور ان کے نظریات وعقائد آپس میں مدغم ہو گئے۔ چنانچہ صوفیہ کے یہاں بھی ''قطب'' کا نظریہ پیدا ہو گیا جس کا مطلب ہے سیدُ العارفین یا تمام عُرفاء کا سرتاج۔ صوفیا نے یہ فرض کر لیا (بلا دلیل) کہ کوئی صوفی معرفت کے لحاظ سے قطب کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک خدا اس قطب کو وفات نہ دے۔ ہاں اس کی وفات کے بعد خدا اس کا مقام، اس کے جانشین کو عطا کر دیتا ہے (یہ عقیدہ اسماعیلیہ کے عقیدۂ امامت سے مشابہ ہے کہ جب ایک امام مرتا ہے تو اس کی روح اس کے جانشین میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اسے الوہیت اور معصومیت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے امام کی زندگی میں دوسرا شخص امامت کے مرتبے پر فائز نہیں ہو سکتا)۔

---

① ماخوذ و مقتبس از مقدمہ گلشن راز نوشتہ کیوان سمیعی شیعی مطبوعہ چاپ خانہ حیدری از انتشارات کتاب خانۂ محمودی طہران ۱۳۳۷ء شمسی ص ر ۳۸ و ۳۹۔

چنانچہ مشہور فلسفی ابن سینا نے (جو باطنی تھا) اپنی تصنیف ''کتاب الاشارات'' میں اس نظریے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ لکھتا ہے:

یہ صداقت عظمیٰ (حقانیت کبریٰ) اس قدر رفیع الشان ہے کہ ہر طالب کو حاصل نہیں ہوسکتی اور نہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ شخص اس مرتبے پر فائز ہوسکتا ہے''①

واضح ہو کہ اقطاب کے تسلسل کا نظریہ نہ شریعت سے ثابت ہوسکتا ہے نہ دلائل عقلیہ سے، یہ محض ایک استعارہ ہے اور غلاۃ شیعہ کے نظریۂ امامت سے مطابقت رکھتا ہے۔جس کی رو سے امام کی وفات کے بعد اس کا فرزند امامت کو بھی ترکے یا ورثے میں حاصل کر لیتا ہے۔

(جس طرح جائداد منتقل ہوتی ہے امامت بھی منتقل ہو جاتی ہے) بلا شبہ صوفیوں نے یہ تصور غلاۃ شیعہ سے حاصل کیا ہے۔

علاوہ ازیں جس طرح باطنیہ امام کے بعد نقباء کا وجود تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح صوفیہ، قطب کے بعد اولیاء کا وجود تسلیم کرتے ہیں جن کا مرتبہ قطب کے بعد ہے چنانچہ شیعہ کے ساتھ ان کے عقائد کی مماثلت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ جب انہوں نے خرقہ پوشی کے لیے مشائخ کا سلسلہ مرتب کیا تو اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچا دیا۔ یقیناً یہ بات انہوں نے شیعوں کے زیر اثر آ کر کی، کیونکہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ قرب رکھتے تھے ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی مخصوص عمل کی بناء پر یا لباس کی بناء پر کوئی درجہ اختصاص حاصل نہیں تھا۔

بلا شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ متقی اور زاہد تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی کسی خاص مذہبی عمل کی وجہ سے دوسروں سے متمیز نہیں تھا۔حقیقت یہ ہے کہ جس قدر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل تھا وہ سب کے سب مذہب، پرہیز گاری، زہد و ورع اور مجاہدانہ زندگی کا اعلیٰ نمونہ تھے اس بات کا ثبوت ان کی زندگی اور تاریخ دونوں سے مل سکتا ہے۔

بلا شبہ اس قسم کے قصوں سے شیعہ مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

① تفصیل کے لیے دیکھو ''کتاب الاشارات والتنبیہات'' النمط التاسع.

کو بعض مخصوص صفات کی وجہ سے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں امتیازی شان حاصل ہے۔''①

اپنے دعوے کی مزید تائید کے لیے میں تصوف کی کتابوں سے وہ غیر مستند اور غیر معتبر اور باطل روایات ذیل میں درج کرتا ہوں جو دشمنانِ اسلام نے ان کتابوں میں اپنی طرف سے وضع کر کے داخل کر دی ہیں اور ان تحریفات کی مثالیں درج کروں گا۔ جو انہوں نے کتب تصوف میں کی ہیں۔ اس کے بعد ان غیر اسلامی عقائد کی نشان دہی کروں گا جو دین سے ناواقف مسلمان صوفیوں میں مقبول ہو گئے ہیں۔

① مقتبس از مقدمۂ ابن خلدون باب ششم فصل شانزدہم انگریزی ترجمہ جلد سوم ص ر ۹۲ تا ۹۳ مطبوعہ نیو یارک ۱۹۵۸ء۔

اکابر اہل سنت کی تصانیف میں تدلیس وتاسیس

پروفیسر سعید نفیسی کی رائے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دعوے کو ثابت کرنے سے پہلے مشہور ایرانی محقق اور فاضل پروفیسر سعید نفیسی کی تصنیف ''جستجو در احوال وآثار فرید الدین عطار نیشاپوری'' سے چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین کروں۔ موصوف لکھتے ہیں:

''جب اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہوئے تو آغاز ہی سے انہیں ایران میں اپنے پیرو کثیر تعداد میں مل گئے۔ دراصل اسلامی فرقوں کی تاسیس کا سہرا ایرانیوں کے سر ہے۔ اس کی دلیل بالکل واضح اور روشن ہے۔ ایرانی باشندے عربوں کے تسلط سے پہلے بارہ سو سال تک دنیا میں بڑے جاہ وجلال کے ساتھ زندگی بسر کرتے چلے آرہے تھے۔ اس لیے انہیں اپنے اوپر خلفائے دمشق یا خلفائے بغداد کی حکمرانی کسی طرح پسند یا گوارا نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایرانی ایک اصول اپنی طرف سے وضع کرتا تھا۔ اور ایک گروہ اس کا ہمنوا بن جاتا تھا اور یہ سلسلہ نویں صدی تک جاری رہا۔

پانچویں صدی تک بیشتر اہل ایران حنفی تھے یا شافعی تھے۔ طبرستان میں زیدیہ فرقہ اکثریت میں تھا۔ سبزدار کے علاقے میں شیعہ جعفریہ کا غلبہ تھا۔ قزوین میں اسماعیلیہ کا زور تھا۔ کرامیہ فرقہ جنوبی خراسان میں معروف تھا۔ صوفیہ اپنے آپ کو ان فرقوں سے مافوق سمجھتے تھے اور کسی کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ مشہور صوفی عبداللہ انصاری حنبلی تھے۔ ان کے علاوہ چھٹی صدی تک تمام صوفیہ حنفی تھے''۔

مؤلف ''مجالس المؤمنین'' نے جو شیعہ تراشی میں مشہور ہے۔ عطار رحمہ اللہ کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور دلیل میں وہ اشعار پیش کیے ہیں جو انہوں نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی منقبت میں لکھے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے ''ہر چہار یار'' کی مدح کی ہے۔ اور دونوں گروہوں کے تعصب کا رد کیا ہے۔ طہران میں عطار کی بعض مثنویوں میں سے پہلے تین خلفاء کے مناقب کو اسی لیے حذف کر

دیا گیا ہے۔ ایرانی شیعہ دورۂ صفویہ سے پہلے، تینوں خلفاء کی شان میں بدزبانی نہیں کرتے تھے۔ عطار نے ہر مثنوی میں چار یار کی مدح کی ہے۔ اگرچہ موجودہ نسخوں میں مدحِ خلفا کو حذف کر دیا گیا ہے۔ مگر قلمی نسخوں میں مدح موجود ہے۔ مثلاً اسرار زمانہ میں مرقوم ہے۔

سپہر صدق را خورشید انور
امیر المومنین صدیق اکبرؓ
شریعت را نخستین قرۃ العین
رفیق مصطفیٰ و ثانی اثنین

قلمی نسخے میں ایک شعر یوں ہے۔

سوار دیں پسر عم پیمبر
شجاع شرع و صاحب حوض کوثر

لیکن طہران کے مطبوعہ نسخے میں اسے اس طرح تبدیل کیا گیا ہے:

خصوص آں وارث دیں پیمبر
چراغ شرع و صاحب حوضِ کوثر

مصیبت نامہ عطار کے قلمی نسخے میں یہ اشعار موجود ہیں:

تا نبی صدیق را محرم گرفت
صبح صادق جملہ عالم گرفت
مردہ ای کہ می رود بروئے خاک
ہست از قول نبی صدیق پاک

مدح صدیقی میں ۱۲۷ اشعار ہیں، مدح فاروقی میں ۱۲۲ اشعار ہیں۔ مدح عثمانی میں ۱۲۷ اشعار ہیں۔ لیکن اس مصیبت نامہ کا جو ایڈیشن ۱۳۵۴ء میں طہران سے شائع ہوا ہے اس میں ان کو حذف کر دیا گیا ہے۔

حالانکہ اس میں شک نہیں ہے کہ عطارؔ سلسلہ کبیرویہ سے متعلق تھے اور شیخ نجم الدین کبری کے معتقد تھے۔ (اہل سنت میں سے تھے نہ کہ شیعہ)

عطار سے ٦٦ کتابیں منسوب ہیں۔لیکن ان میں سے صرف دس کتابیں ان کی مصنفہ ہیں:

خسرو نامہ، مختار نامہ، اسرار نامہ، مصیبت نامہ، دیوان ، جواہر نامہ، شرح القلب، الٰہی نامہ، پند نامہ، اور منطق الطیر۔

جو کتابیں ان سے منسوب ہیں ان میں سے ایک کتاب کا نام ''جواہر الذات'' ہے یہ کتاب ۱۳۵۵ء میں طہران سے شائع ہوئی تھی لیکن اس کتاب کے مصنف نے اکثر مقامات پر ''اظہار تشیع'' کیا ہے اس لیے کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ یہ کتاب عطار کی تصنیف ہو۔اسی طرح ''حلاج نامہ'' بھی عطار کی تصنیف نہیں ہے تیسری کتاب جو عطار سے منسوب ہے۔اس کا نام سی فصل ہے''گوینده ایں کتاب ہم شیعہ بوده'' اس کتاب کے اس شعر سے ثابت ہے کہ اس کا مصنف وہی ہے جس نے جواہر الذات لکھی ہے۔وہ شعر یہ ہے:

بجوہر ذات گفتم ایں معانی
تو می باید کہ ایں معنی بدانی

لسان الغیب بھی ان کی تصنیف نہیں ہے کیونکہ ان میں یہ اشعار مندرج ہیں:

شیعہ پاک است عطار اے پسر
جنس ایں شیعہ بجان خود بخر
ماز فاروق ① التجا بر کندہ ایم
پے ز نورین ② شما ببریدہ ایم

پروفیسر نفیسی نے آخر میں یہ فیصلہ صادر کیا ہے۔

''در ہر صورت ہیچ تردیدے نیست کہ مردے بوده است جعّال، در قرن نہم، کہ خود را فرید الدین عطار می خواند و در مشہد می زیست و چندیں کتب سست و بے مغز مانند اشتر نامہ، بلبل نامہ، جواہر الذات، حلاج نامہ، خیاط نامہ، کنز الاسرار، لسان الغیب، مظہر العجائب، ساختہ کہ ہیچ وجہ از فرید الدین عطار نیشاپوری، نیست''۔(ص/١٦٦)

① یعنی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔
② یعنی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

جو نسخہ جواہر الذات کا میری نظر سے گزرا ہے اس میں صرف دو شعر ذیل میں درج کرتا ہوں جن سے پوری کتاب کا اندازہ ہو جائے گا اور یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ یہ شعر حضرت شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری رحمہ اللہ اپنے قلم سے ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے:

محمد راشناش ایں جا خدا تو
دگرنہ اوفتی اندر بلا تو
علی با مصطفیٰ ہر دو خدا یند
کہ دم دم راز برما می کشا یند

ان شعروں کے مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا کہنے والا عبداللہ ابن سبا کا خاص پیرو تھا اور طائفہ ضالہ باطنیہ یا قرامطہ سے تعلق رکھتا تھا۔

میں نے پروفیسر سعید نفیسی کی محققانہ تصنیف سے یہ اقتباسات اس لیے درج کیے ہیں کہ ناظرین پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ:

۱۔ قرامطہ نے صوفی بن کر اپنے عقائد باطلہ کو اسلامی تصوف کے ساتھ اس طرح مختلط کر دیا کہ عوام کے لیے امتیاز بین الحق والباطل ناممکن ہو گیا۔

۲۔ تصوف کے نام سے عامۃ المسلمین میں اپنے عقائد شائع کر دیئے اور شیخ طریقت بن کر ان عقائد کو دن رات اپنی مجلسوں میں بیان کر کے جاہل اور سادہ لوح اہل سنت کے دل و دماغ میں اس طرح پیوست کر دیا کہ وہ ان کی جذباتی اور اخلاقی اور روحانی زندگی کا جزو لاینفک بن کر رہ گئے چنانچہ وہ ہر مصیبت کے وقت اللہ کے بجائے کسی غیر اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ ان کی زبان پر بے ساختہ کسی اپنے ہی جیسے عاجز اور فانی انسان کا نام آجاتا ہے۔ حالانکہ تصوف نام ہی ہے نقش غیر کو لوح دل سے مٹا دینے کا۔

کجا غیرو کو غیرو کو نقش غیر
سوی اللہ واللہ ما فی الوجود
کل ما فی الکون وہم او خیال

او عکوس فی المرا یا او ظلال

۳۔ اسلام کے ان دشمنوں نے تصوف کی مشہور کتابوں میں اپنے عقائد شامل کر دیئے اور جہاں موقع ملا اسلامی عقائد کو حذف کر دیا۔

۴۔ مشہور صوفیوں کے نام کا ناجائز استعمال کیا یعنی کتابیں خود لکھیں مگر انہیں اہل سنت کے مستند مشائخ روحانی سے منسوب کر دیا۔

۵۔ تقیہ کی بدولت عوام اور خواص دونوں کو مدتوں تک مغالطے میں رکھا۔

کامیابی اور غیر معمولی کامیابی اس لیے ہوئی کہ مرید مسلوب الارادہ ہوتا ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے کہ مرید اللہ تک پہنچنے کے لیے وہی طریق اختیار کرے جو اس کا شیخ اسے بتائے اس طرح کوئی دنیاوی فن مثلاً موسیقی، مصوری، خطاطی، سنگ تراشی، وغیرہ میں کمال حاصل کرنے کے لیے شاگرد وہی طریق کار اختیار کرتا ہے جو اس کا استاد اسے بتاتا تھا لیکن تصوف کی دنیا میں رفتہ رفتہ ایک غلطی عام ہوگئی جس کی وجہ سے تصوف بھی بدنام ہو گیا اور صوفیوں میں شخصیت پرستی بھی راہ پاگئی وہ غلطی یہ تھی کہ بعض جاہل مریدوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس کی راہ میں مرید کو مسلوب الارادہ ہوجانے کے ساتھ ساتھ مسلوب العقل بھی ہوجانا چاہیے، اسی عقل وفہم سے بیگانہ ہوجانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ تصوف کی کتابوں میں اور مشائخ کے ملفوظات میں جو خلاف شرع اور خلاف عقل باتیں دشمنان اسلام کی تدسیس وتحریف وتدلیس سے داخل ہوگئی ہیں کوئی شخص نہ ان کی تغلیط وتکذیب کی جرأت کرتا ہے نہ انہیں ان کتابوں سے خارج کرنے کا خیال دل میں لاسکتا ہے یہ ہے وہ تقلید کور یا اندھی عقیدت جس نے تصوف کو بھی بدنام کیا اور مسلمانوں کی عقلی زندگی کو بھی مفلوج کر دیا۔

آہ محکومی و تقلید و زوال تحقیق

گزشتہ بیس سال میں تصوف کی جس قدر کتابیں نظر سے گذریں۔ اکثر وبیشتر کتابوں میں ایسی روایات موجود پائیں جو نہ نقلاً صحیح ہیں نہ عقلاً۔ بلکہ ان کی لغویت اظہر من الشّمس ہے چنانچہ آئندہ اوراق میں اس کی متعدد مثالیں درج کی جائیں گی۔ اس موقع پر میں اس حقیقت کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا کہ دشمنانِ اسلام نے کتب تصوف کے علاوہ مسلمانوں کے مذہبی ادب کے ہر شعبے میں اپنے عقائد شامل

کر دیئے ہیں اور اسلام کی تاریخ کو تو خاص طور سے تدسیس وتحریف وتدلیس کا ہدف بنایا ہے۔① اس تمہید کے بعد اب میں تصوف کی مختلف کتابوں سے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں شواہد پیش کرتا ہوں:

حدیقۃ الحقیقۃ مصنفہ حکیم سنائی غزنوی:

(۱) فارسی نظم میں تصوف پر قدیم ترین کتاب ہے جو میری نظر سے گذری ہے۔ اس کے دو نسخے میرے پیش نظر ہیں۔ ایک نسخہ مطبوعہ طہران ہے۔ جس پر مدرس رضوی استاد دانش گاہ طہران نے بھی مقدمہ لکھا ہے۔ دوسرا نسخہ لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے۔ ذیل میں مقدمہ مذکورہ سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں:

''سنائی پہلا شاعر ہے جس نے تصوف کے مضامین کو فارسی میں نظم کیا چونکہ اس نے اپنے عقائد کی تفصیل میں، دوستی آل علی رضی اللہ عنہ میں غلو کے علاوہ آل ابوسفیان کے ساتھ دشمنی کا اظہار بھی کیا تھا۔ اس لیے علماء نے اس کی تکفیر کی اور اس کی کتاب کو کتابِ گمراہی قرار دیا اور اس حد تک مخالفت کی کہ بہرام شاہ سلطان غزنوی نے اسے قید کر دیا۔

زمانہ تصنیف (چھٹی صدی ہجری) سے اب تک اس کتاب میں ''تحریفات وتصرفات فراخاں'' ہو چکی ہے۔ مختلف قلمی نسخوں میں اشعار کی تعداد مختلف ہے بعض نسخوں میں پانچ ہزار ابیات ہیں۔ بعض میں چھ ہزار اور بعض میں دس ہزار ہیں۔ اس کتاب کے دو نسخے ایسے نہیں ملتے جن میں موافقت ہو اور یہ اختلاف کبھی اس حد

---

① سیرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مؤلفہ سید سلیمان ندوی مرحوم ص ر ۱۴۲ سے اس کی ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں:

''بعض شیعی مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کچھ سپاہیوں کے ساتھ ایک سپید خچر پر سوار ہو کر امام حسن رضی اللہ عنہ کے جنازے کو روکنے کے لیے نکلیں۔ الخ یہ روایت تاریخ طبری کے ایک پرانے (نسخے) فارسی ترجمے میں' جو ہندوستان میں چھپ بھی گیا ہے' نظر سے گذری۔ لیکن جب اصل متن عربی مطبوعہ یورپ کی طرف رجوع کیا تو جلد ہفتم کا ایک ایک لفظ پڑھنے کے بعد بھی یہ واقعہ نہ ملا۔ طبری کے اس فارسی ترجمے میں درحقیقت بہت سے حذف واضافے ہیں''۔

میں بھی اسلامی ادب کا پچاس سال سے زائد عرصہ تک مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قرآن حکیم کو چھوڑ کر دشمنان اسلام نے ہر علم وفن کی کتابوں میں خصوصاً تاریخ، حدیث اور تصوف کی کتابوں میں حذف واضافہ کا ''مقدس فریضہ'' انجام دیا ہے اور اس کا خاص مقصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص وتوہین وتحقیر ہے۔ اعوذ باللہ من هذه الخرافات

تک نظر آتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔قلمی نسخہ موسومہ ''ی'' میں مناقب امیر المومنین علی ابن ابی طالب واولادہ الحسن والحسین کا اضافہ کیا گیا ہے۔ (ص ۵۸)
قلمی نسخہ موسومہ ''م'' اور بعض دوسرے نسخوں میں فصل ''حرب جمل'' موجود نہیں ہے۔'' (ص/ ۲۵۵)

مقدمہ نگار مذکور نے حواشی میں صدہا اختلافات کی نشاندہی کی ہے جنہیں بخوف طوالت نظر انداز کیا جارہا ہے۔ایضاح مقصد کے لیے یہی دو حوالے کافی ہیں۔ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی سبائی نے مناقب علی واولادہ اور حرب جمل کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے سنائی کی شخصیت اور اس کی کتاب دونوں کو محل شک، باعث تقبیح اور موجبِ لومۃ لائم بنا دیا۔یعنی ایک تیر سے تین شکار کیے۔اس تدسیس وتحریف وحذف واضافہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری کتاب پایۂ اعتبار سے ساقط ہوگئی۔اب ہمارے پاس کوئی آلہ یا مقیاس یا معیار ایسا نہیں ہے جس کی بنا پر ہم قطعیت کے ساتھ کوئی حکم لگا سکیں۔اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

جو نسخہ نولکشور پریس لکھنؤ سے ۱۸۸۷ء میں شائع ہوا تھا، اس کے ساتھ خواجہ عبد اللطیف العباسی رحمہ اللہ کے حواشی بھی ہیں۔
خواجہ صاحب مرحوم اپنے دیباچہ میں لکھتے ہیں:
''چونکہ ہندوستان میں ''دو نسخہ باہم موافق یافت نمی شد'' اس لیے نواب محمد عزیز کوتو کلتاش الملقب نجان اعظم نے ایک ہزار عیسوی میں ایک شخص کو غزنی بھیجا کہ وہاں سے صحیح نقل حاصل کرے۔میں نے یہ نسخہ امیر عبدالرزاق کے پاس اپنے وطن آگرہ میں دیکھا۔۱۰۳۷ھ میں اس پر حواشی لکھے۔'' (ملخص از دیباچہ)

خواجہ صاحب مرحوم قبل ازیں مثنوی مولانا روم کے مشکل اشعار کی شرح کر کے علمی دنیا میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔اسی شرح کا نام لطائف معنوی ہے اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ مشہور معاند اسلام پروفیسر آر، اے نکلسن نے اپنے ترجمہ اور حواشی میں اس شرح سے استفادۂ کلی کیا ہے۔حدیقہ پر جو حواشی خواجہ صاحب مرحوم نے لکھے ہیں وہ میری رائے میں حرف آخر کا

حکم رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد کسی کو اس کتاب پر حواشی لکھنے کی ہمت نہ ہوسکی۔ ①

آمدم برسر مطلب:

سنائی نے اس کتاب میں آنحضرت ﷺ کی مدح وثنا کے بعد حضرات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے مناقب لکھے ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوا کی وہ اہل سنت میں سے تھے۔ لیکن جب وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کے مناقب لکھتا ہے تو پیروانِ ابن سبا کا لب ولہجہ اور انداز بیان اختیار کرلیتا ہے۔ نیز ان تمام روایات کو بآب وتاب بیان کرتا ہے جو قطعاً وضعی ہیں اور تمام محدثین نے انہیں ردّ کر دیا ہے۔ میں بخوف طوالت وہ تمام اشعار تو نقل نہیں کر سکتا۔ مگر صفحات کا حوالہ ذیل میں درج کیے دیتا ہوں۔

ص ر ۲۷۱ ص ۲۷۳، ص ر ۲۷۸، تا ص ر ۲۹۹ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۷ء۔ لیکن میں بطور نمونہ چند اشعار پیش کرتا ہوں:

عنوان حربِ جمل کے تحت، نولکشوری اور ایرانی دونوں نسخوں میں یہ اشعار مندرج ہیں:

در جمل چوں معاویہؓ بگریخت خونِ ناحق بسے بخیرہ بریخت
شُد ہزیمت بجانب بغداد گشتہ از فعلِ زشتِ خود ناشاد
سرِ جرار حیدرؓ کرار سرفرازِ مہاجر وانصار
چوں مصاف معاویہؓ بشکست یافت بر لشکر معاویہؓ دست
جمل آں ستیزہ را پے کرد برگ وساز معاویہؓ فے کرد
ہودج زن بخاک تیرہ فتاد وز خجالت نقابِ رُخ نکشاد
گفت بد کردہ ام امانم دہ در ترحّم کنوں زمانم دہ
خواند حیدرؓ برادرش را زود جملہ احوال ہا درا بنمود!
رفت وقتے محمد ﷺ بوبکرؓ آن ہمہ صدق و فارغ از ہمہ مکر

① میں نے یہ چند سطور قصداً لکھی ہیں۔ تاکہ خواجہ صاحب مرحوم کا نام تاریخ تصوف کے اوراق میں محفوظ ہوجائے ورنہ ظاہر ہے کہ جس طرح میرے زمانۂ طفولیت میں عربی ختم ہو رہی تھی۔ اسی طرح ستر سال کے بعد فارسی بھی آخری ہچکیاں لے رہی ہے وہ زمانہ قریب ہے جب اس ملک کے دانشور فارسی ادب سے بھی اسی طرح بے گانہ ہوجائیں گے جس طرح عربی ادب سے ناآشنا ہوچکے ہیں۔

گفت حیدر مکن، کس ایں نکند پس بر آہیخت تیغ تا بزند
بعد ازیں کارہائے بد نکند عفو کن تا بسوئے خانہ رود
در تواضع محل او نہ نہاد بسوئے مکّہ زود بفر ستاد
رفت زی مکّہ جفتِ گرم وزحیر با ہزاراں خجالت و تشویر
شد شہید و بکشتش آں طاغی عاقبت ہم بدست آں باغی
بد کند، مرور بمرد مخواں آنکہ با جُفت مصطفیٰ زمیناں
قصدِ جان امیر حیدر کرد چوں ازیں گشت فارغ آں بد مرد
آں بدی داں کہ جملہ با خود کرد پسر ہند اگر بدو بدکرد

میں نے یہ اشعار کلیجے پر پتھر کی سل رکھ کر نقل کیے ہیں۔ انتہائی مجبوری میں کیونکہ اگر میں ناپاک اشعار کونقل نہ کرتا تو اپنا دعویٰ ثابت نہیں کرسکتا تھا کہ پیروانِ عبداللہ ابن سبا نے جن کی اسلام دشمنی کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ۳۱۷ھ میں خانہ کعبہ سے حجر اسود اکھیڑ کر اپنے پیشوا کے مکان کی دہلیز میں دفن کر دیا تھا تا کہ ہر آنے اور جانے والا اسے پامال کرتا رہے۔ تصوف کی کتابوں میں حذف واضافہ کا ''مقدس فریضہ'' انجام دے کر لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کا سامان مہیا کر دیا ہے اوران کی داخل کردہ روایات مرورایام سے مسلمان صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح پیوست ہو چکی ہیں کہ ان کا جدا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان مسلمانوں کی مجلس میں ان جھوٹی روایات کو جھوٹا کہہ دے تو تمام سنی مسلمان اس کو سنگ سار کر دیں گے۔

اب ناظرین ان اشعار آبدار کو پڑھ کر خود فیصلہ کرلیں کہ کیا کوئی صحیح العقیدہ سنی مسلمان اس قسم کے ناپاک اشعار لکھ سکتا ہے؟ لاریب ان اشعار کے کہنے والا دشمن اسلام ہی نہیں ہے بلکہ جاہل بھی ہے اگر یہ اشعار سنائی ہی کے ہیں تو اس کی اسلام دشمنی اور جہالت دونوں باتیں اظہر من الشّمس ہیں اور اگر اس کے نہیں ہیں تو میرا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ یہ اشعار کسی دشمن دین سبائی نے اپنی طرف سے کتاب میں داخل کر دیئے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ سنائی کی جلالت شان کی بدولت آٹھ سو سال میں کئی لاکھ مسلمانوں کا ایمان تباہ ہوا ہوگا۔ اگر سنائی کو خباثت اور سبائیت سے بری کرنے کے لیے ان اشعار کو

الحاقی تسلیم کر لیا جائے تو بھی دشمنان اسلام تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور چونکہ ان اشعار کو متنِ کتاب سے حذف کر دینے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لیے آب زم زم میں یہ ناپاک قطرات بدستور شامل رہیں گے۔

خواجہ عبداللطیف عباسی شارح حدیقہ نے ان اشعار پر یہ حاشیہ لکھا ہے:

”پس بحکم عقل و نقل کہ کتب معتبرہ سیر مثل روضۃ الاحباب وغیرہا بآں ناطق است، ثابت و محقق شد کہ ایں داستان و ما یتعلق بہا دریں کتاب الحاقی است۔ و از حکیم نیست واللہ اعلم بالصواب“۔①

یہ حقیقت کہ ان اشعار کا مصنف تاریخ سے نا آشنا ہے۔ یعنی جاہل ہے' ان اشعار سے عیاں ہے۔

(۱) ۔ درجمل چوں معاویہ رضی اللہ عنہ بگریخت۔ تاریخ اسلام کا ہر واقف جانتا ہے کہ جنگ جمل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قطعاً شریک نہیں ہوئے تھے۔

(۲) ۔ پس برآہیخت تیغ تا بزند۔ کسی تاریخ میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ محمد ابن ابی بکر نے اپنی خواہر محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

(۳) ۔ شد شہید دبکشتنش آں طاغی۔ کسی تاریخ میں یہ بات مرقوم نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کو شہید کیا تھا۔

ان صریح کذب بیانیوں کے علاوہ ان اشعار میں ام المومنین رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان اقدس میں جو ژاژ خائی اور ہرزہ سرائی کی گئی ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہے کہ اس کا مرتکب اللہ، رسول اللہ اور دین اسلام سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ سیّدۃ النساء حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بفحوائے کلام اللہ، سب مسلمانوں کی ماں ہیں۔ اپنی ماں کی توہین کرنے والا اسلام تو درکنار انسانیت ہی سے خارج ہو جاتا ہے۔

آخر میں فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں ان کا جی چاہے سنائی کو دائرہ انسانیت سے خارج کر دیں یا پھر ان ہفوات کو کسی دشمن اسلام کی خباثت قلبی کا مظاہرہ یقین کر کے الحاقی قرار دیں۔ میں بذات خود

① حاشیہ ص ۲۸۰.

ان اشعار کو الحاقی یقین کرتا ہوں۔

فوائد الفوائد ملفوضات خواجہ نظام الدین اولیاء:

(۲) منہاج سراج نے اپنی مشہور تاریخ موسومہ طبقات ناصری میں ص/ ۹۸ پر سلطانہ رضیہ بنت التمش کے عہد حکومت کے واقعات میں لکھا ہے:

''کہ ۶۳۴ھ میں نورترک قرمطی نے ملتان سے نقل مکانی کر کے دہلی میں ایک خانقاہ قائم کی۔ اپنے آپ کو صوفی ظاہر کر کے بہت سے مسلمانوں کو اپنا معتقد بنالیا۔ رفتہ رفتہ گجرات اور سندھ کے بہت سے قرمطی اس خانقاہ میں جمع ہو گئے۔ نورترک نے اپنی خانقاہ میں وعظ وتلقین و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ اپنی تقریروں میں سنی علماء کو ناصبی کہتا تھا اور عوام کو ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب سے متنفر کرتا تھا۔''

جب عوام پر اس کا مذہبی اقتدار قائم ہو گیا تو ۶ رجب ۶۳۴ء کو جمعے کے دن ان قرامطہ نے جامع مسجد میں داخل ہو کر نہتے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مگر انجام کار شاہی فوج نے ان کو مغلوب کر کے تہ تیغ کر دیا۔''

قاضی منہاج کی یہ شہادت ہم عصرانہ ہے۔ اس لیے یقینی طور پر صحیح ہے اس سے ثابت ہے کہ نورترک ایک قرمطی داعی تھا۔ لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں جو اس واقعے کے چار سو برس بعد لکھی گئی، یہ لکھا ہے:

''اگرچہ قاضی منہاج نے طبقات ناصری میں اس شخص کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ اس سے تشنیع مذہب لازم آتی ہے مگر فوائد الفوائد میں یہ مذکور ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگرچہ بعض علماء نے اس کی مذمت کی ہے مگر وہ ''از آب آسماں پاکیزہ تر بود''

فوائد الفوائد کے اس ایک جملے سے نورترک قرمطی زمانۂ مابعد کے صوفیوں کی نظر میں آسمان کے پانی سے بھی پاکیزہ تر بن گیا۔ کیونکہ کسی صوفی میں یہ اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ یہ فقرہ الحاقی ہے اور کسی قرمطی نے اپنی طرف سے ملفوظات شیخ میں اضافہ کر کے، اسے سلطان المشائخ سے منسوب کر دیا ہے

حالانکہ حقیقت یہی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ معتبر معاصرانہ شہادت بہر حال لائق تسلیم ہے۔

ملفوظات بہر حال ملفوضات ہی ہیں انہیں استناد کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ قاضی منہاج صاف لکھتے ہیں کہ وہ قرمطی تھا اور اس کی خانقاہ میں بہت سے قرمطی سکونت پذیر تھے اس لیے ثابت ہوا کہ وہ آب آسماں سے پاکیزہ تر نہیں ہے۔ لہٰذا یہ جملہ سلطان المشائخ کا نہیں ہے۔ کسی نے ان سے منسوب کر دیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ملفوظات کے مجموعے از اوّل تا آخر لائق اعتماد ہیں۔ ہر گز صحیح نہیں ہے میں اس جگہ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

سلطان المشائخ رحمہ اللہ نے اپنے مُرشد شیخ فرید الدین گنج شکر اجودھنی کے ملفوظات کو راحۃ القلوب کے نام سے مرتب کیا تھا۔ میرے پیش نظر اس کا جونسخہ ہے وہ ۱۳۰۹ھ میں طبع ہوا تھا اس کے ص/۸۵ پر یہ ''ملفوظ'' درج ہے جس کا اردو ترجمہ میں بقائمی ہوش وحواس ذیل میں نقل کرتا ہوں:

''ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم با جمیع صحابہ کبار بیٹھے ہوئے تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، یزید پلید کو اپنے کاندھے پر بٹھائے سامنے سے گذرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور کہا سبحان اللہ، ایک دوزخی ایک بہشتی (جنتی) کے کاندھے پر سوار ہو کر جا رہا ہے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر کہا۔ یا رسول اللہ، یہ تو معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے، دوزخی از کجا است؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی یہ یزید بد بخت ہے۔ جو حسن حسین اور میری تمام آل کو شہید کرے گا۔ یہ سن کر علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ تلوار نیام سے نکالی کہ ایشاں را بکشد مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مانع ہوئے کہ اے علی ایسا مت کر کہ اللہ کی تقدیر یہی فیصلہ کر چکی ہے۔ یہ سن کر علی رضی اللہ عنہ رونے لگے اور پوچھا یا رسول اللہ! آپ اس وقت ہمارے سر پر (زندہ) ہوں گے؟ فرمایا نہیں۔ پھر پوچھا یاروں میں سے کوئی زندہ ہوگا؟ ...... (لفظ پڑھا نہ جا سکا) پھر پوچھا میں زندہ رہوں گا؟ کہا کہ نہیں۔ پھر پوچھا فاطمہ ہوں گی؟ کہا کہ نہیں۔ پھر پوچھا یا رسول اللہ! میرے غریبوں کا ماتم کون کرے گا؟ جواب دیا میرے امتی' اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ اور رسول خدا دونوں روئے اور شہزادوں کو سینے سے لگا کر بآواز بلند کہا اے غریبو ہم

نہیں جانتے کہ اس دشت میں تمہارا کیا حال ہوگا۔ (انتھی بلفظہٖ)

تنقید و تبصرہ سے پہلے ناظرین اس بات پر غور کریں کہ اس روایت کا ناقل کون ہے؟ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین رحمہ اللہ اولیاء، وہ کس سے نقل کر رہے ہیں؟ اپنے پیرو مرشد شیخ المشائخ حضرت فرید الدین گنج شکر سے، اب کون سا چشتی ہوگا جسے ان خرافات کی صحت میں شک ہوسکتا ہے؟ لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ روایت از اول تا آخر کذب و افترا اور بہتان ہے کیونکہ:

الف۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بلا شک وشبہ ۱۱ھ میں ہوگئی تھی۔

ب۔ امیر یزید کی ولادت ۲۶ھ میں ہوئی تھی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ افسانہ سراسر جھوٹا ہے۔ کسی سبائی نے یہ لغو اور من گھڑت داستان ملفوظات میں شامل کر دی ہے تاکہ مسلمان بالعموم اور چشتی افراد بالخصوص اس شخص کو دوزخی یقین کر لیں جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی تھی کہ

''پہلا لشکر جو قیصر روم کے شہر پر حملہ آور ہوگا مغفور ہے''۔

ظاہر ہے کہ یہ بشارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی بنا پر دی تھی۔ اس لیے اس کی صداقت میں کوئی شک نہیں ہے۔ اب سنیے کہ جس لشکر نے سب سے پہلے قیصر کے شہر پر حملہ کیا تھا اس کی قیادت امیر یزید رحمہ اللہ نے کی تھی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی لیے باشتیاق تمام اس جہاد میں شرکت کی تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اسی شخص کی اقتدا میں نماز پڑھی تھیں۔ جسے مسلمان کہلانے والے دوزخی سمجھتے ہیں۔ کیا خدا کی شان ہے! جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مغفور قرار دیں آپ کے نام لیوا اسے ملعون کہتے نہیں تھکتے۔

خیر یہ تو ایک سخن گسترانہ بات تھی۔ میں نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا کہ جو ملفوظات بزرگان دین سے منسوب ہیں وہ کلیۃً قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ان میں سبائیوں نے جھوٹی روایات اپنی طرف سے داخل کر دی ہیں۔

جامی پر دست درازی:

(۳) سنائی عطار رحمہ اللہ، اور رومی کے بعد صوفیانہ ادب میں جامی کا نام معروف ترین ہے ① جیسا کہ ہر طالب علم جانتا ہے جامی سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ ہیں۔ یہ سلسلہ افضل الصحابہ، بلکہ افضل البشر بعد الانبیاء وارثِ کمالات نبوت، متمکن ذروۂ ولایت، ثانی اسلام و غار و بدر و قبر خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلافصل، امیر المومنین قدوۃ الصدیقین سیدنا و مولانا حضرت ابو بکر الملقب بصدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ جامیؔ نے سب سے پہلے مولانا سعد الدین کاشغری نقشبندی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی وفات ۸۶۰ھ کے بعد خواجہ ناصر الدین الملقب بخواجۂ احرار ۸۹۵ھ سے رشتۂ ارادت استوار کیا اور باقاعدہ سلوک طے کر کے حاصل کیا کہ ان کا شمار سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ میں ہوتا ہے تمام تذکرہ نویسوں نے انہیں اہل سنت میں شمار کیا ہے۔ انہوں نے اپنی اکثر تصانیف میں خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی مدح کی ہے۔ مثلاً:

یکے ثانی اثنین در کنج غار   کہ چوں مار شد ناوک جاں شکار
دوم آنکہ از سکۂ عدل اوست   کزیں گونہ دنیا و دین سرخ روست
سوم شرم گیتی کہ شد بے قصور   زشمع نبوت نصیبش دو نور
چہارم کہ آں ابر دریا نثار   غمِ او کرم برقِ او ذوالفقار ②

وزمیانِ ہمہ نبود حقیق   بخلافت کسے بہ از صدیقؓ
وزپۓ او نبود ازاں احرار   کس چو فاروقؓ لائق ایں کار
بعد فاروقؓ جز بذی النورینؓ   کارِ ملّت نیافت زینت و زین
بود بعد از ہمہ بعلم و وفا   اسدؓ اللہ خاتم الخلفا
لعن کز رافضی شود واقع   شود آں لعن ہم بدو راجع ③

---

① دردلہائے بستہ را کشاید و☆ دو بیت از پیر رومی یا ز جامی۔ (اقبال)
② مثنوی خردنامۂ اسکندری۔
③ سلسلۃ الذھب۔

آں چار ستون خانۂ دیں وٓاں چار چراغِ بزم تمکین
ہریک بخلافت سزاوار ہر چار یکے و ہر یکے چار
ایشاں بہ یگانگی بہم راست بیگانگی از فضول ما خاست ①

لیکن ان تصریحات کے باوجود بعض لوگوں نے ان کو مائل بہ تشیع قرار دیا ہے اور بعضوں نے ان کو اہل تقیہ میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ محمد حسین الحسینی خاتون آبادی لکھتا ہے:

''ان تمام دلائل کے باوجود جو اِن کے ناصبی ہونے پر شاہد ہیں۔ ہم ان کو اہل تقیہ میں شمار کر سکتے ہیں یعنی وہ دل میں شیعہ تھے مگر زبان اور قلم سے اپنے آپ کو سُنی ظاہر کرتے تھے۔''

پھر اپنے مدعا کی تائید میں اس نے یہ حکایت نقل کی ہے جس کا راوی علی بن عبدالعال ہے وہ کہتا ہے کہ:

''میں سفر نجف میں جامی کے ساتھ تھا میں نے تقیہ کر کے اپنے عقائد کو ان سے پوشیدہ رکھا تھا۔ ہم بغداد پہنچے تو ایک دن لب دجلہ تفریح کے لیے گئے۔ اتفاقاً ایک قلندر وہاں آنکلا۔ اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شان میں ایک قصیدہ غرّا سنانا شروع کیا۔ جامی پر رقّت طاری ہوگئی اور سر بسجود ہو گئے۔ پھر سر اٹھایا قلندر کو پاس بلایا اور بہت انعام دیا۔ اس کے بعد مجھ سے پوچھا ''تم نے مجھ سے گریہ اور سجدے کا سبب کیوں نہیں پوچھا؟ میں نے کہا اس کا سبب آشکار تھا کیونکہ علی خلیفۂ چہارم ہیں اور ان کی تعظیم واجب ہے''

یہ سن کر جامی نے کہا: ''علی خلیفہ چہارم نہیں ہیں بلکہ پہلے خلیفہ ہیں۔ اب مناسب ہے کہ میں تقیہ کا لبادہ اتار دوں اور چونکہ ہمارے درمیان مؤدت پیدا ہو چکی ہے اس لیے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں شیعان خاص امامیہ میں سے ہوں لیکن تقیہ کرنا واجب ہے''

① لیلیٰ مجنوں.

''نیز بعضے از افاضل ثقات نے بیان کیا کہ ہم نے جامی کے خدام سے یہ سنا ہے کہ ان کے تمام اہل بیت مذہب امامیہ رکھتے تھے۔ لیکن مولانا تقیہ میں بہت مبالغہ فرماتے تھے اور ہمیشہ اپنے اہل وعشیرت کو اس کی وصیت کرتے رہتے تھے''۔

یہ فسانۂ عجائب نقل کرنے کے بعد کلیات جامی کا مقدمہ نگار لکھتا ہے کہ

''جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اُس سے تمائل نسبت بشیعہ امامیہ تو ثابت ہوتا ہے لیکن یہ تمام دلائل بہت سُست پایہ ہیں کیونکہ جامیؔ نے صاف لفظوں میں ابو طالب کو کافر قرار دیا ہے''۔

بعضوں نے کہا کہ جامیؔ شروع میں سنی تھے مگر آخر عمر میں شیعہ ہو گئے تھے۔ مقدمہ نگار (ہاشم رضی) نے لکھا ہے کہ:

''یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ خرو نامہ اسکندری'' آخر عمر میں لکھی تھی مگر اس میں بھی انہوں نے خلفائے اربعہ کی مدح کی ہے''۔ یہی مقدمہ نگار ص / ۱۹۸ پر پھر لکھتا ہے کہ ''چونکہ جامی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں قصائد لکھے ہیں اور بعض غزلوں میں بھی ان کی توصیف کی ہے اس لیے بعض لوگوں نے انہیں روش امامیہ اور تشیع سے منسوب کر دیا ہے''۔

خلاصہ کلام ایں کہ جامیؔ کے بارے میں حسب ذیل خیالات ظاہر کیے گئے ہیں:

(۱) بعض انہیں سنی کہتے ہیں اور سنی بھی نقشبندی۔

(۲) بعض نے انہیں مائل بہ تشیّع لکھا ہے۔

(۳) بعض کا خیال ہے کہ وہ ساری عمر تقیّہ فرماتے رہے۔

(۴) بعض کا فیصلہ یہ ہے کہ شروع میں سنی تھے لیکن قبل وفات شیعہ ہو گئے تھے۔ فتنہ پردازوں نے یہ اتہامات اس شخص پر لگائے ہیں جس نے سلسلۃ الذھب میں صاف طور پر لکھا ہے:

بود بو طالب آں تہی زطلب مر نبی صلی اللہ علیہ وسلم را عم و علیؓ را اب

خویش و نزدیک بود با ایشاں نسبت دیں نیافت با خویشاں

ہیچ سودے نداشت آں نسبش شد مقر در سقر چو بولہبش!

انہی اشعار کی پاداش میں بقول مقدمہ نگار:

''شاہ اسماعیل صفوی ہنگام تسخیر بلدۂ ہرات بنا بر تعصب مذہب قبر مولوی را منہدم ساخت'' ص/ ۱۹۳

اس کے باوجود ارباب کیس نے ان کے مذہبی عقائد کو عامۃ المسلمین کی نظروں میں اور کچھ نہیں تو مشتبہ اور محل بحث ونزاع یقیناً بنا دیا ہے۔

باطل پرستوں نے ایک جھوٹی روایت بھی تصنیف کر دی کہ سفر نجف میں انہوں نے اپنے ہم سفر سے اپنے شیعہ ہونے کا اقرار کیا تھا۔ یہ روایت بالکل لغو اور بے اصل اور بے سند ہے مگر یہ طائفہ ضالہ بخوبی واقف ہے کہ عوام نہ تنقید کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ انہیں تنقید کی فرصت ہوتی ہے۔

جامیؔ کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ سب کلیات جامی کے مقدمے سے ماخوذ ہیں جو ہاشم رضا ایرانی نے لکھا ہے۔①

میرا مقصد اس بحث سے یہ واضح کرنا ہے کہ سبائیہ باطنیہ اور دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشہور صوفیوں کے عقائد میں دیدہ ودانستہ ایسے شبہات پیدا کر دیئے ہیں جن سے ان کے عقیدت مندوں کے قلوب میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ وہ یا تو تقیہ کرتے تھے یا مائل بہ تشیع تھے اور اس طرح انہیں ان کے (اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ قدرتی طور پر ان کا میلان بھی تشیع کی طرف ہو جائے گا) آبائی مذہب سے برگشتہ کرنا آسان ہو جائے گا۔

راقم الحروف کے استنتاج کی بحث تاریخی شواہد سے پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے۔ پاکستان کے اکثر وبیشتر سنی بزرگوں کے مزاروں کے سجادہ نشین اور متولی، مذہب امامیہ اختیار کر چکے ہیں اور اپنے بزرگوں کے جاہل عقیدت مندوں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی امامیہ مذہب ہی کے پیرو تھے۔ کیا طرفہ تماشا ہے! صاحب مزار سنی تھا لیکن آج اس کا سجادہ نشین یا متولی شیعہ ہے۔ لاریب یہ اسی طریق کار کا ثمر شیریں ہے۔ جو اس جماعت نے ایک ہزار برس سے اختیار کر رکھا ہے کہ جس طرح ہو سکے صوفیوں کو مسلک امامیہ کا پیرو ثابت کرو تا کہ عوام بھی اپنے پیشواؤں کے مذہب کی طرف مائل ہو سکیں۔

---

① ص/ ۸۶ تا ۹۶ و ۱۹۱ تا ۱۹۷۔

رومی کے دیوان اور ملفوظات میں الحاق:

(۴) رومیؔ کی مثنوی میں جہاں تک میری معلومات ہیں سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس نہیں کی لیکن ان کے دیوان میں چند غزلیات اپنی طرف سے ضرور داخل کر دی ہیں۔ اور ان کے ملفوظات میں بھی ایک روایت ایسی درج کر دی ہے جو رومیؔ ہرگز بیان نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت میرے پیش نظر فیہ مافیہ کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اس میں ص ر ۹۹ پر یہ روایت رومیؔ سے منسوب ہے۔ پڑھیے اور سر دھنیے۔

''نقل ہے کہ ایک شب آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کسی غزوے سے واپس آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ بآنگ دہل اعلان کر دو کہ آج کی رات ہم شہر کے دروازے کے پاس بسر کریں گے اور کل صبح شہر میں داخل ہوں گے۔'' یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

''یہ ہوسکتا ہے کہ تم اپنی بیویوں کو اجنبی لوگوں کے ساتھ مباشرت میں مشغول پاؤ اور یہ دیکھ کر تمہیں بہت صدمہ ہوگا اور ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ لیکن ایک صحابی نے حضور ﷺ کے ارشاد پر عمل نہ کیا وہ اپنے گھر چلے گئے چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک غیر مرد کے ساتھ مشغول پایا''۔

اس لغو روایت پر تنقید کرنے کو دل نہیں چاہتا تاہم دل پر جبر کر کے اتنا لکھنا ضروری ہے کہ یہ روایت کسی سبائی کے خبث باطنی کی مظہر ہے۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کو ختم کر کے اپنی اسلام دشمنی کا پورا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔

الف۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ علم غیب معلوم ہو چکا تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیویاں غیروں سے زنا کرا رہی ہیں اس کے باوجود آپ ﷺ نے چشم پوشی فرمائی اور اس فعل شنیع کو گوارا کر لیا۔ سبحان اللہ راوی نے رسول اللہ کی سیرت کا کتنا بلند نقشہ کھینچا ہے!

(ب) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نافرمان بھی تھے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ مومنوں اور منافقوں میں ساری عمر امتیاز نہ کر سکے۔

(ج) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی بیویاں زناکار تھیں۔

(د) رسول ﷺ کی سیرت اور تعلیم کا صحابہ رضی اللہ عنہم پر کوئی اثر مرتب نہیں تھا۔

(ہ) رومی اس قدر غیر محتاط تھے کہ بلا تحقیق لغو اور بے سرو پا روایات اپنی مجلسوں میں بیان کرتے رہتے تھے کیونکہ انہوں نے نہ تو یہ بتایا کہ اس خرافات کا واضع کون ہے اور نہ یہ بتایا کہ وہ غزوۂ کون سا تھا؟ اور نہ یہ بتایا کہ یہ روایت انہوں نے حدیث یا سیرت یا مغازی کی کون سی کتاب میں پڑھی تھی۔

غور کیجیے اس خبیث سبائی نے ایک تیر سے کتنے شکار کیے! طرفہ تماشہ یہ ہے کہ یہ روایت جو ہفوات کا بدترین نمونہ ہے صدیوں سے کتاب میں نقل ہوتی چلی آ رہی ہے کسی مسلمان کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اسے جعلی قرار دے کر کتاب سے خارج کر دیتا۔

دراصل یہ نتیجہ ہے شخصیت پرستی اور تقلیدِ کور' کا جو کتاب بھی یا جو شعر بھی کسی ولی اللہ یا امام سے منسوب ہو جائے۔ کسی مسلمان میں اس پر تنقید کی جرأت نہیں ہوسکتی تصوف یا فقہ کا یہی وہ پہلو ہے جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ مسلمانوں میں ذوق تحقیق ہی ختم ہو گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی علمی ترقی رک گئی وہ آج بھی اسی مقام پر ہیں جہاں نویں صدی میں تھے ؎

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے

شیخ محی الدین ابن عربی پر ظلم:

(۵) شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ جیسا کہ فتوحات مکیہ کے مطالعے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ نہایت راسخ العقیدہ اور متبع شریعت بزرگ تھے۔ فتوحات مکیہ کے پہلے باب میں انہوں نے تین وصل قائم کیے ہیں اور پہلے وصل میں اپنا عقیدہ بیان کیا ہے اسے غور سے پڑھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ عقائد نسفی کی شرح پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے سرمو شاعرہ کے مسلک سے انحراف نہیں کیا ہے چونکہ اس تاریخ میں ان کا مفصل تذکرہ لکھوں گا اس لیے اس جگہ صرف اس بات پر اکتفا کرتا ہوں کہ ان کی تصانیف میں بھی سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس کی ہے۔ چنانچہ امام شعرانی اپنی تصنیف 'الیواقیت والجواہر' ص ۷ مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ پر لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ کتاب اور سنت کے پابند تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ایک لحظہ کے لیے بھی میزان شرع کو اپنے ہاتھ سے پھینک دے گا وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گا۔ ان کی تصانیف میں جو عبارتیں ظاہر شریعت سے معارض ہیں وہ سب مدسوس

ہیں۔ (دوسروں نے داخل کر دی ہیں) مجھے اس حقیقت سے سیدی ابو الطاہر المغربی نے آگاہ کیا جو اس وقت مکہ معظّمہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے مجھے فتوحات کا وہ نسخہ دکھایا جس کا مقابلہ انہوں نے قونیہ میں شیخ اکبر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے کیا تھا۔ اس نسخے میں وہ فقرے نہیں تھے اور میں نے ان فقروں میں توقف (ان کی صحت میں شک) کیا تھا جب میں فتوحات کا اختصار کر رہا تھا''۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''ان ملاحدہ اور زنادقہ (قرامطہ و سبائیہ) نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اس کے بعد علامہ مجد الدین فیروز آبادی اور امام غزالی کی تصانیف خصوصاً احیاء العلوم میں تدسیس کی ہے''۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''اس فرقہ باطنیہ کی جسارت کا یہ عالم ہے کہ

''اس فرقے کے ایک شخص نے ایک کتاب لکھ کر میری طرف منسوب کر دی اور تین سال تک یہ کتاب میری زندگی میں متداول رہی''۔

پھر لکھتے ہیں:

''کہ زنادقہ نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مرض الموت کے زمانے میں ایک کتاب جس میں اپنے باطنی عقائد بیان کیے تھے، پوشیدہ طور پر (ان کا شاگرد بن کر) ان کے سرہانے تکیہ کے نیچے رکھ دی تھی اور اگر امام مرحوم کے تلامذہ ان کے عقائد سے بخوبی واقف نہ ہوتے تو جو کچھ انہوں نے مرحوم کے تکیے کے نیچے پایا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ لوگ بہت بڑے فتنے میں مبتلا ہو جاتے۔''

بعض دوسری مثالیں:

(۶) سبائیہ اور قرامطہ نے صوفیوں کی تصانیف میں تدسیس کے علاوہ، اپنی تصانیف نظم و نثر میں ان میں سے بعض کو اپنی جماعت کا فرد ظاہر کر کے، اہل سنت کی نگاہوں میں ان کی دینی حیثیت کو مشکوک

اور محل نظر بنا دیا۔ بخوف طوالت صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں:

خواجہ عبد اللہ انصاری ہروی جو منازل السائرین کے مؤلف ہیں۔ پانچویں صدی کے مشاہیر صوفیوں میں سے ہیں لیکن ایک اسماعیلی شاعر نے اپنے دیوان میں ان کی مدح کی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ادارۂ نشریات اسماعیلیہ بمبئی نے غالباً ۱۹۳۵ء میں خاکی خراسانی اسماعیلی کا دیوان شائع کیا تھا جسے پروفیسر آئی ویناف (I VANOW) نے مرتب کیا ہے پروفیسر مذکور اپنے مقدمے میں لکھتا ہے:

''اگر چہ اسماعیلی دعاۃ کو بہت ستایا گیا مگر ان کی دعوت کا تصوف پر بہت اثر مرتب ہوا اور تصوف عرصہ دراز تک ان کے خیالات سے فیض یاب ہوتا رہا''۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسماعیلی دعاۃ نے اپنے خیالات کی اشاعت کے لیے تصوف کو آلہ کار بنایا یعنی صوفیوں کے لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی۔ اب میں خاکی کے دو شعر نقل کرتا ہوں:

طوطی ام شہ مرا بود مرأت شکرم از دکانِ عطار است
ژندہ پیل احمد است قبلہ ما خواجہ عبد اللہ کہ ز انصار است

ان دو شعروں سے تینوں صوفیوں کی مذہبی حیثیت مشکوک ہوگئی۔ اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو عطار احمد ژند پیل اور عبد اللہ انصاری یہ تینوں دراصل باطنی تھے۔ جنہوں نے سنی بن کر مسلمانوں کو گمراہ کیا یا خاکی نے ان کی حیثیت کو مشتبہ کرنے کی غرض سے اپنا ممدوح اور ژندہ پیل کو اپنا قبلہ بنا لیا۔

پروفیسر مذکور اپنے ایک مضمون میں جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی شاخ بمبئی کے جرنل ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا۔ ص ر ۶۹ پر لکھتا ہے کہ:

''اسماعیلیہ نے اپنے شیعی تصوف کی خصوصیات کو بہر حال برقرار رکھا۔ انہوں نے ادبیات تصوف کا بڑے ذوق سے مطالعہ کیا مگر اس کی شرح اپنے مخصوص عقائد کی روشنی میں لکھی''۔

یعنی باطنیہ نے سنی صوفی کی تصانیف کی شرح اپنے زاویہ نگاہ سے لکھ کر اہل سنت کو ورطۂ ضلالت میں غرق کر دیا۔ ان تصریحات سے میرا دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ باطنیہ اور قرامطہ اور اسماعیلیہ حضرات نے تصوف کا لبادہ اوڑھ کر اپنے عقائد مسلمانوں میں شائع کر دیئے، چونکہ بعد میں آنے والے صوفیوں نے اسلاف پر تنقید کو سوء ادب سمجھا اس لیے قرامطہ کے عقائد کو من و عن صحیح تسلیم کر لیا اور رفتہ رفتہ

ان (باطنیہ) کے ہم عقیدہ بن گئے۔

اس طرح غیر اسلامی عقائد چوتھی صدی ہجری سے مسلمانوں میں مقبول ہو گئے۔ چنانچہ ابونصر سراج اپنی تصنیف کتاب اللمع میں لکھتے ہیں:

''بغداد کے بعض صوفیہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب سالک کی ذاتی صفات فنا ہو جاتی ہیں تو وہ صفات ایزدی میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے حلول کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے''۔

شمس الدین افلاکی نے جو چلپی عارف کے مرید اور رومی کے ہم نشین تھے۔ ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام مناقب العارفین ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ احمدی پریس رامپور (یوپی) سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب سے دو قصّے نقل کرتا ہوں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے طلسم ہوشربا سے بڑھ کر ہیں۔ پڑھیے اور دشمنانِ اسلام کی چیرہ دستی کا ماتم کیجیے۔

ص ۲۴۱/ پر لکھتا ہے:

''ایک دن کرا خاتون زوجہ مولانا رومی کے دل میں خیال آیا کہ مولانا ایک عرصے سے میری جانب ملتفت نہیں ہیں۔ خدا معلوم شہوانی جذبات باقی ہیں یا بالکل فنا ہو گئے ہیں (مولانا کو بذریعہ کشف ان کا خیال معلوم ہو گیا) رات کو مولانا ان کے پاس گئے۔ جذبات شہوانی کا یہ عالم تھا کہ کرا خاتون پریشان ہو کر استغفار پڑھنے لگیں۔ مولانا نے ستر بار جماع کیا۔ پھر فرمایا: ''مردان خدا ہر شے پر قادر ہیں'' ترک یا قلّت مباشرت کا باعث استغراق ہے''۔

اس کے بعد جو روایت درج ہے اس کو پڑھنے سے پہلے کلیجے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیجیے مبادا شق ہو جائے:

پھر فرمایا: ''آنحضرت ﷺ اور ان کی ایک زوجہ میں بھی یہی معاملہ ہوا تھا۔ ایک دن انہوں نے ایک چڑے کو چڑیا کے ساتھ جفت ہوتے دیکھ کر بطور مطالبہ آپ سے کچھ کہا۔ چنانچہ بوقت شب آپ نے نوے (۹۰) بار قربت فرمائی۔ اس کے

بعد فرمایا ''ہم نے خود لذات دنیا کو ترک کر دیا ہے ورنہ یہاں کچھ کمی نہیں ہے''۔

ص/۲۵۹ پر یہ روایت درج ہے:

''مولانا رومی نے فرمایا کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے کچھ اسرار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلوت میں تعلیم فرمائے اور وصیت کی کہ نامحرم سے بیان نہ کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چالیس روز تک ضبط کیا۔ اس کے بعد ان کا پیٹ حاملہ عورت کی طرح پھول گیا۔ مجبوراً صحرا میں جا کر ایک کنویں میں منہ لٹکایا اور سب اسرار بیان کر دیئے۔ چند روز بعد اس کنویں سے ایک نَے کا درخت نکلا۔ ایک چرواہے نے اس سے نَے (بانسری) بنائی۔ اتفاقاً آنحضرت ﷺ نے اس نَے کی آواز سنی تو اسے بلایا اور سن کر فرمایا اس نَے سے ان اسرار کی شرح نمایاں ہے جو ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تلقین کیے تھے۔

میرا خیال ہے کہ یہ قصے محتاج تنقید نہیں ہیں ان کی لغویت خود شاہد ہے کہ انہیں کسی دشمن اسلام نے مناقب العارفین میں داخل کر دیا ہے۔

امام شعرانی کی تصنیف الطبقات الکبریٰ کے اردو ترجمے میں ص/۴۶۸ پر یہ روایت درج ہے:

''بضمن ظاہر و باطن عارف''۔ علی ابن ابی طالب اسی طرح اٹھائے گئے ہیں۔ جس طرح عیسیٰ، اور عیسیٰ کی طرح عنقریب نازل ہوں گے میں (استاد سید علی فرزند سید محمد وفا) کہتا ہوں کہ سید علی خواص بھی اس کے قائل تھے۔ چنانچہ میں نے ان کو کہتے سنا کہ نوح نے کشتی میں سے ایک تختہ علی کے نام اٹھا رکھا (نوح کو خدا نے بتا دیا تھا) وہ تختہ محفوظ رہا۔ چنانچہ علی اسی تختے پر اٹھائے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب''۔

اس روایت کا مضمون خود بتا رہا ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کی موضوعہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رفع سماوی کا عقیدہ رکھتا تھا اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ عقیدہ سب سے پہلے عبداللہ ابن سبا نے شائع کیا تھا۔

ان دشمنان اسلام نے صرف تصوف ہی کی کتابوں میں تدسیس نہیں کی بلکہ اہل سنت کی کتب احادیث اور کتب عقائد میں بھی اپنے مزعومات اس طرح شامل کر دیئے کہ مرور ایام سے وہ اوہام باطلہ اہل سنت کے عقائد بن گئے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی علامہ سعد الدین تفتازانی سے ایک مثال ذیل میں درج کرتا

ہوں۔ یہ کتاب آج بھی تمام عربی مدارس میں داخل نصاب ہے اور نہایت مستند تسلیم کی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ اہل سنت کے امام فی العقائد ابو حفص نجم الدین النسفی الماتریدی متوفی ۵۳۷ھ نے علم عقائد میں ایک متن لکھا تھا جس کا نام ہے عقائد النسفی، علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ نے اس کی شرح لکھی ہے جس کا نام شرح عقائد نسفی ہے، جو تمام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔

امام نسفی نے اس متن میں لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمیشہ صرف کلمات خیر ہی سے یاد کرنا چاہیے۔ اس کی شرح کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''بہر کیف یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں علماء نے آپس میں اختلاف کیا ہے (کہ ان پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں) چنانچہ الخلاصہ ① میں اور دوسری کتابوں میں بالصراحت مرقوم ہے کہ یزید یا حجاج پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو ان لوگوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے جو نماز پڑھتے ہوں اور جن کا شمار اہل قبلہ میں سے ہو۔ بعضوں نے اس وجہ سے یزید پر لعنت کو جائز سمجھا ہے کہ جب اس نے الحسین رضی اللہ عنہ کو قتل کا حکم دیا تھا تو وہ کافر ہو گیا۔ ان لوگوں نے ان پر بھی لعنت کرنے کو جائز قرار دیا جنہوں نے الحسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا۔ یا اس کی اجازت دی یا اس نے اپنی رضا کا اظہار کیا''۔

اختلاف کا تذکرہ کرنے کے بعد شارح اپنی رائے ان الفاظ میں لکھتا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ یزید کا قتل الحسین رضی اللہ عنہ پر رضامندی کا اظہار اور قتل پر اپنی خوشی کا اظہار اور نبی ﷺ کے خاندان کی توہین، یہ ایسی باتیں ہیں جو تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ اس لیے ہم اس پر لعنت کے بارے میں بالکل تامل نہیں کرتے بلکہ ہم کو اس کے عقائد کے بارے میں بھی فیصلہ کرنے میں کوئی توقف نہیں ہے (یعنی ہم اسے کافر یقین کرتے ہیں) اس لیے اس پر اور اس کے اعوان و انصار سب پر خدا کی لعنت ہو۔''

میری رائے میں یہ فقرہ جو ''حقیقت یہ ہے'' سے شروع ہو کر لعنت پر ختم ہوتا ہے علامہ موصوف

① اس سے غالباً ''کتاب خلاصۃ الاحکام'' مصنفہ امام نووی مراد ہے۔

کا تحریر کردہ نہیں ہے۔ بلکہ کسی سبائی نے اپنی طرف سے شامل کر دیا ہے۔ قرینہ اس پر یہ کہ لعنت کے جواز پر جو تین وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ تینوں غلط اور جھوٹی ہیں۔ کیونکہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہو سکتیں۔ میں اپنے دعوے کے ثبوت میں تاریخ ابن الاثیر المتوفی ۶۳۰ھ جلد سوم مطبوعہ ۱۳۵۶ھ ص/۲۹۹، ۳۰۰ سے ضروری تصریحات پیش کرتا ہوں:

الف۔ یزید نے (حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو دیکھ کر کہا) خدا کی قسم اگر میں (کربلا میں) تیرے ساتھ ہوتا تو میں تجھے قتل نہ کرتا۔

ب۔ کوئی عورت آل یزید میں سے ایسی باقی نہ رہی جس نے اس واقعہ پر ماتم نہ کیا ہو۔

ج۔ یزید نے حکم دیا کہ علی ابن حسین رضی اللہ عنہ اور اس کے خاندان کی عورتوں کو علیحدہ مکان میں ٹھہرایا جائے اور یزید نہ صبح کا کھانا کھاتا تھا اور نہ رات کا جب تک علی ابن حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ شریک طعام نہ کر لیتا تھا۔

د۔ یزید نے کہا میں تو حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا اور جو وہ چاہتا اسی کا حکم دیتا۔ خواہ اس سے میری سلطانی کو ضعف ہی کیوں نہ پہنچتا اور میں یہ طرز عمل اس قرابت کی بنا پر کرتا جو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھی۔

ہ۔ اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر اور اپنا غضب نازل کرے اس پر۔

و۔ اور جب یزید نے ارادہ کیا کہ ان کو مدینے بھیجے تو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ضروری سامان سفر مہیا کیا جائے اور ایک امین آدمی اہل شام میں سے مع فوج ان کے ساتھ کرے۔

ز۔ بوقت رخصت یزید نے علی رحمہ اللہ کو بلایا اور کہا اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر قسم خدا کی اگر میں اس کے ساتھ ہوتا تو جو وہ طلب کرتا اسے دے دیتا اور اس سے اس کی مصیبت کو دور کرتا خواہ اس میں میرا کوئی بیٹا ہی کیوں نہ کام آ جاتا۔ لیکن اللہ کا فیصلہ یہی تھا جو تو نے دیکھا۔ اے بیٹے جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو تو مجھے لکھنا۔

ح۔ جب قافلہ مدینے پہنچا تو فاطمہ بنت علی نے اپنی بہن زینب سے کہا:

''اس شخص نے (جو قافلے کا انچارج تھا) ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے کیا

تیرے پاس کچھ ہے جو اسے دیا جائے''؟ زینب نے کہا'' ہمارے پاس زیورات کے سوا اور کیا ہے؟ پس دونوں نے اپنے سوارین اور دملیحین اتارے اور اس کے پاس بھیجے لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں نے یہ حسن سلوک رسول اللہ سے تمہاری قرابت کی بنا پر کیا ہے''۔

میں نے احتیاطاً ابن اثیر کی عربی عبارت کا ٹھیٹھ لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔ اب قارئین خود فیصلہ کرلیں کہ ان تصریحات سے وجوہ لعن وتکفیر میں سے کوئی ایک وجہ بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ابن اثیر کے علاوہ کسی مستند تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ امیر یزید رحمہ اللہ نے قتل حسین رضی اللہ عنہ کا حکم دیا تھا یا قتل کی اطلاع پر چراغاں کیا تھا یا جشن مسرت منعقد کیا تھا یا خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ آخری فقرہ علامہ تفتازانی کے قلم ہی سے نکلا ہے تو دوسرے لفظوں میں علامہ کو تاریخ اسلام سے ناواقف ثابت کر رہا ہے۔ علامہ تفتازانی نے ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ اس لیے انہوں نے تاریخ طبری مصنفہ طبری المتوفی ۳۱۰ھ اور تاریخ الکامل ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ اور البدایہ والنہایہ مصنفہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ ضرور پڑھی ہوں گی۔ اب عقلاً صرف دو صورتیں ممکن ہیں۔

۱۔ یا تو علامہ تفتازانی کو ایک جاہل شخص تسلیم کرلیا جائے۔

۲۔ یا پھر اس عبارت کو ان سے منسوب کرنے کے بجائے کسی جاہل سبائی کی تدسیس قرار دیا جائے۔ اس کے علاوہ، اس عبارت کے الحاق ہونے پر ایک داخلی شہادت بھی پیش کرتا ہوں۔

شرح عقائد نفسی کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ ۱۳۲۹ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس نسخے میں ہر جگہ حضرت حسین کے نام کے آگے ؓ لکھا ہوا ہے۔

جیسا کہ اہل سنت کا مسلمہ دستور ہے مگر اس عبارت میں لفظ حسین کے اوپر ؑ بنا ہوا ہے۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوگا کہ جب چار سطور پہلے ؓ بنا ہوا ہے تو اس فقرے میں ؑ کیوں بنا ہوا ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہوسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ فقرہ کسی ایسے شخص نے اپنی طرف سے داخل کتاب کیا ہے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو انبیاء کا ہم پلہ یقین کرتا ہے یعنی طائفہ سبائیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ آئندہ کاتبوں نے نقل مطابق اصل کے قاعدے کی پابندی کی حتیٰ کہ یہ شاہد تدسیس ہمارے زمانے کی مطبوعہ کتابوں میں بجنسہٖ موجود ہے اور زبان سے کہہ رہا ہے کہ مجھے کسی ایسے شخص نے لکھا ہے جو شارح کتاب علامہ تفتازانی

کا ہم خیال اور ہم عقیدہ نہیں تھا۔

اب ایک مثال سیرت النبی ﷺ سے درج کرتا ہوں:

سیرۃ النبی کی کتابوں میں ابن اسحٰق کی سیرت غالباً قدیم ترین ہے۔ یہ شخص مدینے میں ۸۵ھ میں پیدا ہوا تھا اور بغداد میں ۱۵۱ھ میں فوت ہوا۔ عقائد کے لحاظ سے شیعہ تھا۔ اس کی تصنیف موسومہ سیرۃ رسول کو ابن ہشام نے ایڈٹ (مرتب) کیا جو بصرے میں پیدا ہوا تھا۔ اور ۲۱۸ھ میں فسطاط (مصر) میں فوت ہوا۔ ابن اسحٰق کی سیرت آج کل سیرت ابن ہشام کے نام سے معروف ہے ابن اسحٰق غزوۂ خیبر کے سلسلے میں لکھتا ہے:

''عبداللہ بن سہیل نے مجھ سے کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا کہ مرحب یہودی مسلح ہو کر قلعے سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا ''خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں'' رجز پڑھنے کے بعد اس نے سب مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی اس کے جواب میں کعب بن مالک نے یہ رجز پڑھا کہ ''خیبر جانتا ہے کہ میں کعب ہوں''۔

رجز خوانی کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اس شخص کا مقابلہ کون کرے گا؟'' محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''مرحب کا مقابلہ میں کروں گا کیوں کہ اس شخص سے انتقام لینا مجھ پر واجب ہے جس نے کل میرے حقیقی بھائی کو قتل کیا تھا'' یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے انہیں مرحب کے مقابلے میں جانے کی اجازت دی اور ان کی فتح یابی کے لیے دعا کی جب مرحب اور ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ ایک دوسرے کی طرف بڑھے تو ایک درخت ان کے درمیان میں حائل ہو گیا۔ انہوں نے اس کی شاخیں کاٹنی شروع کیں یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے۔ پہلے مرحب نے وار کیا جسے ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ڈھال پر روکا۔ اس کے فوراً بعد انہوں نے وار کیا اور مرحب کو قتل کر دیا۔

ہشام بن عروہ نے بیان کیا کہ

جب مرحب کے قتل ہو جانے کے بعد اس کے بھائی یاسر نے دعوت مبارزت دی تو

حضرت زبیر بن العوام مقابلے پر نکلے۔ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آں حضرت ﷺ سے پوچھا ''کیا دشمن میرے بیٹے کو قتل کر دے گا؟'' آپ ﷺ نے جواب دیا'' نہیں بلکہ تمہارا بیٹا ان شاء اللہ اپنے دشمن کو قتل کرے گا''۔حضرت زبیر رضی اللہ عنہ یہ رجز پڑھتے ہوئے نکلے ''خیبر جانتا ہے کہ میں زبّار ہوں اوران لوگوں کا سردار ہوں جو غیر فرّار ہیں الخ چنانچہ زبیر رضی اللہ عنہ نے یاسر کو قتل کر دیا۔

بریدہ بن سفیان بن فروہ نے مجھ سے (ابن اسحٰق) کہا کہ میرے باپ نے الاکوع سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح کرنے کو بھیجا لیکن وہ قلعہ فتح کیے بغیر واپس آگئے۔دوسرے دن آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا لیکن وہی ہوا جو ان سے پہلے ہو چکا تھا۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''کل جھنڈا اس کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے۔اللہ اس کے ذریعے سے فتح عطا کرے گا وہ بھاگنے والا نہیں ہے'' چنانچہ دوسرے دن آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا جو آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا لعاب دہن لگا دیا (آنکھیں اچھی ہوگئیں) اور جھنڈا دے کر فرمایا ''اسے لے کر جاؤ اللہ تمہارے ذریعے سے فتح عنایت کرے'' چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بعجلت تمام قلعے کے نزدیک پہنچے اور پتھروں کے ڈھیر میں جھنڈا گاڑ دیا۔قلعے کی چوٹی سے ایک یہودی نے انہیں دیکھ کر نام پوچھا جب انہوں نے اپنا نام بتایا تو انہوں نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے کہ موسیٰ کی وحی کے مطابق تم کامیاب ہوگے یا وہ الفاظ کہے جن کا مطلب یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ واپس نہیں آئے جب تک اللہ نے انہیں فتح عطا نہیں کر دی۔

(ہ) عبداللہ بن الحسن نے مجھ (ابن اسحٰق) سے کہا کہ میرے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ میں نے ابورافع (آنحضرت کے آزاد کردہ غلام) سے سنا کہ ''جب آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جھنڈا دے کر بھیجا اور وہ قلعے کے نزدیک پہنچے تو اس کے محافظ باہر نکلے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کی۔ایک یہودی نے ان پر حملہ کیا جس سے ان کی ڈھال ان کے ہاتھ سے

چھوٹ گئی اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جلدی سے دوڑ کر ایک دروازہ (کواڑ) اٹھا لیا جو قلعے کے پاس پڑا تھا اور اس سے ڈھال کا کام لیا۔ جب فتح حاصل ہو گئی تو اسے پھینک دیا۔ میں نے اس دروازہ (کواڑ) کو سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اٹھانے کی کوشش کی مگر ہم اسے اٹھا نہ سکے"۔①

یہ اقتباسات ابن اسحٰق یعنی ایک شیعہ مصنف کی کتاب سے پیش کیے گئے ہیں جو اس قدر راسخ العقیدہ تھا کہ اس نے اپنی اس تصنیف میں حضرت ابان بن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کی تصنیف کتاب المغازی سے جو اس موضوع پر اولین تصنیف ہے۔ اپنی تصنیف میں ان سے کوئی روایت قبول نہیں کی ہے۔ اور نہ ان کا تذکرہ کیا ہے۔ محض اس لیے کہ حضرت ابان داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ راشد امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید فی سبیل اللہ کے بیٹے تھے (اللہ اکبر کس قدر احتیاط ملحوظ رکھی) بہر حال ان اقتباسات سے حسب ذیل حقائق اظہر من الشّمس ہیں:

۱۔ مرحب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل نہیں کیا تھا بلکہ حضرت محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح کیا تھا۔

۳۔ عبداللہ بن الحسن والی روایت جس کی رو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کواڑ سے ڈھال کا کام لیا نہ اصول روایت کے اعتبار سے قابل اعتبار ہے اور نہ اصول درایت کے لحاظ سے لائق قبول ہے۔ اصول روایت کی رو سے اس لیے نہیں کہ عبداللہ بن الحسن نے یہ نہیں بتایا کہ یہ داستان میں نے کس سے سنی۔ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس روایت کے راویوں میں سے کوئی راوی مجہول الاسم ہو یعنی اس کا نام معلوم نہ ہو تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی، اور اصول درایت کی رو سے اس لیے نہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی تو عقل یہ کہتی ہے کہ انہیں دوڑ کر اپنی ڈھال اٹھا لینی چاہیے تھی نہ یہ کہ وہ ڈھال کو چھوڑ کر اس کواڑ کو اٹھانے جاتے جو قلعے کے پاس پڑا ہوا تھا۔ یہ بات اس وقت قابل قبول ہوتی جب راوی یہ واضح کر دیتا کہ ڈھال بہت دور مثلاً پچاس قدم پر تھی اور دروازہ یا کواڑ بہت نزدیک تھا۔ علاوہ بریں دنیا میں آج تک کوئی دروازہ یا کواڑ ایسا نہیں بنایا گیا ہے جو ڈھال کا کام دے سکے۔ ڈھال اور دروازے میں دور کی مناسبت بھی نہیں ہے۔

① مقتبس از انگریزی ترجمہ سیرۃ ابن اسحٰق موسومہ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفحات ۵۱۲ تا ۵۱۴ مطبوعہ لندن ۱۹۵۵ء۔

۴۔ مرحب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ کا افسانہ دوسری صدی میں یعنی ابن اسحاق کی زندگی میں وضع نہیں کیا گیا۔ ورنہ ابن اسحاق جس نے دروازے کا افسانہ درج کر دیا اس افسانے کو یقیناً زینت کتاب بناتا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ مرحب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ کا افسانہ تیسری صدی میں وضع کیا گیا اور جس طرح بہت سی غلط روایات سبائیوں کی تدسیس سے اہل سنت کی کتابوں میں راہ پا گئیں۔ یہ افسانہ بھی ان کی کتابوں میں جگہ پا گیا۔ فی الجملہ سیرۃ کی قدیم ترین کتاب کی رو سے بالکل واضح ہے کہ مرحب کو محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا لیکن افسانہ طرازوں نے مرحب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین فرضی قتال کو جس رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے اس کی تفصیل کے لیے میں البدایہ والنہایہ مؤلفہ امام ابن کثیر دمشقی رحمہ اللہ المتوفی ۷۷۴ھ سے ضروری اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں:

۱۔ حافظ البزّار نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یوم خیبر میں پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر عمر رضی اللہ عنہ کے بھیجنے اور اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر فتح ہونے کا جو قصہ ہے۔ اس کے سیاق میں غرابت اور نکارت ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو متہم بالتشیع ہے۔

۲۔ روایت کی موسیٰ ابن عقبہ نے زہری سے کہ تحقیق جس نے قتل کیا مرحب کو وہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے اور یہی کہا ہے محمد ابن اسحاق نے روایت جابر ابن عبداللہ کہ نکلا مرحب الیہودی خیبر کے قلعے سے یہ رجز پڑھتا ہوا ''**قد علمت خیبر انی مرحب**'' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ''اس کا مقابلہ کون کرے گا'' محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں کروں گا'' **فضربه محمد ابن مسلمة** رضی اللہ عنہ **حتی قتله** پس تلوار ماری ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے یہاں تک کہ قتل کر دیا اُس کو (یعنی مرحب کو) ①

۳۔ کہا یونس نے ابن اسحاق سے کہ روایت ہے کہ مجھ سے کہا میرے خاندان کے ایک شخص نے کہ اس نے سنا تھا رافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نکلے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب بھیجا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جھنڈا دے کر جب ہم قلعے کے پاس پہنچے تو اہل قلعہ مقابلہ کے لیے نکلے ایک یہودی کی ضرب سے علی رضی اللہ عنہ کی ڈھال ان کے ہاتھ سے گر پڑی تو قلعے کے دروازے کو ڈھال بنایا یہاں تک کہ قلعہ فتح ہو گیا......

① ص/۱۸۹ ج/۴۔

''میرے ساتھ سات آدمی تھے میں آٹھواں تھا مگر ہم سے دروازہ پلٹا نہ جاسکا''۔

اس افسانے پر ابن کثیر نے یہ تنقید کی ہے۔ وفِی ھٰذا الخبر جھالۃٌ و انقِطاعٌ ظَاھِرٌ یعنی اس روایت میں جہالت بھی ہے اور انقطاع ظاہر بھی ہے (یعنی بیچ کا راوی غائب ہے)، پھر لکھتے ہیں:

۴۔ حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ اس دروازے کو چالیس آدمی بھی مل کر نہ اٹھا سکے ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (نا قابل اعتبار) ہے۔

۵۔ جابر سے روایت ہے کہ ستر آدمیوں نے اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی (نا قابل اعتماد) ہے۔ (ص/ ۱۹۰ ج/ ۴)

(حاشیہ/ ۲۵: خدا کا شکر ہے کہ ستر کے متبرک عدد پر حاملین باب خیبر کی تعداد کا اختتام ہو گیا۔ واضح ہو کہ سات چالیس اور ستر کا شدید اختلاف کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔)

۶۔ ''الواقدی نے بھی جابر سے یہی روایت کی ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا'' ص/ ۱۸۹ ج/ ۴۔ ①

بخوف طوالت میں ان موضوع روایتوں کو نقل نہیں کر سکتا، جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرحب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ میرا مقصد صرف یہ بات ثابت کرنا تھا کہ مرحب کو محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے۔ الحمد للہ کہ میں نے اس بات کو بخوبی یعنی ابن اسحاق کی گواہی سے ثابت کر دیا جو شیعہ تھا۔ لہٰذا وہ تمام افسانے جو مرحب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس فرضی جنگ کے سلسلے میں تصنیف کیے گئے ہیں۔ خود بخود باطل اور بے اصل و بے بنیاد قرار پاتے ہیں۔ یہ روایتیں جیسا کہ محدثین اور محققین مثلاً علامہ سخاوی نے لکھا ہے سراسر لغو ہیں۔ ②

چونکہ میں تصوف کی تاریخ لکھ رہا ہوں نہ کہ تدسیس سبائیہ و باطنیہ کی تاریخ۔ اس لیے انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اہل سنت صوفیوں کی تصانیف سے ایسے اقوال پیش کروں گا جو اہل سنت کے معتقدات کے خلاف ہیں لیکن ان صوفیوں نے سبائیت اور باطنیت سے متاثر ہو کر ان کو قبول کر لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

---

① اختصار بقدر ضرورت از البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد چہارم صفحات ۱۸۷ تا ۱۹۰ مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء۔

② سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد اوّل ص/ ۴۸۸۔

ان صوفیوں کی کمزوری یہ تھی کہ یہ لوگ نہ محدث تھے نہ مورخ تھے۔ اس پر مستزاد یہ امر ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک تحقیق وتدقیق وتنقید۔ یہ سب باتیں سوء ادب میں داخل ہوگئی تھیں۔ جنید رحمہ اللہ کا تصوف یہ تھا کہ ہم ہر بات کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر آزما کر دیکھیں گے اگر کوئی بات کتاب وسنت کے خلاف ہوگی "فھو مردود" خواہ وہ کسی کی زبان سے نکلی ہو، لیکن نویں صدی ہجری میں باطنیہ کی مساعی قبیحہ سے سنی صوفیوں کی ذہنیت یہ ہوگئی تھی کہ وہ قول کے حسن وقبح کے بجائے قائل کو دیکھنے لگے تھے۔ مثلاً ایک روایت خواہ کتنی ہی خلاف عقل ونقل کیوں نہ ہو اگر وہ کسی بزرگ سے منسوب ہے۔ تو محض اس سے نسبت کی وجہ سے قابل اعتماد قرار پا جائے گی اور اس میں تحقیق یا اس پر تنقید کو سوء ادب سمجھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں صدیوں سے غلط روایات نقل ہوتی چلی آرہی ہیں اور آج کسی میں اخلاقی ہمت نہیں ہے کہ انہیں غلط کہہ کر اپنی مرجعیت اور مقبولیت سے دست بردار ہو جائے۔

باطنیّت

گمراہی کے دروازوں میں سب سے زیادہ خطرناک اور مضرت رساں دروازہ جو باطنیہ نے کھولا وہ یہ تھا کہ ہر لفظ کے ایک ظاہر معنی ہوتے ہیں اور ایک حقیقی یا باطنی۔ انہوں نے الفاظ کے اس باطنی پہلو پر اس قدر زور دیا کہ ان کا اصلی نام اسماعیلیہ غیر معروف ہو گیا اور وہ باطنیہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بہر کیف انہوں نے کہا کہ اسی طرح قرآن وحدیث کے الفاظ کے بھی دو دو معنی ہیں ایک ظاہری دوسرے باطنی اور ان کو آپس میں وہی نسبت ہے جو پوست (ظاہر) کو مغز سے ہے۔ جہلاء صرف ظواہر (ظاہری معنی) سے آگاہ ہیں۔ حقائق یا باطنی معانی کو صرف اہل اسرار ہی جانتے ہیں جو شخص ظواہر میں گرفتار ہے وہ شریعت کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے اور دین کی نہایت نیچی سطح پر ہے جو شخص اہل باطن کی صحبت میں رہ کر حقائق سے آشنا ہو جاتا ہے وہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کی اس آیت کا یہی مفہوم ہے:

﴿وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾①

یعنی ''رسول اس بوجھ سے نجات دلاتا ہے جس کے تلے وہ (عوام) دبے ہوئے تھے اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے''۔

باطنیہ نے اپنی اس بنیادی تعلیم کو عوام کے سامنے صوفی بن کر پیش کیا۔ رفتہ رفتہ جاہل صوفیوں نے پہلے ظاہر اور باطن کی تفریق کا اصول اختیار کیا۔ پھر اس کے منطقی نتیجے کو بھی قبول کر لیا یعنی انہوں نے شریعت اور طریقت میں تفریق کر دی اور کہنے لگے کہ شریعت کا حکم کچھ اور ہے اور طریقت کا حکم کچھ اور ہے۔ آخر کار انہوں نے باطنیہ کی اس تعلیم کو بھی تسلیم کر لیا کہ جب سالک کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ قید شریعت سے آزاد ہو جاتا ہے اور اپنے اس باطل عقیدے پر اس آیت سے استدلال کیا ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ اور اس کا ترجمہ اس طرح کیا صرف اس وقت تک اپنے رب کی عبادت کر جب تک تجھے یقین حاصل نہ ہو۔ جب معرفت یا یقین حاصل ہو جائے تو اتباع شریعت کی حاجت نہیں ہے۔

① سورہ اعراف:۱۵۷۔

باطنیہ نے اس طرح لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔عوام کے پاس کوئی آلہ یا معیار نہ اس وقت تک تھا نہ اب ہے نہ آئندہ کبھی ہوگا۔جس کی مدد سے وہ یہ معلوم کر سکتے کہ یہ شخص جو ظاہر میں صوفیوں کا لباس پہنے بیٹھا تصوف کے اسرار و رموز بیان کر رہا ہے۔ باطن میں کیا ہے؟ اگر کسی عامی نے اعتراض بھی کیا کہ یہ قول قرآن یا حدیث کے خلاف ہے تو معتقدین نے اسے گستاخ قرار دے کر مجلس سے باہر نکال دیا۔قصہ ختم شد۔

میں نے یہ صراحت اس لیے کی کہ آج بیسویں صدی میں بھی سنی عوام کے دلوں میں جو تفریق جاگزین ہے اور وہ اپنے ''بزرگوں'' کی خلافِ شرع باتوں پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ ان کو از قبیل رموز و اسرار طریقت سمجھتے ہیں، یہ تفریق عبداللہ ابن سبا کے متبعین کی پیدا کردہ ہے اور بیس سال کے مطالعہ کے بعد میرا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ سبائیت اور اس کی نکھری ہوئی صورت یعنی باطنیت دراصل نبوت و رسالت محمدی کے خلاف ایک بغاوت یا باغیانہ تحریک تھی۔یعنی ولایت کے پردے میں نبوت کی تحقیر و تذلیل۔ ثبوت ملاحظہ ہو:①

''قبول رسالت بیعت کردن است بر قبولِ احکام ظاہری، وقبول ولایت بیعت کردن است بر قبول احکام باطنی۔ اول را اسلام وثانی را ایمان می گویند و چوں قبولِ رسالت بجہت وصول بسوئے ولایت است کہ فرمود ﴿بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ﴾② وفرمود ﴿وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾③ یعنی رسالت تو مقدمہ ولایت علی رضی اللہ عنہ است اگر تبلیغ ولایت نہ کردی و بیعت بولایت علی مگرفتی ہیچ تبلیغ رسالت نہ کردہ کہ مقدمہ بدون ذی مقدمہ وجودش با عدم مساوی است و بملاحظہ معیشت رسالت و ولایت نسبت بحدیث دادہ شد کہ لَوْ لَا عَلِيٌّ لَمَا خَلَقْتُکَ (انتھی بلفظہٖ)

میں نے یہ زحمت نقل اس لیے گوارا کی ہے کہ اگر میں اس عبارت کا ترجمہ درج کر دیتا تو بعض

① اقتباس از ولایت نامہ تالیف سلطان العارفین و برہان الواصلین مولا الشہید الحاج ملا سلطان محمد گنا بادی۔ سلطان علی شاہ چاپ دوم۔ چاپخانہ دانش گاہ تہران ۱۳۸۵ء قمری ص ر ۳۵۔

② سورۃ الحجرات۔۱۷۔ ③ سورۃ المائدۃ۔۶۷۔

قارئین ضرور دل میں کہتے کہ مصنف نے یہ باتیں نہیں لکھی ہوں گی مترجم سے ترجمہ کرنے میں غلطی ہوگئی یا مفہوم تک اس کی رسائی نہ ہوسکی۔ لیکن ان لوگوں کی خاطر جو عربی اور فارسی نہیں جانتے اس کا مطلب ذیل میں درج کیے دیتا ہوں:

ا۔ مصنف کی نقل کردہ پہلی آیت قرآن مجید میں یوں ہے: ﴿بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ﴾① یعنی بلکہ اللہ احسان رکھتا ہے اوپر تمہارے یہ کہ ہدایت کی تم کو طرف ایمان کے

۲۔ قبولِ رسالت کا معنی ہے بیعت کرنا۔ احکام ظاہری کے قبول کرنے پر۔

۳۔ قبولِ ولایت کا معنی ہے بیعت کرنا۔ احکام باطنی کے قبول کرنے پر۔

(یعنی رسالت کا تعلق احکامِ ظاہری سے ہے اور ولایت کا تعلق احکام باطنی سے ہے۔ یہی تعلیم باطنیہ نے دی تھی یعنی احکام ظاہری اور باطنی کی تفریق جس سے شریعت اور طریقت میں تفریق پیدا ہوگئی اور امت میں تفرقہ رونما ہوگیا۔)

۴۔ رسالت محمدی کو قبول کرنا اسلام ہے۔ ولایت علی کو قبول کرنا ایمان ہے۔

۵۔ اے رسول اگر تو نے ایسا نہ کیا، پس نہ پہنچایا تو نے پیغام اُس (اللہ) کا② اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد تیری رسالت، مقدمہ ہے ولایت علی کا۔ اگر تو نے ولایت کی تبلیغ نہیں کی اور ولایت کی بیعت نہیں لی تو رسالت کی تبلیغ بالکل نہیں کی۔ کیونکہ مقدمہ اگر ذی المقدمہ کے بغیر ہو تو اس کا وجود اور عدم دونوں مساوی ہیں۔

۶۔ رسالت اور ولایت کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس حدیث سے نسبت دی گئی کہ اگر علی (پیدا) نہ ہوتا تو اے محمد میں تجھے (بھی) پیدا نہ کرتا۔

اس عبارت پر راقم الحروف کو یارائے تبصرہ ہے نہ حوصلہ تنقید صرف دو تین باتوں پر اکتفا کرتا ہے:

الف۔ اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ولایت، نبوت سے افضل ہوتی ہے کیونکہ ایمان بہر حال افضل ہے اسلام سے۔

ب۔ جب تک ایک شخص ولایت علی رضی اللہ عنہ پر ایمان نہ لائے، مومن نہیں ہوسکتا۔

ج۔ رسالت محمدی کی بذات خویش کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ وہ مقصود بالذات ہے بلکہ وہ مقدمہ ہے

---

① سورۃ الحجرات۔۱۷۔ ② سورۃ المائدۃ۔۶۷۔

ولایتِ علی کا اور اس لیے منطقی طور پر مقصود بالعرض ہے۔

د۔ رسالت ذریعہ یا واسطہ ہے حصول مقصد کا اور وہ مقصد ہے ''گرفتن بیعت ولایت علی'' اور یہ بات محتاج ثبوت نہیں ہے کہ ذی واسطہ یا مقصد، واسطے یا وسیلے سے افضل ہوتا ہے اس لیے ولایت افضل ہے، رسالت سے۔ یعنی صاحب ولایت افضل ہے صاحب رسالت سے بالفاظ واضح تر حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

ہ۔ قرآن سے یہ معلوم ہے کہ بعثت رسول کا مقصد یہ ہے کہ وہ دین الحق (اسلام) کو تمام ادیان عالم پر غالب کر دے۔ کما قال اللہ عزوجل: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ اللہ وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ساتھ ہدایت اور دین حق کے تاکہ وہ اس کو غالب کر دے سب دینوں پر۔

لیکن سلطان العارفین فرماتے ہیں کہ

> اللہ نے رسول کو اس لیے بھیجا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت پر لوگوں سے بیعت لے اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہو جائیں گے۔

یہ وہ نکتہ ہے جس میں فہم سرگردان ہے اور عقل حیران ہے۔

اگر اس جگہ یہ اعتراض کیا جائے کہ ﴿بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ کا ترجمہ تو یہ ہوگا کہ ''اے رسول پہنچا دے (لوگوں کو) جو کچھ اتارا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو نے تو نہ پہنچایا پیغام اس کا'' اب نہ تو ان دونوں جملوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی آیا ہے اور نہ سارے قرآن میں کہیں ان کا نام آیا ہے[1] نہ ان آیتوں سے پہلے ان کا تذکرہ ہے۔ اور نہ ان کے بعد ان کا تذکرہ ہے پس اندریں صورت ان دو آیتوں سے حضرت

---

[1] اللہ کو بخوبی معلوم تھا کہ عبداللہ بن سبا، اسلام میں شخصیت پرستی کا فتنہ پیدا کرے گا۔ اس لیے اس نے قرآن میں صرف ان دو آدمیوں کا ذکر ان کا نام لے کر کیا (۱۔ ابولہب، ۲۔ زید) جن کے بارے میں اسے علم تھا کہ سبائی ان ناموں کو استعمال نہیں کریں گے۔ اللہ نے اس باب میں اس قدر احتیاط ملحوظ فرمائی کہ ثانی اثنین اذ ھما فی الغار کو یار غار رضی اللہ عنہ کے نام پر ترجیح دی۔ یعنی چھ الفاظ استعمال کیے گئے مگر ایک لفظ ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ فرمایا لیکن یہ چھ الفاظ ہیں ایسے کہ سبائی بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ثانی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی مراد ہیں۔ ثانی کی تاثیر دیکھیے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہر بات میں ثانی ہیں چنانچہ اقبال مرحوم نے لکھا ہے: ثانی اسلام و غار بدر و قبر ☆ ہمت او کشت ملت راچوں ابر

علی رضی اللہ عنہ کا تعلق کیسے ثابت ہوسکتا ہے۔ تبلیغ کا مطلب ولایت و بیعت گرفتن ولایت علی رضی اللہ عنہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ما انزل الیک کا مصداق تو قرآن ہے کیونکہ وہی آنحضرت پر بواسطہ جبریل نازل ہوتا رہا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ قرآن لوگوں تک پہنچا اور اسی قرآن کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ظاہری معنی ہیں۔ لیکن سلطان العارفین نے اس کے باطنی معنی بیان کیے ہیں جو صرف ''اہل اسرار'' پر منکشف ہوتے ہیں۔ صرفیوں اور نحویوں کی رسائی اس مقام تک نہیں ہو سکتی۔ باطنی معنی نکالنے کے لیے قرآن کے ظاہری الفاظ کی تاویل اس طریقے اور اس انداز سے کرنا کہ صرف، نحو، معانی، بیان، عقل اور خرد سب کا خاتمہ ہوجائے اور پڑھنے والا وادیٔ حیرت میں گم ہوجائے، باطنیہ کا سب سے بڑا احسان ہے امت محمدی پر، جس کا اندازہ یہ امت ابھی تک نہیں لگا سکی ہے۔ یہ فتنہ رومی کے زمانے میں اپنے شباب کو پہنچ چکا تھا۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو اس طرح متنبہ کیا ہے:

می کنی تاویل حرفِ بکر را
خویش را تاویل کن نے ذکر را

میرا خیال یہ ہے کہ آیت زیر بحث کے جو معنی برہان الواصلین نے بیان کیے ہیں۔ وہ رسول تو کیا خدا کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آئے ہوں گے۔ شاید اقبال نے اسی قسم کی تاویلاتِ باطلہ کے نمونے دیکھ کر یہ قطعہ کہا ہوگا:

زمن بر صوفی و ملا سلامے کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت خدا و جبریل و مصطفیٰ را!

باطنیہ کی اسی تدسیس کی بدولت صحیح اسلامی (قرآنی) تصوف کی ساتویں صدی ہجری میں ایسی قلب ماہیت ہوچکی تھی کہ تصوف اور تشیع مترادف الفاظ بن گئے تھے۔ چنانچہ حیدر علی آملی صاحب تفسیر بحرالابحار میں لکھا ہے:

''تصوف طریقہ مرتضوی است وتصوف وتشیع یک معنی دارد''①

یہی مولف ولایت کی بحث میں لکھتا ہے:

''ولایت از آن خدا است و بر آں ایں آیت شاہد است ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ

① ماخوذ از اصول تصوف مولفہ ڈاکٹر احسان اللہ استخری ص ۲۰۷.

الۡحَقِّ﴾①، ②ماخوذ از خدا بمصطفے ودراین حقیقت جامعیت است، علی وفاطمہ تا حضرت قائم ثانی عشر، یک پایۂ ودارائے یک مایہ اند چنانچہ رسول فرمود (ا) اول ما خلق اللہ نوری (ب) اناوعلی من نور واحد (شاعرے ایں حدیث را چنیں نظم

①سورۃ المجادلۃ۔۴۴۔

② مصنف نے اس آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ سراسر غلط ہے بلکہ قرآن پر ظلم عظیم ہے مصنف اتنی عربی ضرور جانتا ہوگا کہ وِلایۃ اور وَلایۃ میں فرق کر سکے مگر اس نے دانستہ تحریف معنوی سے کام لیا۔ تاکہ وہ یہ کہہ سکے کہ اس آیت کی رو سے ''ولایت از آن خداست''

اس آیت کا یہ مطلب اور معنی ہرگز نہیں ہیں۔ دلائل یہ ہیں:

(ا) آیت میں لفظ وَلایۃ ہے نہ کہ وِلایۃ اور ان دونوں لفظوں میں بہت فرق ہے۔ ولایۃ (واؤ پر زبر کے ساتھ) کا معنی ہے نصرت یا مدد یا کارسازی۔ وِلایۃ (واؤ کے نیچے زیر) کا معنی ہے ''حکومت یا اقتدار یا ملک'' (دیکھو زمخشری)

(۲) اس آیت کے سیاق وسباق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں ولایت مزعومہ ومفروضہ کا قطعاً ذکر نہیں بلکہ قارئین کی آگاہی کے لیے اس بات کا اضافہ کرتا ہوں کہ پورے قرآن میں ولایت مزعومہ کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ اللہ کو معلوم تھا کہ سبائی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ولایت کو منسوب کر کے انہیں رسول سے بھی بڑھا دیں گے۔ اس لیے اللہ نے دو جگہ لفظ وَلایۃ تو استعمال کیا ہے۔ (دیکھو سورۃ الانفال۔ ۷۲ ''مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ'' الخ) مگر لفظ وِلایۃ کہیں استعمال نہیں کیا۔ قرآن میں نہ کہیں لفظ علی (اسم زوج فاطمہ) آیا ہے نہ لفظ ولایت آیا ہے اور نہ ولایت علی کا کوئی تذکرہ ہے۔

ہر مومن متقی اللہ کا ولی (دوست) ہے اور اللہ اس کا ولی (دوست) ہے۔ باز آمدم بر سرِ مطلب آیت زیر بحث سے پہلے اللہ نے دو آدمیوں کی مثال بغرض تذکیر بیان کی ہے جن میں سے ایک کو اللہ نے باغ اور دولت دی جس پر اس نے تکبر کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اسے ان نعمتوں سے محروم کر دیا۔ اس نے کہا ''يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا'' پھر آگے آیت میں اللہ فرماتا ہے کہ کوئی جماعت اسے مدد نہ دے سکی اور نہ وہ خود بدلہ لے سکا۔ اس کے بعد یہ آیت ہے کہ ''هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ'' یعنی یہ ہے کہ حکمرانی، کارسازی اور نصرت یہ ساری باتیں صرف اللہ کے لیے ثابت ہیں جو الحق یعنی سچا اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اب قارئین خود ہی فیصلہ کر لیں کہ اس آیت کو سبائیوں کی موہومہ ولایت سے کیا تعلق ہے لیکن اس فرقے نے باطنی مفہوم مستخرج کرنے کے لیے پہلے تاویل کا دروازہ کھولا۔ پھر تاویل کے ذریعے سے پورے قرآن کو بازیچۂ اطفال بنا دیا۔ اس کی مثالیں سبائیہ باطنیہ قرامطہ کے لٹریچر سے بآسانی مل سکتی ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھو قواعد آل محمد (باطنیہ) تالیف محمد بن حسن الایلمی یمانی زمانہ تصنیف ۷۰۷ھ ص ر ۱۷، ۱۸۔ مثلاً طہارۃ سے مراد ہے مذہب باطنی کے علاوہ ہر مذہب سے برأۃ۔ زنا سے مراد ہے علم باطن کے نطفے کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک نہ ہو۔ روزے سے مراد ہے افشائے راز سے پرہیز کرنا۔ نماز سے مراد ہے امام وقت کی طرف لوگوں کو دعوت دینا۔ تیمم سے مراد ہے ماذون سے علم حاصل کرنا۔ حج سے مراد ہے اس علم کا طلب کرنا جو منزل مقصود ہے۔ زکوۃ سے مراد ہے اہل استعداد میں اشاعت علم کرنا۔ (منقول از تاریخ دعوت وعزیمت مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی ص ر ۱۰۸)۔

کردہ است)①

علی و مصطفیٰ ہمچہ دو دیدہ!
زیک نور جلیل اند آفریدہ

مقصود اِن تصریحات سے یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں نقشبندی سلسلے کے علاوہ جس قدر سلسلے سنیوں میں پائے جاتے ہیں۔ سب میں کم وبیش یہی عقائد مسلم اور مقبول ہیں۔ سنی عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے خواص بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہی عقائد رکھتے ہیں بلکہ بوقت حاجت رسول کے بجائے انہیں کو پکارتے ہیں اور کیوں نہ پکاریں جب وہ اپنے بزرگان سلسلہ کی تصانیف میں یہ پڑھتے رہتے ہوں کہ جنگ تبوک میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکارا تھا۔

اس لیے عصر حاضر کے مصری محقق ڈاکٹر ذکی مبارک کو یہ کہنے کا موقع مل سکا۔ والواقع ان الصلة بين التشيع والتصوف فعلیؑ هو معبود الشيعة وامام الصوفيه②

باطنیّت کے اثرات تصوف پر:

اب ناظرین خود غور کرلیں کہ جن لوگوں (باطنیہ) نے قرآن کے ساتھ یہ تلعب (کھیل) کیا، انہیں اسلامی تصوف کو کفر وشرک کا ملغوبہ بنا دینے میں کیا تامل ہوسکتا تھا۔ ان کو تو اہل سنت کو گمراہ کرنا تھا چونکہ تصوف کی راہ سے گمراہی کی اشاعت آسان ترین تھی اور کامیابی یقینی تھی اس لیے انہوں نے اسلامی تصوف ہی کو خاص طور سے ہدف تدسیس وتلبیس وتحریف بنایا اور جھوٹی روایتوں کو سنی صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح جاگزیں کر دیا کہ اکثر نے انہیں بلا تحقیق قبول کر لیا اور ان روایتوں کے زیر اثر اکثر صوفیوں کے عقیدے اہل سنت کے مسلمہ عقائد سے مختلف ہو گئے بلکہ وہ بعض عقائد میں سبائیوں کے ہمنوا ہو گئے۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں: (واللہ المستعان)

(۱) عزالدین محمود بن علی کاشانی متوفی ۷۳۵ھ نے تصوف میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے ''مِصْبَاحُ الْهِدَايَة وَ مِفْتَاحُ الْكِفَايَة'' اس کو پروفیسر جلال الدین ہمائی کے مقدمے اور تعلیقات کے ساتھ، کتاب خانۂ سنائی نے طہران سے شائع کیا ہے۔ پروفیسر مذکور نے اپنے مقدمے کا آغاز

---

① اصول تصوف مولفہ ڈاکٹر احسان اللہ استخری ص ۶۹۔

② التصوف الاسلامی مولفہ ڈاکٹر ذکی مبارک جلد دوم ص ۲۳۔

اپنی مخصوص ذہنیت کی بنا پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بجائے ''بنام خداوند بخشندہ بخشائش گر مہربان'' سے شائع کیا ہے، حالانکہ ہر عالم جانتا ہے کہ لفظ ''خداوند'' اللہ کے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا۔

چونکہ کاشانی نے یہ کتاب شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کی ''عوارف المعارف'' کو سامنے رکھ کر لکھی ہے اس لیے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لاحق ہو گیا کہ یہ کتاب اس کا ترجمہ ہے۔ چنانچہ نولکشوری نسخے میں اسے ترجمہ ہی لکھا گیا ہے۔

چونکہ کاشانی بباطن شیعہ ہے اس لیے مقدمہ نگار نے اس کی خدمت میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر ہمائی اپنے مقدمے میں خود لکھتا ہے:

الف۔ وہ ہر جگہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوات کو محمد پر صلوات کی ردیف قرار دیتا ہے۔ دیکھو دعائے بعد از طعام ص ۲۷۴ الحمد للہ الذی اطعمنا ھذا ورزقناہ من غیر حولٍ منا اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد (انتھی بلفظہ ص ۲۷۴)

ب۔ آیت نجویٰ کے بارے میں وہ شیعہ کی طرح یہ روایت کرتا ہے کہ علی علیہ السلام کے علاوہ کسی نے اس آیت پر عمل نہیں کیا اور اس طرح موافق منافق سے ممتاز ہو گیا۔ ص ۲۲۴

ج۔ ایک جگہ وہ یہ بات بھی نقل کرتا ہے کہ علی علیہ السلام نے عمر رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی تھی (ص ۲۷۸)

د۔ وہ علی علیہ السلام کو دوسرے صحابہ پر ترجیح و تفضیل دیتا ہے اور اپنے باطن میں ان کو تمام صحابہ سے زیادہ دوست رکھتا ہے۔ لیکن اس کے اظہار کو واجب نہیں جانتا ص ۴۸ ①

پروفیسر ہمائی کی تصریحات میرے دعوے کے اثبات کے لیے بالکل کافی ہیں کہ کاشانی بباطن شیعہ ہے تاہم اس نے ص ۴۸ پر جو غلط بیانی کی ہے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کرنی مناسب ہے تاکہ جو سنی اس کی کتاب میں یہ عبارت پڑھیں وہ گمراہی سے محفوظ رہ سکیں۔

مصنف نے از راہ تقیہ ص ۴۶ پر یہ لکھا ہے کہ

''مومن حقیقی اس بات کو روا نہیں رکھ سکتا کہ اصحاب رسول پر قدح کرے کیونکہ انہوں نے رسول کی محبت میں مہاجرت کی، اقارب سے جدائی اختیار کی اور اپنے اموال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں پر نثار کیے''۔ (ص ۴۶)

---

① مقتبس از مقدمہ ص ۴۴، ۴۵۔

اگرچہ کاشانی نے اس عبارت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نام لے کر تذکرہ نہیں کیا ہے تاہم اس عبارت سے یہ ضرور ثابت ہوگیا کہ اس کا لکھنے والا شاتم صحابہ رسول نہیں ہے مگر اس فصل نہم کا آخری جملہ ایسا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہے۔

''پس عقیدۂ صحیحہ سلیمہ یہ ہے کہ:

الف۔ سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوست رکھے اور ان میں ایک دوسرے پر ترجیح وتفضیل سے اپنے آپ کو روکے۔

ب۔ اگر اس کے باطن میں فضیلت کی بنا پر کسی صحابی کی محبت راجح ہو جائے تو اس کو پوشیدہ رکھے۔ کیونکہ اس پر اس کا اظہار واجب نہیں ہے۔

ج۔ اُس مشاجرت کے باب میں جو امیر المومنین علی علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان واقع ہوئی ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ اجتہاد خلافت میں محق اور مصیب تھے اور امر خلافت کی مباشرت کے لیے مستحق اور متعین تھے جبکہ معاویہ مخطی اور مبطل اور غیر مذنب اور غیر مستحق تھے

﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ ص ر ۴۸

اس عبارت میں کاشانی اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوگیا ہے۔ اس گروہ کا شروع ہی سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جس صورت سے اور جس طرح ہو سکے اہل سنت کو گمراہ کیا جائے۔ واضح ہو کہ یہ عقائد اہل سنت کے ہرگز نہیں ہیں۔ کاشانی نے ایک صوفی کے لباس میں اہل سنت کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

ذیل میں اہل سنت کا عقیدہ صحیحہ سلیمہ درج کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو رہا ہوں:

(۱) پہلی صدی ہجری سے تا ایں دم تمام اہل سنت کا اجماعی اور متفقہ عقیدہ یہ رہا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں افضل واکمل واتقیٰ ہیں۔ بلکہ انبیاء کے بعد تمام روئے زمین کے انسانوں سے افضل ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(الف) امام فخر الدین رازی، کتاب الاربعین میں ص ر ۴۶۴ پر لکھتے ہیں مذهب اصحابنا ان افضل الناس بعد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم هو ابو بکر رضی اللہ عنہ یعنی اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ سب انسانوں میں افضل ہیں۔

(ب) امام نجم الدین النسفی، عقائد النسفی میں لکھتے ہیں:

''ہمارے نبی ﷺ کے بعد تمام انسانوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ''۔①

(ج) امام کمال الدین بن الہمام، کتاب المسائرہ میں ص ر ۳۱۲ پر لکھتے ہیں:

''صحابہ اربعہ یعنی الخلفاء کی فضیلت علیٰ حسب ترتیب فی الخلافت یہ ہے کہ پہلے ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ نیز ص ر ۳۱۲ پر لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری میں محمد ابن الحنفیہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

''ای الناس خیرٌ بعد رسول اللہ ﷺ؟ فقال ابو بکر'' یعنی رسول اللہ کے بعد انسانوں میں کون افضل ہے؟ انہوں نے جواب دیا ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

(د) مولانا محمد ادریس کاندھلوی، عقائد الاسلام میں ص ر ۱۵۰ پر لکھتے ہیں تمام اہل حق کا اس پر اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں افضل اور بہتر اور خاتم الانبیاء علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں''۔

پھر ص ر ۱۶۰ پر لکھتے ہیں:

امام ذہبی رحمہ اللہ نے بسند صحیح بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لوگ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں، میں جسے فضیلت دینے والا پاؤں گا تو وہ مفتری ہے اور اسے وہی سزا دوں گا جو مفتری کی ہے۔

بخوف طوالت صرف ان شہادتوں پر اکتفا کرتا ہوں جو لوگ اس مسئلے کی تفصیل کے لیے آرزو مند ہوں وہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور قرۃ العینین فی فضیلت الشیخین مؤلفہ حضرت ولی اللہ کا مطالعہ کرلیں۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ پہلی صدی سے اس وقت تک تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ آخر میں ایک غیر مسلم سر ولیم میؤر کی شہادت درج کرتا ہوں تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ دراصل فضیلت وہ ہے جس پر اعداء بھی گواہی دینے پر مجبور ہوں۔

① انگریزی ترجمہ شرح عقائد ص ر ۱۴۱۔

ولیم میؤر اپنی تالیف ''الخلافۃ'' میں لکھتا ہے:

(الف) پیغمبر اسلام کی سچائی پر ایمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طبیعت ثانیہ بن گیا تھا اور اب جبکہ ان کے مرشد کی وفات ہو چکی تھی مرید نے اپنی زندگی ان کی آرزو کی تکمیل کے لیے وقف کر دی۔ یہی جذبہ فدویت تھا جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نرم اور مصالحت نواز افتاد طبع میں اس قدر ہمت پیدا کر دی اور انہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام متبعین (صحابہ) میں سب سے زیادہ سچا، سب سے زیادہ ثابت قدم اور سب سے زیادہ ثابت العزم بنا دیا''۔ص ر ۷

(ب) ابوبکر کے دل میں ذاتی اعزاز کے حصول کی آرزو نہ تھی۔ اگرچہ انہیں اقتدار اعلیٰ حاصل تھا لیکن انہوں نے اس اقتدار کو اسلام اور مسلمانوں کی بہبود کے لیے استعمال کیا لیکن ان کی طاقت اور سطوت کا سب سے بڑا راز صداقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان محکم میں مضمر تھا چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے خلیفۃ اللہ مت کہو۔ میں تو محض خلیفہ رسول ہوں۔ زندگی بھر ان کے سامنے صرف ایک ہی سوال رہا۔ یعنی اس معاملے میں نبی نے کیا حکم دیا تھا یا وہ خود اس معاملے میں کیا کرتے تھے؟

ساری عمر انہوں نے اس اصول سے بال برابر انحراف نہیں کیا۔ اسی جذبہ فنائیت کی بدولت انہوں نے فتنہ ارتداد کا ایسی کامیابی سے قلع قمع کر دیا۔ اگرچہ ان کا عہد حکومت مختصر تھا مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام صحابہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی شخص اسلام کا محسن نہیں ہے۔

''چونکہ پیغمبر اسلام پر ان کا ایمان راسخ بذات خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی زبردست دلیل ہے۔ اس لیے میں نے ان کی زندگی اور سیرت کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے تو وہ کبھی ہرگز ابوبکر جیسے دانشور اور صاحب عقل و خرد انسان کی رفاقت حاصل نہیں کر سکتے تھے'' (ص ر ۸۱)

میں نے بھی میؤر کی کتاب سے یہ دو اقتباسات اس لیے تفصیل کے ساتھ نقل کر دیئے ہیں کہ قارئین یہ اندازہ کر سکیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی اور سیرت دونوں اس قدر شاندار، ارفع، پاکیزہ، اور بے عیب ہیں کہ ایک غیر مسلم بھی جو نہ اسلام کا دوست ہے نہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے۔ ان کی

تعریف وتحسین پر مجبور ہے بلکہ انہیں تمام صحابہ میں سب سے زیادہ مخلص، سب سے زیادہ راست باز، سب سے زیادہ ثابت قدم قرار دیتا ہے انہیں رسول ﷺ اور اسلام کا سب سے بڑا محسن سمجھتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ انہیں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سرکار دو عالم ﷺ کا سب سے بڑا فدائی، سب سے بڑا عاشق اور سب سے بڑا متبع یقین کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر اہل سنت کی طرح انہیں تمام صحابہ میں افضل اور اکمل جانتا ہے اور ان سب باتوں سے بلند تر بات یہ ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایمان اور خلوص کو خود ان رضی اللہ عنہ کے آقا اور مولیٰ ﷺ کی صداقت کی دلیل گردانتا ہے۔

شاید ہی کسی غیر مسلم نے میؤر سے بڑھ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام رفیع کو پہچانا ہو۔

میں نے بہ دلائل عقلیہ وشواہد نقلیہ یہ بات واضح کر دی کہ کاشانی نے جو یہ بات لکھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی کو کسی پر ترجیح نہ دے، سراسر گمراہی اور بطالت ہے اور اہل سنت کے اجماعی عقیدے کے خلاف ہے، اسی ایک بات سے ثابت ہو گیا کہ کاشانی اہل سنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ علام الغیوب تو صرف خدا ہے ہم تو ظواہر ہی پر حکم لگا سکتے ہیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(۲) پھر کہتا ہے کہ ''اگر کسی صحابی کی محبت راجح ہو جائے تو اسے پوشیدہ رکھے''

یہ بات کہہ کر اس نے اپنے آپ کو بالکل ظاہر کر دیا۔ اپنے عقائد کو چھپانا اور پوشیدہ رکھنا یہ ہرگز اہل سنت کا مسلک نہیں ہے بلکہ سبائیہ اور باطنیہ کا مذہب ہے۔

(۳) اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ اہل سنت استعمال نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہی لوگ لکھ سکتے ہیں جن کے قلوب میں زیغ اور کذب راسخ ہو چکا ہو۔ علاوہ بریں اس نے ہر جگہ حضرات علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ کے لیے علیہ السلام کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سنی نہیں تھا کیونکہ تمام اہل سنت کا یہ طریق ہے کہ وہ انبیاء کے لیے علیہ السلام اور صحابہ کے لیے رضی اللہ عنہم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، کاشانی نے اپنی صحابہ دشمنی کا یہاں تک ثبوت دیا ہے کہ اس نے جنید اور بایزید کے نام کے آگے رحمہ اللہ لکھا ہے۔ مگر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے آگے کچھ نہیں لکھا۔ اب ناظرین خود فیصلہ کر لیں وہ کس طائفے سے تعلق رکھتا ہے۔

(۴) اس نے ص ر ۲۷۸ پر لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زہد وورع اختیار

کرنے کی تلقین کی تھی۔ یہ روایت نقلاً اور عقلاً دونوں طرح غلط اور وضع ہے۔ نقلاً اس لیے کہ کاشانی نے اس روایت کی سند بیان نہیں کی ہے اور عقلاً اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر زاہد اور متورع تھے کہ وہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اسوہ حسنہ تھے۔ چونکہ موازنہ ایک نازک امر ہے۔ اس لیے یہیں قلم روکتا ہوں ورنہ اس پر ایک مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔

الحمد للہ میں نے بشواہد و دلائل ثابت کر دیا کہ کاشانی نے صوفی بن کر جاہل اور عالم دونوں قسم کے سنیوں کو گمراہ کرنے کا پورا پورا سامان اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ بقول پروفیسر ہمائی مقدمہ نگار: وہ شیعہ تفضیلیہ تھا اور میری رائے میں وہ شیعہ تھا۔ اس نے تقیہ اختیار کر کے صوفیوں کا لباس پہنا اور اس کتاب کے پردے میں اہل سنت کے دماغوں میں خلاف اسلام عقائد جاگزیں کر دیئے اور چونکہ صوفیوں میں اسلاف کی کتابوں یا ان کے مقولوں پر تنقید خلاف ادب یقین کی جاتی ہے اس لیے اس قسم کے غلط عقائد اور بے سند قصے ہمارے یہاں صدیوں سے مقبول اور مسلم چلے آ رہے ہیں۔

کاشانی نے اس کتاب میں ایک روایت ایسی درج کی ہے جس کی چاشنی سے قارئین کو محروم رکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا اس لیے کہ نزاکت روایت تاب تبصرہ ندارد۔ ہاں مجبوراً ترجمہ کیے دیتا ہوں:

> چنانکہ رسیدہ است کہ وقتے حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے پوچھا: ''کیا آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں پھر حسین نے پوچھا ''کیا آپ اللہ سے محبت رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ یہ سن کر حسین نے کہا ہیہات قلب داندیں دو محبتیں تو جمع نہیں ہوسکتیں۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے اس وقت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا ''اے باپ اگر آپ کو میرے قتل اور اپنے ایمان کے ترک میں اختیار دیا جائے تو آپ کس کو اختیار کریں گے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں ترک ایمان پر قتل کو اختیار کروں گا۔ یہ سن کر حسین رضی اللہ عنہ نے کہا ''خوش ہو جایئے اے باپ کیوں کہ وہ محبت ہے اور یہ شفقت ہے۔''

پروفیسر ہمائی نے اس روایت کی تضعیف یا تردید تو نہیں کی ہے مگر حاشیے میں اتنا ضرور لکھ دیا ہے کہ ''ماخذ ایں روایت معلوم نیست'' (ص ر ۴۰۷)

اب پروفیسر ہمائی کو کون بتائے کہ اللہ کے بندے اس کتاب میں بہت سی روایات ایسی مندرج ہیں جن کا ماخذ نہ معلوم ہے نہ کبھی معلوم ہوسکتا ہے پروفیسر صاحب کسی ''صاحب اسرار'' کی صحبت اختیار کریں تو یہ باطنی علوم شاید ان پر منکشف ہوجائیں۔

کاشانی کی کتاب کے بعد اب ہم ناظرین کو حضرت مولانا محمد عثمان انصاری نقشبندی جالندھری رحمہ اللہ کی تصنیف ''محبت باری'' کی سیر کراتے ہیں۔مصنف کتاب نے جیسا کہ اس کے مترجم مولوی محمد سلیمان صاحب گیلانی نے ''عرض مترجم'' میں لکھا ہے:

> ''سب سے پہلے حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری رحمہ اللہ سے قادری سلسلے میں بیعت کی تھی۔پھر خواجہ محمد اسحٰق رحمہ اللہ سے نقشبندی طریق کی اجازت حاصل کی۔آخری دور حضرت خواجہ باقی باللہ متوفی ۱۰۱۲ء کی خدمات میں گذارا۔یعنی خواجہ محمد عثمان ،حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے پیر بھائی تھے اور غالباً گیارہویں صدی ہجری کے نصف اول میں فوت ہوئے۔اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔'' (ص/۱۵)

فاضل مترجم شریعت اور طریقت دونوں کے جامع ہیں انہوں نے اس کتاب میں جس قدر ضعیف احادیث اور غلط روایات درج ہیں سب کی نشاندہی کی ہے۔اسلامی تصوف میں غیر اسلامی عقائد کی جو آمیزش ہوگئی ہے اس پر ان کا تبصرہ ذیل میں درج کرتا ہوں کیونکہ اس سے میرے دعوے کی تائید وتصدیق ہوتی ہے:

> ''قصہ مختصر آج کل تصوف میں منکر'' کی آمیزش ہوچکی ہے۔طالب کو لازم ہے کہ صوفیہ کی اچھی باتوں کو حاصل کرے ،غلط کو چھوڑ دے اصل دین (اہل تصوف کی کتابیں نہیں بلکہ) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہیں صوفیہ کے جو اقوال کتاب وسنت کے مطابق ہوں ان کو قبول کرلیا جائے اور جو اِن کے خلاف ہوں ان کو چھوڑ دیا جائے۔
>
> محدثین میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو جمع حدیث میں بھی امام ہیں اور راویوں

پر تنقید میں بھی امام ہیں۔ دوسرے وہ جو جمع حدیث میں تو امام ہیں مگر تنقید میں دسترس نہیں رکھتے۔ تیسرے وہ جو جمع حدیث میں امام نہیں مگر نقد روایات میں امام (ماہر) ہیں۔ لیکن صوفیاء میں سے کوئی بھی ان فنون یعنی فن جرح و تعدیل یا فن نقد و تبصرہ یا فن اسماء الرجال کا مرد میداں نہیں ہے ① انتہائی عقیدت کے باوجود جب ہم شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی کتاب غنیۃ الطالبین کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی کافی ضعیف روایات دیکھنے میں آتی ہیں اور بعض موضوع ① روایات بھی اس میں آ گئی ہیں۔ اسی طرح مکتوبات میں بھی کئی ایسی ضعیف روایات آ گئی ہیں جن سے محدثین کے کان تک نا آشنا ہیں۔

کچھ اس طرح کی کیفیت زیر نظر کتاب ''محبت الٰہی'' کی بھی ہے۔ جہاں تک روایت و احادیث کا تعلق ہے اس میں بہت کم صحیح احادیث پائی گئی ہیں۔ بعض احادیث مندرجہ کتاب ضعیف ہیں اور ایک اچھی خاصی تعداد موضوع روایات کی بھی موجود ہے۔''

محبت الٰہی میں جس قدر ضعیف اور موضوع روایات درج ہیں ان میں بعض پر فاضل مترجم نے ''ضمیمہ متعلقہ کتاب محبت'' کے ذیل میں مفصل تنقید کی ہے یعنی پڑھنے والوں کو گمراہی سے بچانے کا پورا انتظام کر دیا ہے۔ (جزاہ اللہ احسن الجزاء) میں یہ پورا ضمیمہ تو نقل نہیں کر سکتا صرف ایک جھوٹی روایت پر ان کی تنقید جذبات ممنونیت کے ساتھ درج کیے دیتا ہوں۔ فاضل مترجم اور ناقد ص ر ۴۹۲ پر لکھتے ہیں:

''کتاب ہذا کے صفحہ ۳۰۶ پر ایک منظوم حکایت بیان کی گئی ہے جس میں آنحضرت

---

① مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ فاضل مترجم کثر اللہ مثلہ نے اخلاقی جرأت سے کام لے کر یہ سچی بات بلاخوفِ لومۃ لائم واشگاف لفظوں میں درج کتاب کر دی۔ میں بھی بائیس سال تک (۱۹۴۵ء۔۱۹۶۷ء) کتب تصوف کا مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کشف المحجوب اور اس کے مصنف دونوں کی عظمت مسلمہ ہے۔ مگر اس میں بھی کئی ضعیف روایات موجود ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ صوفیاء ارباب حال تو تھے مگر محدث اور نقاد رواۃ نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن جوزی نے اکثر صوفیاء پر تنقید کی ہے۔

① میں جسے جھوٹی روایت کہتا ہوں محدثین اپنی اصطلاح میں اسے موضوع کہتے ہیں اور اس کا درجہ ضعیف روایات سے بہت پست ہے۔ یعنی قطعاً نا قابل قبول۔

ﷺ کی اپنی امت پر شفقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن جس طرح آپ ﷺ کی شفقت کا اظہار کیا گیا ہے یا جس طرح کا انداز اختیار کیا گیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں ہے اس میں کئی ایک چیزیں خلاف شریعت آ گئی ہیں۔

اس منظوم حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ تمام رات نماز پڑھا کرتے تھے اور اپنی امت کی سفارش میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک رات آپ کو نیند آ گئی۔ خدا کی طرف سے وحی آئی کہ آپ کو سونا نہیں چاہیے تھا اس جرم کی سزا آپ کو یہ دی جائے گی کہ آپ کی تمام امت کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ سن کر آپ ﷺ شہر سے باہر تشریف لے گئے اور جب تین دن گذر گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو تشویش ہوئی۔ جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ آپ ؓ کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہا نے وحی آنے کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اس کے بعد آپ ﷺ گھر تشریف نہیں لائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم تلاش کے لیے مدینہ سے باہر نکلے ایک چرواہا ملا اس سے پوچھا کہ کہیں ہمارے رسول ﷺ کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا آج تین دن گذر چکے ہیں میری بکریاں گھاس نہیں چرتیں اس پہاڑ کی طرف منہ کر کے کھڑی رہتی ہیں جہاں سے نہایت دردناک آوزیں آتی رہتی ہیں۔ یہ سنتے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم اس پہاڑ کی طرف دوڑے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ سجدے میں پڑے ہوئے تھے آنسوؤں سے زمین پر کیچڑ ہو گئی تھی اور آپ کا چہرا اس میں لت پت تھا اور آپ رو رو کر امت کی بخشش کی دعائیں کر رہے تھے۔ چاروں خلفاء نے علی الترتیب عرض کی کہ آپ سجدے سے سر اٹھایئے ہم نے اپنی تمام زندگی کے نیک اعمال آپ کی امت کی رہائی کے لیے بخش دیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ میں نے جو قرآن جمع کیا ہے اس کا ثواب آپ کی امت کو بخشتا ہوں۔ مگر آپ نے چاروں خلفاء کو ایک ہی جواب دیا کہ اس سے میرا کام نہیں چل سکتا جب خدا کی طرف سے حکم آ چکا ہے کہ میں تیری امت کے تمام افراد کو دوزخ میں ڈال دوں گا تو تمہاری باتوں پر کس طرح اعتبار کر

سکتا ہوں ۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم مایوس ہو گئے تو ایک آدمی کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور انہوں نے آنحضرت سے عرض کی کہ آپ گھر تشریف لے چلیں میں اپنی زندگی کے تمام اعمال آپ کی امت پر نثار کرتی ہوں آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی وہی جواب دیا۔ جب وہ آپ سے مایوس ہو گئیں تو انہوں نے اپنا سر برہنہ کیا اور سجدے میں گر گئیں اور رو رو کر خدا سے دعائیں کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جبریل تشریف لائے اور خدا کی طرف سے آنحضرت کو امت کی بخشش کی خوشخبری سنائی اور کہا کہ خدا نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی اور آپ کی امت کو بخش دیا گیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صرف آپ کی امت کے لیے سفارش کی تھی ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام دنیا کے لوگوں کے لیے سفارش کرتیں تو میں تمام دنیا کو بخش دیتا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع تمام صحابہ رضی اللہ عنہم خوش خوش گھر تشریف لے آئے۔''

اس منظوم حکایت کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد فاضل مترجم نے یہ تبصرہ کیا ہے:

''اس حکایت میں خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں:

(الف) آپ نے تمام رات کبھی بھی جاگ کر نہیں گذاری بلکہ قریباً آدھی رات سویا کرتے تھے اور آدھی رات قیام فرمایا کرتے تھے کیونکہ سورۂ مزمل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ رات کے کچھ حصے میں سویا کریں اور آدھی رات کے بعد اٹھ کر قرآن پڑھا کریں۔ غور کیجیے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی خلاف ورزی دیدہ و دانستہ کر سکتے تھے۔؟

(ب) اس کے بعد یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جرم کی سزا ملے امت کو۔ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(ج) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنے جمع قرآن کے عمل کو پیش کرنا بھی خلاف واقعہ ہے

کیونکہ انہوں نے حضور کی زندگی میں قرآن جمع ہی کب کیا تھا؟

(د) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اپنے سر کو برہنہ کر کے سجدے میں گر پڑنا کہاں جائز ہے؟ حدیث میں آیا ہے کہ جب تک کسی عورت کا سر ننگا رہتا ہے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایسا فعل کر سکتی تھیں جس پر خدا کے فرشتے لعنت کریں؟ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بالغ عورت کی نماز دوپٹے کے بغیر قبول نہیں ہوسکتی۔ تو ان کا سجدہ کیسے قبول کر لیا گیا؟

(ہ) سبحان اللہ کیا مقام ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا! رسول اللہ تو تین دن سے رو رہے تھے۔ آپ کے آنسوؤں کی تو خدا نے لاج نہ رکھی۔ لیکن فاطمہ رضی اللہ عنہا کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی گئی اور وہ بھی اس حیثیت سے کہ ان سے بھول ہوگئی جو صرف امت مسلمہ کی سفارش کی اگر وہ پوری دنیا کی سفارش کر دیتیں تو خدا تعالیٰ تمام دنیا کے کافروں اور مشرکوں کو بھی بخش دیتا جل جلالہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام زندگی اپنے مشرک باپ کی سفارش کرتے رہے مگر وہ نہ بخشا گیا۔ نوح علیہ السلام نے اپنے مشرک بیٹے کی سفارش کی مگر قبول نہ ہوئی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن ابی منافق کا جنازہ پڑھا (یعنی دعائے مغفرت کی) مگر وہ نہ بخشا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ اس کے لیے ستر مرتبہ استغفار کریں گے تو بھی میں اسے نہیں بخشوں گا۔

(د) اس حکایت کی ابتداء میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس ''حدیث'' کو تمام محدثین نے قبول کیا ہے حالانکہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں اس حکایت کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔

(ز) تاریخی لحاظ سے حضور کا اس طرح ایک دن بھی مدینے سے غائب رہنا ثابت نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ سار واقعہ بناوٹی معلوم ہوتا ہے جسے کسی رافضی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے بنایا ہے۔[1]

[1] مقتبس از ضمیمہ محبت باری تعالیٰ ص ۴۹۲ تا ۴۹۹۔

فاضل مترجم کی اس تنقید کے بعد مجھے اپنی طرف سے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے حقیقت پورے طور سے آشکار کر دی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً

اب ہم قلندروں کی محفل میں شرکت کرتے ہیں تا کہ اس جماعت کے علم قلندری سے استفادہ کر سکیں۔ اس کتاب کا نام ہے "تعلیمات قلندریہ" مؤلفہ شاہ محمد تقی حیدر قلندر سجادہ نشین آستانہ کاظمیہ یہ کتاب ان مکتوبات پر مشتمل ہے جو اس سلسلے کے افراد نے اپنے مریدوں اور رشتہ داروں کو لکھے تھے۔

یہ مکتوبات غیر مستند اور غیر معتبر روایات سے معمور ہیں شیخ فرید الدین عطار نے اپنے تذکرۃ الاولیاء میں جس قدر حکایتیں اور داستانیں سپرد قلم کی ہیں۔ ان میں سے کسی کی سند نہیں لکھی۔ لوگوں نے ان غیر مستند داستانوں کو محض شیخ عطار کی شخصیت اور ان کی بزرگی کے پیش نظر قبول کر لیا یا ازراہ ادب سکوت اختیار کیا۔ اس طرح یہ مضرت رساں رسم حلقۂ صوفیہ میں جاری ہوگئی۔ نہ کسی تذکرہ نویس نے اسناد کا التزام کیا اور نہ مرتب ملفوظات نے تحقیق کی زحمت گوارا کی۔ فقہی تقلید نے پہلے ہی سے ذوق تحقیق وتنقید کو مضمحل کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر صوفیانہ تقلید نے پوری کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری قوم ذوق تحقیق سے بیگانہ ہوگئی ممکن ہے ناظرین وقارئین میری اس حق پژدہی اور راست بیانی سے چین بجبین ہوں اس لیے میں ان کے محبوب اور معتمد علیہ شاعر کو اپنی صفائی میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملاّ کے غلام اے ساقی

یعنی اے خدا! میری قوم میں صدیوں سے کوئی محقق پیدا نہیں ہوا۔ صرف صوفیاء اور فقہاء کے غلام (مقلد) باقی رہ گئے ہیں۔

صرف ایک شعر اور سن لیجیے:

حلقۂ شوق میں وہ جرأت رندانہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق!

صوفیوں کے مکتوبات ہوں یا ملفوظات اور صوفیہ کے تذکرے ہوں یا سوانح حیات کسی میں اسناد کا التزام نظر نہیں آتا۔ بس نقل ہے کہ یہ تین لفظ بالکل کافی ہیں ان تین طلسمی الفاظ کے بعد آپ جو چاہیں لکھ دیں۔ قرآن، حدیث، تاریخ، سیرت اور عقل سلیم جس کی چاہیں تردید کر دیں۔ کوئی شخص آپ

پر معترض نہیں ہوگا بلکہ یہ بھی دریافت نہیں کرے گا کہ اس روایت کی سند کیا ہے؟ اس سے پہلے اپنے دعوے پر بہت سے دلائل اور شوائد پیش کر چکا ہوں۔ ایک شاہد اسی تعلیماتِ قلندریہ سے پیش کر کے قارئین کی ضیافت یا تفریح طبع کا سامان مہیا کرتا ہوں پہلے محمد کاظم قلندر کاکوروی کی علمی دستگاہ کا حال بیان کرتا ہوں۔ پھر ان کے مکتوب سے صرف ایک فقرہ نقل کروں گا۔

واضح ہو کہ ''عارف باللہ'' شاہ محمد کاظم قلندر ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے تھے انہوں نے علم درسیہ اپنے زمانے کے بہترین علماء اور اساتذہ مثلاً مُلّا غلام یحییٰ بہاری اور مُلّا حمداللہ سندیلی سے حاصل کیے تھے۔انہوں نے ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

چونکہ اس مضمون کے نوے فیصد پڑھنے والے ان عالموں کے علمی مقام سے ناواقف ہیں۔ اس لیے میں چند سطور اِن کے بارے میں لکھنی بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ واضح ہو کہ مُلّا غلام یحییٰ بہاری اپنے زمانے کے بہت نام آور منطقی تھے انہوں نے میر زاہد پر جو حاشیہ لکھا تھا وہ بقول سید سلیمان ندوی مرحوم درس نظامیہ کی معراج ہے اور اسی لیے عرصۂ دراز سے نصاب سے خارج ہو چکا ہے کہ اب اس کے پڑھانے والے ''مفقود الخبر'' ہو چکے ہیں۔

نوک کی بات یہ ہے کہ جب منطق اور کلام میں خدا نہ مل سکا تو مُلّا بہاری مرحوم نے جنید وقت اور بایزید عصر حضرت اقدس مرزا مظہر جانِ جاناں شہید رحمہ اللہ کے آستانے کی خاک کو طوطیائے چشم بنایا تب کہیں جا کر محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آیا۔ بالکل سچ کہا ہے اقبال رحمہ اللہ نے:

مرا از منطق آید بوئے خامی   دلیل او، دلیلِ ناتمامی
در دلہائے بستہ را کشاید   دو بیت از پیر رومی یا ز جامی

اب رہے مُلّا حمداللہ تو یہ بھی اپنے زمانے کے مشہور منطقی تھے۔ سندیلہ ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے حسن اتفاق دیکھیے کہ انہوں نے اور ان کے ہم عصر قاضی مبارک گوپاموئی دونوں نے سُلّم العلوم کی شرح لکھی اس کے دو حصے ہیں تصورات اور تصدیقات۔ اوّل الذکر کی شرح تصورات موسومہ قاضی مبارک اور آخر الذکر کی شرح تصدیقات موسومہ حمداللہ آج بھی درس نظامیہ میں پڑھائی جاتی ہیں یہ دوسری بات ہے کہ اب ان کے پڑھانے والے بھی خال خال ہی رہ گئے ہیں اور اگر پاکستان میں انگریزی کے اقتدار کا یہی عالم رہا (اور زوال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی) تو وہ دن دور نہیں ہے جب

غلام یحییٰ کی طرح قاضی اور حمد اللہ بھی نصاب سے خارج ہو جائیں گے۔

بازآمدم برسر مطلب:

محمد کاظم کی علمی استعداد کا ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا۔ یہ صاحب اپنے برادر حقیقی میر محمد قلندر کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''اگر اتفاق شود نادِ علی رضی اللہ عنہ'' ہزار بار وقت پاس آخر شب مداومت کنند، لیکن بایں طور کہ برزخ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصورت آفتاب بدست راست وایں فقیر را بدست چپ تا خواندن در تصور دارند بسیار فوائد خواہند شد''۔ ص ر ۱۴۷

یہ ''عارف باللہ'' اپنے بھائی کو ''نادِ علی'' کا وظیفہ پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے یہ ''نادِ علی'' کیا ہے؟ یہ داستان قبل ازیں لکھ چکا ہوں اور واضح کر چکا ہوں کہ مہم تبوک میں قطعاً کوئی جنگ واقع نہیں ہوئی تھی لہٰذا جبریل کا آنحضرت ﷺ کو یہ مفروضہ دعا تلقین کرنا کہ ''**نادِ علیاً مظهر العجائب الخ**'' سراسر بے بنیاد، بے اصل اور دروغ ہے۔ جنگ کا افسانہ اور آنحضرت ﷺ کا یہ دعا پڑھنا بالکل جھوٹ اور بہتان ہے لیکن اس عارف باللہ کو مظفر علی شاہ کی طرح اتنا بھی معلوم نہیں کہ تبوک میں کوئی قتال نہیں ہوا تھا۔ وہ عارف ہونے کے باوجود اس جعلی دعا کو اصلی سمجھ رہا ہے اور اپنے بھائی کو اس کے پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے چونکہ ''عارف باللہ'' ہے اس لیے کس میں ہمت ہے کہ اس کی تردید یا تکذیب کر سکے! اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان عارفوں نے اپنی جہالت کی بدولت کتنے مسلمانوں کو گمراہ کیا ہو گا۔

ان مکتوبات میں بہت سی روایات خلاف شرع اور خلاف عقل درج ہیں۔ دل پر جبر کر کے صرف ایک روایت ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ شاہ تراب علی قلندر، سفیر شاہ اودھ، امیر عاشق علی خاں بہادر کو لکھتے ہیں کہ نقل ہے کہ

''خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا ایک ہمسایہ تھا جو اِن کا پیر بھائی تھا یعنی خواجہ عثمان ہارونی کا مرید تھا جب وہ مرا تو خواجہ صاحب جنازے کے ساتھ گئے اور دفن کے بعد اس کی قبر پر مراقب ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کا رنگ زرد ہو گیا مگر فوراً بحال ہو گیا۔ کسی نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ دفن کے فوراً بعد

عذاب کے فرشتے ان کی قبر میں آن پہنچے مگر اسی وقت میرے پیر بھی آ گئے اور فرشتوں کے منہ پر تھپڑ مار کر بولے کہ خبردار! اسے عذاب نہ دینا کیونکہ یہ میرا مرید ہے'' فرشتوں کو (من جانب اللہ) حکم ہوا کہ خواجہ سے کہو کہ یہ شخص آپ (کی تعلیم) کے خلاف زندگی بسر کر رہا تھا۔ خواجہ نے یہ سن کر کہا تم سچ کہتے ہو لیکن اس نے (زندگی میں) میرا دامن پکڑا تھا۔ (خود را بہ پلّۂ من بستہ است) خواجہ کا یہ جواب سن کر فرشتوں کو یہ حکم ہوا کہ خواجہ کے مرید سے دست بردار ہو جاؤ۔ اسے خواجہ کے حوالے کر دو۔ کیونکہ میں نے اسے خواجہ کو بخش دیا ہے۔ یہ طلسم ہوشربا لکھنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ پس بلاشبہ پیراں شافع مریدان خودمی شوند۔ ص/۱۷۵

میں اس دروغ بے فروغ پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا صرف اتنا لکھوں گا کہ پیر وہ ہستی ہے جس کے سامنے خدا کی بھی کوئی ہستی نہیں ہے۔ **اعوذ باللہ من ذالک الخرافات**

اگر تصوف اسی کا نام ہے اور پیروں کا یہی کام ہے تو ایسے تصوف اور ایسے پیروں سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو محفوظ رکھے آمین یارب العالمین۔

قلندروں کے ان مکتوبات کے مطالعے سے حقیقت عیاں ہے کہ اس طائفے کا ہر فرد مائل بہ تشیع تھا بلکہ تفضیلی عقائد رکھتا تھا یہی وجہ ہے کہ دوسو صفحات کی اس کتاب میں کہیں حضرات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وفاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نہیں ہے حالانکہ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرات شیخین تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ عبدالرحمٰن قلندر لاہر پوری نے، مسعود علی قلندر الہ آبادی کو جو خط لکھا ہے اس میں صاف لفظوں میں مرقوم ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے کیونکہ نبوت قید ہے اور ولایت آزادی ہے۔ چنانچہ مولوی رومی فرماتے ہیں:

کیست مولیٰ؟ آنکہ آزادت کند   بند رقیت زپایت بر کند
زیں سبب پیغمبر باجتہاد   نام خویش وآں علی مولیٰ نہاد ①

چونکہ مکتوب عبدالرحمٰن قلندر مذکور کے اس گمراہ کن اقتباس سے اس کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہنوں میں خلجان اور اضطراب پیدا ہونا یقینی ہے۔ اس لیے اس باب میں رفع اشتباہ اور ازالہ

① ص/۱۲۹۔۱۳۰۔

ضلالت کے لیے اہل سنت کا مسلک بیان کر دینا ضروری ہے۔

(۱) تمام محققین اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت بہر حال ولایت سے افضل ہے۔

(۲) ولایت، غیر قرآنی اصطلاح ہے۔قرآن میں یہ لفظ ''ولایت'' کہیں مذکور نہیں۔

(۳) ولایت علی کا عقیدہ سبائیہ باطنیہ اسماعیلیہ قرامطہ کا وضع کردہ ہے۔اسی فرقۂ ضالہ نے یہ عقیدہ بھی وضع کیا کہ الولایة افضل عن النبوة اور اسی طائفہ باطلہ نے یہ جملہ بعض صوفیاء کی تصانیف میں اپنی طرف سے داخل کر دیا پھر صدیوں تک نقل در نقل ہوتے رہنے کی وجہ سے یہ عقیدہ بعض جاہل سنی صوفیوں میں خصوصاً غیر متشرع خانوادوں مثلاً شطاریہ، قلندریہ، مداریہ، روشنائیہ، رسول شاہیہ وغیرہم میں مقبول بلکہ مدار علیہ بن گیا۔ چونکہ صوفیاء بالعموم اور یہ طائفے بالخصوص علم حدیث، علم تاریخ اور سیرۃ النبی ﷺ سے بیگانہ ہوتے ہیں اس لیے کسی صوفی نے زحمت تحقیق گوارا نہ کی اور رفتہ رفتہ جھوٹ سچ بن گیا۔

(۴) قارئین کی آگاہی کے لیے یہ وضاحت بھی کیے دیتا ہوں کہ قرآن کی رو سے ہر مومن ولی اللہ (اللہ کا دوست) ہے اور خود اللہ ہر مومن کا ولی (دوست) ہے۔ولایت بمعنی دوستی ثمرہ ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ بجالانے کا یہی وجہ ہے کہ عقیدۂ ولایت کا قرآن میں کہیں تذکرہ نہیں ہے اور نہ یہ کوئی منصب ہے جو کسی فرد سے مختص کیا گیا ہو جس طرح نبوت ایک منصب ہے جو ختم نبوت سے پہلے بعض افراد کو عطا کیا جاتا رہا ہے۔

(۵) ولایت کے لیے ''نصب'' مطلق نہیں ہے کیوں کہ یہ کوئی منصب ہی نہیں ہے اللہ جانتا تھا کہ باطل پرست ''ولایت علی'' کا عقیدۂ باطلہ وضع کریں گے اور رسول اللہ کی رسالت کا مقصد یہ قرار دیں گے کہ اللہ نے انہیں لوگوں سے ولایت علی کی بیعت لینے کے لیے مبعوث کیا تھا۔اسی لیے اللہ نے سارے قرآن میں لفظ ولایت (واو کے زیر کے ساتھ) استعمال نہیں فرمایا۔تا کہ ظلمت پرستوں کو قرآن سے کوئی سند نہ مل سکے۔**الحمدللہ ذٰلک من جمیع المومنین**

(٦) قارئین کی تسلی خاطر کے لیے وہ آیت قرآنی ذیل میں درج کرتا ہوں:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾①

---

①سورہ بقرہ:۲۵۷.

''اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لاتے ہیں''۔

(اس دوستی کا ثمرہ یہ ہے کہ) اللہ انہیں (کفر و شرک و بدعات) کی تاریکیوں سے نکال کر (قرآن و ہدایت کی) روشنی میں لے آتا ہے۔

(۷) اللہ سے دوستی کرنے (درجہ ولایت پر فائز ہونے) کے لیے کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر مومن بلا واسطہ ولی اللہ بن جاتا ہے اور اللہ اس کا ولی بن جاتا ہے۔

(۸) رومی رحمہ اللہ کے اشعار کا وہ مطلب ہی نہیں ہے جو یہ فاضل قلندر سمجھا ہے اور نہ رومی رحمہ اللہ ایسی گمراہ کن بات کہہ سکتے ہیں۔ ان کی مثنوی میں اگر کوئی بات قرآن حکیم کے خلاف نظر آئے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ کسی باطنی کی کارستانی ہے یا کسی سبائی کی تدسیس ہے۔

(۹) مولوی رومی کہتے ہیں:

کیست مولا؟ آنکہ آزادت کند بند رقیت زپایت برکند

چوں بآزادی نبوت ہادی است مومناں راز انبیاء آزادی است ①

''مولا (آقا یا ہادی) کون ہے؟ وہ جو تجھے (کفر و شرک کی غلامی سے) آزاد کردے اور غلامی کی زنجیر تیرے پاؤں سے دور کردے چونکہ نبوت آزادی کی راہ دکھاتی ہے۔ اس لیے مومنوں کو انبیاء کی بدولت آزادی کی نعمت حاصل ہوتی ہے''۔

اب قارئین خود غور کرلیں کہ مولوی رومی کیا کہہ رہے ہیں اور یہ لاہر پوری قلندر کیا کہہ رہا ہے رومی صاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ آزادی انسان کو نبوت کی بدولت حاصل ہوتی ہے لیکن قلندر کہہ رہا ہے کہ ولایت کی بدولت حاصل ہوتی ہے نبوت تو قید ہے!

میری رائے میں قلندر مذکور سراسر معذور ہے۔ جب قلب و نظر میں زیغ پیدا ہوجاتا ہے۔ تو انسان ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کیا کرتا ہے۔ یہ تو مثنوی ہے اگر ایسا آدمی قرآن پڑھتا ہے تو اسے اس میں بھی ولایت ہی نظر آتی ہے۔

اگر قارئین میری اس تلخ گوئی کو برداشت کرلیں گے (کیونکہ سچ ہمیشہ تلخ ہوتا ہے) اور ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو وہ یقینا مجھ سے متفق ہوجائیں گے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں اہل

---

① دفتر ششم۔

سنت کی اکثریت کے عقائد میں شرک و بدعت کی آمیزش کا سب سے بڑا سبب یہی غلط روایات ہیں جو صدیوں سے تصوف کی کتابوں میں راہ پا چکی ہیں اور بزرگوں سے منسوب ہو جانے کی وجہ سے شک وشبہ یا تنقید و تحقیق سے بالاتر ہو چکی ہیں۔

یہ شور تو ہر طرف برپا ہے اور یہ کلمہ تو ہر واعظ اور ہر خطیب کی زبان پر ہے، کہ مسلمان قرآن سے بیگانہ ہو چکے ہیں مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ اس بیگانگی کے اسباب کیا ہیں؟ اس کی وجہ میں بتائے دیتا ہوں اگر وہ ماخذ و منبع کی نشاندہی کرنے کی غلطی کریں گے تو ان کی شہرت عزت اور ہر دلعزیزی ایک ہی تقریر کے بعد ختم ہو جائے گی اور چند روز کے بعد ان کی دکان بند ہو جائے گی جسے شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔ **واللہ علی ما اقول شهيد**

''نظام القلوب'' مصنفہ شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی رحمہ اللہ میں حضرت مصنف رحمہ اللہ نے جہاں اور بہت سے اذکار درج کیے ہیں وہاں ص/۳۰ پر یہ بھی ذکر لکھا ہے:

> ''ذکر پنج فرقی۔ جانب ایمن یا محمد، جانب ایسر یا علی، جانب بالا یا فاطمہ، درپیش یا حسن، دردل یا حسین۔''

یہ عاجز اس ذکر کو پڑھ کر سخت حیران ہوا کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر کیسے درج کر دیا یہ تو سراسر خلاف ارشاد خداوندی ہے اس لیے ناجائز بھی ہے اور شرک بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ذکر کو اپنی ذات اقدس سے مختص فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾①

''اور اللہ کا ذکر بکثرت کرو تاکہ تم فلاح پاؤ''۔

پورا قرآن حکیم ذکر اللہ کی تاکید و تلقین سے بھرا ہوا ہے اللہ نے کسی جگہ بھی غیر اللہ کے ذکر کا حکم نہیں دیا ہے کیونکہ غیر اللہ میں تو کسی قسم کی بھی طاقت یا قوت نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ٭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾②

① سورہ جمعہ: ۱۰۔
② سورۃ یونس۔ ۱۰۶ و ۱۰۷۔

''(اے انسان) اللہ کے سوا کسی کو مت پکار۔ جو نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ پس اگر تو غیر اللہ کو پکارے گا تو اسی وقت ظالموں میں سے ہو جائے گا اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں گرفتار کر دے تو اللہ کے سوا کوئی انسان اس مصیبت کو دور نہیں کر سکتا اور اگر اللہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی انسان اس کے فضل کو ردّ نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے بھلائی پہنچاتا ہے اور وہ غفور اور رحیم ہے''۔

سارا قرآن شرک کی مذمت اور توحید کی تلقین سے بھرا پڑا ہے کلمہ طیبہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ پہلے غیر اللہ کی نفی کرو پھر اللہ کا اثبات کرو غیر اللہ میں کوئی قدرت یا طاقت نہیں ہے۔

چنانچہ اکبر الٰہ آبادی لکھتے ہیں:

جو غیر خدا کو مانتا ہے قادر
اکبرؔ بخدا کہ وہ مسلماں ہی نہیں

تصوف تو نام ہی ہے لوح دل سے نقش غیر کو مٹانے کا جو غیر اللہ کے نام کو دل میں جاگزین کرنے کی ہدایت کرتا ہے وہ تصوف نہیں ہے بلکہ سراسر گمراہی اور ضلالت ہے یہ ذکر پنج فرقی وہی تلقین کر سکتا ہے جو غیر اللہ کو قادر یقین کرتا ہو۔ یعنی مشرک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو آنحضرت ﷺ کا ذکر کرنے کا بھی حکم نہیں دیا تو دوسرے افراد کس شمار میں ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر جو دراصل شرک ہے کس طرح اپنی تصنیف میں درج کر دیا۔ اس ذکر کی سند قرآن کے علاوہ کسی حدیث سے بھی نہیں مل سکتی اور مل بھی کیسے سکتی ہے؟ آنحضرت ﷺ قرآن کے خلاف کوئی حکم کیسے دے سکتے ہیں؟

میں پورے یقین کے ساتھ لکھتا ہوں کہ غیر اللہ کے ذکر سے دل میں نور کے بجائے ظلمت پیدا ہوگی اور ذاکر اطمینانِ قلب سے محروم ہو جائے گا۔

کیونکہ اللہ فرماتا ہے ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝۲۸ ﴾①

''آگاہ ہو جاؤ کہ قلوب صرف ذکر اللہ سے اطمینان (سکون) حاصل کر سکتے ہیں''۔

(۵) سیّد سلامت علی شاہ قادری کی تصنیف موسومہ حقائق و معارف القدر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ

①سورۃ الرعد: ۲۸.

قادری سہروردی اور چشتی، ان تینوں سلسلوں کے اکثر و بیشتر افراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصی نبی یقین کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقائد کے سراسر خلاف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے۔ یہ عقیدہ تو عبداللہ ابن سبا بانی فرقہ ضالہ سبائیہ کی ایجاد ہے اور سبائیت کی تمام شاخوں کا اور ان سے جس قدر فرقے نکلے سب کا سنگ بنیاد ہے بلکہ اہل سنت اور سبائیت کے درمیان مابہ الامتیاز ہے۔ جو سنی صوفی خواہ وہ چشتی ہو یا قادری یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وصی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ وہ دوسرے لفظوں میں تینوں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو غاصب تسلیم کرتا ہے خواہ وہ مصلحتاً یا تقیۃً زبان سے اس کا اقرار کرے یا نہ کرے۔

چنانچہ مذکورہ بالا کتاب کا جاہل مصنف آغاز کتاب میں لکھتا ہے:

''ہدیہ سلام علی دریائے ولایت علی ولی وصی نبی صلی اللہ علیہ وسلم، الخ

اس کے بعد لکھتا ہے: وعلی ذریۃ الحسن والحسین الخ

ص/۶ پر یہ رباعی لکھی ہے:

یا رب برسالت رسول الثقلین
یارب بغزا کنندہ بدر وحنین
عصیان مراد حصہ کن در عرصات
نیمے بحسن بخش و نیمے بحسین

پوری کتاب میں حضرات شیخین کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ان پر ہدیہ سلام بھیجنا تو خارج از بحث ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کے اسلوب نگارش اور ایک سبائی کے اسلوب میں کیا فرق پایا جاتا ہے؟ وہ بھی رسول کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتا ہے اور انہیں وصی قرار دیتا ہے۔ اس نام نہاد سنی قادری نے بھی رسول کے بعد یک لخت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے اور انہیں وصی قرار دیا ہے۔

اس کتاب کی دوسری جلد میں صفحہ ۱۳۷ پر یہ غیر اسلامی عقیدہ درج ہے:

''معدن الجواہر میں ایک روایت نقل کی گئی ہے ① کہ مقتدائے زماں امین خاں سے منقول ہے کہ ایک رات میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ حضرت قطبی ابوالفتح شاہ

① اس نام کی ایک کتاب شیخ عطار سے بھی منسوب ہے مگر یہ وہ نہیں ہے بلکہ یہ کسی ہندی باطنی کی تصنیف کثیف ہے۔

شمس الدین شیخ محمد شریف قادری ملتانی کو دیکھا کہ دایاں ہاتھ بند کیے ہوئے میرے سامنے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میری ہتھیلی کو دیکھ۔ جب میں نے ایسا کیا تو پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا محمد کو۔ فرمایا: اب پھر دیکھ۔ میں نے پھر ہتھیلی کی طرف دیکھا۔ پوچھا: اب کسے دیکھا؟ میں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ کو۔ فرمایا: پھر دیکھ۔ میں نے پھر دیکھا: فرمایا چہ دیدی؟ کیا دیکھا یا کسے دیکھا؟ میں نے کہا: عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو۔ فرمایا تجھ پر لازم ہے کہ کبھی ان تینوں میں فرق نہ کرنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، علی رضی اللہ عنہ، اور عبدالقادر رحمہ اللہ یہ تینوں بظاہر تین وجود نظر آتے ہیں مگر باطناً (باعتبار باطن) ایک وجود ہیں! اور معیت تام رکھتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو یہ اعتقاد رکھے اور ناقص ہے وہ جو اس کے خلاف (ان کو تین) سمجھے......

شاہ نعمت اللہ کرمانی (شیعہ صوفی) نے بھی اپنے اس شعر میں اسی معنی کو واضح فرمایا ہے:

مصطفیٰ را مرتضیٰ دان ، مرتضیٰ را مصطفیٰ

خاک در چشم دو بینان دغا باید زدن

یہ روایت مذکورہ بالا (کہ تینوں ایک ہیں) ان احادیث مندرجہ ذیل کی روشنی میں معیت تام پر دلالت کرتی ہے۔

(الف) لحمکَ لحمی وَدمکَ دَمی (تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے)

(ب) انا و علیٌ من نورٍ واحدٍ (میں اور علی ایک ہی نور سے (مخلوق) ہیں

(ج) اَنَا اَنْتَ و انت انا یا علی (اے علی میں تو ہوں اور تو میں ہے)①

یہ روایت تو میں نے دل پر جبر کر کے نقل کر دی، اب اس پر تنقید کرنے کے لیے فولاد کا جگر کہاں سے لاؤں؟ اگر حضرت قطبی ملتانی زندہ ہوتے تو ان سے عرض کرتا کہ یا حضرت! اس عقیدے میں اور نصاریٰ کے عقیدے میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ باپ، بیٹا اور روح قدس اگرچہ ظاہراً تین ہیں مگر باطناً ایک ہیں۔

عجیب بات ہے کہ اللہ تو یہ فرمائے کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ

① انتہیٰ بالفاظہٖ ص ۳۳۸/ جلد دوم۔

اللہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ﴾ اور آپ یہ کہیں کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ بہت مبارک ہے!

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ مزعومہ احادیث جن سے آپ نے معیت تامہ پر استدلال کیا ہے اہل سنت کی مسلمہ ومتداولہ کتب احادیث میں سے کون سی کتاب میں مندرج ہیں؟ یا ان کی سند کیا ہے؟

یہ عاجز بڑے ادب مگر بڑے وثوق کے ساتھ یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہے کہ انہی روایات کا کرشمہ ہے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں حیدر آباد دکن، گلبرگہ، اورنگ آباد، پیران کلیر، بریلی، بدایوں، دہلی، اجمیر، دیوہ، ردولی، کچھوچھ، ماہریرہ، لاہور پاک پتن، ملتان، اُچ، جلالپور پیر والا، سیہون، درازہ، حجرہ شاہ مقیم اور بھٹ شاہ کے اکثر مزارات سبائیت اور باطنیت کے فروغ وشیوع کے مرکز بن گئے ہیں۔

نیز یہ مسکین بصمیم قلب، اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس دور عقلیت میں اگر دین اسلام سے واقف مسلمان تصوف اور صوفیوں سے بدظن نظر آتے ہیں اور تصوف کو ''بے راہ روی'' سے تعبیر کرتے ہیں تو حق بجانب ایشان است۔ کیونکہ انہیں نہ اس کی ضرورت ہے نہ فرصت ہے کہ وہ اس عاجز کی طرح قوت لایموت اور رزق مایحتاج پر قناعت کر کے بیس بائیس سال تک گوشہ میں بیٹھ کر تیسری صدی ہجری سے لے کر تا عصر حاضر تصوف کی تمام کتابوں کو کھنگالیں اور کھوٹے کو کھرے سے جدا کریں اور اس کے صلے میں غیروں کی گالیاں اور اپنوں کے طعنے سنیں۔

الحمد للہ کہ یہ عاصی وکم سواد، قرآن وحدیث کے مطالعے کی بدولت اس حقیقت سے آگاہ ہو چکا ہے کہ تصوف شرعی اصطلاح میں احسان کا معروف نام ہے (اگرچہ بدنام ہو چکا ہے) اور دراصل عبارت ہے تزکیۂ نفس سے۔ جو مقصود حیات بھی ہے اور بعثت نبوی کی غائت بھی ہے۔ اس لیے یہ طریق در ہمہ حال۔ مقید بالکتاب اور مشید بالسنۃ رہنا چاہیے۔ اس لیے تینوں کو ایک سمجھنا نصرانیت یا باطنیت کی تعلیم تو ہوسکتی ہے۔ اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اعوذ باللہ من ھذہ الخرافات

(۶) اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنی ذات پاک کو مومنوں کی محبت کا مرکز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾①

① سورۃ البقرۃ: ۱۶۵۔

''جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں (ان کی شناخت یہ ہے) کہ وہ اللہ کی محبت میں بغایت شدید ہوتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مرکزِ محبت مومنین اس لیے بنایا ہے کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کی راہ میں قربان کر سکیں کیونکہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ اپنے محبوب پر اپنی جان اور اپنا مال بخوشی قربان کر دیتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جو فضیلت حاصل ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہی بذل اموال فی سبیل اللہ ہے۔ چنانچہ کوئی صحابی اس وصف خاص میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہمسر نہیں ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس پر شاہد ہے:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ①﴾

''اور یقیناً (اس آگ سے وہ) سب سے بڑا پرہیز گار (متقی) دور رکھا جائے گا جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے''۔

یہ آیت جیسا کہ تمام مفسرین نے لکھا ہے:

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اس لیے ''اتقی'' (سب سے بڑا متقی) کا مصداق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اب اس آیت پہ غور کرو۔

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ﴾②

بلاشبہ اللہ کی بارگاہ میں تم لوگوں میں سب زیادہ مکرم (افضل) وہ ہے جو تم لوگوں میں سب سے بڑا متقی ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (سب سے زیادہ معزز ہیں) اسی لیے تمام مفسرین، محدثین، فقہاء اور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ افضل الصحابہ رضی اللہ عنہم اور اس لیے انبیاء کے بعد، افضل الناس ہیں۔

پیروانِ ابن سبا نے مسلمانوں پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اللہ کے بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی محبت کا مرکز بنا دیا اور اس مقصد کے لیے بہت سی روایتیں وضع کی گئیں۔ جن میں سے ایک ذیل میں

---

①سورہ لیل: ۱۸،۱۷۔ ②سورۃ الحجرات: ۱۳۔

درج کی جاتی ہے:

قاضی نور اللہ شوستری (مقتول بحکم جہانگیر در ۱۰۱۹ھ) نے اپنی مشہور تصنیف حقائق الحق جلد ہفتم ص/۱۵۲ میں یہ روایت درج کی ہے:

اذا سمعت الندا من قبل اللہ یا محمد من تحب ان یکون معک فی الارض؟ فقلت احب من یحبه العزیز الجبار یامر بمحبته۔ فسمعت النداء من قبل اللہ یا محمد احب علیا فانی احبه واحب من یحبه۔ فبکی جبریل قال لو ان اهل الارض یحبون علیا کما تحبه اهل السماء ما خلق اللہ النار"۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ شب معراج میں اللہ کے سامنے یہ ندا سنی گئی کہ اے محمد ﷺ تو کس سے محبت کرتا ہے کہ وہ دنیا میں تیرا رفیق ہو؟ میں نے کہا میں اس سے محبت کروں گا جس سے العزیز الجبّار (خدا) محبت کرتا ہے اور اس کی محبت کا مجھے حکم دے پس میں نے اللہ کے سامنے یہ ندا سنی کہ یا محمد ﷺ تُو علی سے محبت کر کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اور جو شخص اس سے محبت کرے اس سے (بھی) محبت کرتا ہوں۔ یہ سن کر جبریل رونے لگے اور کہا کہ اگر اہل زمین بھی علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے جیسے کہ اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں تو اللہ دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا''۔

فرقہ سبائیہ نے یہ روایت وضع کی اور ان کے جانشینوں یعنی باطنیہ نے صوفیوں کا لبادہ اوڑھ کر اس روایت کو سنیوں کے دماغوں میں جا گزیں کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اکثریت ایزد پرستی کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہو گئی اور اللہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور انہوں نے اللہ کے بجائے ایک شخص کو اپنی محبت کا مرکز بنا لیا۔ چنانچہ شاہ تراب علی قلندر کاکوری اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''حبّ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ در ضمیر ماست کہ ہم از اولاد آنحضرت ایم وہم سلسلہ مشائخ ماب آنحضرت می رسد چگونہ مراحب آں جناب نباشد؟ شما در تعصب مذاہب گرفتار نباشند۔ انچہ مذہب حنفیہ است براں باشند''①

① تعلیمات قلندریہ ص/۱۷۷۔

شاہ صاحب کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حب علی ان کا خمیر ہے۔ اب معمولی عقل والا بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ انسان جسے محبوب رکھتا ہے اسی کو سب انسانوں میں افضل اور اعلیٰ اور برتر یقین کرتا ہے۔ یہ عقلاً ناممکن ہے کہ ایک شخص محبوب تو رکھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور افضل یقین کرے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو، پس جو شخص فی الجملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتا ہے وہ اہل سنت والجماعت کے دائرے سے باہر ہے کیونکہ تشیع اور تسنن میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ شیعہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں۔ اور سنی حضرات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور اور مستند تصنیف ''تکمیل الایمان شرح'' شرح عقائد نسفی میں یوں رقمطراز ہیں:

"و الخلفاء الأربعة افضل الأصحاب و فضلهم علی ترتیب الخلافة"①

چاروں خلفاء تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں اور ان چار کی بزرگی ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے یعنی پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

باز آمدم بر سر مطلب:

شوستری نے جو روایت نقل کی ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک شخص سے محبت کرتا ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم ناطق باصواب ہے کہ

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ②﴾

''بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو قتال کرتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں''۔

اب مسلمانوں کو اختیار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو تسلیم کریں یا شوستری کی نقل کردہ روایت کو، میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا ہاں اقبال کے مرشد معنوی حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کی ایک رباعی نقل کیے دیتا ہوں جو ایک مقالے سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔

سر رشتہ اتحاد ہم سے چھوٹا آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا

① اردو ترجمہ تکمیل الایمان ص/ ۶۸۔
② سورہ صف: ۴۔

قرآن کے اثر کو روک دینے کے لیے ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

ایک شعر مرید کا بھی درج کیے دیتا ہوں:

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی ①

(۷) سید محمد گیسو② جن کا مزار گلبرگہ (دکن) میں ہے اپنی مشہور تصنیف جوامع الکلم میں لکھتے ہیں کہ:

''خلافت آنحضرت ﷺ بردوگونہ است ، یکے خلافت صغریٰ کہ مراد از خلافت ظاہری است۔ دوم خلافت کبریٰ کہ مراد از خلافت باطنی است ومخصوص بحضرت علی است۔''

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ سید صاحب نے یہ تقسیم کس بنیاد پر کی ہے۔ قرآن حکیم یا کسی صحیح حدیث سے تو اس کی تائید ہرگز نہیں ہوتی۔ قرآن میں صرف ایک ہی قسم کی خلافت کا ذکر ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾③

(صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب ہے) اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا (خلیفہ بنائے گا زمین میں) جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور ان کے لیے جس دین کو اس نے پسند کیا ہے ضرور مستحکم کر دے گا اور یقیناً ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

جیسا کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے۔ یہ تینوں وعدے حضرات شیخین رضی اللہ عنہم کے مبارک عہد

---

① علامہ محمد اقبال۔

② گولکنڈے کا آخری شیعہ بادشاہ ابوالحسن المعروف بہ تاناشاہ، شاہ راجو قتال کا نہایت مخلص مرید تھا جو گیسودراز کی اولاد میں سے تھے۔ چونکہ کوئی شیعہ بقائمی ہوش وحواس کسی سنی کا مرید نہیں ہوسکتا۔ اس لیے راجو قتال کے شیعہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور گیسودراز کا مذہب ان کی مذکورہ بالا تقسیم سے ظاہر ہے

③ سورہ نور: ۵۴.

میں پورے ہو گئے۔ اس خلافت ارضی کے علاوہ قرآن حکیم میں نہ صغریٰ کا ذکر ہے نہ کبریٰ کا اور نہ ظاہری کا بیان ہے نہ باطنی کا۔ جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں ''باطنیت'' کا تصور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ تو سبائیہ، اسماعیلیہ، قرامطہ، باطنیہ کے دماغوں کی اپج ہے اور اسی لیے اسے باطنیہ کہتے ہیں۔ سید گیسودراز بھی انہی باطنیہ کے ہمنوا نظر آتے ہیں اور مجھے اس فصل میں یہی دکھانا ہے کہ باطنیہ کے عقائد اکثر سنی صوفیوں کے دل و دماغ میں راسخ ہو چکے ہیں۔

(۸) چونکہ باطنیہ کے تمام بنیادی عقائد (BASIC DOCTRINES) قرآنی تعلیمات کے خلاف ہیں اس لیے انہوں نے سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول کی کہ جس طرح ہو سکے اہل سنت کو قرآن سے بیگانہ بنا دیا جائے تاکہ وہ غیر قرآنی عقائد کو قبول کر سکیں اس مقصد کے لیے انہوں نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ تصوف کا لباس زیب تن کیا① اور صوفی بن کر اپنے عقائد عوام اہل سنت میں شائع کر دیئے۔ دوسرا کام یہ کیا کہ علم الاعداد ایجاد کر کے اسے حضرت علی سے منسوب کر دیا۔ ہر عدد کو خاص تاثیر کا حامل قرار دیا اور تعویذ و طلسم لکھ کر عوام میں تقسیم کرنا شروع کیے۔ اس طرح عوام ان کے معتقد ہو گئے اس کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے نقوش مرتب کیے اور ان

---

① اگرچہ اس کے شواہد قبل ازیں پیش کر چکا ہوں تاہم ایک شاہد اور پیش کیے دیتا ہوں:
''رسالہ در حقیقت دین'' مصنفہ شہاب الدین شاہ ولد شاہ علی شاہ (باطنیہ نزاریہ شاخ کا ۴۷ واں امام) کے دیباچے میں پروفیسر آئی وے ناف لکھتا ہے۔ ''یہ بات بخوبی مشہور ہے کہ فرقہ اسماعیلیہ نے ایران میں مجبوراً اپنی تصانیف کو فلسفہ تصوف کے لباس میں مخفی کیا اور بلا شبہ فلسفہ اسماعیلیت اور فلسفہ تصوف میں بہت سے امور مشترک ہیں۔'' یہ رسالہ فارسی میں ہے آئی وے ناف نے اس کا دیباچہ انگریزی میں لکھا ہے۔ ۱۹۳۳ء میں بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ میں قصداً اس رسالے سے تین اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں تاکہ میرا دعویٰ ثابت ہو سکے کہ باطنیہ نے تصوف کے پردے یا لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی اور سنی صوفیوں نے ان کے عقائد کو دانستہ یا نادانستہ طور پر اختیار کر کے اسلامی تصوف کو کفر و اسلام کا ملغوبہ بنا دیا اور اب غیر اسلامی عقائد کو تصوف سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ گوشت کو ناخن سے جدا کرنا۔

(الف) فصل پنجم در معرف: در حدیث قدسی می فرماید ''اے محمد! اگر تو نبودے آسمانہا را خلقت نمی کردم۔ دور جائے دیگر است'' ''اگر علی نبودے ترا خلقت نمی کردم'' از آیت چناں معلوم می شود کہ اگر رسول، ولایت او را ظاہر نمی ساخت، رسالت ناقص بود پس ایں ہم اسباب آفرینش و ارسال رسل و انزالِ کتب برائے شناختن او (علی) بود''۔ ص ر ۱۳

(ب) اے جلوۂ حق! چہ طور آشکارا شدی کہ ہمہ فکر ہا در تو متحیر ماندند خوشا جمالِ ازل خویش را پنہاں ساختی و ایں طور آشکارا شدی کہ جمعے خدایت خواندند'' ص ر ۲۱

(ج) محمد و علی ہر دو یک نور بودند...... درمیان مردم بدو لباس جلوہ نمودند'' ص ر ۲۴۔

سے غیر معمولی فوائد منسوب کر دیئے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد تصوف اور تعویذ لازم وملزوم ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآنی آیات پر عمل کرتے تھے ان باطنی صوفیوں کے زیر اثر آ کر مسلمانوں نے قرآنی آیات لکھ کر گلے میں ڈالنا شروع کر دیا۔

جو قرآن مجید تہران سے ۱۳۳۷ء خورشیدی میں شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے نقوش بھی درج کیے گئے ہیں چنانچہ صفحہ ۱۰۸ پر یہ عبارت بھی مرقوم ہے:

"نقل است از خاتم المجتہدین شیخ بہاؤالدین عاملی کہ ہر کہ در عمر خود یک بار بر ایں شکل نظر کند آتش دوزخ بروئے حرام گردد"

وہ شکل یہ ہے:

ھلح ھلح	ھلح ھلح

میں نے افادۂ عام کے لیے یہ شکل بجنسہٖ نقل کر دی ہے اس نوعیت کے نقوش اس قرآن کے ص/۱۰۲ سے ۱۱۰ تک کثیر تعداد میں درج کیے گئے ہیں۔ میں اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب نقش مرقومہ بالا کے صرف ایک مرتبہ دیکھ لینے سے دوزخ کی آگ حرام ہو جائے گی۔ تو قرآن مجید کی تلاوت یا اس کے سمجھنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی۔

رفتہ رفتہ مسلمان اس طلسم میں گرفتار ہو گئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک کتاب نظر سے گزری جس کا نام دار النظیم ہے۔ یہ کتاب امام الفن عبداللہ بن یافعی الیمنی کی تصنیف ہے اور مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۸۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں ص/۶۱ پر "اسم اعظم" بایں صورت مرقوم ہے:

☆ ااا ⊟ مے اااا خ ج ھا

اس کے ساتھ ایک نظم بھی لکھی ہے جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب کر دیا ہے ص/۱۲۶ پر بضمن خواص سورۂ نور یہ عبارت مرقوم ہے جسے میں بجنسہٖ نقل کیے دیتا ہوں۔ ترجمہ کرنے سے قصداً احتراز کرتا ہوں:

”من کتبها وجعلها فی فراشهه الذی ینام فیه لم تحیلم ابداً وان کتبت بماءِ زمزم وشربها انقطع عنه شهوة الجماع وان جامع لم یجد لذته۔“

غالباً یہ مصرع انیس کا ہے:

دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے

میں اس میں قدرے تغیر کر کے کہتا ہوں:

دل صاحب ایمان سے انصاف طلب ہے
قرآں سے یہ دل لگی! اف کیسا غضب ہے

قرآن حکیم پر یہ ظلم تو شاید کافروں نے بھی نہیں کیا ہوگا جو اس امام الفن نے کیا بہر حال باطنی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ آج مسلمانوں میں قرآن کی جو حیثیت رہ گئی ہے اسے اقبال کے لفظوں میں بیان کرتا ہوں:

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسین او، آساں بمیری

(۹) شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی سلسلہ چشتیہ کے مشہور مشائخ میں سے ہیں۔لیکن انہوں نے اپنے دیوان میں جو مناجات لکھی ہیں اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ”وصی نبی“ تسلیم کیا ہے، اللہ تعالیٰ سے بحق دوازدہ ائمہ شیعہ التجا کی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ شیخ جیلانی رحمہ اللہ کو بھی واسطہ بنایا ہے۔مگر افضل الاولیاء والائمہ بلکہ افضل الصحابہ رضی اللہ عنہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے۔ پوری مناجات تو بخوف طوالت نقل نہیں کر سکتا صرف ایک شعر درج کرتا ہوں:

بحق امامِ علیؓ مرتضیٰ
وصی نبی و ولی خدا

شاہ صاحب چونکہ عالم دین تھے اس لیے یہ حقیقت ان سے مخفی نہیں ہو سکتی تھی کہ اہل سنت اور اہل تشیع میں یہ عقیدہ (کہ علی وصی نبی تھے) مابہ النزاع بھی ہے اور مابہ الامتیاز بھی ہے۔تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا وصی مقرر نہیں کیا۔مگر شاہ صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

صاف لفظوں میں وصی نبی تسلیم کر رہے ہیں۔ بلکہ ایک غزل میں بھی اپنے اسی عقیدے کا اظہار کیا ہے:

ولیء حق، وصی مصطفےٰ دریائے فیضانے

امام دو جہانے، قبلہء دینے وایمانے

اندریں حالات اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شاہ صاحب بظاہر سنی تھے مگر بباطن شیعہ تھے کیونکہ مناجات درکنار انہوں نے اپنے پورے دیوان میں کسی جگہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ ہمارے زمانے میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو بظاہر سنی ہیں مگر حضرات عثمان غنی رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص وتحقیر وتوہین میں شیعہ حضرات کے ہمنوا بھی ہیں اور اس ہمنوائی پر اصرار بھی کرتے ہیں۔

(۱۰) یہ مضمون چونکہ بہت طویل ہو چکا ہے اس لیے دیگر کتب مثلاً گلزار صابری، مناقب المحبوبین، سبع سنابل، تذکرۃ الاولیاء، سیدالاقطاب، مرأۃ الاسرار، جامع السلاسل، حبیب السیر، شواهد النبوت، روضته الصفا، مقصد اقصیٰ، تحفة الراغبين، بهجة الاسرار، زبدة الحقائق اور جوامع الکلم وغیرھم میں جو غلط روایات درج ہیں ان کی تفصیل سے قلم کو روکتا ہوں ان کتابوں کی اکثر روایات بالکل غلط ہیں اور اکثر روایات بہت ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں، کسی روایت کی سند بیان نہیں کی گئی ہے۔ صرف ''منقول است'' کے نسخہ مجرب پر عمل کیا گیا ہے۔

آخر میں ملّا علی قاری کی مشہور کتاب موضوعات سے چند اقتباسات درج کر کے اس موضوع کو ختم کرتا ہوں:

(الف) سیرۃ النبی کا اوّلین مصنف ابن اسحاق چونکہ شیعہ تھا اس لیے اس نے اکثر ایسی روایتیں بھی درج کر دیں جن سے اس کے مذہب کی تائید ہو سکے مثلاً خیبر کا دروازہ اکھیڑنے کی روایت۔

(ب) کنت کنزاً مخفیاً حدیث نہیں ہے ①

(ج) تاریخوں میں خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خطبہ نہ دے سکنے کی روایت بھی غلط ہے۔

(د) کان اللہ ولم یکن معہ شیء، یہ بھی حدیث نہیں ہے۔

(ہ) ائمۃ الحدیث کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حسن بصری کی ملاقات اور تحصیل علم ثابت نہیں ہے۔

① اکثر صوفیاء اسے حدیث سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفی، شاعر اور عاشق بالعموم محدث نہیں ہوتے۔

فان أئمة الحدیث لم یثبتو اللحسن البصری من علی سماعاً

(و) خرقہ صوفیہ والی روایت کی خدا نے معراج میں آنحضرت ﷺ کو ایک خرقہ عطا کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ جو صحابی اس کا حق ادا کر سکے اسے پہنا دینا آنحضرت ﷺ نے حضرات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرداً سوال کیا کہ اگر یہ خرقہ تم کو دوں تو کیا کرو گے؟ ان کے جوابات سے آپ مطمئن نہ ہو سکے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب سے مطمئن ہو گئے کہ واقعی تم اس کا حق ادا کر سکو گے ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یہ روایت بالکل غلط ہے۔ اور معاندین صحابہ رضی اللہ عنہم کی وضع کردہ ہے۔

(ز) یہ روایت کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز قضا ہو گئی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے آفتاب کو حکم دیا کہ غروب ہونے کے بجائے رجعت کر اور عصر کے وقت پر قائم ہو تا کہ نماز عصر وقت پر ادا کر سکیں، بھی غلط ہے۔ ①

(ح) یہ روایت کہ حجۃ الوداع کے بعد آنحضرت ﷺ نے مجمع عام میں فرمایا کہ ''علی میرا وصی ہے'' قطعاً غلط ہے اور بے بنیاد ہے۔

(ط) یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ نے ام المومنین سیدۃ نساء العالمین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ ''علی کے خلاف خروج مت کرنا''۔

پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ عائشہ خروج کرے تو تم ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا سراسر کذب اور افترا ہے اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کے دشمنوں کی وضع کردہ ہے۔

(ی) یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ اسرار اور باطنی علوم سکھائے تھے جو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نہیں سکھائے۔ بالکل غلط ہے ②

---

① یہ عاجز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عزت ملحوظ خاطر رکھ کر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ رجعت شمس اگر ہوتی تو اس دن ہوتی جب خود آنحضرت ﷺ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں۔ لہٰذا اس روایت پر عقلی اعتبار سے وہ اعتراض لازم آتا ہے جسے ارباب منطق ترجیح بلا مرجح کہتے ہیں۔ فافهم وتدبر۔

② یہ کم سواد عرض کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بحیثیت رسول ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اسلام میں کوئی سر (بھید) نہیں۔ کوئی راز نہیں، کوئی اخفا نہیں، کوئی رمز و کنایہ نہیں۔ برعکس ایں اس کی تعلیم بالکل واضح بین اور عیاں ہے اور اس کی پیش کردہ کتاب بھی بالکل واضح اور روشن اور جلی ہے۔ چنانچہ ''تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ'' میرے دعوے پر شاہد ہے۔ یہ اسرار و رموز تو باطنیہ نے اسلام میں داخل کیے ہیں جن میں جہلا گرفتار ہو گئے اور اللہ و رسول سے بیزار ہو گئے۔ (یوسف)

ملا علی قاری کے اس قول پر کہ ''روافض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں صرف ۳ لاکھ روایات وضع کی تھیں'' اس اقتباس کو ختم کرتا ہوں۔

میرا مقصد اس اقتباس سے یہ ثابت کرنا تھا کہ میں نے جو کچھ اس بحث میں لکھا ہے اس کی تائید وتوثیق ایک ایسے ماہر فن کی طرف سے ہو جائے جس نے اپنی ساری عمر احادیث کے پرکھنے میں گزاری تھی۔ اگر ناظرین ملائے موصوف کی کتاب کا مطالعہ کر لیں تو جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ اس سے زیادہ خود لکھ سکیں گے بشرطیکہ تعصب مانع نہ ہو جائے۔

استدراک:

بخوف طوالت میں نے علم الاعداد کا تعارف نہیں لکھا۔ اب خیال آیا کہ اتنی وضاحت ضرور کر دینی چاہیے کہ باطنیہ نے یہ علم ایجاد کیوں کیا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے عوام کے اذہان وقلوب کو کسی قیل وقال کے بغیر بہت جلد اور بہت آسانی سے متاثر کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں اس کی چار مثالیں درج کرتا ہوں:

(۱) شیعوں کی بارہویں مزعومہ امام کی پیدائش ۲۵۶ھ میں بیان کی جاتی ہے، اس کی عظمت روحانی کا ثبوت برہان کے بجائے علم الاعداد کی مدد سے مہیا کیا گیا ہے۔ عوام کو بتایا گیا کہ دیکھو! ''نور'' کے عدد بھی ۲۵۶ ہیں اس لیے ثابت ہوا کہ وہ نور ہے۔

(۲) بہاء اللہ (بانی مذہب بہائی) نے ۱۲۶۱ھ میں ''ظہور حق'' ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے پیروؤں نے عوام کو مسحور کرنے کے لیے دلیل یہ دی کہ دیکھو! یہ ظہور الحق (بہاء اللہ کے لقب) کے عدد بھی ۱۲۶۱ ہی ہیں۔

(۳) ی کے عدد ۱۸ اس لیے ۱۴ معصومین اور چار ابواب یعنی یہ ۱۸/افراد بھی زندہ ہیں۔

(۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حروف ۱۹ ہیں۔ اس لیے ۱۹ کا عدد مبارک ہے اسی لیے بہائیوں کا مہینہ ۱۹ دن کا ہوتا ہے۔

(۵) چونکہ ۹ کا عدد کامل ہے اسی لیے جس شہر میں ۹ آدمی بہائی ہو جائیں وہاں بہائی محفل قائم کی جا سکتی ہے۔[1]

---

① ماخوذ از ''باب کی نئی تاریخ مؤلفہ براؤن ضمیمہ دوم ص/۳۲۸ تا ص/۳۳۹)

قارئین کی آگاہی کے لیے مختصر طور پر یہ کہے دیتا ہوں کہ باطنیہ نے اپنا مذہب جن فلسفیانہ افکار وتصورات کی مدد سے مدوّن کیا تھا ان میں فیثاغورث کے افکار بھی شامل تھے اور جیسا کہ فلسفے کے ہر طالب علم کو معلوم ہے، فیثاغورث نے اپنے فلسفے کی بنیاد اعداد پر رکھی تھی اور یہ قول کے ۹ کا عدد کامل ہے اسی کا ہے مزید معلومات کے لیے مغربی فلسفے کی کسی مستند تاریخ کا مطالعہ کرلیا جائے۔

اس عاجز نے اس مضمون میں کئی جگہ یہ لکھا ہے کہ:

(الف) صوفیاء بالعموم صیرفئ حدیث نہیں ہوتے اس لیے اکثر مواقع میں مقولے اور حدیث میں فرق نہیں کر سکتے۔

(ب) بزرگان سلسلہ کے ملفوظات پر تنقید سوء ادب سمجھتے ہیں یعنی جو باتیں ان سے منسوب کر دی جاتی ہیں انہیں بلا تحقیق قبول کر لیتے ہیں۔

چونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ قارئین میرے اس رجحان یا نقطہ نظر کو گستاخی پر محمول کریں گے اور اس طرزِ بیان کو ''چھوٹا منہ بڑی بات'' سے تعبیر کریں گے اس لیے میں ذیل میں ایک ایسے شخص کے ارشادات درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اگر ایک طرف دار العلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھا تو دوسری طرف سلوک تصوف میں اتنا بلند مقام رکھتا تھا کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ لاہوری نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ میں ان کی کفش برداری کے لائق بھی نہیں ہوں۔ میری مراد حضرت اقدس سیدی ومرشدی شیخ العرب والعجم مولانا الحاج الحافظ سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے ہے جنہوں نے چودہ سال تک مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیا تھا حضرت اقدس اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''صوفیاء کی کتابوں میں ''رجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر'' کو صحیح حدیث کہا گیا ہے۔ لیکن عسقلانی کا قول ہے کہ امام نسائی نے اسے ابرہیم بن عیلہ کا کلام بتایا ہے۔ الفاظ کی رکاکت زبردست قرینہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہوسکتا اور نہ حدیث کی متداول کتابوں میں شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ جیسے متبحر محدث نے دیکھا ہے پس احادیث اور غیر احادیث کا فیصلہ محدثین کے اصول وقواعد کی رو سے کیا جائے گا۔ کیونکہ ہر فن میں صاحب فن کی رائے اگر تسلیم نہ کی جائے تو امان اٹھ جائے گا اور شریعت کا بھرم جاتا رہے گا بیچارے صوفیاء جن پر حسن ظن کا غلبہ

ہوتا ہے بھلا ان حضرات کو تنقید و تفتیش کی کہاں فرصت اور نہ انہیں اس کی عادت ہے۔ پس جو سن لیا یا دیکھ لیا۔ اسے باور کر لیا، ان کے اس حسن ظن سے کسی قول کا حدیث رسول ﷺ ہونا ثابت نہیں ہو جائے گا''۔①

اگر چہ میرے زاویہ نگاہ کی تصویب و تصدیق کے لیے یہی اقتباس کافی ہے۔ تاہم مزید اطمینان کے لیے ایک اقتباس اور پیش کیے دیتا ہوں۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں:

''عرض ہے کہ یہ اکابر (حضرت بابا فرید رحمہ اللہ اور حضرت محبوب سبحانی رحمہ اللہ) علم طریقت اور تصوف کے ائمہ عظام ہیں لیکن علم ظاہر اور شریعت کے امام نہیں ہیں۔ اس کے امام حضرات ابو حنیفہ و محمد و ابو یوسف اور دیگر فقہائے کرام ہیں۔ اس بارے میں (سجدہ تعظیمی کے بارے میں) ان حضرات کا قول و فعل حجت ہوگا۔ حضرات شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ، جنید بغدادی رحمہ اللہ، خواجہ بہاء الدین رحمہ اللہ نقشبند اور خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ کے اقوال، فتاویٰ اور اعمال حجت نہیں ہوں گے۔ اگر چہ یہ حضرات علم طریقت کے سب سے اونچے پہاڑ ہیں۔②

حضرت اقدس رحمہ اللہ کے ان ارشادات اور ان کی ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ

''میرا زاویہ نگاہ بالکل درست ہے۔ **الحمدللہ علی ذلک**''

میں نے اس مضمون میں کئی جگہ اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسماعیلیہ باطنیہ فرقے نے صوفیوں کے لباس میں اپنے خیالات کی اشاعت کی جس کی وجہ سے خالص اسلامی تصوف میں باطنی روایات اور عقائد کی اس طرح آمیزش ہو گئی کہ آج اکثر سنی صوفیاء ان روایات اور ان عقائد کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تائید میں ایک شیعہ مصنف کی کتاب سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں:

پروفیسر سید حسین نصر (تہران یونیورسٹی) نے حال ہی میں ایک کتاب انگریزی میں لکھی ہے جس کا نام ہے IDEALS AND REALITIES OF ISLAM . اسلام کے مطامح نظر اور

① مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ص ر ۳۰۷ و ص ر ۳۰۸)

② مکتوب ۸۸ از مکتوبات شیخ الاسلام رحمہ اللہ جلد سوم ص ر ۲۳۵)

حقائق۔ وہ کہتے ہیں:

''منگولوں کے حملے کے دور میں ایران میں اسماعیلی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس عہد میں اسماعیلیت مستور ہو گئی۔ اور بہت سے علاقوں میں صوفیوں کے سلسلوں میں ظاہر ہوئی (تاکہ اس کے دعاۃ مخالفت سے محفوظ رہ سکیں۔) دراصل اس زمانے میں تصوف اور اسماعیلیت میں اتحاد کی ایک مستقل صورت پیدا ہو گئی تھی جس کا تحقیقی مطالعہ ابھی تک نہیں کیا گیا ہے۔'' ص/ ۶۰۔ ۱۵۹

''اثنا عشری شیعیت میں مذہب کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کو بالخصوص اہمیت دی گئی اور اس اعتبار سے وہ تصوف کے ہمنوا ہیں''۔ ص/ ۱۶۰

''تصوف اور تشیع دونوں کی تعلیم یہ ہے کہ ''نور محمدی'' آدم سے لے کر ہر نبی کی ذات میں موجود رہا ہے''۔ ص/ ۱۶۰

''اسماعیلیت اور تصوف دونوں کی تعلیم یہ ہے کہ اصل اعلیٰ SUPREME (PRINCIPALE) بیک وقت موجود بھی ہے اور فوق الوجود بھی ہے'' ص/ ۱۶۹

پروفیسر مرزا محمد سعید اپنی محققانہ تصنیف ''مذہب اور باطنی تعلیم'' میں لکھتے ہیں کہ

''ہماری رائے میں اس بات کے باور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوسکتا کہ اس مقبولیت سے فائدہ اٹھا کر، جو تصوف کو ایران میں بارہویں صدی سے پندرہویں صدی عیسوی تک حاصل تھی، بہت سے نزاری (اسماعیلی) مبلغ صوفیاء اور درویشوں کے لباس میں عوام کو مسخر کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں''۔ (ص/ ۳۲۸)

نیز اسی صفحے پر لکھتے ہیں:

''یہ مان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوسکتا کہ بعض اسماعیلی مبلغ تصوف کا ظاہری جامہ پہن کر عوام الناس کی ارادت اور عقیدت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور بعض جماعتیں مثلاً: اناطولیا بیکتاشی یا کشمیر کے نور بخشی جو متصوفانہ سلوک اور طریقت کا دعویٰ کرتی ہیں، درحقیقت شیعہ باطنیہ خیالات سے ملوث ہیں۔ (ص/ ۳۲۸)

یادداشت